

انعام الالباری

دروس بخاری شریف

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب عظمیٰ التعالیٰ

جامعہ دارالعلوم کراچی میں درس بخاری شریف دہان
حضرت شیخ الحدیث کی جامع بصیرت افزا اور روح پرور تقاریر

صحیح البخاری : الجزء الثاني

۶۵ - کتاب التفسیر

(۱) سورة الفاتحة - (۲۴) سورة النور

رقم الحديث : ۴۷۵۹ - ۳۳۷۵

جلد - ۱۱

کتاب التفسیر
حصہ اول

ضبط و ترتیب فقہ و مراجعت

محمد انور حسین عفی عنہ

فائزل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مکتبہ الحراء

Ph. 021-35046223, 35159291, Cell: 0300-3360816

E-mail: maktabahera@yahoo.com

website: www.deeneislam.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

انعام الباری دروس صحیح البخاری کی طباعت و اشاعت کے جملہ حقوق زیر قانون کاپی رائٹ ایکٹ 1962ء

حکومت پاکستان بذریعہ نوٹیفکیشن نمبر F.21-2672/2006-Copr

رجسٹریشن نمبر 17927-Copr بحق ناشر (مکتبۃ الحراء) محفوظ ہیں۔

نام کتاب: انعام الباری دروس صحیح البخاری جلد ۱۱
 ناشر: شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ
 ضبط و ترتیب: محمد انور حسین (فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴)
 ناشر: مکتبۃ الحراء، ۸/۱۳۱، ڈبل روم "K" ایریا کورنگی، کراچی، پاکستان۔
 کمپوزنگ: حراء کمپوزنگ سینٹر فون نمبر: 0092 21 35046223
 باہتمام: محمد انور حسین عفی عنہ

ناشر: مکتبۃ الحراء

8/131 سیکٹر 36A ڈبل روم، "K" ایریا، کورنگی، کراچی، پاکستان۔

فون: 35046223 موبائل: 03003360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com & info@deeneislam.com

website: www.deeneislam.com

..... ملنے کے پتے

مکتبۃ الحراء۔ فون: 35159291، 35046223، موبائل: 03003360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com

- ☆ ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار کراچی۔ فون 021 32722401
- ☆ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ پاکستان۔ فون 042 3753255
- ☆ مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون 021 35031565-6
- ☆ ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون 021 35032020
- ☆ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی۔ فون 021 32631861



افتتاحیہ

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم (العالمی)
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا و مولانا
محمد خاتم النبيين و إمام المرسلين و قائد الغر المحجلين ، و على آله و أصحابه
أجمعين ، و على كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين .
أما بعد :

۲۹ رزی الحجۃ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو بندے کے استاذ معظم حضرت مولانا ”منحبات محمول“
صاحب قدس سرہ کا حادثہ وفات پیش آیا تو دارالعلوم کراچی کے لئے یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔ دوسرے بہت سے
مسائل کے ساتھ یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ صحیح بخاری کا درس جو سالہا سال سے حضرت کے سپرد تھا، کس کے حوالہ
کیا جائے؟ بالآخر یہ طے پایا کہ یہ ذمہ داری بندے کو سونپی جائے۔ میں جب اس گرانبار ذمہ داری کا تصور کرتا
تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتی۔ کہاں امام بخاری رحمہ اللہ علیہ کی یہ پرلور کتاب، اور کہاں مجھ جیسا مفلس علم اور
تہی دست عمل؟ دور دور بھی اپنے اندر صحیح بخاری پڑھانے کی صلاحیت معلوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن بزرگوں سے
سنی ہوئی یہ بات یاد آئی کہ جب کوئی ذمہ داری بڑوں کی طرف سے حکماً ڈالی جائے تو اللہ ﷻ کی طرف
سے توفیق ملتی ہے۔ اس لئے اللہ ﷻ کے بھروسے پر یہ درس شروع کیا۔

عزیز گرامی مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہ مالک مکتبۃ الحراء، فاضل و متخصص جامعہ
دارالعلوم کراچی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ تقریر ضبط کی، اور پچھلے چند سالوں میں ہر سال درس کے
دوران اس کے مسودے میری نظر سے گزرتے رہے اور کہیں کہیں بندے نے ترمیم و اضافہ بھی کیا ہے۔ طلبہ کی
ضرورت کے پیش نظر مولانا محمد انور حسین صاحب نے اس کے ”کتاب بدء الوحی“ سے ”کتاب
النکاح“ آخر تک کے حصوں کو نہ صرف کمپیوٹر پر کمپوز کرایا، بلکہ اس کے حوالوں کی تخریج کا کام بھی کیا جس پر ان
کے بہت سے اوقات، محنت اور مالی وسائل صرف ہوئے۔

دوسری طرف مجھے بھی بحیثیت مجموعی اتنا اطمینان ہو گیا کہ ان شاء اللہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی نہ ہوگی، اور اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں گی تو ان کی تصحیح جاری رہ سکتی ہے۔ اس لئے میں نے اس کی اشاعت پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ لیکن چونکہ یہ نہ کوئی باقاعدہ تصنیف ہے، نہ میں اس کی نظر ثانی کا اتنا اہتمام کر سکا ہوں جتنا کرنا چاہئے تھا، اس لئے اس میں قابل اصلاح امور ضرور رہ گئے ہوں گے۔ اہل علم اور طلبہ مطالعے کے دوران جو ایسی بات محسوس کریں، براہ کرم بندے کو یا مولانا محمد انور حسین صاحب کو مطلع فرمادیں تاکہ اس کی اصلاح کر دی جائے۔

تدریس کے سلسلے میں بندے کا ذوق یہ ہے کہ شروع میں طویل بحثیں کرنے اور آخر میں روایت پر اکتفا کرنے کے بجائے سبق شروع سے آخر تک توازن سے چلے۔ بندے نے تدریس کے دوران اس اسلوب پر عمل کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ نیز جو خالص کلامی اور نظریاتی مسائل ماضی کے ان فرقوں سے متعلق ہیں جو اب موجود نہیں رہے، ان پر بندے نے اختصار سے کام لیا ہے، تاکہ مسائل کا تعارف تو طلبہ کو ضرور ہو جائے، لیکن ان پر طویل بحثوں کے نتیجے میں دوسرے اہم مسائل کا حق تلف نہ ہو۔ اسی طرح بندے نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جو مسائل ہمارے دور میں عملی اہمیت اختیار کر گئے ہیں، ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ تعارف ہو جائے، اور احادیث سے اصلاح اعمال و اخلاق کے بارے میں جو عظیم روایات ملتی ہیں اور جو احادیث پڑھنے کا اصل مقصود ہونی چاہئیں، ان کی عملی تفصیلات پر بقدر ضرورت کلام ہو جائے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ بندہ ناکارہ اور اس تقریر کے مرتب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزا ہم اللہ تعالیٰ۔

مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہ نے اس تقریر کو ضبط کرنے سے لیکر اس کی ترتیب، تخریج اور اشاعت میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے، اللہ جلّ جلالہ اس کی بہترین جزا انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائیں، ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اسے طلبہ کے لئے نافع بنائیں، اور اس ناکارہ کے لئے بھی اپنے فضل خاص سے مغفرت و رحمت کا وسیلہ بنادے۔ آمین۔

بندہ محمد تقی عثمانی

جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۳ رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

برطانیق ۲۱ مارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات

عرض ناشر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ رزی الحج۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مورخہ ۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس (کتاب بدء الوحی سے کتاب رد الجہمیۃ علی التوحید، ۹ کتب) ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے گئے۔ یہ سب کچھ احقر نے اپنی ذاتی دلچسپی اور شوق سے کیا، استاد محترم نے جب یہ صورتحال دیکھی تو اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں آجائے تو بہتر ہوگا، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لا کر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، چنانچہ ان دروس کو تحریر میں لانے کا بنام باری تعالیٰ آغاز ہوا اور اب بحمد اللہ اس کی ۱۲ جلدیں ”انعام الباری شرح صحیح البخاری“ کے نام سے طبع ہو چکی ہیں۔

یہ کتاب ”انعام الباری شرح صحیح البخاری“ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ بڑا قیمتی علمی ذخیرہ ہے، استاد موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جس تبحر علمی سے نوازا ہے اس کی مثال کم ملتی ہیں، حضرت جب بات شروع فرماتے ہیں تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے ہیں، علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ عطر ہے وہ ”انعام الباری شرح صحیح البخاری“ میں دستیاب ہے، آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء و تشریحات، ائمہ اربعہ کی موافقات و مخالقات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔ صاحبان علم کو اگر اس کتاب میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور ازراہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلاف کے ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور ”انعام الباری شرح صحیح البخاری“ کے بقیہ جلدوں کی تکمیل کی بآسانی اور توفیق عطاء فرمائے تاکہ حدیث و علوم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

لاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۳ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ بمطابق ۲۱ مارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	غضب نازل ہوا، اور نہ اُن کے راستے جو بھٹکے ہوئے ہیں۔	۳	افتتاحیہ
۶۸		۵	عرضِ ناشر
۶۸	لفظ ”غیر“ کی تفصیل	۳۷	عرضِ مرتب
۶۹	(۲) سورة البقرہ	۵۷	۶۵ - کتاب التفسیر
۶۹	سورہ بقرہ کا بیان	۵۹	تفسیر کا تعارف
۶۹	نزول کے مختلف ادوار	۵۹	تفسیر اور تاویل
۶۹	وجہ تسمیہ	۶۰	کتاب التفسیر کا آغاز حقیقی
	(۱) باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ [۳۱]	۶۰	”رحمن“ اور ”رحیم“ میں فرق
۷۰	اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بیان کہ ”آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔“	۶۲	(۱) سورة الفاتحة
۷۰	مقصود امام بخاری رحمہ اللہ	۶۲	سورہ فاتحہ کا بیان
۷۲	شفاعت کا بیان	۶۲	(۱) باب ما جاء فی فاتحة الكتاب
۷۲	شفاعت کے معنی	۶۲	سورہ فاتحہ کی تفسیر اور فضیلت کا بیان
۷۲	شفاعت کبریٰ	۶۲	اُمّ الكتاب کی وجہ تسمیہ
۷۳	شفاعت صغریٰ	۶۳	سورة الفاتحة کے مختلف دیگر اسماء اور وجوہ تسمیہ
۷۳	”حبسہ القرآن“ کی تفسیر	۶۶	حالت نماز میں نبی ﷺ کو جواب دینے کا مسئلہ
۷۴	(۲) باب:	۶۶	امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کا استدلال
۷۴	یہ باب بلا عنوان ہے۔	۶۶	حنفیہ کا قول
۷۴	ترجمہ و تشریح	۶۶	عظیم سورت
	(۳) باب قوله تعالى: ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ	۶۷	سبع مثانی سے مراد
۷۶	أَنذَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [۲۲]	۶۸	(۲) باب: ﴿غَيْرِ الْمَفْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾
	اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: ”ظہد اللہ کے		باب: ”نہ کہ اُن لوگوں کے راستے جن پر

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۱	باب: ”اگر کوئی شخص جبرائیل کا دشمن ہے۔“	۷۶	ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، جبکہ تم (یہ سب باتیں)
۸۱	مقرب فرشتوں کا اسماء کا مطلب	۷۶	جانتے ہو۔“
۸۳	عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے کا واقعہ	۷۶	شرک: سب سے بڑا گناہ
(۷) باب قولہ: ﴿مَا تَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ		۷۷	پرورش کے خوف سے اولاد کا قتل گناہ عظیم
لُنْسِيهَا نَاتٍ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا﴾		۷۷	پڑوسی کی بیوی سے زناء کا تیسرا بڑا گناہ
۸۵	[۱۰۶]	(۳) باب: ﴿وَوَضَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ	
اس ارشاد کے بیان میں کہ: ”ہم جب بھی کوئی		وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوَى﴾ إِلَى	
آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں	۷۸	﴿يُظِلُّمُونَ﴾ [۵۷]	
تو اس سے یا اسی جیسی (آیت) بھی لے		باب: ”اور ہم نے تم کو بادل کا سایہ	
آتے ہیں۔“	۷۸	عطا کیا، اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا“ آیت	
یہود کا اعتراض و طعن	۷۸	کے آخر تک	
تنخ کی حکمت	۷۸	من و سلویٰ: بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمت کی	
تنخ آیات کے متعلق حضرت عمرؓ اور جمہور کا	۷۹	بارش	
موقف	۷۹	آنکھوں کی بیماریوں کیلئے مفید دوا	
(۸) باب: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا		(۵) باب: ﴿وَإِذْ قُلْنَا اذْخُلُوا هَذِهِ	
سُبْحَانَهُ﴾ [۱۱۶]	۷۹	الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾	
باب: ”یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنا		[۵۸] الْآيَةِ	
یا ہوا ہے، (حالانکہ) اس کی ذات (اس قسم کی		باب: ”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے	
چیزوں سے) پاک ہے۔“	۷۹	کہا تھا کہ: اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس	
اللہ تعالیٰ کے صاحب اولاد ہونے کی نفی	۷۹	میں جہاں سے چاہو جی بھر کر کھاؤ۔“	
(۹) باب: ﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ مَقَامِ	۷۹	بنی اسرائیل کی ناشکری	
إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [۱۲۵]	۸۰	و لفاظ کی تشریح	
باب: ”تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا	۸۱	(۶) باب: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ﴾	
لو۔“		[۹۷]	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۳	[۱۳۲] الآیۃ	۸۸	مقام ابراہیم کی اہمیت و مقام
	اس ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”اب یہ بے	۸۹	موافقات عمر بن خطاب ؓ
	وقوف لوگ کہیں گے کہ آخروہ کیا چیز ہے جس		(۱۰) باب: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ
۹۳	نے ان (مسلمانوں) کو اُس قبلے سے رخ		الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا
	پھیرنے پر آمادہ کر دیا۔“		تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾
	(۱۳) باب قولہ تعالیٰ: ﴿وَكَذَلِكَ	۹۱	[۱۲۷]
	جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ		باب: ”اور اُس وقت کا تصور کرو جب ابراہیم
۹۶	عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرُّسُولُ عَلَيْكُمْ		بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے، اور اسماعیل
	شَهِيدًا﴾ [۱۳۳]		بھی (انکے ساتھ شریک تھے، اور یہ دونوں
	ارشاد باری تعالیٰ کا بیان: ”اور (مسلمانو!)		کہتے جاتے تھے کہ:) اے ہمارے پروردگار!
۹۶	اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنایا		ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے۔ بیشک تو،
	ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول		اور صرف تو ہی، ہر ایک کی سننے والا، ہر ایک کو
۹۶	تم پر گواہ بنے۔“	۹۱	جاننے والا ہے۔“
۹۶	امت محمدیہ کی خصوصیات		بیت اللہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
	باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلْنَا	۹۱	وَعاء
	الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ		(۱۱) باب: ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا
۹۷	يَتَّبِعُ الرَّسُولَ﴾ الآیۃ [۱۳۳]	۹۲	أَنْزَلَ إِلَيْنَا﴾ [۱۳۶]
	اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان کہ: ”اور جس قبلے		باب: ”(مسلمانو!) کہہ دو کہ: ”ہم اللہ پر
	پر تم پہلے کار بند تھے، اُسے ہم نے کسی اور وجہ		ایمان لائے ہیں، اور اُس کلام پر بھی جو ہم
۹۷	سے نہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کیلئے مقرر کیا تھا کہ	۹۲	اُتارا گیا ہے۔“
	کون رسول کا حکم مانتا ہے۔“	۹۳	اسرائیلی روایات اور ان کی اقسام
۹۷	بیت المقدس کو قبلہ بنانا، مقصد امتحان تھا	۹۳	بنی اسرائیل کا خطاب
	(۱۵) باب قولہ تعالیٰ: ﴿قَدْ نَرَى		(۱۲) قولہ تعالیٰ: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ
	تَقْلُوبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ الآیۃ		مِنَ النَّاسِ مَا وَلَا هُمْ عَنْ قِبَلِهِمْ﴾

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۰۱	کا حکم	۹۸	[۱۴۴]
	(۱۹) باب: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [۱۴۹] الآیہ		ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”(اے پیغمبر!) ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔“
۱۰۲	باب: ”اور تم جہاں سے بھی (سفر کیلئے) نکلو، اپنا منہ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف کرو۔“	۹۸	نبی کریم ﷺ کی قبلہ کی تبدیلی کی خواہش
۱۰۲		۹۹	واشتیاق تشریح
	(۲۰) باب: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَخَيْفًا مَّا كُنْتُمْ لَوَافُوا وَجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ [۱۵۰]	۹۹	(۱۶) باب: ﴿وَلَئِنْ أَتَيْتَ الدِّينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ﴾ الآیہ [۱۴۵]
۱۰۲	باب: ”اور جہاں سے بھی تم نکلو، اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو۔ اور تم جہاں کہیں ہو، اپنے چہرے کو اُسی کی طرف رکھو۔“		باب: ”اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی اگر تم ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں لے آؤ تب بھی یہ تمہارے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے۔“
۱۰۲	تحویل کعبہ کے مراحل	۹۹	(۱۷) باب: ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَغْرِبُونَ كَمَا يَغْرِبُونَ أَنفُسَهُمْ﴾
۱۰۳	(۲۱) باب قوله تعالى: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ الآیہ [۱۵۸]	۱۰۰	باب: ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔“
۱۰۳	ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں میں سے ہیں۔“	۱۰۰	پہچاننے سے کیا مراد ہے؟
۱۰۵	صفا و مروہ	۱۰۱	(۱۸) باب: ﴿وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا﴾ الآیہ [۱۴۸]
	(۲۲) باب قوله تعالى: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ﴾ [۱۶۵]	۱۰۱	باب: ”اور ہر گروہ کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔“
۱۰۶			بحث و مباحثہ کے بجائے نیکیوں میں اضافہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۳	الدِّينَ يُطِيقُوهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ لَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿	۱۰۶	ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”اور (اس کے بادجود) لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کی خدائی میں طرح شریک قرار دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ کی محبت (رکھنی چاہئے)۔“
	ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”گنتی کے چند دن روزے رکھنے ہیں۔ پھر بھی اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔ اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر (روزے کا) فدیہ ادا کر دیں۔ اسکے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم کو سمجھ ہو تو روزے رکھنے میں تمہارے لئے زیادہ بہتری ہے۔“	۱۰۶	(۲۳) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمْ الْقِصَاصُ﴾ الآية [۱۷۸]
۱۱۳	ابتداء میں فدیہ دینے کی اجازت	۱۰۶	باب: ”اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے۔“
۱۱۳	مریض کا روزہ افطار کرنے کا مسئلہ	۱۰۷	دیت: امت محمدیہ پر اللہ کی خاص عنایت
	(۲۶) باب: ﴿لَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۱۸۵]	۱۰۹	قصاص اور مسالک ائمہ
۱۱۵	باب: ”لہذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے، وہ اس میں ضرور روزہ رکھے۔“		(۲۳) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [۱۸۳]
۱۱۶	روزے میں تبدیلی کے تین مراحل	۱۱۱	باب: ”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔“
	(۲۷) باب: ﴿أَجَلٌ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثِ إِلَىٰ يَسَائِكُمْ﴾ الى قوله:	۱۱۱	پچھلی اُمتوں کا روزہ
۱۱۷	﴿وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ [۱۸۷]	۱۱۱	(۲۵) باب قوله تعالى: ﴿أَيَّامًا مُعَدُّوَاتٍ لِمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَىٰ
	باب: ”تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے کہ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۱	یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین اللہ کا ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو کہ) تشدد سوائے ظالموں کے کسی پر نہیں ہوتا چاہئے۔	۱۱۷	روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف محبت کرو۔“ تا” اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے اسے طلب کرو۔
۱۲۲	باہمی فتن کے وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی احتیاط	۱۱۸	(۲۸) باب: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ الآية [۱۸۷]
۱۲۳	عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور مشاجرات صحابہ	۱۱۸	باب: ”اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہو کر تم پر واضح (نہ) ہو جائے۔“
۱۲۴	حکیمانہ اصول	۱۱۸	سحر اور صبح صادق کی واضح تعیین
۱۲۵	جنگ صفین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل	۱۱۸	(۲۹) باب: ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾ الآية [۱۸۹]
۱۲۸	عثمان و علی رضی اللہ عنہما کا دفاع	۱۱۹	باب: ”اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے اور گھروں میں آئے دروازوں سے۔“
۱۲۹	مخاطب و تصویب راہ مستقیم	۱۱۹	جاہلیت کے طریقوں پر تنبیہ
۱۳۰	(۳۱) باب قولہ: ﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [۱۹۵]	۱۱۹	(۳۰) باب قولہ: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ [۱۹۳]
۱۳۰	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“	۱۲۱	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور ان سے لڑتے رہو
۱۳۰	دشمن سے دفاع کی تیاری نہ کرنا ہلاکت کا ذریعہ		
۱۳۱	اگلے ابواب کے متعلق تنبیہ		
-	(۳۲) باب قولہ تعالیٰ: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ﴾		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۷	باب: ”اِراٰنہی میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا فرما۔“	۱۳۱	[۱۹۶]
۱۳۷	جامع ترین دعاء	۱۳۱	اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان کہ: ”ہاں اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو، یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو۔“
۱۳۸	(۳۷) باب: ﴿وَهُوَ أَلَدُ الْخِصَامِ﴾	۱۳۲	حالتِ احرام میں بیماری کی وجہ سے سر منڈانے کا حکم
۱۳۸	[۲۰۴]	۱۳۲	(۳۳) باب: ﴿وَلَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾ [۱۹۶]
۱۳۸	باب: ”حالانکہ وہ (تمہارے) دشمنوں میں سب سے زیادہ کڑ ہے۔“	۱۳۳	باب: ”تو جو شخص حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ بھی اٹھائے۔“
۱۳۸	آیت کا پس منظر	۱۳۳	حضرت عمرؓ کی تمتع سے منع کرنے کی حکمت
۱۳۹	حیوان سے مراد	۱۳۳	(۳۴) باب: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ﴾ [۱۹۸]
۱۳۹	(۳۸) باب: ﴿وَأَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ الآية [۲۱۴]	۱۳۳	باب: ”حج کے زمانہ میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔“
۱۳۹	باب: ”(مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں (یونہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہیں اس جیسے حالات پیش نہیں آئے جیسے اُن لوگوں کو پیش آئے تھے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔“	۱۳۳	زمانہ جاہلیت کی تمام بیہودہ رسموں کا قلع قمع
۱۳۹	مقصود امام بخاری رحمہ اللہ	۱۳۵	(۳۵) باب: ﴿وَلَمَّا أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ [۱۹۹]
۱۴۰	حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر	۱۳۵	باب: ”اس کے علاوہ (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) تم اسی جگہ سے روانہ ہو جہاں سے عام لوگ روانہ ہوتے ہیں۔“
۱۴۱	ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر	۱۳۶	(۳۶) باب: ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً﴾ الآية [۲۰۱]
۱۴۲	تشریح	۱۳۷	
	(۳۹) باب: ﴿وَنِسَاءٌ كُنَّ حَزَنَ لَكُمْ﴾		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۵۳	أَجْلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ [۲۳۳]	۱۴۳	فَاتُّوا حَزَنُكُمْ أَلَىٰ حِسْتُمْ [۲۲۳]
	باب: ”اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں، اور بیویاں چھوڑ کر جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں رکھیں گی۔ پھر جب وہ اپنی (عدت کی) معیاد کو پہنچ جائیں تو وہ اپنے بارے میں جو کارروائی (مثلاً دوسرا نکاح) قاعدے کے مطابق کریں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“	۱۴۳	باب: ”تہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں لہذا اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ۔“
۱۵۳	مشکل ترین باب	۱۴۳	تشریح
۱۵۳	”متوفی عنہا زوجہا“ کی عدت کا مسئلہ	۱۴۳	مبہم انداز میں ذکر کرنے کی وجہ
۱۵۳	جمہور کی تفسیر اور مسلک	۱۴۳	مسئلہ کی تفصیل اور اقوالِ علما
۱۵۳	جمہور کے مسلک پر اشکال	۱۴۳	حدیث کی تشریح
۱۵۵	جمہور کا جواب	۱۴۳	تذوقِ عربی و نحوی قاعدہ سے حرمت کی تائید
۱۵۵	امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول	۱۴۳	(۳۰) باب: ﴿وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ يَنْجَسْنَ أَجْلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ [۲۳۲]
۱۵۶	حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کا قول	۱۴۳	باب: ”اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں۔“
۱۵۸	مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ کے اقوال میں فرق	۱۴۳	آیت کا شانِ نزول
۱۵۸	حکماً منسوخ، تلاوتاً اب بھی باقی	۱۴۳	عورت کو نکاح کا حق
۱۶۱	عدت کے بعد جانے کا اختیار	۱۴۳	طلاقِ رجعی اور عدت کی وضاحت
۱۶۳	حاملہ کی عدت وضع حمل ہے	۱۴۳	طلاق کے بعد رجعت یا انقطاعِ نکاح دونوں کیلئے خاص ہدایات
۱۶۵	حدیث کی تشریح	۱۴۳	(۳۱) باب: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۷۱	اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں۔“	۱۶۷	متوفی شوہر کے گھر ساری زندگی گزارنے کا مسئلہ
۱۷۲	(۴۶) باب: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُخَيِّمُ الْمَوْتَىٰ﴾ [۲۶۰]	۱۶۷	(۴۲) باب: ﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ﴾ [۲۳۸]
۱۷۲	باب: ”اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟“	۱۶۷	باب: ”تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو، اور (خاص طور پر) بیچ کی نماز کا۔“
۱۷۲	تشریح	۱۶۷	”الصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ“ سے مراد
۱۷۳	کیفیتِ احیاء دیکھنا مقصود تھا	۱۶۷	(۴۳) باب: ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ [۲۳۸]
۱۷۳	(۴۷) باب قولہ: ﴿أَيُّودُ أَخَذَكُمْ أَنَّ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ وَأَعْنَابٌ﴾ اِلٰی قولہ: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾ [۲۶۶]	۱۶۷	باب: ”اور اللہ کے سامنے باادب فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو۔“
۱۷۳	اس ارشاد کا بیان کہ: ”کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کا سمجھوروں اور انکوروں کا ایک باغ ہو؟“ تا ”تا کہ تم غور کرو۔“	۱۶۹	(۴۴) باب قولہ: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أُمِنْتُمْ﴾ [۲۳۹]
۱۷۳	ریا کاری کا انجام	۱۶۹	اس ارشاد کے بیان میں کہ: ”اور اگر تمہیں (دشمن کا) خوف لاحق ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں (نماز پڑھ لو)
۱۷۵	اعمالِ صالح کو ضائع کرنے والا عمل	۱۶۹	یہاں تک کہ تم امن میں آ جاؤ۔“
۱۷۶	اعمال کو ضبط اور غرق کرنے کی صورت	۱۶۹	صلاة الخوف
۱۷۷	(۴۸) باب: ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾ [۲۷۳]	۱۷۰	فقہی مسئلہ: صلوة خوف
۱۷۷	باب: ”وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔“	۱۷۰	شافعیہ اور دیگر کا مسلک
۱۷۷	آیت کا مفہوم	۱۷۰	احناف کا مسلک
۱۷۷	(۴۹) باب: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ	۱۷۱	(۴۵) باب: ﴿وَالَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنكُمْ وَيَلْزَمُونَ أَزْوَاجًا﴾ [۲۴۰]
		۱۷۱	باب: ”اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۲	خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے ان کا حساب لیگا۔	۱۷۸	الرَّبَّاءُ [۲۷۵]
۱۸۲	احکام کے بیان کے بعد تہدید اور تنبیہ	۱۷۸	باب: ”حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔“
۱۸۳	تشریح	(۵۰) باب: ﴿يَمْنَحُ اللَّهُ الرَّبَّاءَ﴾	
	(۵۵) باب قولہ تعالیٰ: ﴿وَأَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ [۲۸۵]	۱۷۸	[۲۷۶]
۱۸۳	باری تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہ رسول (یعنی حضرت محمد ﷺ) اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور (ان کے ساتھ تمام مسلمان بھی)۔“	۱۷۸	باب: ”اللہ سود کو مٹاتا ہے۔“
۱۸۳	ہر حال میں رب کی اطاعت	(۵۱) باب: ﴿فَلَا تُؤْثِرُوا بِحَرْبِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ [۲۷۹]	
۱۸۳	(۳) سورۃ آل عمران	۱۷۹	باب: ”اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔“
۱۸۳	سورۃ آل عمران کا بیان	(۵۲) باب: ﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾ [۲۸۰]	
۱۸۵	وجہ تسمیہ	۱۷۹	باب: ”اور اگر کوئی تنگ دست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے۔“
۱۵۸	ترجمہ و تشریح	۱۸۰	حرمِ خمر اور ریا
	(۱) باب: ﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ﴾	(۵۳) باب: ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَىٰ اللَّهِ﴾ [۲۸۱]	
۱۸۶	[۷]	۱۸۱	باب: ”اور ڈرو اس دن سے جب تم سب اللہ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔“
۱۸۶	باب: ”جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں۔“	۱۸۲	باعتبار نزول آخری آیت
۱۸۷	ترجمہ و تشریح	(۵۴) باب: ﴿وَإِنْ تَبَدُّوا مَالِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْشَوْنَ بِحَاثِبِكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾	
۱۸۷	محکمات اور متشابہات کا حکم	الآیۃ [۲۸۳]	
۱۸۸	امام مجاہد اور متشابہات	باب: ”اور جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں،	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۹۷	حدیث مذکورہ پر ایک تاریخی اشکال	۱۸۹	امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان
۱۹۸	اشکال کا جواب	(۲) باب: ﴿وَالَّذِينَ أُعْهِدُوا بَيْتًا	
(۵) باب: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا		۱۹۰	وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ [۳۶]
۱۹۸	مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ الآية [آل عمران: ۹۲]	باب: ”اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان	
باب: ”تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک		مردود سے حفاظت کیلئے آپ کی پناہ میں دیتی	
ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں		۱۹۰	ہوں۔“
سے (اللہ کیلئے) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب		(۳) باب: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ	
ہیں۔“		اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ	
۱۹۸	تشریح	لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾:	
۱۹۹	(۶) باب: ﴿قُلْ فَاتَّبِعُوا بِالْتَّوْرَةِ	۱۹۰	لَا خَيْرَ ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [۷۷]
فَاتَّبِعُوا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ [آل		باب: ”جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد	
عمران: ۹۳]		اور اپنی کھائی ہوئی قسموں کا سودا کر کے تھوڑی	
۲۰۰	باب: ”(اے پیغمبر! یہودیوں سے) کہہ دو کہ	سی قیمت حاصل کر لیتے ہیں ان کا آخرت میں	
”اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی		کوئی حصہ نہیں ہوگا۔“ یعنی ان کیلئے کوئی خیر	
۲۰۰	تلاوت کرو۔“	نہیں ہے۔“ اور ان کا حصہ تو بس عذاب ہوگا،	
۲۰۰	یہود کے اعتراض کا جواب	انہائی دردناک!“	
(۷) باب: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ		(۳) باب: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ	
لِلنَّاسِ﴾ [۱۱۰]		تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ	
۲۰۲	باب: ”(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو	۱۹۲	أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ﴾ [۶۳]
لوگوں کے قائدے کے لئے وجود میں لائی گئی		باب: ”(مسلمانو! یہود و نصاریٰ سے) کہہ دو	
۲۰۲	ہے۔“	کہ: ”اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی	
۲۰۳	تشریح	طرف آ جاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ	
(۸) باب: ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ		یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ	
۲۰۳	أَنْ تَفْشَلَا﴾ [۱۲۲]	کریں۔“	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۰۹	اجر ہے۔	باب: ”جب تمہی میں سے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ امت ہار بیٹھیں۔“	
	(۱۳) باب قولہ: ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ لَقَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ﴾	۲۰۳	بنو حارثہ و بنو سلمہ کیلئے باعث فخر
۲۱۰	[۱۷۳]	۲۰۵	(۹) باب: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ خُشْيَةٌ﴾ [۱۲۸]
	اس ارشاد کا بیان کہ: ”وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: ”یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کیلئے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہذا ان سے ڈرتے رہنا۔“	۲۰۵	باب: ”(اے پیغمبر!) تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں۔“
۲۱۰	صحابہ کرام ﷺ کی جاٹاری اور عزم و ہمت	۲۰۵	آیت کے نزول کا پس منظر
۲۱۰	(۱۴) باب: ﴿وَلَا يَخْسِبَنَّ الَّذِينَ يَتَّخِلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾		(۱۰) باب قولہ تعالیٰ: ﴿وَالرُّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ﴾ [۱۵۳]
۲۱۱	[۱۸۰] الآیۃ	۲۰۸	اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے۔“
	باب: ”اور جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے (مال) میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کیلئے کوئی اچھی بات ہے۔“	۲۰۸	(۱۱) باب قولہ: ﴿أَمْنَةً نُّعَاسًا﴾
۲۱۱	یہود اور منافقین کا بخل	۲۰۹	[۱۵۴]
۲۱۱	بخل اور زکوٰۃ نہ دینے پر شدید عذاب	۲۰۹	اس ارشاد کا بیان کہ: ”طعامیت بھری اُونگھ۔“
	(۱۵) باب: ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَفْرَكُوا أَشْرَكُوا أَذَى كَثِيرًا﴾ [۱۸۶]	۲۰۹	اُونگھ مسلط کرنے مقصد
۲۱۳	باب: ”اور تم اہل کتاب اور مشرکین دونوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔“		(۱۲) باب قولہ تعالیٰ: ﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِقَوْلِ الرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرَ عَظِيمٍ﴾ [۱۷۲]
۲۱۳	صبر اور برداشت کی تلقین	۲۰۹	اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کیلئے زبردست
۲۱۳	(۱۶) باب: ﴿لَا تَخْسِبَنَّ الَّذِينَ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۲۲	أَنْصَارِ الدِّينِ ﴿الآیۃ [۱۹۲]	۲۱۶	يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا ﴿[۱۸۸]
	باب: ”اے ہمارے رب! آپ جس کسی کو		باب: ”یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو لوگ اپنے کئے پر
	دورخ میں داخل کر دیں، اسے آپ نے یقیناً	۲۱۶	بڑے خوش ہیں۔“
	رُسوا ہی کر دیا۔ اور ظالموں کو کسی قسم کے مددگار	۲۱۷	منافقین کیلئے عذاب کی وعید
۲۲۲	نصیب نہ ہوں گے۔“	۲۱۸	تشریح
	(۲۰) باب: ﴿وَرَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا		(۱۷) باب قولہ: ﴿إِن فِي خَلْقِ
۲۲۳	يُنَادِي لِلْإِيمَانِ ﴿الآیۃ [۱۹۳]		السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ
	باب: ”اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک		وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿[آل
۲۲۳	منادی کو سنا جو ایمان کی طرف پکار رہا تھا۔“	۲۱۹	عمران: [۱۹۰]
	(۳) سورة النساء		اس ارشاد کا بیان کہ: ”بے شک آسمانوں اور
۲۲۵	سورة نساء کا بیان		زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری
۲۲۵	وجہ تسمیہ	۲۱۹	آنے جانے میں اُن عقل والوں کیلئے بڑی
۲۲۵	ترجمہ و تشریح	۲۱۹	نشانیوں ہیں۔“
۲۲۶	مَتْنِي وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ - کی تفصیل		عقل مندوں کیلئے تخلیق کائنات میں نشانیاں
	(۱) باب: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَاتُقْسَطُوا		(۱۸) باب: ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ
۲۲۶	فِي الْبَيْتَامِيِّ ﴿[۳]		قِيَامًا وَقَعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ
	باب: ”اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں	۲۲۰	وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ
	کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے		وَالْأَرْضِ ﴿الآیۃ [۱۹۱]
۲۲۶	سکو گے۔“		باب: ”جو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال
۲۲۸	یتیم لڑکیوں کی حق تلفی کا انداد	۲۲۰	میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور
	(۲) باب: ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ	۲۲۱	زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں۔“
	بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ		عقل والے کون ہیں؟
	فَاشْهَدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿		(۱۹) باب: ﴿وَرَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ
			النَّارَ فَقَدْ أَخْرَجْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۳	لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَفْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْنَهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ﴿١٩﴾ الْآيَةُ	۲۲۹	[۶] باب: ”ہاں اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریق کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے۔ پھر جب تم ان کے مال انہیں دو تو ان پر گواہ بنالو۔ اور اللہ حساب لینے کیلئے کافی ہے۔“
۲۳۳	باب: ”اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو، اور ان کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے ان کا کچھ حصہ لے آؤ، الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔“	۲۲۹	ولی کو ضرورتاً لینے کا حق
۲۳۳	آیت کا شان نزول	۲۲۹	مال سپرد کرتے وقت گواہ بنانا
۲۳۳	عورت سے مہر اور مال وغیرہ واپس لینے کی صورت	۲۳۰	(۳) باب: ﴿وَإِذَا خَضَعَ الْقِسْمَةُ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ﴾ الْآيَةُ [النساء: ۸]
۲۳۵	(۷) باب: ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَاقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ فَأَتَوْهُمْ نَصِيحَتُهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيَّ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾ [۳۳]	۲۳۰	باب: ”اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین لوگ آجائیں۔“
۲۳۶	باب: ”اور ہم نے ہر اس مال کے کچھ وارث مقرر کئے ہیں جو والدین اور قریب ترین رشتہ دار چھوڑ کر جائیں۔ اور جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد و پیمان باندھا ہو ان کو ان کا حصہ دو۔ بیشک اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔“	۲۳۰	محروم الارث رشتہ داروں کی دلداری
۲۳۶	مہاجرین و انصار کے درمیان رشتہ اخوت اور	۲۳۱	حدیث کی تشریح: رشتہ داروں کی دلجوئی کا حکم (۴) باب: ﴿يُؤْصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ [۱۱]
		۲۳۲	باب: ”اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے۔“
		۲۳۲	(۵) باب قولہ: ﴿وَلَكُمْ بِنِصْفِ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ﴾ [۱۲]
		۲۳۳	باب: ”اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ جائیں۔“
		۲۳۳	(۶) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۵	[۵۹]	۲۳۷	میراث کا حکم
	باب: ”اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب اختیار ہوں، اُن کی بھی۔“	(۸) باب قولہ: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ [۴۰]	
۲۳۵		۲۳۸	باب: ”اللہ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔“
۲۳۶	حدیث کا مطلب	۲۳۸	اعمالِ حسنہ کا پورا پورا بدلہ
	(۱۲) باب: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُوا لَكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ [۶۵]	۲۴۰	رویت باری تعالیٰ
۲۳۷	باب: ”نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصلہ نہ بنا میں۔“	(۹) باب: ﴿فَكَتِفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ [۴۱]	
۲۳۷	شریعت زندگی کے ہر معاملے پر لاگو	۲۴۲	باب: ”پھر (یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (انکا) کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لیکر آئیں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے۔“
۲۳۷	(۱۳) باب: ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ﴾ [۶۹]	۲۴۲	﴿عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ کی تفسیر
۲۳۸	باب: ”تو وہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء۔“	۲۴۳	(۱۰) باب قولہ: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ [۴۳]
۲۳۸	شانِ نزول	۲۴۳	باب: ”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو۔“
۲۳۸	آخرت میں انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کی رفاقت	۲۴۳	ترجمہ و تشریح
۲۳۹	(۱۴) باب: ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ [۷۵]	۲۴۳	ایک وضاحت
۲۵۰	[۷۵]	۲۴۵	(۱۱) باب: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾
	باب: ”اور (اے مسلمانو!) تمہارے پاس کیا		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۵۴	زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں	۲۵۰	جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور اُن بے بس
۲۵۵	اس کو یہ نہ کہو کہ ”تم مؤمن نہیں ہو“۔		مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ
	نادانستگی میں قتل پر عتاب و تنبیہ		دعا کر رہے ہیں کہ ”اے ہمارے پروردگار!
۲۵۶	(۱۸) باب: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ		ہمیں اس ہستی سے نکال لائیے جس کے
	مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ الآية [۹۵]		باشندے ظلم توڑ رہے ہیں۔“
	باب: ”وہ مسلمان جو جہاد میں جانے کے	۲۵۱	(۱۵) باب: ﴿لَمَّا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ
	بجائے گھر میں بیٹھ رہیں وہ برابر نہیں		فِتْنَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا﴾
۲۵۶	ہو سکتے۔“		[۸۸]
	پچھلی آیت سے ربط اور جہاد میں نکلنے والوں		باب: ”پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے
۲۵۷	کی فضیلت		بارے میں تم دو گروہ بن گئے؟، حالانکہ انہوں
	(۱۹) باب: ﴿اِنَّ الدِّينَ تَوْفَهُمُ		نے جیسے کام کئے ہیں ان کی بناء پر اللہ نے ان
	الْمَلٰئِكَةُ ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْہِمْ	۲۵۱	کو اوندھا کر دیا ہے۔“
۲۵۸	كُنْتُمْ﴾ الآية [۹۷]	۲۵۲	باب:
	باب: ”جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا	۲۵۲	یہ باب بلا عنوان ہے۔
	تھا، اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح	۲۵۲	آیت سے مراد
	قبض کرنے آئے تو وہ بولے ”تم کس حالت	۲۵۳	الفاظ کا ترجمہ و تشریح
۲۵۸	میں تھے؟“۔		(۱۶) باب: ﴿وَمَنْ يُّقْتَلْ مُّؤْمِنًا
۲۵۹	حدیث کی تشریح	۲۵۳	مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ [۹۳]
	(۲۰) باب: ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعِفَيْنِ مِنَ		باب: ”اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر
۲۶۰	الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ﴾ [الآیۃ: ۹۸]	۲۵۳	قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے۔“
	باب: ”البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں (اس	۲۵۳	﴿فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ میں تفصیل
۲۶۰	انجام سے مستثنیٰ ہیں)۔“		(۱۷) باب: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی
	(۲۱) باب قولہ: ﴿فَاُولٰٓئِكَ عَسٰی	۲۵۴	اِلَيْكُمْ السَّلَامَ لَنْتَ مُّؤْمِنًا﴾ [۹۳]
۲۶۰	اللّٰهُ اَنْ يَّغْفِرَ عَنْہُمْ﴾ [۹۹] الآية		باب: ”اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دُنیوی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۶۴	باب: ”اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو۔“	۲۶۰	باب: ”چنانچہ پوری اُمید ہے کہ اللہ کو معاف فرمادے۔“
۲۶۴	ترجمہ و تشریح	۲۶۱	آیت کا خلاصہ و فائدہ۔ ہجرت کا حکم
۲۶۵	عورت کا مہر یا نفقہ معاف کرنا	(۲۲) باب: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ﴾ [۱۰۲]	
۲۶۵	(۲۵) باب: ﴿إِنَّ الْمَنَافِقِينَ فِي الدُّزُخِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [۱۳۵]	۲۶۱	الآیۃ
۲۶۵	باب: ”یقین جانو کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔“	۲۶۱	باب: ”اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔“
۲۶۶	نفاق سے برأت اور توبہ کا حکم	۲۶۲	عذر اور خوف کی تدابیر
(۲۶) باب قولہ: ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ﴾ الی قولہ: ﴿وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَمُوسَى﴾		(۲۳) باب قولہ: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِنُكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ﴾	
۲۶۷	[۱۶۳]	۲۶۲	[۱۲۷]
اس ارشاد کا بیان کہ: ”(اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسے نوح پر بھیجی تھی“ آخر آیت تک۔		باب: ”اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے اپنی عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے، اور اس کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ بھی ان یتیم عورتوں کے بارے میں (شرعی حکم بتاتی ہیں)۔“	
۲۶۷	وحی کے ادوار	۲۶۲	رعایت کی صورت میں والی کا یتیم لڑکی سے نکاح کرنا
(۲۷) باب: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِنُكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنْ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا بِصْفٌ مِمَّا تَرَكَ وَهِيَ بَرٌّ لَهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ﴾		(۲۳) باب: ﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَغْلِهَا نُسُوزًا أَوْ إِغْرَاضًا﴾ [۱۲۸]	
۲۶۹	[۱۷۶]	۲۶۳	
باب: ”(اے پیغمبر!) لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ			

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷۴	تیمم کرو۔		کے بارے میں حکم بتاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس
۲۷۴	ترجمہ و تشریح		حال میں مرجائے کہ اس کی اولاد نہ ہو، اور اس
۲۷۵	ہارگم ہونے کا واقعہ اور نزولِ تیمم		کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکے میں سے
	حدیث باب میں تیمم کا حکم اور معذوری کی		آدھے کی حق دار ہوگی۔ اور اگر اس بہت کی
۲۷۶	صورتیں		کوئی اولاد نہ ہو (اور وہ مرجائے، اور اس کا
۲۷۷	تیمم کا طریقہ اور حکمت	۲۶۹	بھائی زندہ ہو) تو وہ اس بہن کا وارث ہوگا۔
	(۳) باب قولہ: ﴿فَاذْهَبْ أَنتَ	۲۶۹	کلامہ کی تفسیر
	وَرَبُّكَ لَقَابِلًا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾	۲۷۰	تشریح
۲۷۸	[۲۴]	۲۷۰	تینوں صورتوں میں تطبیق
	باب: ”(اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور		
۲۷۸	تمہارا رب چلے جاؤ، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔“	۲۷۱	(۵) سورة المائدہ
۲۷۸	بنی اسرائیل کی حکم عدولی	۲۷۱	سورة مائدہ کا بیان
	(۵) باب: ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ	۲۷۱	وجہ تسمیہ
	يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي	۲۷۱	سورة المائدہ کا نزول
۲۸۰	الْأَرْضِ فَسَادًا﴾ [۳۳]	۲۷۲	(۱) باب:
	باب: ”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی	۲۷۲	یہ باب بلا عنوان ہے۔
	کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے	۲۷۲	ترجمہ و تشریح
۲۸۰	ہیں۔“		(۲) باب قولہ: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ
۲۸۰	محاربہ اور فساد فی الارض کی تفصیل	۲۷۳	دِينَكُمْ﴾ [۳]
۲۸۲	وضاحت		باب: ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین
	(۶) باب قولہ: ﴿وَالْبُحُرُوحَ	۲۷۳	کمل کر دیا ہے۔“
۲۸۲	لِقِصَاصٍ﴾ [۳۵]		(۳) باب قولہ: ﴿فَلَمَّ تَجِدُوا مَاءً
	باب: ”اور زخموں کا بھی (اسی طرح) بدلہ لیا	۲۷۴	فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [۶]
۲۸۲	جائے۔“		باب: ”اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۸۹	ازلام، نصب اور استقام کی تعریف	۲۸۴	(۷) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا
۲۹۱	شراب کی حرمت و ممانعت کا حکیمانہ اصول		أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ [۶۷]
	(۱۱) باب: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا		باب: ”اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی
	وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا		طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ
۲۹۲	طَعِمُوا﴾ [۹۳] الْآيَةُ	۲۸۴	کرو۔“
	باب: ”جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور نیکی	۲۸۴	تبلیغ کی تاکید اور آنحضرت ﷺ کو تسلی
	پر کار بند رہے ہیں، انہوں نے جو کچھ پہلے کھایا		(۸) باب قولہ: ﴿لَا يَأْخُذُكُمْ اللَّهُ
۲۹۲	پیا ہے۔“	۲۸۵	بِالْفُجُورِ فِي أَيَّمَا لَكُمْ﴾ [۸۹]
۲۹۳	حرمت سے پہلے شراب پینے والوں کا حکم		باب: ”اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں
	(۱۲) باب قولہ: ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ	۲۸۵	کرے گا۔“
۲۹۳	أَشْيَاءَ إِنْ تُبَدِّلَ لَكُمْ تَسْأَلُكُمْ﴾ [۱۰۱]	۲۸۶	بہین لغو سے مراد
	باب: ”اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے		(۹) باب قولہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
۲۹۳	بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر		لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾
	کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں۔“	۲۸۷	[۸۷]
۲۹۳	آیت کا مطلب		ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”اے ایمان والو!
	(۱۳) باب: ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ		اللہ نے تمہارے لئے جو پاکیزہ چیزیں حلال کی
	وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ﴾	۲۸۷	ہیں ان کو حرام قرار نہ دو۔“
۲۹۵	[۱۰۳]		(۱۰) باب قولہ: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ
	باب: ”اللہ نے کسی جانور کو نہ بحیرہ بنانا طے کیا		وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ
۲۹۵	ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حامی۔“	۲۸۸	مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ [۹۰]
	ترجمہ و تشریح		اس ارشاد کا بیان کہ: ”شراب، جوا، بتوں کے
۲۹۵	﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ کی تشریح		تھان اور جوئے کے تیر، یہ سب ناپاک شیطانی
۲۹۸	بحیرہ، سائبہ وغیرہ کی تفصیل	۲۸۸	کام ہیں۔“
۲۹۸	مشاہدہ - اعمالِ بد کی سزا آخرت میں	۲۸۸	زمانہ جاہلیت کا جوئے اور قال کے طریقے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۰۵	مفاتیح الغیب (۲) باب: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ﴾ [۶۵]	۲۹۹	(۱۴) باب: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَادُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَلَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ [۱۱۷]
۳۰۶	باب: ”کہو کہ: وہ اس بات پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے کہ تم پر کوئی عذاب، تمہارے اوپر سے بھیج دے۔“	۲۹۹	باب: ”اور جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، میں ان کے حالات سے واقف رہا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ خود ان کے نگراں تھے، اور آپ ہر چیز کے گواہ ہیں۔“
۳۰۶	قدرت کاملہ	۲۹۹	(۱۵) باب قولہ: ﴿إِنْ تَعَذَّبْنَاهُمْ لَآتَيْنَهُمْ عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ﴾ [۱۱۸]
۳۰۸	عذاب الہی کی تین قسمیں (۳) باب: ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ [۸۲]	۳۰۰	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اگر آپ ان کو سزا دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں۔“
۳۰۸	باب: ”اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا۔“	۳۰۰	اپنی امت کیلئے آہ و بکاہ
۳۰۸	ظلم کی تصریح و مراد	۳۰۰	
۳۰۹	شرک: سب سے بڑا ظلم (۴) باب قولہ: ﴿وَيُونُسَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ [۸۶]	۳۰۱	(۶) سورة الأنعام
۳۱۰	باب: ”اور یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو ہم نے دنیا جہاں کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔“	۳۰۱	سورة انعام کا بیان
۳۱۰	(۵) باب قولہ: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ الْفِتْرَةَ﴾ [۹۰]	۳۰۱	وجہ تسمیہ
۳۱۰	اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہ لوگ وہ تھے جن کو اللہ نے (مخالفین کے رویے پر مبر کرنے کی)	۳۰۲	ترجمہ و تشریح
		۳۰۲	(۱) باب: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يُعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ [۵۹]
		۳۰۲	باب: ”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔“
		۳۰۲	علم غیب اللہ ﷻ ہی کے ساتھ خاص

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۱۷	باب: ”اُس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کیلئے کارآمد نہیں ہوگا۔“	۳۱۰	ہدایت کی تھی، لہذا (اے پیغمبر!) تم بھی انہی کے راستے پر چلو۔“
۳۱۷	مغرب سے طلوع آفتاب کے بعد توبہ کا دروازہ بند	۳۱۰	انبیاء سابقین کی اقتداء کا حکم
۳۲۱	سورة الاعراف	۳۱۲	(۶) باب قولہ: ﴿وَعَلَى الدِّينِ هَادُوا حَرِّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ﴾ [۱۴۶]
۳۲۱	سورة اعراف کا بیان	۳۱۲	باب: ”اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا۔“
۳۲۱	وجہ تسمیہ	۳۱۳	یہود کی ہٹ دھرمی
۳۲۲	ترجمہ و تشریح	۳۱۳	نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی
۳۲۵	(۱) باب قول اللہ عزوجل: ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ [۳۳]	۳۱۳	(۷) باب: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ [۱۵۱]
۳۲۵	اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”کہہ دو کہ: میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو، یا چھپی ہوئی۔“	۳۱۳	باب: ”اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھنکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی۔“
۳۲۵	افتراء علی اللہ ایک سنگین گناہ	۳۱۶	بے حیائی کے کاموں سے دور رہنے کا حکم
۳۲۵	بے حیائی کے تمام کام حرام قرار	۳۱۶	(۸) باب:
۳۲۶	(۲) باب: ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ﴾ الآية [۱۴۳]	۳۱۶	یہ باب بلا عنوان ہے۔
۳۲۶	باب: ”اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا رب اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: ”میرے پروردگار! مجھے دیدار	۳۱۷	(۹) باب قولہ: ﴿قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَ كُمْ﴾ [۱۵۰]
		۳۱۷	اس ارشاد کا بیان کہ: ”ان سے کہو کہ اپنے وہ گواہ ذرا سامنے تولاؤ۔“
		۳۱۷	(۱۰) باب: ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا﴾ [۱۵۸]

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۲	بنی اسرائیل کا ضد اور عناد	۳۲۶	کرادیتجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔
۳۳۳	حِطَّة۔ کی توضیح و تشریح		روایت باری تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے
	(۵) باب: ﴿خُلِدَ الْعَفْوُ وَأُمِرَ بِالْعَزْفِ﴾	۳۲۶	سامنے تجلی کا ظہور
۳۳۳	واغرض عن الجاهلین ﴿[۱۹۹]﴾		(۳) باب: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُخَيِّ وَيُخَيِّثُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاٰمِی الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَکَلَمَاتِهِ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ [۱۵۸]
۳۳۳	باب: ”(اے پیغمبر!) درگزر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف	۳۲۸	باب: ”(اے رسول! ان سے) کہو کہ: ”اے
۳۳۳	دھیان نہ دو۔“		لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا
۳۳۴	حدیث سے حلم اور درگزر کا سبق		رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور
۳۳۶	عفو اور درگزر کا حکم		زمین کی سلطنت ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود
۳۳۷	(۸) سورة الانفال		نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اب
۳۳۷	سورة انفال کا بیان		تم اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو
۳۳۷	شان نزول		نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اُس کے کلمات پر
	(۱) باب قوله: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ [۱]		ایمان رکھتا ہے، اور اُس کی پیروی کرو، تاکہ
۳۳۹	باب: ”(اے پیغمبر!) لوگ تم سے مالِ غنیمت	۳۲۸	تمہیں ہدایت حاصل ہو۔“
	کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ مالِ	۳۲۹	آپ ﷺ تمام عالم کیلئے تاقیامت نبی و رسول
	غنیمت (کے بارے میں فیصلے) کا اختیار اللہ	۳۳۱	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام و فضیلت
۳۳۹	اور رسول کو حاصل ہے۔ لہذا تم ڈرو، اور آپس		(۴) باب قوله: ﴿وَقُولُوا حِطَّةٌ﴾
	کے تعلقات درست کر لو۔“		[۱۶۱]
۳۴۰	مالِ غنیمت میں اللہ اور رسول کو اختیار	۳۳۲	باب: ”اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ) ہم آپ کی
۳۴۱	ترجمہ و تشریح		بخشش کے طلب گار ہیں۔“
	باب: ﴿إِنْ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ﴾	۳۳۲	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۴۲	(قرآن) ہی وہ حق جو تیری طرف سے آیا ہے	۳۴۲	الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۲﴾
۳۴۳	تو بارش (عذاب) برسا دے۔		باب: ”یقین رکھو کہ اللہ کے نزدیک بدترین
۳۴۵	مشرکین قریش پر اللہ کا عذاب		جانور وہ بہرے گوشتے لوگ ہیں جو عقل سے
	(۵) باب: ﴿وَقَالُوا لَهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ	۳۴۲	کام نہیں لیتے۔“
۳۴۶	فِتْنَةً وَيَكُونَ الَّذِينَ كُتِلَ اللَّهُ﴾ [۳۹]	۳۴۲	جانوروں سے بدتر لوگ
	باب: ”اور (مسلمانو!) ان کافروں سے	۳۴۲	آیت سے مراد
	لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور		(۲) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
۳۴۶	دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔“		اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا
۳۴۶	فتنہ اور دین کی تفسیر		يُخَيِّبُكُمْ، وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ
۳۴۹	حدیث کا ترجمہ و تشریح		الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾
	(۶) باب: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ خُذْ	۳۴۳	[۲۳]
۳۵۰	الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ [۶۵]		باب: ”اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی
	باب: ”اے نبی! مومنوں کو جنگ پر		دعوت قبول کرو، جب رسول تمہیں اُس بات کی
۳۵۰	اُبھارو۔“		طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔
۳۵۱	دعوت و تبلیغ میں اسلوب و انداز		اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اُس کے
۳۵۱	آیت کی تشریح و مراد		دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے، اور یہ کہ تم
	(۷) باب: ﴿الآن خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ		سب کو اسی کی طرف اکٹھا کر کے لے جایا
۳۵۲	وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا﴾ الآية [۶۶]	۳۴۳	جائے۔“
	باب: ”لو اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا،	۳۴۳	مسئلہ
	اور اُس کے علم میں ہے کہ تمہاری اندر کچھ		(۳) باب قولہ: ﴿وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن
۳۵۲	کمزوری ہے۔“		كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ
۳۵۳	تخفیف کا حکم: ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر	۳۴۳	فَإَمْطِرْ﴾ [الآیة: ۳۲]
			اس ارشاد کا بیان کہ: ”(اور ایک وقت وہ تھا)
۳۵۵	(۹) سورة براءة		جب انہوں نے کہا تھا کہ: ”یا اللہ! اگر یہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۶۲	(۳) باب قولہ: ﴿وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ الی قولہ: ﴿الْمُشْرِكِينَ﴾	۳۵۵	سورۃ براءۃ رتوبہ کا بیان
	اس ارشاد کا بیان: ”اللہ اور اُس کے رسول کی طرف تمام انسانوں کے لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے۔“	۳۵۵	وجہ تسمیہ
۳۶۲	جزیرۃ العرب کی تطہیر اور میعادى معاہدہ ختم ہونے کا اعلان	۳۵۵	سورۃ براءۃ کے مضامین کا حاصل
۳۶۳	(۳) باب: ﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [۳]	۳۵۸	ترجمہ و تشریح
۳۶۳	باب: ”البتہ (مسلمانو!) جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا۔“		(۱) باب قولہ: ﴿بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [۱]
۳۶۳	دو ٹوک آگاہی کا اعلان، لیکن معاہدہ کا احترام	۳۵۹	اس ارشاد کا بیان کہ: ”(مسلمانو!) یہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے دستبرداری کا اعلان ہے اُن مشرکین کے خلاف جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے۔“
۳۶۳	(۵) باب قولہ تعالیٰ: ﴿فَقَاتِلُوا أُمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ﴾ [۱۲]	۳۶۰	ترجمہ و تشریح
۳۶۵	اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”تو ایسے کفر کے سربراہوں سے اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آجائیں، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں۔“	۳۶۱	(۲) باب قولہ: ﴿فَلْيَسْبَحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُفْعِلِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ﴾ [۲]
۳۶۵	آیت کا خلاصہ		ارشاد کا بیان کہ: ”لہذا (اے مشرکوا!) تمہیں چار مہینے تک اجازت ہے کہ تم (عرب کی) سرزمین میں آزادی سے گھومو پھرو، اور یہ بات جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور یہ بات بھی کہ اب کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔“
۳۶۶	”اُمۃ الکفر“ کی تفسیر	۳۶۱	معاہدہ ختم - دو ٹوک اعلان
	(۶) باب قولہ: ﴿وَالَّذِينَ يَخِزُّونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [۳۳]	۳۶۲	سالار حج اور مشرکین کو اعلان آگاہی
۳۶۷	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور جو لوگ سونے		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۶۹	معاطے میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔	۳۶۷	چاندی کو جمع کر کر کے رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُن کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔
۳۷۰	جاہلیت کے زمانے مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کی رسم	۳۶۷	حضرت ابوذر غفاری <small>رضی اللہ عنہ</small> کا تقویٰ اور احتیاط مسئلہ
۳۷۰	مہینوں کی ترتیب و تعین آسانی ہے	۳۶۸	(۷) باب قوله عز وجل: ﴿يَوْمَ يُخَمَّىٰ عَلَيْهِمَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوَىٰ بِهَا﴾ [۳۵]
۳۷۱	تاریخ و سال کا حساب چاند و سورج دونوں سے	۳۶۸	اللہ عز وجل کے اس ارشاد کا بیان: ”جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اُس سے ان لوگوں کو داغا جائے گا۔“
۳۷۲	(۹) باب قوله: ﴿ثَانِيَ النَّيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَخْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ [۳۰]	۳۶۸	بخیل کے بخیل کی سزا
۳۷۲	اس ارشاد کا بیان کہ: ”جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ: غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“	۳۶۸	(۸) باب قوله: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الَّذِينَ الْقِيَمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ [۳۶]
۳۷۳	سفر ہجرت اور رسول اللہ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کا اطمینان	۳۶۹	اس ارشاد کا بیان کہ: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے، جو اللہ کی (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق اُس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ یہی دین (کا) کا سیدھا سادہ (تقاضا) ہے، لہذا ان مہینوں کے
۳۷۳	ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فضائل		
۳۷۵	ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے مابین رنجش کی وجہ		
۳۷۹	تشریح		
۳۷۹	(۱۰) باب قوله: ﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ﴾ [۶۰]		
۳۷۹	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور ان کا جن کی دلداری مقصود ہے، نیز انہیں غلاموں کو آزاد کرنے میں۔“		
۳۷۹	رسول اللہ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے بعد مؤلفۃ قلوبہم کا		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۸۶	پر نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہونا۔	۳۷۹	حکم
۳۸۷	(۱۳) باب قولہ: ﴿مَسِيحُ خَلْفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لَتَعْرِضُوْا عَنْهُمْ﴾ الآية [۹۵]	۳۸۰	لی الرقاب - سے مراد اور اس میں اختلاف (۱۱) باب قولہ: ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ﴾ [۷۹]
۳۸۷	اس ارشاد کے بیان میں کہ: ”جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔“	۳۸۲	اس ارشاد کا بیان: ”(یہ منافق وہی ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والوں کو بھی طعن دیتے ہیں۔“
۳۸۷	(۱۵) باب قولہ: ﴿وَآخِرُونَ اغْتَرَفُوا بِلَذْنُوْبِهِمْ﴾ الآية [۱۰۲]	۳۸۲	منافقین کے مخلص مسلمانوں کو طعن
۳۸۸	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر لیا ہے۔“	۳۸۳	صدقہ سے مال بڑھتا ہے
۳۸۸	آیت کا شان نزول	۳۸۳	صدقہ کی برکات
۳۸۹	اپنے گناہوں پر اظہارِ ندامت	۳۸۳	(۱۲) باب قولہ: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ [۸۰]
۳۸۹	(۱۶) باب قولہ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا اَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ [۱۱۳]	۳۸۴	اس ارشاد کے بیان: ”(اے نبی!) تم ان کیلئے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کیلئے ستر مرتبہ استغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔“
۳۹۰	اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہ بات نہ تو نبی کو زریب دیتی ہے، اور نہ دوسرے مؤمنوں کو کہ وہ مشرکین کیلئے مغفرت کی دعا کریں۔“	۳۸۶	احسان کا ازالہ بھی، قبول اسلام کا مالہ بھی
۳۹۰	مشرکین کیلئے دعاء مغفرت کی ممانعت	۳۸۶	(۱۳) باب قولہ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ اَحَدٍ مِنْهُمْ مَّا تَابَ اَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَيْهِ﴾ [۸۴]
۳۹۰	(۱۷) باب قولہ: ﴿لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلٰی	۳۸۶	اس ارشاد کا بیان: ”اور (اے پیغمبر!) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مرجائے، تو تم اس

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۹۷	مَا عَنِتُمْ ﴿الآیۃ [۱۲۸]	۳۹۱	النَّبِیِّ وَالْمُهَاجِرِینَ وَالْأَنْصَارِ ﴿[۱۱۷]
۳۹۷	اس ارشاد کا بیان: ”(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے۔“	۳۹۱	اس ارشاد کا بیان: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر اور اُن مہاجرین اور انصار پر۔“
۳۹۷	رسول اللہ ﷺ کی ذات: ہر ایک کیلئے رحمت	۳۹۱	کٹھن حالات میں شریک جہاد ہونے پر اللہ کی رحمت
۴۰۱	(۱۰) سورۃ یونس	۳۹۱	صدائق کی برکت سے جوش طاعت میں
۴۰۱	سورۃ یونس کا بیان	۳۹۲	اضافہ
۴۰۱	وجہ تسمیہ		
۴۰۱	سورت کا مرکزی مضمون		
۴۰۲	(۱) باب:	۳۹۳	(۱۸) باب: ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الدِّینَ خُلِفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَآلَّتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحَّبَتْ﴾ الْآیۃ [۱۱۸]
۴۰۲	یہ باب بلا عنوان ہے۔		باب: ”اور اُن تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب اُن پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی۔“
۴۰۲	ترجمہ و تشریح	۳۹۳	تشریح
	(۲) باب: ﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِی إِسْرَآئِیْلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجَنُودُهُ بَغْیًا وَعَدُوًّا حَتَّىٰ إِذَا أَذْرَكُهُ الْفُرْقَىٰ قَالَ أَمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِی آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَآئِیْلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِینَ﴾ [۹۰]	۳۹۵	(۱۹) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الدِّینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ﴾ [۱۱۹]
۴۰۳	باب: ”اور ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر پار کر دیا، تو فرعون اور اُس کے لشکر نے بھی ظلم اور زیادتی کی نیت سے اُن کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب ڈوبنے کا انجام اُس کے سر پر آ پہنچا تو کہنے لگا: میں مان گیا کہ جس خدا پر بنو	۳۹۶	باب: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔“
		۳۹۷	سچائی میں برکت اور جھوٹ میں نحوست
			(۲۰) باب قولہ: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۱۱	اس ارشاد کا بیان کہ: ”جبکہ اُس کا عرش پانی پر تھا۔“	۳۰۳	اسرائیل ایمان لائے ہیں، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں بھی فرماں برداروں میں شامل ہوتا ہوں۔“
۳۱۲	ترجمہ و تشریح	۳۰۳	﴿تَنْجِيكَ﴾ کی تفسیر اور اس میں اقوال
۳۱۳	(۳) باب:	۳۰۵	فرعون کی لاش دیکھنا کیسا ہے؟
۳۱۳	یہ باب بلا عنوان ہے۔		
۳۱۴	ترجمہ و تشریح		
	(۳) باب قولہ: ﴿وَيَقُولُ الْأَخْهَادُ	۳۰۷	(۱۱) سورۃ ہود
۳۱۵	هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا﴾ [۱۸]	۳۰۷	سورۃ ہود کا بیان
	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور وہ گواہی دینے والے کہیں گے کہ: یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹی باتیں لگائی تھیں۔“	۳۰۷	سورت میں عذاب الہی کے واقعات
۳۱۵	(۵) باب قولہ: ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ وَهِيَ خَالِئَةٌ مِنْ	۳۰۸	ترجمہ و تشریح
	أَخْذِهِ أَلَيْمٌ حَدِيدٌ﴾ [۱۰۲]	۳۰۹	﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَمْتَنُونَ ضُورَهُمْ﴾ کی تفسیر
۳۱۶	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور جو بستیاں ظالم ہوتی ہیں، تمہارا رب جب اُن کو گرفت میں لیتا ہے تو اُس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ واقعی اُس کی پکڑ بڑی دردناک، بڑی سخت ہے۔“		(۱) باب: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَمْتَنُونَ ضُورَهُمْ لِيَسْتَعْفِفُوا مِنْهُ الْأَجِنَّ يَسْتَفْشُونَ لِيَأْبَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُبْسِرُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ عَلَيْهِمْ بَذَاتُ الضُّورِ﴾ [۵]
۳۱۶	ترجمہ و تشریح	۳۰۹	باب: ”دیکھو، یہ لوگ اپنے سینوں کو اُس سے چھپنے کے لئے دُہرا کر لیتے ہیں۔ یاد رکھو جب یہ اپنے اُد پر کپڑے لپیٹتے ہیں، اللہ اُن کی وہ باتیں بھی جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں، اور وہ بھی جو یہ علی الاعلان کرتے ہیں۔“
	(۶) باب قولہ: ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُلْهِنُ السَّيِّئَاتِ﴾ الآية [۱۱۴]	۳۰۹	آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال
۳۱۷	اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور (اے پیغمبر!) دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں	۳۱۱	ترجمہ و تشریح
		۳۱۱	(۲) باب قولہ: ﴿وَتَكُنْ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ [۷]

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۲۸	اَنْفُسَكُمْ اَمْرًا فَصَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۸﴾ اس ارشاد کا بیان کہ: ”اُن کے والد نے کہا: (حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بتائی ہے۔ اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔“	۳۱۷	میں نماز قائم کرو۔“
۳۲۸	(۳) باب قولہ: ﴿وَرَاوَدَتْهُ الْيَتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَخَلَقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْت لَكَ﴾ ﴿۲۳﴾ اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے، اُس نے اُن کو درغلانے کی کوشش کی، اور سارے دروازے بند کرنے کے بعد کہنے لگی: آ بھی جاؤ۔“	۳۱۷	اوقاتِ صلوٰۃ کا اجمالی بیان
۳۲۹	(۵) باب قولہ: ﴿فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ اِزْجِعْ اِلَيَّ رَبِّكَ﴾ الی قولہ ﴿فَلَنْ حَاسِ لَكَ﴾ ﴿۵۰، ۵۱﴾ اس ارشاد کا بیان کہ: ”چنانچہ جب اُن کے پاس اچھی پہنچا تو یوسف نے کہا: اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ، اور اُن سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا کیا قصہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ میرا پروردگار ان عورتوں کے مکر سے خوب واقف ہے۔ بادشاہ نے (اُن عورتوں کو بلا کر اُن سے) کہا: تمہارا کیا قصہ تھا جب تم نے یوسف کو درغلانے کی کوشش کی تھی؟ ان سب عورتوں نے کہا کہ: حاشا للہ!“	۳۱۷	عظیم فائدہ
		۳۱۹	ترجمہ و تشریح
		۳۲۱	(۱۲) سورۃ یوسف
		۳۲۱	سورۃ یوسف کا بیان
		۳۲۱	کنویں سے بازارِ مصر تک، اسیری سے زعم
		۳۲۱	سلطنت تک کا سفر
		۳۲۲	احسن القصص - نہایت حسین طرزِ بیان
		۳۲۳	ترجمہ و تشریح
		۳۱۶	(۱) باب قولہ: ﴿وَيَتِمُّ بِغَمْتِهِ عَلَيَّكَ وَعَلَى آلِ يَعْقُوْبَ﴾ الایۃ ﴿۶﴾ اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور تم پر اور یعقوب کی اولاد پر اپنی نعمت اُسی طرح پوری کرے گا۔“
		۳۱۶	(۲) باب قولہ: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِّلسَّائِلِيْنَ﴾ ﴿۷﴾ اس ارشاد کا بیان کہ: ”حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ (تم سے یہ واقعہ) پوچھ رہے ہیں، اُن کیلئے یوسف اور اُن کے بھائیوں (کے حالات میں) بڑی نشانیاں ہیں۔“
		۳۱۶	قصہ یوسف علیہ السلام میں عقل والوں کیلئے نشانیاں
		۳۱۶	(۳) باب قولہ: ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۴۳	(۱) باب قولہ: ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَضَلُّهَا ثَابِتٌ﴾ الآية [۲۴]	۴۳۲	مقام عبدیت
۴۴۳	اس ارشاد کا بیان کہ: ”وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جھی ہوئی ہے۔“	۴۳۳	(۶) باب قولہ: ﴿وَحَتَّىٰ إِذَا امْتَنَاسَ الرُّسُلُ﴾ [۱۱۰]
۴۴۳	بولنا علم ہے تو کب بولنا یہ حکمت ہے!	۴۳۳	اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہاں تک کہ جب پیغمبر مایوس ہو گئے۔“
۴۴۳	(۲) باب: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ [۲۷]	۴۳۴	اشکال و جواب
۴۴۴	باب: ”جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ اُن کو اس مضبوط بات پر۔“	۴۳۵	(۱۳) سورة الرعد
۴۴۴	ایمان دنیا و نرت میں ثابت قدمی کا سبب	۴۳۵	سورة رعد کا بیان
۴۴۴	(۳) باب: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ [۲۸]	۴۳۵	قدرتِ کاملہ، وحدانیت، عقیدہ رسالت و آخرت
۴۴۵	باب: ”کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا۔“	۴۳۶	ترجمہ و تشریح
۴۴۵	ترجمہ و تشریح	۴۳۸	(۱) باب قولہ: ﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ﴾ [۸]
۴۴۵	رؤسائے قریش اور کفرانِ نعمت	۴۳۸	اس ارشاد کا بیان کہ: ”جس کسی مادہ کو جو حمل ہوتا ہے، اللہ اُس کو بھی جانتا ہے، اور ماؤں کے رحم میں جو کوئی کمی بیشی ہوتی ہے، اُس کو بھی۔“
۴۴۷	(۱۵) تفسیر سورة الحجر	۴۳۹	مفاتیح الغیب
۴۴۷	سورة حجر کی تفسیر	۴۴۱	(۱۴) سورة ابراهيم
۴۴۷	کفار کی تردید، مسلمانوں کی تسلی اور مؤثر انداز میں تبلیغ کی تعلیم	۴۴۱	سورة ابراهيم کا بیان
۴۴۸	سورت کی وجہ تسمیہ	۴۴۱	وجہ تسمیہ
۴۴۸	ترجمہ و تشریح	۴۴۲	ترجمہ و تشریح

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۵۸	"مُقْتَسِمِينَ" کا مصداق	۳۳۹	(۱) باب قولہ: ﴿إِلَّا مَنْ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ﴾
۳۵۹	(۵) باب قولہ: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ [۹۹]	۳۳۹	اس ارشاد کا بیان: "البتہ جو کوئی چوری سے کچھ سننے کی کوشش کرے تو ایک روشن شعلہ اُس کا پیچھا کرتا ہے۔"
۳۵۹	اس ارشاد کا بیان: "اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔"	۳۵۱	تشریح
۳۵۹	ذکر اللہ: قلب و ذہن کی راحت کا ساماں	۳۵۲	شہاب ثاقب اور فلاسفہ
۳۶۱	(۱۶) سورة النحل	۳۵۳	(۲) باب قولہ: ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ﴾ [۸۰]
۳۶۱	سورت النحل کا بیان	۳۵۳	اس ارشاد کا بیان: "اور حجر کے باشندوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔"
۳۶۱	وجہ تسمیہ	۳۵۳	مقامات عذاب میں جانے کی ممانعت
۳۶۱	نعتوں کا تذکرہ، قبول ایمان کی دعوت	۳۵۵	(۳) باب قولہ: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ مَبْعَأً مِنَ الْمُنَافِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ [۸۷]
۳۶۱	اور شرعی احکام پر مشتمل سورۃ	۳۵۵	اس ارشاد کا بیان کہ: "اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں، اور عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔"
۳۶۳	ترجمہ و تشریح	۳۵۶	قرآن کریم کا خلاصہ و متن
۳۶۵	(۱) باب قولہ تعالیٰ: ﴿وَمِنْكُمْ مَنْ يُؤَدُّ إِلَيَّ أَرْذَلِ الْعُمُرِ﴾ [۷۰]	۳۵۶	(۳) باب قولہ عز وجل: ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ [۹۱]
۳۶۵	اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: "اور تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو عمر کے سب سے ناکارہ حصے تک پہنچا دیا جاتا ہے۔"	۳۵۶	عز وجل کے ارشاد کا بیان: "جنہوں نے (اپنی) پڑھی جانے والی کتاب کے حصے بخرے کر لئے تھے۔"
۳۶۵	انسان کی حیثیت!	۳۵۶	ترجمہ و تشریح
۳۶۶	دعائے مأثورہ	۳۵۶	
۳۶۷	(۱۷) سورة بنی اسرائیل	۳۵۷	
۳۶۷	سورۃ بنی اسرائیل کا بیان	۳۵۷	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۷۹	أَمَرْنَا مُتَوَلِّيَهَا ﴿الآيَةُ [۱۶]	۳۶۷	وجہ تسمیہ
۳۷۹	باب: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس کے خوش حال لوگوں کو (ایمان اور اطاعت کا) حکم دیتے ہیں۔“	۳۶۷	رسالت کا ثبوت، معاندین کا انجام
۳۷۹	عذاب الہی آنے کی علامت	۳۶۸	مسلمانوں کو دینی و معاشرتی اور اخلاقی طرز عمل کی ہدایات
۳۷۹	(۵) باب ﴿ذُرِّيَّةٌ مِّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ [۳]	۳۶۸	(۱) باب:
۳۸۰	باب: ”اے اُن لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا! وہ بڑے شکر گزار بندے تھے۔“	۳۶۸	یہ باب بلا عنوان ہے۔
۳۸۰	(۶) باب قوله: ﴿وَأَتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾ [۵۵]	۳۶۹	(۲) باب:
۳۸۲	اس ارشاد کا بیان: ”اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی تھی۔“	۳۶۹	یہ باب بلا عنوان ہے۔
۳۸۲	(۷) باب: ﴿لَقَدْ أَذْعَوْا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ﴾ [۵۶]	۳۶۹	ترجمہ و تشریح
۳۸۵	باب: ”(جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کو مانتے ہیں، اُن سے) کہہ دو کہ: جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے، انہیں پکار کر دیکھو۔“	۳۷۱	(۳) باب قوله: ﴿أَسْرَىٰ بِعَقِيدِهِ تَبِلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [۱]
۳۸۵	(۸) باب قوله: ﴿أَوَلَيْكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَتَنَفَّوْنَ إِلَىٰ رَبِّهِمْ الْوَسِيلَةَ﴾ الآية [۵۷]	۳۷۱	اس ارشاد کا بیان: ”جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے۔“
۳۸۵	اس ارشاد کا بیان: ”جن کو یہ لوگ پکارتے	۳۷۱	مختصر واقعہ معراج
		۳۷۳	دودھ اور شراب پیش کرنے کی حکمت
		۳۷۵	قریش کے سوالات پر بیت المقدس آنحضرت ﷺ کے سامنے لانا
		۳۷۶	(۴) باب قوله تعالى: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾
		۳۷۶	اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان: ”اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے۔“
		۳۷۶	بنی آدم کی فضیلت کی وجہ
		۳۷۸	ترجمہ و تشریح
			باب: ﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُهْلِكَ قَرْيَةً

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۹۰	گیا۔“ حق کی برتری اور باطل کا سرنگوں کا خدائی	۳۸۵	ہیں، وہ تو خود اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔“
۳۹۱	اعلان شرک و کفر اور باطل کی رسوم و نشانات کا مٹانا	۳۸۶	تشریح (۹) باب: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ [۶۰]
۳۹۱	واجب ہے (۱۳) باب: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ﴾ [۸۵]	۳۸۶	باب: ”اور ہم نے جو نظارہ تمہیں دکھایا ہے، اُس کو ہم نے (کافر) لوگوں کیلئے بس ایک فتنہ بنادیا۔“
۳۹۲	باب: ”اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔“	۳۸۷	فتنہ میں ڈالنے سے مراد ”رُویا“ کی تشریح
۳۹۲	رُوح کی حقیقت	۳۸۸	تھوہر کا درخت: دوزخیوں کی خوراک
۳۹۳	ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں	۳۸۸	(۱۰) باب قولہ: ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ [۷۸]
۳۹۳	(۱۳) باب: ﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تَخَالِثْ بِهَا﴾ [۱۱۰]	۳۸۸	اس ارشاد کا بیان: ”یاد رکھو فجر کی تلاوت میں مجمع حاضر ہوتا ہے۔“
۳۹۳	باب: ”اور تم اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے پڑھو، اور نہ بہت پست آواز سے۔“	۳۸۸	فجر و عصر باجماعت پڑھنے کی خصوصی تاکید
۳۹۳	آیت کا شان نزول	۳۸۹	(۱۱) باب قولہ: ﴿عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ [۷۹]
۳۹۵	قرأت میں میانہ روی کا حکم	۳۸۹	اس ارشاد کا بیان: ”امید ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود تک پہنچائے گا۔“
۳۹۷	(۱۸) سورة الكهف	۳۸۹	مقام محمود کا وعدہ
۳۹۷	سورة كهف کا بیان	۳۸۹	(۱۲) باب: ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ الآية [۸۱]
۳۹۷	سورت کی وجہ تسمیہ اور مرکزی موضوعات	۳۹۰	باب: ”اور کہو کہ: حق آن پہنچا، اور باطل مٹ
۳۹۸	سورة كهف کی خصوصیات اور فضائل		
۳۹۹	ترجمہ و تشریح		
	(۱) باب قولہ: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۱۳	[۶۲-۶۳] اس ارشاد کا بیان: ”پھر جب دونوں آگے نکل گئے، تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ: ہمارا ناشتہ لاؤ، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس میں سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہو گئی ہے۔“	۵۰۰	اَنْكَرَ هُنِيءٌ جَدًّا لَا ﴿۵۳﴾ اس ارشاد کا بیان: ”اور انسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر چیز سے بڑھ گیا ہے۔“
۵۱۳	ترجمہ و تشریح	۵۰۱	ترجمہ و تشریح
۵۱۳	(۲) باب قولہ: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاہُ لَا أَتَّبِعُكَ حَتَّىٰ تُأْتِيَنِي مِنَ الْبَحْرِ مِجْرًا أَوْ أَتِيَنِي خَلْفًا﴾ [۶۰]	۵۰۲	(۲) باب قولہ: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاہُ لَا أَتَّبِعُكَ حَتَّىٰ تُأْتِيَنِي مِنَ الْبَحْرِ مِجْرًا أَوْ أَتِيَنِي خَلْفًا﴾ [۶۰]
۵۱۳	ترجمہ و تشریح	۵۰۲	اس ارشاد کا بیان: ”اور (اُس وقت کا ذکر سنو) جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا تھا کہ: میں اُس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ برسوں چلا رہوں گا۔“
۵۱۳	(۵) باب قولہ تعالیٰ: ﴿قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ﴾ الی آخرہ اس ارشاد کا بیان: ”اُس نے کہا: بھلا بتائیے! (عجیب قصہ ہو گیا) جب ہم اُس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں مچھلی (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔“	۵۰۲	(۳) باب قولہ: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نِسِيَا خُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ مَرًى﴾ [۶۱]
۵۱۵	مجمع البحرين	۵۰۸	اس ارشاد کا بیان: ”چنانچہ جب وہ سنگم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنا لیا۔“
۵۱۶	(۶) باب قولہ: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ [۱۰۳]	۵۰۸	تشریح
۵۱۶	اس ارشاد کا بیان: ”کہہ دو کہ: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟“	۵۱۲	(۴) باب قولہ: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاہُ آتِنَا غَدَاءَ نَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ الی قولہ: ﴿فَقَضَا﴾
۵۱۶	غلط عقیدہ اور ریاکاری کے ہوتے ہوئے اعمال بیکار ہیں		
۵۱۶	حدیث کی عبارت کی روشنی میں تشریح		
۵۱۷	(۷) باب: ﴿أَوَلَيْكَ الْدِّينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّہُمْ وَلِقَائِهِ فَعَبِطُوا أَعْمَالُہُمْ﴾ [۱۰۵]		
۵۱۸			

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۲۵	حضرت جبرائیل علیہ السلام - مامور من اللہ (۳) باب قولہ: ﴿أَلَمْ أَرْأَيْتِ اللَّذِیْ كَفَرْنَا بِآبَائِنَا وَقَالَ لِأَوْتَيْنِ مَا لَا وَوَلَدْنَا﴾ [۷۷]	۵۱۸	باب: ”یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مالک کی آفتوں کا اور اُس کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا، اس لئے ان کا سارا کیا دھرا غارت ہو گیا۔“
۵۲۶	اس ارشاد کا بیان: ”بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آفتوں کو ماننے سے انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ: مجھے مال اور اولاد (آخرت میں بھی) ضرور ملیں گے۔“	۵۱۸	میزان حساب میں بے وزن اعمال والے
۵۲۶	(۳) باب قولہ: ﴿أَطْلَعَ الْغَیْبِ اَم اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ [۷۸]	۵۲۱	(۱۹) سورۃ کھم
۵۲۷	اس ارشاد کا بیان: ”کیا اُس نے عالم غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے، یا اُس نے خدائے رحمن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟“	۵۲۱	سورۃ کھم - یعنی سورۃ مریم کا بیان
۵۲۷	(۵) باب قولہ: ﴿كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا یَقُولُ وَنَمْلُ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًا﴾	۵۲۱	سورت کا بنیادی مقصد اور وجہ تسمیہ
۵۲۸	[۷۹]	۵۲۲	ترجمہ و تشریح
۵۲۸	اس ارشاد کا بیان: ”ہرگز نہیں! جو کچھ یہ کہہ رہا ہے، ہم اُسے بھی لکھ رکھیں گے، اور اُس کے عذاب میں اور اضافہ کر دیں گے۔“	۵۲۳	(۱) باب قولہ عزوجل: ﴿وَأَنذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ [۳۹]
۵۲۸	(۶) باب قولہ: ﴿وَنُورُهُ مَا یَقُولُ وَبِأَیِّینَا لُزْدَا﴾ [۸۰]	۵۲۳	اللہ عزوجل کے ارشاد کا بیان: ”اور (اے پیغمبر!) ان کو اُس پچھتاوے کے دن سے ڈرائیے۔“
۵۲۸	اس ارشاد کا بیان: ”اور جس (مال اور اولاد) کا یہ حوالہ دے رہا ہے، اُس کے وارث ہم ہوں گے، اور یہ ہمارے پاس تنہا آئے	۵۲۳	یوم الحسرة - حسرت کا دن
		۵۲۵	(۲) باب قولہ: ﴿وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَیْنَ أَيْدِنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذَلِكَ﴾ [۶۳]
		۵۲۵	اس ارشاد کا بیان: ”اور (فرشتے تم سے یہ کہتے ہیں کہ) ہم آپ کے رب کے حکم بغیر اتر کر نہیں آتے۔ جو کچھ ہمارے آگے ہے، اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، وہ سب اُسی کی ملکیت ہے۔“

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	انہیں ڈھانپا، وہ انہیں ڈھانپ کر رہی۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو برے راستے پر لگایا اور انہیں صحیح راستہ نہ دکھایا۔“	۵۲۸	گا۔“
۵۳۵		۵۳۱	سورۃ طہ
۵۳۶	بنی اسرائیل کا عبور دریا اور فرعون کا تعاقب	۵۳۱	سورۃ طہ کا بیان
۵۳۷	عاشورہ کے دن روزہ کا حکم	۵۳۱	سورت کا بنیادی مقصد اور ترتیب واقعات
	(۳) باب قولہ: ﴿لَا يَخْرُجُ عَنْكُمْ مِنَ	۵۳۱	حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ
۵۳۷	الْجَنَّةِ فَتَشْقَى﴾ [۱۱۷]	۵۳۳	ترجمہ و تشریح
	اس ارشاد کا بیان: ”لہذا ایسا نہ ہو کہ یہ تم		(۱) باب قولہ: ﴿وَاضْطَنَعْتُكَ
	دونوں کو جنت سے نکلوا دے، اور تم مشقت	۵۳۵	لِنَفْسِي﴾ [۳۱]
۵۳۷	میں پڑ جاؤ۔“		اس ارشاد کا بیان: ”اور میں نے تمہیں خاص
۵۳۷	بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے	۵۳۵	اپنے لئے بنایا ہے۔“
۵۳۸	نفقہ واجبہ صرف چار چیزیں ہیں		(۲) باب: ﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ
۵۳۹	سورۃ الانبیاء		أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَأَضْرِبَ لَهُمْ طَرِيقًا
۵۳۹	سورۃ انبیاء کا بیان		فِي الْبَحْرِ يَمَسًّا لَا يُخَافُ دَرْكًا وَلَا
۵۳۹	وجہ تسمیہ		تَخْشَىٰ فَاتَّبَعْتَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ
۵۴۰	ترجمہ و تشریح	۵۳۵	فَفَشَّيْتَهُمْ مِنَ اللَّيْلِ مَا عَشَيْتَهُمْ وَأَضَلَّ
	(۱) باب: ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ		فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ﴾ [۷۷-۷۹]
۵۴۱	نُعِينُهُ وَغَدَا عَلَيْنَا﴾ [۱۰۳]		باب: ”اور ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ: تم
	باب: ”جس طرح ہم نے پہلی بار تخلیق کی ابتدا		میرے بندوں کو لیکر راتوں رات روانہ ہو جاؤ،
	کی تھی، اسی طرح ہم اُسے دوبارہ پیدا کر دیں		پھر ان کیلئے سمندر میں ایک خشک راستہ اس
۵۴۱	کے۔“		طرح نکال لینا کہ نہ تمہیں (دُشمن کے)
۵۴۲	میدان حشر کا احوال		آ پکڑنے کا اندیشہ رہے، اور نہ کوئی اور خوف
۵۴۳	یارب اصحابی - سے مراد		ہو۔ چنانچہ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت اُن
			کا پیچھا کیا تو سمندر کی جس (خوفناک) چیز نے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۵۳	(۲۳) سورة المؤمنون	۵۴۵	(۲۲) سورة الحج
۵۵۳	سورة مؤمنون کا بیان	۵۴۵	سورة حج کا بیان
۵۵۳	وجہ تسمیہ اور مؤمنوں کی صفات	۵۴۵	وجہ تسمیہ
۵۵۳	مقصد زندگی	۵۴۵	صبر کے بعد جہاد کا حکم
۵۵۳	ترجمہ و تشریح	۵۴۵	خصوصیات سورت
۵۵۴	(۲۴) سورة النور	۵۴۶	ترجمہ و تشریح
۵۵۴	سورة النور کا بیان	۵۴۷	(۱) باب قوله: ﴿وَتَرَى النَّاسَ
۵۵۴	بے حیائی و فحاشی کی روک تھام، عفت و عصمت	۵۴۷	مُكَارِبِينَ﴾ [۲]
۵۵۴	کے فروغ کے احکام	۵۴۷	اس ارشاد کا بیان: ”اور لوگ تمہیں یوں نظر
۵۵۸	ترجمہ و تشریح	۵۴۷	آئیں گے کہ جیسے وہ نشے میں بدحواس ہیں۔“
۵۵۸	(۱) باب قوله عز وجل: ﴿وَالَّذِينَ	۵۴۸	احوال قیامت
۵۶۰	يَزْمُونَ أَرْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ	۵۵۰	(۲) باب: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَغْبِطُ اللَّهَ
۵۶۰	شُهَدَاءُ﴾ الآية [۶]	۵۵۰	عَلَىٰ خَوَافٍ﴾ [۱۱]
۵۶۰	اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان: ”اور جو	۵۵۰	باب: ”اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو ایک
۵۶۰	لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں، اور خود اپنے	۵۵۰	کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔“
۵۶۰	سوا ان کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہوں۔“	۵۵۰	یٹھا یٹھا ہپ ہپ، ؟؟؟
۵۶۰	لعان کا حکم اور طریقہ کار	۵۵۱	(۳) باب قوله: ﴿هَٰذَا نِ غَضَمَانِ
۵۶۱	آیات لعان کا شان نزول	۵۵۱	اخْتَصَمُوا إِلَيَّ رَبِّهِمْ﴾ [۱۹]
۵۶۱	(۲) باب: ﴿وَالْغَامِصَةُ أَنْ لَعَنَ اللَّهُ	۵۵۱	اس ارشاد کا بیان: ”یہ (مؤمن اور کافر)
۵۶۳	عَلْبَةً إِنْ كَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ [۷]	۵۵۱	دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے
۵۶۳	باب: ”اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: اگر میں	۵۵۱	بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ہے۔“
۵۶۳	(اپنے الزام میں) جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی	۵۵۱	حق و باطل کے اعتبار
۵۶۳	لعنت ہو۔“		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۶۸	ہیں۔“	۵۶۵	(۳) باب: ﴿وَيَذَرُهَا الْعَذَابُ﴾ الآیہ [۸]
۵۶۸	(۷) باب قولہ: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَفِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَفْلَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [۱۳]	۵۶۵	باب: ”اور عورت سے (زنا کی) سزا دہر کرنے کا راستہ یہ ہے۔“
۵۶۸	اس ارشاد کا بیان: ”اور اگر تم پر دُنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے، اُن کی وجہ سے تم پر اُس وقت سخت عذاب آ پڑتا۔“	۵۶۶	(۴) باب قولہ: ﴿وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ [۹]
۵۶۸	(۸) باب: ﴿وَإِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِاللَّوَاهِغِكُمْ مَا تَلْسَنَ لَكُمْ بِهِ عَلِيمٌ﴾ [۱۵]	۵۶۶	اس ارشاد کا بیان: ”اور پانچویں مرتبہ یہ ہے کہ: اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔“
۵۶۸	باب: ”جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے، اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا۔“	۵۶۷	(۵) باب قولہ: ﴿إِنَّ الدِّينَ جَاؤَا بِالْإِفْكِ غُصْبَةً مِنْكُمْ﴾ [۱۱]
۵۶۸	عقین جرم	۵۶۷	اس ارشاد کا بیان: ”یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں، وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے۔“
۵۶۹	باب: ﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ [۱۲]	۵۶۸	تشریح
۵۶۹	باب: ﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ [۱۲]	۵۶۸	(۶) باب: ﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ [۱۲]
۵۶۹	باب: ”جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، اُسی وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ: ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم یہ بات منہ سے نکالیں۔“	۵۶۸	باب: ”جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مرد بھی اور مؤمن عورتیں بھی اپنے بارے میں نیک گمان رکھتے۔“ اس آیت کے آخر تک ”وہی جھوٹے
۵۶۹	مسلمان کے ایمانیت کا تقاضا		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۸۲	مہربان ہے۔“	۵۸۱	(۹) باب قولہ: ﴿يَعْظُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُوذُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا﴾ الآية [۱۷]
۵۸۳	صحابہ کرام ﷺ کو اعلیٰ خلاق کی تعلیم	۵۸۱	اس ارشاد کا بیان: ”اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے
۵۸۵	(۱۲) باب: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾	۵۸۱	کہ پھر کبھی ایسا نہ کرتا۔“
۵۸۵	باب: ”اور اپنی اور حویوں کے آنچل اپنے	۵۸۱	(۱۰) باب: ﴿وَيُتَيْنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ [۱۸]
۵۸۶	گر بیانوں پر ڈال لیا کریں۔“	۵۸۱	باب: ”اور اللہ تمہارے سامنے ہدایت کی
۵۸۷	زینت اور پردہ کی توضیح	۵۸۱	باتیں صاف صاف بیان کر رہا ہے۔ اور اللہ علم
	احکام پردہ سے استثناء	۵۸۱	کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے۔“
		۵۸۱	(۱۱) باب: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا﴾
		۵۸۱	الآیۃ الی قولہ: ﴿رَزَوْفَ رَحِيمٍ﴾ [۱۹]
		۵۸۱	- [۲۰] ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ﴾ الی قولہ: ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ
		۵۸۱	رَحِيمٌ﴾ [۲۲]
		۵۸۱	باب: ”یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ
		۵۸۱	ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے۔“
		۵۸۱	(آیت: ۱۹) اس آیت تک: ”اور اللہ بڑا شفیق
		۵۸۱	، بڑا مہربان ہے۔“ (آیت: ۲۰)
		۵۸۱	”اور تم میں سے جو لوگ اہل خیر ہیں اور مالی
		۵۸۱	وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ
		۵۸۱	رشتہ داروں اور مسکینوں کو کچھ نہیں دیں گے۔“
		۵۸۱	یہاں تک۔“ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى .

عرض مرتب

اساتذہ کرام کی درسی تقاریر کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے ابنائے دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں فیض الباری، فضل الباری، انوار الباری، لامع الدراری، الکوکب الدرّی، الحل المفہم لصحیح مسلم، کشف الباری، تقریر بخاری شریف اور درس بخاری جیسی تصانیف اکابر کی ان درسی تقاریر ہی کی زندہ مثالیں ہیں اور علوم نبوت کے طالبین ہر دور میں ان تقاریر دل پذیر سے استفادہ کرتے رہیں اور کرتے رہیں گے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کی مسند تدریس پر رونق آراء شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (سابق جسٹس شریعت اہلیٹ بینچ سپریم کورٹ آف پاکستان) علمی وسعت، فقیہانہ بصیرت، فہم دین اور شکلفۃ طرز تفہیم میں اپنی مثال آپ ہیں، درس حدیث کے طلبہ اس بحر بنے کنار کی وسعتوں میں کھو جاتے ہیں اور بحث و نظر کے نئے نئے افق ان کے نگاہوں کو خیرہ کر دیتے ہیں، خاص طور پر جب جدید تمدن کے پیدا کردہ مسائل سامنے آتے ہیں تو شرعی نصوص کی روشنی میں ان کا جائزہ، حضرت شیخ الاسلام کا وہ میدان بحث و نظر ہے جس میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند کی دعاؤں اور تمناؤں کا مظہر بھی ہیں، کیونکہ انہوں نے آخر عمر میں اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں انگریزی پڑھوں اور یورپ پہنچ کر ان دانا یان فرنگ کو بتاؤں کہ حکمت وہ نہیں جسے تم حکمت سمجھ رہے ہو بلکہ حکمت وہ ہے جو انسانوں کے دل و دماغ کو حکیم بنانے کے لئے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مبارک واسطے سے خدا کی طرف سے دنیا کو عطا کی گئی۔ افسوس کہ حضرت کی عمر نے وفانہ کی اور یہ تمنا تھنہ تکمیل رہی، لیکن اللہ رب العزت اپنے پیاروں کی تمناؤں اور دعاؤں کو رد نہیں فرماتے، اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تمنا کو دور حاضر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی صورت میں پورا کر دیا کہ آپ کی علمی و عملی کاوشوں کو دنیا بھر کے مشاہیر اہل علم و فن میں سراہا جاتا ہے خصوصاً اقتصادیات کے شعبہ میں اپنی مثال آپ ہیں کہ قرآن وحدیث، فقہ و تصوف اور تدین و تقویٰ کی جامعیت کے ساتھ ساتھ قدیم اور جدید علوم پر دسترس اور ان کو دور حاضر کی زبان پر سمجھانے کی صلاحیت آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب یہ میرے پاس پڑھنے کے لئے آئے تو بمشکل ان کی عمر گیارہ/بارہ سال تھی مگر اسی وقت سے ان پر آثار ولایت محسوس ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی صلاحیتوں میں ترقی و برکت ہوتی رہی، یہ مجھ سے استفادہ کرتے رہے اور میں ان سے استفادہ کرتا رہا۔

سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مجھ سے مجلس خاص میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا ذکر آنے پر کہا کہ تم محمد تقی کو کیا سمجھتے ہو، یہ مجھ سے بھی بہت اوپر ہیں اور یہ حقیقت ہے۔

ان کی ایک کتاب "علوم القرآن" ہے اس کی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی حیات میں تکمیل ہوئی اور چھپی اس پر مفتی محمد شفیع صاحب نے غیر معمولی تقریظ لکھی ہے۔ اکابرین کی عادت ہے کہ جب کسی کتاب کی تعریف کرتے ہیں تو جانچ تول کر بہت بچے ٹلے انداز میں کرتے ہیں کہ کہیں مبالغہ نہ ہو مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں کہ:

یہ مکمل کتاب ماشاء اللہ ایسی ہے کہ اگر میں خود بھی اپنی تندرستی کے زمانے میں لکھتا تو ایسی نہ لکھ سکتا تھا، جس کی دو وجہ ظاہر ہیں:

پہلی وجہ تو یہ کہ عزیز موصوف نے اس کی تصنیف میں جس تحقیق و تنقید اور متعلقہ کتابوں کے عظیم ذخیرہ کے مطالعہ سے کام لیا، وہ میرے بس کی بات نہ تھی، جن کتابوں سے یہ مضامین لئے گئے ہیں ان سب مآخذوں کے حوالے بقید ابواب و صفحات حاشیہ میں درج ہیں، انہی پر سرسری نظر ڈالنے سے ان کی تحقیقی کاوش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اور دوسری وجہ جو اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے وہ یہ کہ میں انگریزی زبان سے ناواقف ہونے کی بناء پر مستشرقین یورپ کی ان کتابوں سے بالکل ہی ناواقف تھا، جن میں انہوں نے قرآن کریم اور علوم قرآن کے متعلق زہر آلود تلیسبات سے کام لیا ہے، برخوردار عزیز نے چونکہ انگریزی میں بھی ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا، انہوں نے ان تلیسبات کی حقیقت کھول کر وقت کی اہم ضرورت پوری کر دی۔

اسی طرح شیخ عبدالغفار ابو غندہ رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بارے میں

تحریر کیا:

لقد من الله تعالى بتحقيق هذه الأمانة العالية الكريمة ،
وطبع هذا الكتاب الحديثي الفقهي العجائب ، في مدينة
كراتشي من باكستان ، متوجا بخدمة علمية ممتازة ، من
العلامة المحقق المحدث الفقيه الأريب الأديب فضيلة
الشيخ محمد تقي العثماني ، لجل سماحة شيخنا المفتي
الأكبر مولانا محمد شفيع مد ظله العالی فی عافیة وسرور .

لقام ذاك النجل الوارث الألمعي بتحقيق هذا
الكتاب والتعليق عليه ، بما يستكمل غاياته ومقاصده ، ويتم
فرائده وفوائده ، في ذوق علمي رفيع ، وتنسيق فني طباعي
بديع ، مع أبهى حلة من جمال الطباعة الحديثة الراقية فجاء
المجلد الأول منه تحفة علمية رائعة . تتجلى فيها خدمات
المحقق اللوذعي لفاحة باكستان فاستحق بهذا الصنيع
العلمي الرابع : شكر طلبة العلم والعلماء .

کہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتاب شرح صحیح مسلم جس کا نام فتح الملہم
بشرح صحیح مسلم اس کی تکمیل سے قبل ہی اپنے مالک حقیقی سے
جا ملے۔ تو ضروری تھا کہ آپ کے کام اور اس حسن کارکردگی کو پایہ تکمیل
تک پہنچائیں اسی بناء پر ہمارے شیخ ، علامہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع
رحمہ اللہ نے ذہین و ذکی فرزند ، محدث جلیل ، فقیہ ، ادیب و اریب مولانا
محمد تقی عثمانی کی اس سلسلہ میں ہمت و کوشش کو ابھارا کہ فتح الملہم
شرح مسلم کی تکمیل کرے ، کیونکہ آپ حضرت شیخ شارح شبیر احمد عثمانی
کے مقام اور حق کو خوب جانتے تھے اور پھر اس کو بھی بخوبی جانتے تھے کہ
اس با کمال فرزند کے ہاتھوں انشاء اللہ یہ خدمت کما حقہ انجام کو پہنچے گی۔

اسی طرح عالم اسلام کی مشہور فقہی شخصیت ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی ”تکملة فتح الملہم“ پر

تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد ادخر القدر فضل اكماله واتمامه - إن شاء الله - لعالم

جليل من أسره علم و فضل "ذرية بعضها من بعض" هو
الفقيه ابن الفقيه، صديقنا العلامة الشيخ محمد تقى
العثمانى، ابن الفقيه العلامة المفتى مولانا محمد شفيع
رحمه الله وأجزل مثوبته، و تقبله فى الصالحين .

وقد أتاحت لى الأقدار أن أعرف عن كتب على الأخ
الفاضل الشيخ محمد تقى، فقد التقيت به فى بعض
جلسات الهيئة العليا للفتوى والرقابة الشرعية للمصارف
الإسلامية، ثم فى جلسات مجمع الفقه الإسلامى العالمى،
وهو يمثل فيه دولة باكستان، ثم عرفته أكثر فأكثر، حين سعدت
به معى عضوا فى الهيئة الشرعية لمصرف فيصل الإسلامى
بالبحرين، والذى له فروع عدة فى باكستان .

وقد لمست فيه عقلية الفقيه المطلع على
المصادر، المتمكن من النظر والاستباط، القادر على الاختيار
والترجيح، والواعى لما يدور حوله من أفكار و
مشكلات - أنفجها

هذا العصر الحريص على أن تسود شريعة الاسلام
وتحكم فى ديار المسلمين .

ولا ريب أن هذه الخصائص تجلت فى شرحه لضميخ
مسلم، وبعبارة أخرى : فى تكملته لفتح الملهم .

فقد وجدت فى هذا الشرح : حسن المحدث ،
وملكة الفقيه، وعقلية المعلم، وأناة القاضى، ورؤية
العالم المعاصر، جنباً إلى جنب .

ومما يذكر له هنا : أنه لم يلتزم بأن يسير على
نفس طريقة شيخه العلامة شبير أحمد، كما نصحه
بذلك بعض أحيائه، وذلك لوجوه وجيهة ذكرها فى
مقدمته .

ولا ريب أن لكل شيخ طريقته وأسلوبه الخاص، الذي يعاير بمكانه وزمانه وثقافته، وتيارات الحياة من حوله. ومن التكلف الذي لا يحمد محاولة العالم أن يكون نسخة من غيره، وقد خلقه الله مستقلاً.

لقد رأيت شروحا عدة لصحيح مسلم، قديمة وحديثة، ولكن هذا الشرح للعلامة محمد تقی هو أول اها بالتنبؤ به، وأولها بالفوائد والفرائد، وأحقها بأن يكون هو (شرح العصر) للصحيح الثانی.

فهو موسوعة بحق، تتضمن بحوثاً وتحقيقات حديثة، وفقهية ودعوية وتربوية. وقد هيات له معرفته بأكثر من لغة، ومنها الإنجليزية، وكذلك قراءته لثقافة العصر، وإطلاعه على كثير من تياراته الفكرية، أن يعقد مقارنات شتى بين أحكام الإسلام وتعاليمه من ناحية، وبين الديانات والفلسفات والنظريات المخالفة من ناحية أخرى وأن يبين هنا أصالة الإسلام وتميزه الخ-

انہوں نے فرمایا کہ مجھے ایسے مواقع میسر ہوئے کہ میں برادر قاضی شیخ محمد تقی کو قریب سے پہچانوں۔ بعض فتوؤں کی مجالس اور اسلامی محکموں کے نگراں شعبوں میں آپ سے ملاقات ہوئی پھر مجمع الفقہ الاسلامی کے جلسوں میں بھی ملاقات کے مواقع آتے رہے، آپ اس مجمع میں پاکستان کی نمائندگی فرماتے ہیں۔ الغرض اس طرح میں آپ کو قریب سے جانتا رہا اور پھر یہ تعارف بڑھتا ہی چلا گیا جب میں آپ کی ہمراہی سے فیصل اسلامی بینک (بحرین) میں سعادت مند ہوا آپ وہاں ممبر منتخب ہوئے تھے جس کی پاکستان میں بھی کئی شاخیں ہیں۔

تو میں نے آپ میں فقہی سمجھ خوب پائی اس کے ساتھ مصادر و مآخذ فقہیہ پر بھرپور اطلاع اور فقہ میں نظر و فکر اور استنباط کا ملکہ اور ترجیح و اختیار پر خوب قدرت محسوس کی۔

اس کے ساتھ آپ کے ارد گرد جو خیالات و نظریات اور مشکلات منڈلا رہی ہیں جو اس زمانے کا نتیجہ ہیں ان میں بھی سوچ سمجھ رکھنے والا پایا اور آپ ماشاء اللہ اس بات پر حریص رہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی بالادستی قائم ہو اور مسلمان علاقوں میں اس کی حاکمیت کا دور دورہ ہو اور بلاشبہ آپ کی یہ خصوصیات آپ کی شرح صحیح مسلم (مکملہ فتح الملہم میں خوب نمایاں اور روشن ہے۔

میں نے اس شرح کے اندر ایک محدث کا شعور، فقیہ کا ملکہ، ایک معلم کی ذکاوت، ایک قاضی کا تدبر اور ایک عالم کی بصیرت محسوس کی۔ میں نے صحیح مسلم کی قدیم و جدید بہت سی شروح دیکھی ہیں لیکن یہ شرح تمام شروح میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور قابل استفادہ ہے، یہ جدید مسائل کی تحقیقات میں موجودہ دور کا فقہی انسائیکلو پیڈیا ہے اور ان سب شروح میں زیادہ حق دار ہے کہ اس کو صحیح مسلم کی اس زمانے میں سب سے عظیم شرح قرار دی جائے۔

یہ شرح قانون کو وسعت سے بیان کرتی ہے اور سیر حاصل اباحت اور جدید تحقیقات اور فقہی، دعوتی، تربیتی مباحث کو خوب شامل ہے۔ اس کی تصنیف میں حضرت مؤلف کو کئی زبانوں سے ہم آہنگی خصوصاً انگریزی سے معرفت کام آئی ہے اسی طرح زمانے کی تہذیب و ثقافت پر آپ کا مطالعہ اور بہت سی فکری رجحانات پر اطلاع وغیرہ میں بھی آپ کو دسترس ہے۔ ان تمام چیزوں نے آپ کے لئے آسانی کردی کہ اسلامی احکام اور اس کی تعلیمات اور دیگر عصری تعلیمات اور فلسفے اور مخالف نظریات کے درمیان فیصلہ کن رائے دیں اور ایسے مقامات پر اسلام کی خصوصیات اور امتیاز کو اجاگر کریں۔

احقر بھی جامعہ دارالعلوم کراچی کا خوشہ چین ہے اور بحمد اللہ اساتذہ کرام کے علمی دروس اور اصلاحی مجالس سے استفادے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان مجالس کی افادیت کو عام کرنے کے لئے خصوصی انتظام کے تحت گذشتہ ستائیس (۲۷) سالوں سے ان دروس و مجالس کو آڈیو کیسٹس میں ریکارڈ بھی کر رہا ہے۔ اس وقت سہمی مکتبہ میں اکابر کے بیانات اور دروس کا ایک بڑا ذخیرہ احقر کے پاس جمع ہے، جس سے ملک و بیرون ملک وسیع پیمانے پر

استفادہ ہو رہا ہے؛ خاص طور پر درس بخاری کے سلسلے میں احقر کے پاس اپنے دو اساتذہ کے دروس موجود ہیں۔
استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس بخاری جو دو سو کیسٹس میں محفوظ ہے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا درس حدیث تقریباً تین سو کیسٹس میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔

انہیں کتابی صورت میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ کیسٹ سے استفادہ عام مشکل ہوتا ہے، خصوصاً طلبہ کرام کے لئے وسائل و سہولت نہ ہونے کی بناء پر سمعی بیانات کو خریدنا اور پھر حفاظت سے رکھنا ایک الگ مسئلہ ہے جب کہ کتابی شکل میں ہونے سے استفادہ ہر خاص و عام کے لئے سہل ہے۔

چونکہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ رذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا حادثہ وفات پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مؤرخہ ۴ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے۔ انہی لمحات سے استاذ محترم کی مؤمنانہ نگاہوں نے تاک لیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں موجود ہونا چاہئے، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لا کر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، جس پر اس کام (العام الباری) کے ضبط و تحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کیسٹ میں بات منہ سے نکلی اور ریکارڈ ہو گئی اور بسا اوقات سبقت لسانی کی بناء پر عبارت آگے پیچھے ہو جاتی ہے (فالبشر یخطئ) جن کی تصحیح کا ازالہ کیسٹ میں ممکن نہیں۔ لہذا اس وجہ سے بھی اسے کتابی شکل دی گئی تاکہ حتی المقدور غلطی کا تذکرہ ہو سکے۔ آپ کا یہ ارشاد اس حزم و احتیاط کا آئینہ دار ہے جو سلف سے منقول ہے ”کہ سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ شروع میں سیدنا حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے آموختہ سنا چاہا تو میں گھبرایا، میری اس کیفیت کو دیکھ کر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

أوليس من نعمة الله عليك أن تحدث و أنا شاهد لأن

اصبت لهذا وإن أخطأت علمك .

(طبقات ابن سعد: ص: ۱۷۹، ج: ۶ و تدوین حدیث: ص: ۱۵۷)

کیا حق تعالیٰ کی یہ نعمت نہیں ہے کہ تم حدیث بیان کرو اور میں موجود ہوں،
اگر صحیح طور پر بیان کرو گے تو اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے اور اگر غلطی
کرو گے تو میں تم کو بتا دوں گا۔

اس کے علاوہ بعض بزرگان دین اور بعض احباب نے سمعی مکتبہ کے اس علمی اثاثے کو دیکھ کر اس خواہش

کا اظہار کیا کہ درس بخاری کو تحریری شکل میں بھی پیش کیا جائے اس سے استفادہ مزید سہل ہوگا۔ ”درس بخاری“ کی یہ کتاب بنام ”انعام الباری“ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی کاوش کا ثمرہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام حفظہ اللہ کو بھی احقر کی اس محنت کا علم اور احساس ہے اور احقر سمجھتا ہے کہ بہت سی مشکلات کے باوجود اس درس کی سمعی و نظری بسجیل و تحریر میں پیش رفت حضرت ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

احقر کو اپنی جہی دامنی کا احساس ہے یہ مشغلہ بہت بڑا علمی کام ہے، جس کے لئے وسیع مطالعہ، علمی جستجو اور استحضار کی ضرورت ہے، جبکہ احقر ان تمام امور سے عاری ہے، اس کے باوجود ایسی علمی خدمت کے لئے کمر بستہ ہونا صرف فضل الہی، اپنے مشفق استاذہ کرام کی دعاؤں اور خاص طور پر موصوف استاد محترم دامت برکاتہم کی نظر عنایت، اعتماد، توجہ، حوصلہ افزائی اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

ناچیز مرتب کو مراحل ترتیب میں جن مشکلات و مشقت سے واسطہ پڑا وہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے اور ان مشکلات کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ کسی موضوع پر مضمون و تصنیف لکھنے والے کو یہ سہولت رہتی ہے کہ لکھنے والا اپنے ذہن کے مطابق بنائے ہوئے خاکہ پر چلتا ہے، لیکن کسی دوسرے بڑے عالم اور خصوصاً ایسی علمی شخصیت جس کے علمی تجر و برتری کا معاصر مشاہیر اہل علم و فن نے اعتراف کیا ہو ان کے افادات اور دقیق فقہی نکات کی ترتیب و مراجعت اور تعیین عنوانات مذکورہ مرحلہ سے کہیں دشوار و کٹھن ہے۔ اس عظیم علمی اور تحقیقی کام کی مشکلات مجھ جیسے طفل کتب کے لئے کم نہ تھیں، اپنی بے مائیگی، نااہلی اور کم علمی کی بناء پر اس کے لئے جس قدر دماغ سوزی اور عرق ریزی ہوئی اور جو محنت و کاوش کرنا پڑی مجھ جیسے نااہل کے لئے اس کا تصور بھی مشکل ہے البتہ فضل ایزدی ہر مقام پر شامل حال رہا۔

یہ کتاب ”انعام الباری“ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ سارا مجموعہ بھی بڑا قیمتی ہے، اس لئے کہ حضرت استاذ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جو تجر علمی عطا فرمایا وہ ایک دریائے ناپید کنارہ ہے، جب بات شروع فرماتے ہیں تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت مطالعہ اور عمق فہم دونوں سے نوازا ہے، اس کے نتیجہ میں حضرت استاذ موصوف کے اپنے علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ و عطر ہے وہ اس مجموعہ انعام الباری میں دستیاب ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء و تشریحات، ائمہ اربعہ کی موافقات و مخالقات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

یہ کتاب (صحیح بخاری) ”کتاب بدء الوحی سے کتاب التوحید“ تک مجموعی کتب ۹۷، احادیث ”۷۵۶۳“ اور ابواب ”۳۹۳۰“ پر مشتمل ہے، اسی طرح ہر حدیث پر نمبر لگا کر احادیث کے مواضع و متکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں [ابھلو] نمبروں کے ساتھ اور اگر حدیث گزری ہے تو [راجع] نمبروں کے ساتھ نشان لگادیئے ہیں۔

بخاری شریف کی احادیث کی تخریج الکتاب التسعة (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطاء مالک، سنن الدارمی اور مسند احمد) کی حد تک کردی گئی ہے، کیونکہ بسا اوقات ایک ہی حدیث کے الفاظ میں جو تفاوت ہوتا ہے ان کے فوائد سے حضرات اہل علم خوب واقف ہیں، اس طرح انہیں آسانی ہوگی۔

قرآن کریم کی جہاں جہاں آیات آئی ہیں ان کے حوالہ مع ترجمہ، سورۃ کا نام اور آیتوں کے نمبر ساتھ ساتھ دیدئے گئے ہیں۔ شروح بخاری کے سلسلے میں کسی ایک شرح کو مرکز نہیں بنایا بلکہ حتی المقدور بخاری کی مستند اور مشہور شروح کو پیش نظر رکھا گیا، البتہ مجھے جیسے مبتدی کے لئے عمدۃ القاری اور تکملۃ فتح الملہم کا حوالہ بہت آسان ثابت ہوا۔ اس لئے جہاں تکملہ فتح الملہم کا کوئی حوالہ مل گیا تو اسی کو حتمی سمجھا گیا۔

رب متعال حضرت شیخ الاسلام کا سایہ عاطفت عافیت و سلامت کے ساتھ عمر دارز عطا فرمائے، جن کا وجود مسعود بلاشبہ اس وقت ملت اسلامیہ کے لئے نعمت خداوندی کی حیثیت رکھتا ہے اور امت کا عظیم سرمایہ ہے اور جن کی زبان و قلم سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن و حدیث اور اجماع امت کی صحیح تعبیر و تشریح کا اہم تجربہ دی کام لیا ہے۔

رب کریم اس کاوش کو قبول فرما کر احقر اور اس کے والدین اور جملہ اساتذہ کرام کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے، جن حضرات اور احباب نے اس کام میں مشوروں، دعاؤں یا کسی بھی طرح سے تعاون فرمایا ہے، مولائے کریم اس محنت کو ان کے لئے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے اور خاص طور پر استاد محترم شیخ القرآن حافظ قاری مولانا عبدالملک صاحب حفظہ اللہ کو فلاح دارین سے نوازے جنہوں نے ہمہ وقت کتاب اور حل عبارات کے دشوار گزار مراحل کو احقر کے لئے سہل بنا کر لا بھری سے بے نیاز رکھا۔

صاحبان علم کو اگر اس درس میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور ازراہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ ﷻ اسلاف کی ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور ”انعام الباری“ کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ علم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین . وما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۳

۱۳ ربیع المرجب ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۱ مارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات

كتاب التفسير

— حصه أول —

بسم الله الرحمن الرحيم

۶۵ - کتاب التفسیر

تفسیر کا تعارف

لفظ ”تفسیر“ دراصل ”فسر“ سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں ”کھولنا“، اس علم میں چونکہ قرآن کریم کے مفہوم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے، اس لئے اسے ”علم تفسیر“ کہتے ہیں۔

چنانچہ قدیم زمانے میں تفسیر کا اطلاق قرآن کریم کی تشریح پر ہی ہوتا تھا، اور عہد رسالت ﷺ سے قرب اور علوم کے اختصار کی بناء پر اس علم میں زیادہ شاخیں نہیں تھیں۔

لیکن جب اس نے باقاعدہ ایک مدون علم کی صورت اختیار کی اور مختلف پہلوؤں سے اُس کی خدمت کی گئی تو یہ ایک انتہائی وسیع اور پہلودار علم بن گیا، اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق اس میں تفصیلات کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اب علم تفسیر جن تفصیلات کو شامل ہے اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

”علم يبحث فيه عن كيفية النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتها واحكامها الافرادية

والتركيبية ومعانيها التي تحمل عليها حالة التركيب وتعماست لذلك“۔^۱

یعنی علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کے طریقے، اُن کے مفہوم، اُن کے افرادی اور ترکیبی احکام اور اُن معانی سے بحث کی جاتی ہے جو اُن الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لئے جاتے ہیں، نیز اُن معانی کا تکرار، نسخ و منسوخ، شان نزول اور مبہم قصوں کی توضیح کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔

تفسیر اور تاویل

قدیم زمانے میں ”تفسیر“ کے لئے ایک اور لفظ ”تاویل“ بھی بکثرت استعمال ہوتا تھا اور خود قرآن کریم نے بھی اپنی تفسیر کے لئے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے:

۱۔ روح المعانی، للعلامة آلوسی رحمہ اللہ، ج: ۱، ص: ۴، وعلوم القرآن، ص: ۳۲۳

﴿وَمَا يَغْلَمْ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ ۲

ترجمہ: حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس لئے بعد کے علماء میں یہ بحث چھڑ گئی کہ آیا یہ دونوں لفظ بالکل ہم معنی ہیں، یا ان میں کچھ فرق ہے؟ امام ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ بالکل مرادف ہیں اور دوسرے حضرات نے ان دونوں میں فرق بیان کرنے کی کوشش کی ہیں، لیکن دونوں میں فرق بتانے کے لئے اتنی مختلف آراء ظاہر کی گئی ہیں کہ ان سب کو نقل کرنا بھی مشکل ہے۔ ۳

کتاب التفسیر کا آغاز حقیقی

﴿الرحمن الرحيم﴾: اسمان من الرحمة. الرحيم والراحم بمعنى واحد، كالعليم والعالم.

ترجمہ: رحمٰن اور رحیم دونوں رحمت سے بنے ہیں، اور دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی مہربان جیسے علیم اور عالم کے ایک معنی ہیں جاننے والا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر کا حقیقی آغاز ”الرحمن والرحيم“ سے شروع کیا ہے۔

”رحمن“ اور ”رحيم“ میں فرق

”رحمن“ اور ”رحيم“ دونوں لفظ ”رحمت“ سے بنے ہیں اور دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ”مہربان“ جیسے ”علیم“ اور ”عالم“ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ”جاننے والا“۔ بعض حضرات مفسرین کہتے ہیں کہ ”الرحمن الرحيم“ دونوں ایک ہی معنی میں ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جبکہ دوسرے حضرات نے فرق بیان کیا کہ ”راحم“ میں معنی حدوث پائے جاتے ہیں اور ”رحيم“ کے معنی میں ثبوت ہے۔

۲ [آل عمران: ۷۰]

۳ الاتقان للسیوطی، ص: ۱۷۳، ج: ۲۔ ماعود از علوم القرآن، ص: ۳۲۵

”راحیم“ اس وقت کہا جائے گا کہ جب آدمی رحم کر رہا ہو، اور ”الرحیم“ یہ صفت مشبہ ہے اس کے معنی ہیں کہ رحم اس کی صفت ہے اور وہ عام طور سے رحم کرتا ہے، دونوں میں یہ فرق ہے۔

”کالعلیم والعالم“ اور ”الرحمن“ اور ”الرحیم“ میں بہت سے لوگوں نے فرق بیان کئے ہیں، اس میں رائج یہ ہے کہ ”رحمن“ کے معنی ہیں ”عام الرحمة“ اور ”رحیم“ کے معنی ہیں ”تام الرحمة“۔

”رحمن“ میں مبالغہ ہے، ”رحیم“ میں بھی مبالغہ ہے لیکن ”رحمن“ میں بحیثیت عموم کے مبالغہ ہے، یعنی جو سب کے لئے رحم والا ہے اور ”رحیم“ کے معنی ہیں ”تام الرحمة“ یعنی نفسِ رحمت کے اندر مبالغہ ہے کہ نفسِ رحمت اس کی زائد اور تام ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ”رحمن الدلیا ورحیم الآخرة“ کہ دنیا کے اندر رحمن اور آخرت میں رحیم۔

دنیا کے واسطے رحمن اس واسطے کہ یہاں جو اس کی رحمت ہے اس میں مؤمن و کافر سب شامل ہیں جیسے مؤمن کو دے رہا ہے اسی طرح کافر کو بھی دے رہا ہے، تو رحمت عام ہے، اور آخرت میں رحیم ہے کہ وہ رحمت کافروں کیلئے نہیں ہے لیکن جنتی مسلمانوں کیلئے ہے وہ تام ہے وہ رحمت تام ہے۔ ۵

(۱) سورة الفاتحة

سورة فاتحة کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

(۱) باب ما جاء في فاتحة الكتاب

سورة فاتحة کی تفسیر اور فضیلت کا بیان

وسمیت ام الكتاب: انه يبدأ بكتابتها في المصاحف. ويبدأ بقراءتها في الصلاة. ﴿الذِينَ﴾: الجزاء في الخير والشر، كما تدين تدان. وقال مجاهد: ﴿بالذِينَ﴾ [الماعون: ۱]: بالحساب. ﴿مَدِينِينَ﴾ [الواقعة: ۸۱]: محاسبين.

ترجمہ: اس (سورة الفاتحة) کو ام الكتاب بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ سب سورتوں سے پہلے لکھی جاتی ہے اور نماز میں بھی سب سے پہلے اسی کو پڑھتے ہیں، اور ”الذین“ کے معنی ہیں ”الجزاء“ یعنی بدلہ اچھا ہو یا برا ہو، جس طرح کہتے ہیں کہ جیسا کرے گا دیا بھرے گا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿بالذین﴾ کے معنی حساب کے ہیں، اسی طرح ﴿مَدِينِينَ﴾ کے معنی ہیں حساب کئے گئے۔

اُمّ الكتاب کی وجہ تسمیہ

امام بخاری رحمہ اللہ آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”وسمیت ام الكتاب“ سورة الفاتحة کا نام ”ام الكتاب“ بھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ام الكتاب کی وجہ تسمیہ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ ”انه يبدأ بكتابتها في المصاحف ويبدأ بقراءتها في الصلوة“ مصحف میں سب سے پہلے اسی کو لکھنا شروع کیا گیا اور نماز میں قرأت بھی اسی سے شروع کی جاتی ہے۔

کیونکہ ”ام“ سے آغاز ہوتا ہے، پھر بچے پیدا ہوتے ہیں تو ”ام“ سے ہوتے ہیں، اس لئے ابتداء اس

سے کی گئی اسی لئے اس کو ”ام الكتاب“ کہا گیا۔

دوسرے حضرات نے ”ام الكتاب“ کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ ”ام“ جو ہے وہ اصل ربنا کو کہتے ہیں، اور سارا قرآن کریم درحقیقت سورۃ فاتحہ کی تفسیر ہے، کیونکہ ﴿اٰمِدْنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ اس میں کہا گیا اور صراط مستقیم کی ہدایت مانگی گئی تو پورا قرآن کریم اس کا جواب ہے کہ صراط مستقیم یہ ہے۔
تویوں سورۃ الفاتحہ ”ام الكتاب“ ہوئی اور پورا قرآن مجید اس کا تشریح و تفسیر ہوا۔

سورۃ الفاتحہ کے مختلف دیگر اسماء اور وجوہ تسمیہ

شارح بخاری علامہ بدرعینی رحمہ اللہ نے سورۃ الفاتحہ کے تیرہ اسماء بیان کئے ہیں:

- ۱- فاتحة الكتاب: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ابتداء اسی سورت سے ہوتی ہے، اور بعض حضرات اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نزول کے اعتبار سے بھی یہ سب سے پہلی سورت ہے۔
- ۲- ام القرآن: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ام اصل کو کہتے ہیں۔ ام کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔
- ۳- سورة الكنز: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ کنز اس خزانہ اور مال کو کہتے ہیں جو حفاظت کی غرض سے زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے اور قرآن کریم کے خزانے اسی سورت میں پوشیدہ ہیں۔
- ۴- سورة الوافية: اس لئے کہتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ کی نماز میں دورانِ قرأت دوسری سورتوں کی طرح تنصیف و تقسیم نہیں ہوتی بلکہ اس سورت کو نماز میں مکمل پڑھا جاتا ہے، اور قرآن کریم کے سارے مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بھی کہا جاتا ہے۔
- ۵- سورة الحمد: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد سے ہوتی ہے۔
- ۶- سورة الصلاة: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہر نماز میں اس کی تلاوت ہوتی ہے۔
- ۷- السبع معانی: یہ دو الفاظ کا مرکب ہے۔
سبع اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ کے اندر بالاتفاق سات آیات ہیں۔
معانی، معنی کی جمع ہے معنی ہے مکرر بار بار کی ہوئی چیز، سورۃ الفاتحہ کو معانی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے یا اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ کا نزول دو مرتبہ ہوا ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں فرضیت نماز کے وقت اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں تحویل قبلہ کے وقت ہوا۔ ۵

۸- سورۃ الشفاء والشفایۃ: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں شفاء ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ سورۃ الفاتحہ میں ہر بیماری کا علاج ہے۔ ۱

۹- سورۃ الکافیۃ: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ سورۃ الفاتحہ تمام قرآن کے مضامین کو احاطہ کرتی ہے۔

۱۰- سورۃ الأساس: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ قرآن کی اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

۱۱- سورۃ السؤال: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں بندہ اپنے رب سے سوال کرتا ہے۔

۱۲- سورۃ الشکو: اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں جو اللہ رب العزت کی حمد و تعریف بیان

کی گئی یہ تعریف اللہ رب العزت کی نعمت ربوبیت اور رحمت کے مقابلہ میں بیان کی گئی ہے۔

۱۳- سورۃ الدعاء: اس سورۃ میں ہدایت ربیبی کے راستے پر چلنے کی دعاء مانگی گئی ہے، ﴿إِهْدِنَا

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ اس وجہ سے اس کو سورۃ الدعاء بھی کہتے ہیں۔ ۷

”﴿الدين﴾: الجزاء في الخير والشر، كما تدبّر ثدان“

اس کے معنی ہیں ”الجزاء في الخير والشر“ یعنی بدلے کو کہتے ہیں چاہے وہ بدلہ اچھا ہو یا برا، یعنی

سزا ہو یا جزاء ہو۔

اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ ”كما تدبّر ثدان“ یعنی جیسا کرے گا دیا بھرے گا، یہ اسی سے ہے۔

لہذا اگر کسی کو سزا دی جا رہی ہے تو اس کو بھی کہا جائے گا ”دین“ یعنی اس کو سزا دی گئی۔

”وقال مجاهد: بالدين بالحساب ﴿مدینین﴾: محاسبین۔“

اب ”مالک يوم الدين“ سے نقل ہو گئے ”أريت الذي يكذب بالدين“ کی طرف۔ اس کی

تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کر دی کہ ”بالدين“ کے معنی ہیں ”بالحساب الذي يكذب

بالدين يكذب بالحساب“ تو دین یہاں حساب کے معنی میں آیا ہے، ”ظہر مدینین“ اب اس کی طرف

نقل ہو گئے، اس کے معنی ہیں۔ محاسبین یعنی جن کا حساب لیا جائے گا۔

۴۴۷۴- حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن شعبة، قال: حدثني عبيد بن عبد الرحمن،

عن حفص بن عاصم، عن أبي سعيد بن المعلى قال: كنت أصلي في المسجد فدعاني

رسول الله ﷺ فلم أجبه فقلت: يا رسول الله، إني كنت أصلي فقال: ((ألم يقل الله:

۱. أخبرنا قبيلة، أخبرنا سليمان، عن عبد الملك بن عمرو، قال: قال رسول الله ﷺ: ((لبي فاتحة الكتاب فقاء من ثلث

داو)). سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب: فضل فاتحة الكتاب، رقم: ۳۴۱۳

۷. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۳

﴿اسْتَجِیْبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاكُمْ﴾ [الانفال: ۲۴؟] ثُمَّ قَالَ لِيْ: ((لَا عَلَمُنْكَ سُوْرَةُ هِيَ اَعْظَمُ السُّوْرِ فِي الْقُرْآنِ لِقُلِّ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ)). ثُمَّ اخَذَ بِيَدِيْ فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَخْرُجَ قُلْتُ لَهُ: اَلَمْ يَقُلْ: ((لَا عَلَمُنْكَ سُوْرَةُ هِيَ اَعْظَمُ سُوْرَةَ فِي الْقُرْآنِ؟)) قَالَ: ((الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ)) هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ الَّذِي اُوْتِيْتَهُ)). [انظر: ۴۶۳، ۴۷۰، ۵۰۰، ۵۰۶]

ترجمہ: عاصم بن حفص رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید بن معلیؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں ایک دن نماز ادا کر رہا تھا کہ رسول اللہؐ نے مجھے طلب فرمایا، میں نماز سے فارغ ہو کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نماز میں تھا، اس لئے حاضر ہونے میں تاخیر ہوئی، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ

﴿اسْتَجِیْبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاكُمْ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو۔ ۹

پھر اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ قبل اس سے کہ میں مسجد سے جاؤں تم کو قرآن پاک کی ایک ایسی سورت بتاؤں گا جو ثواب کے لحاظ سے سب سے بڑی ہے، پھر آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور باہر جانے لگے، میں نے یاد دہانی کرائی، تو ارشاد فرمایا کہ وہ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ ہے، اور اس میں سات آیات ہیں، اس کو ہر رکعت میں پڑھتے ہیں، ان آیات کو سبع مثانی کہتے ہیں اور یہی قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا۔

۱۱ ولی سنن ابی دارود، کتاب الصلاة، باب فاتحة الكتاب، رقم: ۱۴۵۸، وسنن النسائی، کتاب الافتاح، باب تاویل قول الله عزوجل: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ مَبْعَأَيْنِ الْمَتَالِي، وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ﴾ [الحجر: ۸۷]، رقم: ۹۱۳، وسنن ابن ماجه، کتاب الادب، باب نواب القرآن، رقم: ۳۷۸۵، ومسند احمد، مسند المکین، حدیث ابی سعید بن المعلی عن النبیؐ، رقم: ۱۷۸۵۱، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب ام القرآن: هي سبع المثاني، رقم: ۱۵۳۳، ومن کتاب فضائل القرآن، باب: فضل فاتحة الكتاب، رقم: ۳۴۱۴

۹ [یعنی خدا اور رسول تم کو جس کام کی طرف دعوت دیتے ہیں (مثلاً جہاد وغیرہ) اس میں از سر تا پا تمہاری بھلائی ہے۔ ان کا دعوتی پیغام تمہارے لئے دنیا میں عزت و اطمینان کی زندگی اور آخرت میں حیات ابدی کا پیغام ہے، پس مؤمنین کی شان یہ ہے کہ خدا اور رسول کی پکار پر فوراً لبیک کہیں، جس وقت وہ جدھر بلائیں سب اشغال چھوڑ کر ادھر ہی پہنچیں۔ یعنی حکم بجالانے میں دیر نہ کرو، شاید تھوڑی دیر بعد دل ایسا نہ رہے اپنے دل پر آدمی کا قبضہ نہیں بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جدھر چاہے پھیر دے۔ بیشک وہ اپنی رحمت سے کسی کا دل ابتدا نہیں روکتا نہ اس پر مہر کرتا ہے۔ ہاں جب بندہ امتثال احکام میں سستی اور کاہلی کرتا رہے تو اس کی جزا میں روک دیتا ہے۔ یا حق پرستی چھوڑ کر ضد و عناد کو شیوہ بنالے تو مہر کر دیتا ہے۔ (فاکدہ نمبر: ۳، ۴، الانفال: ۲۳، ص: ۲۳۸، تفسیر عثمانی)]

حالتِ نماز میں نبی ﷺ کو جواب دینے کا مسئلہ

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب کسی مسلمان کو پکاریں تو اس پر جواب دینا فرض ہے، اگرچہ وہ نماز کی حالت میں ہو۔
حضور اقدس ﷺ کو جواب دینے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کا استدلال

اس روایت سے امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ نماز کے دوران پکاریں تو نہ صرف یہ کہ جواب دینا جائز ہے بلکہ نماز فاسد بھی نہیں ہوگی۔ ۱۰
اب یہ مسئلہ تو انتہاء نبوت سے ختم ہو گیا۔

حنفیہ کا قول

اصحاب حنفیہ کہتے ہیں جواب دینا واجب ہے لیکن اسکے نتیجے میں نماز ختم ہو جائے گی، پھر سے اعادہ کرنا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے فساد کے بارے میں کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی بلکہ یہ بتایا کہ جواب دینا چاہئے تھا۔ ۱۱
یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے ابن جریج راہب کے سلسلے میں کہ ماں اگر پکارے تو جواب دینے کے بارے میں کیا حکم ہوگا۔ ۱۲

عظیم سورت

”((لَاعْلَمَنَّكَ سُورَةُ هِيَ اَعْظَمُ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ؟)) الْخ“

۱۰ فتح الباری، ج: ۸، ص: ۱۵۷

۱۱ وقال صاحب (التوضیح): وصرح اصحابنا فقالوا: من عهد الص النبي ﷺ، انه لودعا انساناً وهو في الصلاة وجب

عليه الاجابة ولا يبطل صلاته. عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۶۰۶

۱۲ ام جریج کے واقعے کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح منہج البخاری، کتاب العمل فی الصلاة، باب من

رجع القہری فی الصلاة او تقدم بامر يزل به، ج: ۳، ص: ۳۶۵ و ۳۶۳

سب سے عظیم سورۃ کس لحاظ سے ہے؟

بعض نے کہا اس کا ثواب عظیم ہے، بعض نے کہا کہ اس کا درجہ عظیم ہے۔

جن لوگوں نے کہا کہ ثواب عظیم ہے، اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ایک آیت کو دوسری آیت پر کوئی فضیلت نہیں دی جاسکتی، درجہ کے اعتبار سے سارا قرآن برابر ہے۔ ہاں ثواب میں اللہ جلّ جلالہ فرق عطا فرماتے ہیں کہ ایک سورۃ کی تلاوت پر زیادہ ثواب ہو اور دوسری سورۃ کے تلاوت پر کم ثواب ہو، تو یہ ہو سکتا ہے لیکن درجہ میں سب مساوی ہیں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ درجات میں بھی فرق ہے، وہ کہتے ہیں کہ اعظم سورۃ کے معنی یہ ہیں کہ یہ درجہ کے اعتبار سے دوسری سورتوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ ۱۳

سبع مثانی سے مراد

”ہی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی اوتیہ“

اس ارشاد سے اشارہ فرمایا اس آیت کریمہ کی طرف کہ

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي، وَالْقُرْآنَ

الْعَظِيمَ﴾ ۱۴

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو

بار بار پڑھی جاتی ہیں، اور عظمت والا قرآن عطا کیا۔

اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ ”السبع المثانی“ سے مراد یہ سورۃ فاتحہ ہے یعنی وہ سات آیتیں

جو بار بار نمازوں کے اندر پڑھی جاتی ہیں اور وہ یہی سورۃ فاتحہ ہے۔

سات آیتوں پر کون کونسی سورتیں مشتمل ہیں؟

۱۳ قولہ: ((اعظم سورۃ فی القرآن)) قال ابن بطال: يحتمل أن يكون أعظم بمعنى عظيم، وقال ابن المعين: معناه أن

لواها أعظم من غيرها، واستدل به على جواز تفصيل بعض القرآن على بعض، ولقد منع ذلك الأخرى وجماعة لأن

المفسرول نال من درجة الأفضل، وأسماء الله وصفاته وكلامه لا تقص لها، وأجيب عن هذا بأن الأفضلية من حيث

الغراب والنفع للمصنفين لا من حيث المعنى والمصلحة. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۱۵

سارے قرآن میں صرف دو سورتیں ہیں جو سات آیتوں پر مشتمل ہیں:

ایک: ”سورة الفاتحه“ اور دوسری: ”سورة الماعون“

ان میں سورة الفاتحه کو ممتاز کرنے کے لئے مثانی فرما دیا کہ سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور جبکہ سورة الماعون بار بار نہیں پڑھی جاتی، لیکن سورة فاتحه بار بار پڑھی جاتی ہے، اس واسطے اس کو سبع مثانی کہا گیا۔

آپ ﷺ نے یہ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ واو یہاں مغایرت کے لئے نہیں ہے سبع مثانی کوئی اور چیز ہو اور قرآن عظیم کوئی اور چیز ہو، بلکہ ”تعمیم بعد التحصیض“ ہے۔

سورة فاتحه کی فضیلت اور اس کے درجے کی وجہ سے اس کو پورے قرآن عظیم کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔ ۱۵

(۲) باب: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾

باب: ”نہ کہ اُن لوگوں کے راستے جن پر غضب نازل ہوا، اور نہ اُن کے راستے جو بھٹکے ہوئے ہیں۔“

۴۴۷۵۔ حدثنا عبد الله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن سمي، عن أبي صالح، عن

أبي هريرة ؓ: أن رسول الله ﷺ قال: ((إذا قال الإمام: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾

لَقُولُوا: آمين، فمن وافق قوله قول الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه)). [راجع: ۷۸۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ، انہوں نے بیان کیا کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہے تو تم کو ”آمین“ کہنا چاہئے، جس کا آمین فرشتوں کے آمین سے مل جائیگا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

لفظ ”غَيْرِ“ کی تفصیل

لفظ ”غَيْرِ“۔ ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کے ”الذین“، مضاف الیہ سے بدل ہونے کی بنا پر

مجروح ہے اور یہی جمہور کی قرأت ہے اور ”لا“ نفی کی تاکید کے لئے ہے جو غیر سے مفہوم ہو رہا ہے تاکہ یہ وہم و گمان نہ ہو کہ ”الضَّالِّينَ“ کا عطف ”أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ پر ہے۔

(۲) سورة البقرہ

سورہ بقرہ کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

نزول کے مختلف ادوار

یہ سورت ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد سب سے پہلے اس سورت کا نزول شروع ہوا اور مختلف اوقات میں مختلف آیتیں نازل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ ربیع الثانی کے متعلق جو آیات ہیں وہ آنحضرت ﷺ کی آخری عمر میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں اور اسی طرح اس سورت کی ایک آیت ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُزْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ ۱۶

تو قرآن حکیم کی آخری آیت ہے، جو حجاز میں حجة الوداع کے موقع پر منیٰ میں نازل ہوئی۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورت بقرہ ہے، چونکہ اس سورت میں ایک واقعہ کے متعلق بقرہ رگائے کا ذکر آیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص عامیل نامی مارا گیا تھا اور اس کے قاتل معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ کون ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لوگوں سے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا مردے پر مارو تو وہ جی اٹھے گا، اور آپ اپنے قاتل کو بتا دے گا۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس مردے کو زندہ کیا اور اس نے قاتل کو بتا دیا کہ اس کے وارثوں نے ہی بطمع مال اس کو قتل کیا تھا۔ ۱۷

[البقرة: ۲۸۱]

[سورة البقرة آیت ۷۶ میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔]

(۱) باب قول الله تعالى: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ [۳۱]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بیان کہ ”آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔“

ناموں سے مراد کائنات میں پائی جانے والی چیزوں کے نام، ان کی خاصیتیں اور انسان کو پیش آنے والی مختلف کیفیات کا علم ہے، مثلاً بھوک، پیاس، صحت اور بیماری وغیرہ۔

اگرچہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کی تعلیم دیتے وقت فرشتے بھی موجود تھے لیکن چونکہ ان کی فطرت میں ان چیزوں کی پوری سمجھ نہیں تھی اس لئے جب ان کا امتحان لیا گیا تو وہ جواب نہیں دے سکے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر انہیں باور کرا دیا کہ جو کام اس نئی مخلوق سے لینا مقصود ہے وہ فرشتے انجام نہیں دے سکتے۔ ۱۸

۴۴۷۶ - حدثنا مسلم: حدثنا هشام: حدثنا قتادة: عن أنس رضي الله عنه عن النبي ﷺ. وقال لي خليفة: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا سعيد، عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((يجتمع المؤمنون يوم القيامة فيقولون: لو استشفعنا إلى ربنا، فيأتون آدم فيقولون: أنت أبو الناس، خلقتك الله بيده وأسجد لك ملائكته و علمك أسماء كل شيء فاشفع لنا عند ربك حتى يرشحنا من مكاننا هذا، فيقول: لست هناكم، ويذكر ذنبه فيستحي، التوا نوحاً فإنه أول رسول بعثه الله إلى أهل الأرض. فيأتونه فيقول: لست هناكم، ويذكر سوءه ربه ما ليس له به علم فيستحي، فيقول: أنتموا خليل الرحمن. فيأتونه فيقول: لست هناكم، التوا موسى عبداً كلمه الله وأعطاه التوراة. فيأتونه فيقول: لست هناكم، ويذكر قتل النفس بغير نفس فيستحي من ربه فيقول: أنتموا عيسى عبداً لله ورسوله وكلمة الله وروحه، فيقول: لست هناكم، التوا محمداً ﷺ عبداً غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تأخر. فيأتوني فأنطلق حتى أستاذن على ربي فيؤذن، فإذا رأيت ربي وقعت ساجداً فيدعني ما شاء ثم يقال: ارفع رأسك وسل تعطه، وقل يسمع، واشفع تشفع. فأرفع رأسي فأحمده بتحميد يعلمني به. ثم أشفع فيحد لي حدا فأدخلهم الجنة. ثم أعود إليه فإذا رأيت ربي، مثله، ثم أشفع فيحد لي حد فأدخلهم الجنة. ثم أعود إليه فإذا رأيت ربي، مثله، ثم أشفع فيحد لي حدا فأدخلهم

الجنة. ثم اعود اليه فاذا رايت ربي، مثله، ثم اشفع فيحد لي حدا فادخلهم الجنة. ثم اعود الرابعة فاقول: ما بقى في النار الا من حبسه القرآن ووجب عليه الخلود)). قال ابو عبد الله: الا من حبسه القرآن: يعني قول الله تعالى: ﴿وَخَالِدِينَ فِيهَا﴾. [راجع: ۴۴]

ترجمہ: حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز مسلمان آپس میں کہتے ہوں گے، کہ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں کس کی سفارش لائی جائے، لہذا سب مل کر حضرت آدم ؑ کے پاس جائیں گے، اور ان سے کہیں گے کہ آپ تمام انسانوں کے والد ہیں، اللہ ﷻ نے تمہیں خود اپنے ہاتھ سے بنایا، ملائکہ سے سجدہ کرایا، اور پھر تمام اشیاء کے نام آپ کو سکھائے، لہذا آپ اللہ ﷻ کی بارگاہ میں ہم سب کی سفارش فرمائیں، تاکہ یہ مصیبت ختم ہو کر چین حاصل ہو۔ حضرت آدم ؑ فرمائیں گے، آج مجھے اپنا گناہ یاد آرہا ہے، مجھے پروردگار کی بارگاہ میں جاتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے، لہذا تم سب حضرت نوح ؑ کے پاس جاؤ، وہ اللہ ﷻ کی طرف سے زمین میں پہلے نبی بنائے گئے تھے۔ چنانچہ سب ان کی خدمت میں پہنچیں گے اور اپنی درخواست پیش کریں گے، وہ کہیں گے کہ آج مجھ میں یہ ہمت نہیں ہے، میں خود اس کی بارگاہ میں شرم محسوس کر رہا ہوں، لہذا تم سب حضرت ابراہیم ؑ کی خدمت میں جاؤ، سب خلیل اللہ کے پاس پہنچیں گیا ورنہ ان سے اپنی حاجت بیان کریں گے۔ وہ فرمائیں گے، میں اس قابل کہاں، تم سب حضرت موسیٰ ؑ کی خدمت میں جاؤ، وہ کلیم اللہ ہیں، خدا نے انہیں تورات دی ہے، تو سب لوگ حاضر خدمت ہوں گے۔ وہ کہیں گے کہ آج مجھ میں یہ ہمت نہیں ہے، مجھے ایک آدمی کے خون ناحق کا خیال بارگاہ الہی میں جانے سے مانع ہے، لہذا تم سب حضرت عیسیٰ ؑ کے پاس جاؤ، وہ روح اللہ ہیں، اللہ کے بندے، رسول اور کلمۃ اللہ ہیں، سب ان کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں، تم سب محمد ﷺ کے پاس جاؤ، کہ اللہ ﷻ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرمادیئے ہیں۔ تو میں سب کو لے کر اللہ ﷻ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت چاہوں گا، اجازت ملنے پر سجدہ میں گر پڑوں گا اور جب تک خدا چاہے گا، سجدہ میں رہوں گا، حکم الہی ہوگا، اے محمد! سر کو سجدہ سے اٹھاؤ، مانگو کیا مانگتے ہو، ہم سنیں گے اور تمہاری سفارش قبول کریں گے، میں سر اٹھاؤں گا اور اللہ ﷻ کی وہ تعریف کروں گا جو مجھے اس کی طرف سے سکھائی جائے گی، اس کے بعد سفارش کروں گا جس کی حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں ایک گروہ کو بہشت میں داخل کر کے آؤں گا، پھر سجدہ میں گر جاؤں گا، اور وہی کیفیت ہوگی جو پہلے ہوئی تھی، پھر ایک گروہ کو بہشت میں داخل آؤں گا، پھر تیسری مرتبہ بھی داخل کروں گا، پھر چوتھی مرتبہ بھی سفارش کروں گا۔ پھر اپنے رب سے عرض کروں گا کہ اب تو وہی باقی رہ گئے ہیں، جن کو قرآن نے منع کیا ہے، اور وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دوزخ میں وہ ہی لوگ ہمیشہ رہیں گے جن کے لئے قرآن میں

﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ وارد ہوا ہے۔

مقصود امام بخاری رحمہ اللہ

یہ حدیث، حدیث شفاعت ہے اور یہاں پر لانے کا منشا صرف یہ جملہ ہے کہ روز قیامت جب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو کہیں گے کہ ”علمک اسماء کل شئی“ اور یہ اشارہ ہے ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ کی طرف۔

اور یہ بات آپ تفسیر کے اندر پڑھ چکے ہیں کہ اسماء کی تعلیم سے مراد جو جو چیزیں دنیا کے اندر پیش آنے والی تھیں ان کا علم اللہ جل جلالہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا کیونکہ وہ ابوالبشر تھے تو بشر کو ضرورت تھی کہ دنیا میں آنے کے بعد اس کا علم حاصل کرے وہ دینا مقصود ہے۔

”کُلُّهَا“ جو ہے یہ ”کُلُّ“ بمعنی اکثر کے ہے، یہ ضروری نہیں کہ جو چیز قیامت تک پیدا ہونے والی ہے وہ سب اس کے اندر مراد ہو۔ بالکل اسی طرح جیسے سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں دربار میں ہد ہد پرندے نے ملکہ بلقیس کے بارے میں خبر دی کہ

﴿وَأُوتِيتُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ﴾ ۱۹

ترجمہ: اور اُس کو ہر طرح کا ساز و سامان دیا گیا ہے، اور اُس کا ایک شاندار تخت بھی ہے۔

شفاعت کا بیان

اس حدیث شفاعت میں آیا ہے کہ لوگ مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ ہماری شفاعت کریں، لیکن تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی عاجزی کا اظہار فرمائیں گے، پھر بالآخر نبی کریم ﷺ کے پاس جائیں گے تو آپ شفاعت فرمائیں گے۔

شفاعت کے معنی

شفاعت کا لفظ ”شفع“ سے نکلا ہے جس کے اصل معنی جوڑنے کے ہیں، کسی چیز کو ساتھ ملانے کے ہیں۔

یہاں پر شفاعت کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت کرنے والا جرم و گناہ کرنے والے کی معافی کی درخواست و سفارش پیش کر کے گویا خود کو اس مجرم و گناہ گار کے ساتھ ملا لے۔

شفاعتِ کبریٰ

شفاعتِ کبریٰ وہ ہے جو آپ ﷺ تمام مخلوق کے سلسلے میں فرمائیں گے اور یہ شفاعت کرنے کا حق صرف اور صرف حضور اقدس ﷺ کو حاصل ہوگا، دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کو اس شفاعت کی مجال و جرات نہیں ہوگی۔

شفاعتِ کبریٰ کا مقصد یہ ہے کہ روزِ محشر حضور اقدس ﷺ میدانِ حشر کی سختیوں اور ہولناکیوں سے لوگوں کو راحت دینے، اس دن کی طوالت و شدت کو ختم کرنے، حساب و کتاب جلدی شروع کرنے اور اللہ ﷻ کے آخری فیصلے کو ظاہر کرنے کی سفارش فرمائیں گے۔ اس حدیث میں جو انبیاء علیہم السلام کے پاس لوگوں کے جو جانے کا ذکر ہے، اس سے شفاعتِ کبریٰ مراد ہے۔

شفاعتِ صغریٰ

شفاعتِ صغریٰ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں کی سفارش کریں جو اپنے گناہوں اور جرائم کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں داخلے کے مستحق قرار پائیں گے تو جناب رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے عذاب ختم کرنے اور جنت میں داخلے کی سفارش فرمائیں گے۔ اس دوسری قسم کی شفاعت کرنے کا حق انبیاء کرام، ملائکہ، شہداء اور صدیقین کو بھی حاصل ہوگا۔

اس حدیث میں اختصار ہے دونوں شفاعتوں کو اکٹھا کر کے بیان کیا گیا ہے، شروع میں شفاعتِ کبریٰ کا ذکر ہے اور آخر میں شفاعتِ صغریٰ مراد ہے۔

”ثم اشفع لى حذاً“ اللہ ﷻ ایک حد مقرر فرمادیں گے، میں اس حد تک کی سفارش کروں گا۔ ”فادخلهم الجنة“ ان مؤمنین کو جنت میں داخل کراؤں گا، تین مرتبہ میں اس طرح حاضر ہوں گا اور شفاعت کروں گا اور لوگوں کو جنت میں داخل کراؤں گا۔

”ثم اعود الرابعة فاقول“ پھر جب میں چوتھی مرتبہ جاؤں گا تو اپنے رب سے عرض کروں گا کہ ”ما بقى فى النار الا من حبسه القرآن“ اب جہنم میں باقی نہیں رہا سوائے اس کے کہ جس کو قرآن کریم نے روک رکھا ہے۔

”ووجب علیہ الخلود“ اور وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

”حبسہ القرآن“ کی تفسیر

امام بخاری رحمہ اللہ آگے ”ما بقی فی النار الا من حبسہ القرآن“ یعنی جن لوگوں کو قرآن نے روک رکھا ہے، کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ ﴿خلدین فیہا﴾ یعنی وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے اور ان کے لئے جہنم سے چھٹکارے کا کوئی طریقہ نہیں ہوگا یعنی کفار اور مشرکین۔

(۲) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

قال مجاهد: ﴿إِلَىٰ شَاطِئِنِهِمْ﴾ [۱۳]: أصحابهم من المنافقين والمشرکین. ﴿مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ﴾ [۱۹]: الله جامعهم. ﴿صِبْغَةً﴾ [۱۳۸]: دین. ﴿عَلَى النَّاسِ﴾ [۳۵]: علی المؤمنین حقا.

قال مجاهد: ﴿بِقُوَّةٍ﴾ [۶۳]: بعمل بمافیہ. وقال ابو العالیہ: ﴿مرض﴾ شک ﴿وما خلقتہا﴾ عبرة لمن بقى ﴿لَا حِيَةَ﴾ لا بياض وقال غیرہ: ﴿يَسْؤُمُونَكُمْ﴾: يولونکم. ﴿الولاية﴾ مفتوحة مصدر الولاء وهی الربوبية وإذا كسرت الواو فهي الإمارة وقال بعضهم الحبوب التي توکل کلها قوم وقال قتادة: ﴿فَبَاؤُوا﴾ فأنقلبوا وقال غیرہ: ﴿يَسْتَفْعِحُونَ﴾ يستعصرون ﴿شُرُوا﴾ باعوا. ﴿اراعنا﴾ من الرعونة اذا ارادوا أن يحمقوا السائلوا راعنا ﴿لا يجرى﴾ لا يفتنى ﴿عطوات﴾ من الخطر والمعنى آتاه ﴿ابغى﴾ اعتبر.

ترجمہ و تشریح

﴿إِلَىٰ شَاطِئِنِهِمْ﴾ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا بیان ہے شیاطین سے منافق اور مشرک مراد ہیں۔
﴿مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ کا فروں کو جمع فرمائے گا۔

﴿صِبْغَةً﴾ کے معنی دین کے ہیں۔

﴿عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾ سے ایمان والے مراد ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿بِقُوَّةٍ﴾ جو کہ آیت کریمہ ﴿خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ﴾ میں آیا ہے، یہاں ”قوة“ سے عمل مراد ہے۔

حضرت ابو عالیہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ﴿مَوْضٍ﴾ کا معنی شک کا ہے۔

﴿وَمَا خَلَفَهَا﴾ سے مراد یہ ہے کہ پچھلے لوگوں کے لئے عبرت ہے جو قائم رہے۔

﴿لَا ضِيَةَ﴾ کا معنی ہے سفیدی نہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ﴿يَسُومُونَكُمْ﴾ جو اس آیات میں ہے ﴿يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ﴾ یعنی بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ فرعون کے لوگ تم کو بہت بری تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے۔

تو یہاں اس لفظ ”يسومونكم“ کی تفسیر کردی ”يولونكم“ سے اور یہ ”ولاية“ سے نکلا ہے۔

”الولاية“ اگر یہ ”مفتوح الواو“ ہو تو اس کے معنی ربوبیت کے ہوتے ہیں اور اگر ”مکسور الواو“ ہو تو اس کے معنی ”الإمارة“ کے آتے ہیں تو امیر بھی امارت کے معنی میں ہوتا ہے۔

تو ”يولونكم“ کی جو تفسیر کی ہے اس کے معنی ہے کہ وہ تمہیں دکھ پہنچایا کرتے تھے اور تمہاری پرورش بُرے عذاب کے ساتھ کیا کرتے تھے، یہ تفسیر حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے کی ہے۔

اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ”سام - يسوم“ کے معنی ”يقصدون“ کے ہیں کہ وہ قصد کرتے تھے تمہاری طرف بُرے عذاب کے ساتھ یعنی برا عذاب تم کو پہنچایا کرتے تھے۔

”وقال بعضهم الحبوب التي تؤكل كلها فوم“ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ جتنے بھی کھانے والے غلے راجناس ہیں وہ سب ”فوم“ ہیں، یہی حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کا قول ہے، درنہ عام طور سے ”فوم“ لہسن اور گندم کو کہتے ہیں۔

﴿فَبَاوُوا﴾ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ بمعنی ”انقلبوا“ کے ہے معنی وہ لوگ پھر آئے، دوبارہ لوٹے۔

﴿يَسْتَفْتِحُونَ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ لوگ مدد مانگتے تھے۔

﴿خُشِرُوا﴾ کے بیچ ڈالنے کے معنی میں ہے۔

﴿رَاعِنًا﴾ رعونت سے مشتق ہے یعنی بیوقوف، یہود جب کسی کو احمق کہتے تو ”راعنا“ کہتے تھے۔

﴿لَا يَجْزِي﴾ کا معنی کچھ کام نہ آئے گی۔

﴿خَطَوَاتُ﴾ خطوہ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے قدموں کے نشانات۔

﴿ابْتَلَى﴾ کے معنی آزمائش کے ہیں۔

(۳) باب قوله تعالى: ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَاداً وَاَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [۲۲]
 اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: ”لہذا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، جبکہ تم (یہ سب باتیں)
 جانتے ہو۔“

۴۴۷۷۔ حدثنا عثمان بن ابي شيبة: حدثنا جرير: عن منصور، عن ابي وائل، عن عمرو بن شرحبيل، عن عبد الله قال: ((سألت النبي ﷺ اى الذنب اعظم عند الله؟ قال: ((ان تجعل لله نداً وهو خلقك))، قلت: ان ذلك لعظيم، قلت: ثم اى؟ قال: ((وان تقتل ولدك تخاف ان يطعم معك))، قلت: ثم اى؟ قال: ((ان تزاني حيلة جارِك)). [انظر: ۴۷۶۱، ۶۰۰۱، ۶۸۱۱، ۶۸۶۱، ۷۵۲۰، ۷۵۳۲ ج]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا، یہ کہ تم کسی کو اللہ کے برابر قرار دے دو، حالانکہ اسی نے سب کو پیدا کیا ہے، میں نے عرض کیا صحیح ہے اور اس کے بعد دوسرا گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کو اس اندیشہ سے مار ڈالنا کہ ان کو کھلانا اور پرورش کرنا پڑے گا، میں نے کہا صحیح ہے، اس کے بعد پھر بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا اپنے ہمسایہ کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا۔

شرک؛ سب سے بڑا گناہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ”ای الذنب اعظم عند اللہ؟“ اللہ ﷻ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟

ج: وفي صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب كون الشرك الفح الذنوب، وبيان أعظمها بعد، رقم: ۱۳۱، وسنن أبي داود، كتاب الطلاق، باب في تعظيم الزنا، رقم: ۲۳۱۰، وسنن الترمذی، أبواب التفسیر القرآن، باب: ومن سورة الفرقان، رقم: ۳۱۸۲، ۳۱۸۳، وسنن النسائی، كتاب تحريم الدم، ذكر أعظم الذنب، رقم: ۳۰۱۳، ۳۰۱۴، ۳۰۱۵، ومسند أحمد، عند المكثرين من الصحابة، مسند عبد الله بن مسعود ؓ، رقم: ۳۶۱۲، ۳۱۰۲، ۳۱۳۱،

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ”اِنْ تَجْعَلِ اللّٰهُ لَدَاْ وَهُوَ خَلَقَكَ“ تم کسی کو اللہ ﷻ کا شریک ٹھہراؤ، اس کے جیسا یا اس کے مقابل کسی کو معبود بناؤ، حالانکہ اللہ ﷻ نے ہی تم پیدا کیا ہے۔
ترجمہ الباب میں جو آیت مبارکہ بیان کی گئی ہے اس میں ”اَنْدَادًا“ کی جمع ”لَدَا“ اس کا معنی ہیں کسی بھی چیز کا نظیر یا اس کا مقابل۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ ”اِنْ ذٰلِكَ لِعَظِيْمٌ“ بے شک یہ تو سب سے بڑا گناہ ہے۔

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے شرک کو ظلم قرار دیا تھا۔
”ظلم“ کے معنی یہ ہیں کہ کسی کا حق چھین کر دوسرے کو دے دیا جائے۔

شرک اس لحاظ سے واضح طور پر بہت بڑا ظلم ہے کہ عبادت اللہ ﷻ کا خالص حق ہے، شرک کرنے والے اللہ ﷻ کا یہ حق اُس کو ادا کرنے کے بجائے خود اُسی کے بندوں اور اُسی کی مخلوق کو دیتے ہیں۔ ۱۱

پرورش کے خوف سے اولاد کا قتل گناہ عظیم

فرماتے ہیں میں نے پھر عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا گناہ ہے جو اللہ ﷻ کے ہاں سب سے بڑا ہے؟
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”وَاَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ تَخَافُ اَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ“ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا اور اس کی پرورش تمہارے ذمہ ہوگی۔

اپنے ہی بیٹے کو قتل کرنا یہ صرف ایک قتل کا گناہ نہیں بلکہ یہ کئی گناہوں پر مشتمل ہے، ناحق قتل کرنا، اپنے ہی بیٹے کو قتل کرنا، ایسے انسان کو قتل کرنا جو اس حالت میں ہے کہ وہ اپنی مدافعت بھی نہیں کر سکتا، اس خوف کی وجہ سے قتل کرنا کہ ہمارے ساتھ کھائے گا، گویا خود پرورش کرنے والا ہے، اللہ ﷻ کے رازق ہونے پر تو کل نہیں۔

پڑوسی کی بیوی سے زنا، تیسرا بڑا گناہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے پھر سے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”اِنْ تُزَالِيَ حَلِيْلَةً جَارِكَ“ تیسرا بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔

لفظ ”تزالی“ یہ مأخوذ ہے ”مزالاة“ سے جو باب مفاعله کا مصدر ہے، جس کا مطلب ہے مشارکت کرنا، یہاں اس کا مطلب ہے اپنے پڑوسی کی بیوی بہکا کر، ورغلا کر اس کو زناء پر آمادہ کرنا۔
پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زناء کرنا یہ گناہ بھی درحقیقت کئی ایک گنہوں پر مشتمل ہے، زناء کرنے کا گناہ ہے، کسی دوسرے کی بیوی کو بہکانا، اپنے پڑوسی کو ساتھ خیانت کرنا حالانکہ پڑوسی یہ سمجھتا ہے کہ اس کو اپنے ساتھ والے سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گا اور اس کی جان، مال اور عزت کی پڑوسی ہونے کی ناطے حفاظت کرے گا، زناء کے نتیجے میں کسی کے نسب کو خراب کرنا، یہ سب گناہ ہیں جو اس میں جمع ہو گئے ہیں۔

(۴) باب: ﴿وَوَعَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰ وَالسَّلْوٰ﴾ الیٰ ﴿يُظْلِمُونَ﴾ [۵۷]

باب: ”اور ہم نے تم کو بادل کا سایہ عطا کیا، اور تم پر من و سلویٰ نازل کیا“ آیت کے آخر تک

من و سلویٰ؛ بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمت کی بارش

بنی اسرائیل نے جہاد کے ایک حکم کی نافرمانی کی تھی جس کی پاداش میں انہیں صحرائے سینا میں مقید کر دیا گیا تھا، لیکن اس سزایابی کے دوران بھی اللہ ﷻ نے انہیں جن نعمتوں سے نوازا یہاں اُن کا ذکر ہو رہا ہے۔
صحراء میں چونکہ کوئی چھت ان کے سروں پر نہیں تھی اس لئے ان کو دھوپ کی تمازت سے بچانے کے لئے اللہ ﷻ نے یہ انتظام فرمایا کہ ایک بادل ان پر مسلسل سایہ کئے رہتا تھا۔ اسی صحراء میں جہاں کوئی غذا دستیاب نہیں تھی، اللہ ﷻ نے غیب سے من و سلویٰ کی شکل میں انہیں بہترین خوراک مہیا فرمائی۔

بعض روایتوں کے مطابق من سے مراد ترنجبین ہے جو اس علاقے میں افراط سے پیدا کر دی گئی تھی، اور سلویٰ سے مراد ٹیریں ہیں جو بنی اسرائیل کی قیام گاہوں کے آس پاس کثرت سے منڈلاتی رہتیں، کوئی انہیں پکڑنا چاہتا تو بالکل مزاحمت نہیں کرتی تھیں۔

لیکن انہوں نے ان تمام نعمتوں کی بُری طرح ناقدری کی اور اس طرح خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ۵۷
وَقَالَ مُجَاهِدٌ: الْمَنُّ: صَمَغُهُ وَالسَّلْوٰ: الطَّيْرُ.

ترجمہ: مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں ”من“ وہ گوند جو درختوں پر آتی ہے اور ”سلویٰ“ پرندے کو کہتے ہیں۔

۴۴۷۸۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا سفيان، عن عبد الملك، عن عمرو بن حريث، عن سعيد بن زيد رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((الكُمَاةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ)). [أنظر: ۴۶۳۹، ۵۷۰۸] ۲۳

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کھنسی (یعنی ترنجبین ایک قسم کا گوند ہے جو درختوں سے نکالا جاتا ہے) اس کا پانی آنکھوں کی بیماریوں کے لئے مفید ہے۔

آنکھوں کی بیماریوں کیلئے مفید دوا

”الكُمَاةُ مِنَ الْمَنِّ“۔ کھنسی ”من“ کا حصہ ہے یعنی یہ جو ”من“ نازل کیا گیا تھا اس میں شامل تھی یا یہ کہ جس طرح ”من“ بنی اسرائیل کو بطور احسان دیا گیا تھا، بکثرت پایا جاتا تھا بغیر محنت و مشقت کے ان کو مل جاتا تھا۔ اسی طرح یہ ”الكُمَاةُ“۔ کھنسی بھی ہمارے لئے بغیر کسی مشقت کے اللہ ﷻ نے پیدا فرما دیا ہے اور اس کا پانی آنکھوں کی بیماریوں کیلئے مفید ہے۔

(۵) باب: ﴿وَإِذْ قُلْنَا اذْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾ [۵۸] الآية

باب: ”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا کہ: اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو جی بھر کر کھاؤ“

بنی اسرائیل کی ناشکری

بنی اسرائیل من و سلوئی سے بھی اکتا گئے تو انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر گزارہ نہیں کر سکتے۔ ہم زمین کی ترکاریاں وغیرہ کھانا چاہتے ہیں، اس موقع پر ان کی یہ خواہش بھی پوری کی گئی۔

۲۳ ولی صحیح مسلم، کتاب الطب، باب المن من شفاء للعین، رقم: ۵۷۰۸، و کتاب الاطعمہ، باب فضل الکماء، و مداواة العین بها، رقم: ۲۰۳۹، و سنن الترمذی، أبواب الطب، باب ماجاء فی الکماء والعجوة، رقم: ۲۰۶۷، و سنن ابن ماجه، کتاب الطب، باب الکماء والعجوة، رقم: ۳۳۵۳، و مسند احمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، مسند سعید بن زید بن عمرو بن لعل رضی اللہ عنہ، رقم: ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۵

اور یہ اعلان فرمایا گیا کہ اب تمہیں صحراء کی خاک چھاننے سے نجات دی جاتی ہے، سامنے ایک شہر ہے اس میں چلے جاؤ لیکن اپنے گناہوں پر ندامت کے اظہار کے طور پر سر جھکائے ہوئے اور معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہو، وہاں اپنی رغبت کے مطابق جو حلال غذا چاہو کھا سکو گے۔

لیکن ان ظالموں نے پھر ضد اور سرکشی کا مظاہرہ کیا، بجائے یہ کہ شہر میں داخل ہوتے ہوئے سر کو جھکاتے عاجزی اور ندامت کے مارے، بلکہ سینے تان تان کر شہر میں داخل ہوئے، معافی کے مانگنے کے لئے انہیں جو الفاظ کہنے کی تلقین کی گئی تھی ان کا مذاق بنا کر ان سے ملتے جلتے ایسے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوئے جن کا مقصد مسخرہ پن کے سواء کچھ نہ تھا۔ ۲۳

﴿رَغَدًا﴾: واسعًا کثیرًا۔

ترجمہ: ”رغدا“ فراغت، وسعت کو کہتے ہیں۔

۴۴۷۹۔ حدثنا محمد: حدثني عبد الرحمن بن مهدي، عن ابن المبارك، عن معمر

عن همام بن منبه، عن أبي هريرة ؓ عن النبي ﷺ قال: ((قيل لبني إسرائيل: ﴿أَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةً﴾ فدخلوا يزحفون على أستاهم فبدلوا وقالوا: حطة: حبة في شعرة)). [راجع: ۳۴۰۳]

ترجمہ: ہمام بن منہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کو کہا گیا تھا کہ ﴿أَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةً﴾۔ ”تم دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور یہ کہتے ہوئے کہ ”حطہ“ (یعنی اے اللہ ہمارے گناہوں کو جھاڑ دے)۔ تو وہ لوگ اس طرح داخل ہوئے کہ اپنی سرینوں کو زمین پر گھسٹ رہے تھے، اور بدل ڈالنا ”حطہ“ کو اور کہنے لگے کہ ”حبة“ گندم کا دانہ۔

الفاظ کی تشریح

”استاہ“ جمع ہے ”است“ کی، یعنی سرینوں کے بل۔

”وبدلوا“ اور کلمہ بھی بدل دیا ”حطہ“ کے ساتھ ”حبة فی شعرة“ یعنی گندم کا دانہ بالی کے اندر۔

بعض روایتوں میں ”حبة“ کے بجائے ”حطہ“ آیا ہے یعنی ”حطہ حبة فی شعرة“۔

(۶) باب: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ﴾ [۹۷]

باب: ”اگر کوئی شخص جبرائیل کا دشمن ہے۔“

وقال عكرمة: جبر، وميك، وسراف: عبد، ايل: الله.

ترجمہ: حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جبر، میک اور سراف کے معنی ہیں بندہ، ایل کے معنی ہیں اللہ یعنی اللہ کا بندہ۔

مقرب فرشتوں کا اسماء کا مطلب

اس آیت کا شان نزول بعد میں حدیث میں بیان کیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا کہ ”جبر“ و ”میک“ اور ”سراف“ تینوں کے معنی عبرانی زبان میں ”عبد“۔ بندہ کے ہیں اور ”ایل“ کے معنی اللہ کے ہیں، تو جبرائیل کے معنی ہوئے ”اللہ کا بندہ“ اور میکائیل کے بھی یہی ہوئے اور اسرافیل کے بھی یہی معنی ہوئے۔

بعض لوگوں نے دوسری تفسیر کی ہے، مثلاً انہوں نے کہا کہ ”جبر“ پیغام کو کہتے ہیں تو ”جبرائیل“ کے معنی اللہ کا پیغام، اور ”میک“ بارش کو کہتے ہیں تو ”میکائیل“ کے معنی اللہ کی طرف سے بارش لانے والا، اور ”سراف“ ”صور“ کو کہتے ہیں تو اس کے معنی اللہ کا صور پھونکنے والا۔ واللہ اعلم۔ ۵۵

۴۴۸۰۔ حدثنا عبد الله بن منير: سمع عبد الله بن بكر، حدثنا حميد، عن أنس قال:

سمع عبد الله بن سلام بقدم رسول الله ﷺ وهو في أرض يثرب، فأتى النبي ﷺ فقال: إني سألك عن ثلاث لا يعلمهن إلا نبي، فما أول أشراف الساعة؟ وما أول طعام أهل الجنة؟ وما ينزع الولد إلى أبيه أو إلى أمه؟ قال: ((أخبرني بهن جبريل آتياً))، قال: جبريل؟ قال: ((نعم))، قال: ذاك عدو اليهود من الملائكة. فقرأ هذه الآية ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ﴾ أما أول أشراف الساعة فنار تشر الناس من المشرق إلى المغرب، وأما أول طعام أهل الجنة فزيادة كبد الحوت، وإذا سبق ماء الرجل ماء المرأة

نزع الولد، وإذا سبق ماء المرأة لزعت)). قال: أشهد أن لا إله إلا الله، وأشهد أنك رسول الله. يا رسول الله، إن اليهود قوم بهت، وإنهم إن علموا بإسلامي قتل أن تسألهم يبهتوني. فجاءت اليهود، فقال النبي ﷺ: ((أى رجل عبد الله فيكم؟)) قالوا: خيرنا وابن خيرنا، وسيدنا وابن سيدنا. قال: ((أرايتم إن أسلم عبد الله بن سلام؟)) فقالوا: أعاده الله من ذلك. فخرج عبد الله فقال: أشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله. فقالوا: شرنا وابن شرنا، والتقصوه. قال: فهذا الذي كنت أخاف يا رسول الله. [راجع: ۳۳۲۹]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودی عالم عبد اللہ بن سلام باغیچہ میں میوہ توڑ رہے تھے کہ ان کو نبی ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کی خبر ہوئی، وہ فوراً حاضر خدمت ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں آپ سے تین باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں، جن کو ماسوائے نبی کے اور کوئی نہیں بتا سکتا، ایک یہ کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہوگی؟ دوسرے یہ کہ جنتی سب سے پہلے کیا چیز کھائیں گے؟ تیسرے یہ کہ بچہ اپنے باپ یا ماں کے مشابہ کس وجہ سے ہوتا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ابھی حضرت جبرائیل علیہ السلام بتا کر گئے ہیں، عبد اللہ بن سلام نے کہا کہ جبرائیل! وہ تو یہودیوں کا سب فرشتوں میں سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجِبْرِيلِ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ﴾، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا، قیامت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ ایک آگ اٹھے گی جو آدمیوں کو مشرق سے مغرب کی طرف بھاگا کر لے جائے گی، اور جنتیوں کو سب سے پہلے پھلی کا جگر کھانے کو ملے گا، اور بچہ کے مشابہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرد عورت میں سے جس کا مادہ منویہ غالب رہتا ہے، بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے، اگر ماں کا غالب ہے تو ماں سے اگر باپ کا غالب ہے تو باپ سے۔

عبد اللہ بن سلام نے اس کے بعد کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ابن سلام نے کہا کہ اے اللہ کے! یہودی بڑی جھوٹی قوم ہے، ان کو میرا مسلمان ہونا بہت ناگوار ہوگا، اور وہ بڑے بہتان میرے اوپر تراشیں گے، اتنے میں کچھ یہود آپ ﷺ کے پاس آئے، ابن سلام نے کہا کہ آپ میرے متعلق ان سے سوال کریں، اور خود آڑ میں ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے یہودیوں سے پوچھا کہ تم ابن سلام کو کیسا جانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے، اور اچھے آدمی کا بیٹا ہے، ہمارا سردار ہے اور سردار کا فرزند ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہو جائے، یہود نے کہا خدا اسے اس سے پناہ دے۔

ابن سلام سن کر باہر نکل آئے اور کہا کہ أشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہا، ابن سلام ہم میں بہت ذلیل اور ذلیل آدمی کا فرزند ہے، اور بہت سی برائیاں کرنے

لگے، عبد اللہ بن سلام نے کہا یا رسول اللہ! مجھے تو پہلے ہی ڈر تھا کہ یہ لوگ برا کہنے لگیں گے۔

عبد اللہ بن سلام کے اسلام لانے کا واقعہ

حضرت عبد اللہ بن سلام ؓ تو ریت کے بڑے زبردست عالم تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا اصل نام حصین تھا، اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کا عبد اللہ رکھا۔

اس روایت میں حضرت انس ؓ نے حضرت عبد اللہ بن سلام ؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بیان فرمایا ہے، جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، جب حضرت عبد اللہ بن سلام ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو اس وقت وہ اپنی زمین میں تھے اور درختوں سے پھل توڑ رہے تھے۔

”اخترف“ کے معنی پھل توڑنا۔

خبر سنتے ہی یہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر عرض کیا کہ ”إِنِّي سَأَلْتُكَ عَنْ ثَلَاثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا أَنَا“ میں آپ سے تین باتیں پوچھنا چاہتا ہوں، وہ تین باتیں ایسی ہیں کہ سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جانتا، لہذا اگر آپ نے بتا دیا تو پتہ چل جائے گا کہ آپ نبی ہیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ ”لَمَّا أَوَّلَ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ؟“ یعنی قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ”وَمَا أَوَّلُ طَعَامِ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟“ یعنی جنت کا سب سے پہلا کھانا کونسا ہوگا؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ ”وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدَ إِلَى أَبِيهِ أَوْ إِلَى أُمِّهِ؟“ وہ کونسی چیز ہے جو اولاد کو کھینچ لے جاتی ہے اپنے باپ یا ماں کی طرف یعنی مشابہت جو پیدا ہوتی ہے باپ یا ماں کی وہ کس وجہ سے پیدا ہوتی ہے؟

عبد اللہ بن سلام کے یہ سوالات سن کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”أَخْبِرْنِي بِهِنَّ جِبْرِيلُ أَنْفًا“ یہ بات ابھی ابھی حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے بتائی ہے۔

عبد اللہ بن سلام نے یہ سن کر دریافت کیا کہ ”قَالَ جِبْرِيلُ؟“ جبرائیل نے بتایا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! انہوں نے بتایا ہے۔

عبد اللہ بن سلام نے کہا کہ ”ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ“ وہ تو ملائکہ میں سے یہودیوں کے دشمن ہیں یعنی اگر آپ اور کسی فرشتے کا نام لے لیتے تو تسلی ہوتی لیکن یہ تو آپ نے ہمارے دشمن کا نام لے لیا۔

تو حضور اقدس ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ﴾

اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ آیت اس واقعہ سے پہلے نازل ہو چکی تھی، اور اس موقع پر آپ ﷺ نے پڑھی۔

چنانچہ مسند احمد وغیرہ میں جو روایت آئی ہے اس میں ذکر ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو چند یہودی علماء خاص طور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے تھے اور اس وقت پوچھا کہ آپ کے پاس وحی کون لیکر آتا ہے؟

تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل لیکر آتے ہیں، تو اس پر انہوں نے کہا کہ اسرائیل یا میکائیل لیکر آتے تو ہم مان لیتے، جبرائیل تو ہمارے دشمن ہیں، تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی اس کو آپ نے اس موقع پر دوبارہ دہرایا۔ ۲۶

اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے عبد اللہ بن سلام کے سوالات کے جوابات کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اما اول اشراط الساعة فنار تحشر الناس من المشرق إلى المغرب“ علامات قیامت میں سے پہلی علامت وہ آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک ہنکا کے لے جائے گی۔

”واما اول طعام اهل الجنة فزيادة كبد الحوت“ اور جہاں تک سوال ہے کہ جنتیوں کا سب سے پہلا کھانا جو جنتی کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا حصہ کھائیں گے۔

اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ”وإذا سبق ماء الرجل ماء المرأة نزع الولد“ اگر مرد کی منی عورت کی منی پر مقدم ہو جائے یعنی پہلے انزال ہو تو ”نزع الولد“ تو وہ ولد کو اپنی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے یعنی مشابہت باپ کی پیدا ہوتی ہے۔ ”وإذا سبق ماء المرأة نزع“ اور اگر عورت کی منی مقدم ہو جائے تو وہ ”نزع“ یعنی وہ اپنی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے یعنی مشابہت ماں کی پیدا ہوتی ہے۔

جب یہ تینوں جوابات عبد اللہ بن سلام نے سنے تو فوراً اسلام کی حقانیت کا اعتراف کیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد عبد اللہ بن سلام ﷺ نے عرض کیا کہ ”إن اليهود قوم بهت“ اے اللہ کے رسول! یہ یہودی بہت بہتان تراش قسم کے لوگ ہیں۔

”بہت“ یعنی بہتان لگانے والے، الزام تراشیاں کرنے والے لوگ ہیں۔

”واللهم إن بعلموا یا اسلامی قبل أن تسألهم یھونى“ اور اگر ان کو آپ سے سوال کرنے سے پہلے میرے اسلام لانے کا پتہ چلا تو وہ میرے اوپر بہتان لگائیں گے یعنی میرا حال میرے اسلام ظاہر ہونے سے پہلے ان سے پوچھئے تو سچ بولیں گے۔

۲۶ مسند احمد، ومن مسند بنی ہاشم، مسند عبد اللہ بن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ، رقم:

تھوڑی دیر کے بعد چند یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے ان یہودیوں سے پوچھا کہ ”ای رجل عبد الله فيكم؟“ عبد اللہ بن سلام تم لوگوں میں کیسے آدمی ہیں؟

ان یہودیوں نے کہا کہ ”خیرنا وابن خیرنا، وسیدنا وابن سیدنا“ پہلے ہم میں سے سب سے بہتر اور ہم میں سے سب سے بہتر شخص کا بیٹا ہے، ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے صاحبزادے ہیں۔

جب آپ ﷺ نے عبد اللہ بن سلام کی اچھائیوں کا اعتراف ان یہودیوں سے کروالیا تو ان سے فرمایا کہ ”ارایتم ان اسلم عبد الله بن سلام؟“ کہ اگر عبد اللہ بن سلام اسلام لے آئیں تو کیا خیال ہے؟

تو ان یہودیوں نے کہا کہ ”اعاذہ اللہ من ذلک“ اللہ انہیں اس سے پناہ میں رکھے۔

”فخرج عبد الله“ یہ سن کر عبد اللہ بن سلام باہر نکل آئے اور ان یہودیوں کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا۔

یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ ”شرنا وابن شرنا، وانتقصوه“ ابن سلام ہم میں بہت بُرا آدمی ہے اور بُرے آدمی کا فرزند ہے اور بہت سی برائیاں کرنے لگے۔

عبد اللہ بن سلام ﷺ نے یہ سن کر کہا کہ ”للهذا الذي كنت أخاف“ اے اللہ کے رسول! مجھے تو پہلے ہی ڈرتھا کہ یہ لوگ میری برائی کرنے لگیں گے۔

(۷) باب قوله: ﴿مَا نَسَخَ مِنْ آيَةٍ أَوْ نَسِيَهَا نَاتٍ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا﴾ [۱۰۶]

اس ارشاد کے بیان میں کہ: ”ہم جب بھی کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اُس سے یا اُسی جیسی (آیت) بھی لے آتے ہیں۔“

یہود کا اعتراض و طعن

یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں، اگر یہ کتاب من جانب اللہ ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب یہ آیتیں منسوخ ہوئی اُس عیب کی خبر کیا اللہ کو پہلے نہیں تھی؟

اللہ نے ان کے اس طعن کا جواب دیا کہ عیب نہ تو پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں، لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے، اُس وقت وہی مناسب حکم تھا اور اب دوسرا حکم مناسب ہے۔

نسخ کی حکمت

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ مختلف زمانوں کے حالات کی مناسبت سے شریعت کے فروعی احکام میں تبدیلی فرماتے رہے ہیں۔ اگرچہ دین کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، رسالت، آخرت وغیرہ ہر دور میں ایک رہے ہیں جو عملی احکام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے ان میں سے بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں تبدیل کر دیئے گئے، اور آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ان میں مزید تبدیلیاں واقع ہوئیں۔

اسی طرح جب آنحضرت ﷺ کو شروع میں نبوت عطاء ہوئی تو آپ کی دعوت کو مختلف مراحل سے گذرنا تھا، مسلمانوں کو طرح طرح کے مسائل درپیش تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے احکام میں تدریج اختیار فرمائی۔ کسی وقت ایک حکم دیا گیا، بعد میں اس کی جگہ دوسرا حکم آ گیا، جیسا کہ قبلہ کے تعین کے احکام بدلے گئے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

فروعی احکام میں ان حکیمانہ تبدیلیوں کو اصطلاح میں ”نسخ“ کہتے ہیں۔ ۲۸

۴۴۸۱۔ حدثنا عمرو بن علی: حدثنا يحيى: حدثنا سفيان، عن حبيب، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال: قال عمر رضي الله عنه: **القرؤنا أبي، واقضانا علي.** وإنا لنُدع من قول أبي وذاك أن أبا يقول: لا أَدع شيئاً سمعته من رسول الله ﷺ. وقد قال الله تعالى: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا﴾. [النظر: ۵۰۰۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضي الله عنه فرمایا کرتے تھے کہ ہم سب میں قرآن کے بہترین قاری حضرت ابی بن کعب رضي الله عنه ہیں، اور دینی احکام کو حضرت علی رضي الله عنه زیادہ جانتے ہیں، مگر اس کے باوجود ہم ابی بن کعب رضي الله عنه کی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ میں قرآن کریم کی کسی آیت کی تلاوت کو نہیں چھوڑوں گا، جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، حالانکہ خود اللہ ﷻ نے یہ فرمایا کہ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا﴾۔

نسخ آیات کے متعلق حضرت عمر رضي الله عنه اور جمہور کا موقف

﴿نُنسِهَا﴾ میں ایک قرأت ”نَسَاها“ ہے، ”نَسَاها“ کے معنی ”نو جلیھا و نو خرها“ ہے، یہ بھی

ایک قرأت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ ہم میں سے زیادہ قرآن کو جاننے والے حضرت ابی ابن کعب ؓ ہیں اور سب سے زیادہ قضاء کے جاننے والے حضرت علی ؓ ہیں، لیکن ہم کبھی کبھی ابی ابن کعب ؓ کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں، جو بات وہ کہتے ہیں اس کو ہم نہیں مانتے، اس پر عمل نہیں کرتے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے ”ان اہباً یقول“ کہ حضرت ابی بن کعب ؓ یہ کہتے ہیں ”لا ادع شیئاً سمعته من رسول اللہ ﷺ“ کہ جو کچھ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے وہ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ حالانکہ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ

﴿مَا تَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا﴾

جب آیت کریمہ یہ کہہ رہی ہے کہ بعض اوقات احکام بعد میں منسوخ ہو جاتے ہیں اور آیتیں بھی بعض اوقات منسوخ ہوئی ہیں لیکن حضرت ابی بن کعب ؓ یہ نہتے ہیں کہ میں کوئی بھی بات جو رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو کبھی نہیں چھوڑوں گا، گویا کہ وہ نسخ کے قائل نہیں۔

حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ اس واسطے بعض اوقات ہم کسی ایسی بات کے قائل ہو جاتے جو منسوخ ہو چکی تو ہم ایسے میں ان کے قول کو اختیار نہیں کرتے ان کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ قرآن کریم کی آیت میں نسخ ہوا ہے، لہذا وہ بعض معتزلہ کا جیسے ابو سلم اصفہانی وغیرہ کا یہ کہنا کہ آیت قرآنی میں نسخ نہیں ہوا، اس قول کی اس سے تردید ہو جاتی ہے۔

(۸) باب: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ﴾ [۱۱۶]

باب: ”یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہوا ہے، (حالانکہ) اسکی ذات (اس قسم کی چیزوں سے) پاک ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے صاحبِ اولاد ہونے کی نفی

بعض یہودی حضرت عزیر ؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ ؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور مشرکین عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں، جیسا کہ مختلف آیات میں ان اقوال کی خبر دی گئی ہے۔

تو یہاں پر اس آیت میں اور قرآن کریم میں دیگر کئی مقامات پر حق تعالیٰ اس قول کی قباحت اور بطلان کا بیان فرماتے ہیں۔ ۲۸

۳۴۸۲۔ حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعیب، عن عبد الله بن أبي حسين: حدثنا نافع بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ قال: ((قال الله: كل بني آدم ولم يكن له ذلك، وشعني ولم يكن له ذلك. فاما تكذيبه اباي فزعهم اني لا اقدر ان اعیده كما كان. واما شعنه اباي فقله لي ولد فسبحاني ان اتخذ صاحبتہ او ولدا)).

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ بنی آدم مجھے جھٹلاتا ہے، حالانکہ اس کو یہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مجھے جھٹلاتا تو یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں مارنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا ہوں اور گالی یہ ہے کہ آدمی کہتا ہے کہ خدا کے اولاد ہے، حالانکہ میری ذات اس سے بالکل پاک ہے کہ کسی کو بیوی اور کسی کو اولاد بناؤں۔

(۹) باب: ﴿وََاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [۱۲۵]

باب: ”اور تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔“

مقام ابراہیم کی اہمیت و مقام

آیت مذکورہ میں مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کا حکم ہے۔ اس کی وضاحت خود رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے قول و فعل سے اس طرح فرمادی کہ آپ ﷺ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پاس پہنچے جو بیت اللہ کے سامنے تھوڑے فاصلے سے رکھا ہوا ہے، وہاں پہنچ کر یہ آیت تلاوت فرمائی اور مقام ابراہیم کے پیچھے اس طرح دو رکعت نماز پڑھی کہ مقام ابراہیم کو درمیان میں رکھتے ہوئے بیت اللہ کا استقبال ہو جائے۔

اسی لئے فقہائے امت نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو مقام ابراہیم کے پیچھے متصل جگہ نہ ملے، وہ کتنے ہی فاصلے پر بھی جب اس طرح کھڑا ہو کہ مقام ابراہیم بھی اس کے سامنے رہے، اور بیت اللہ بھی تو اس حکم کی پوری تعمیل ہو جائے گی۔ ۲۹

۲۸ ساری القرآن، ج: ۱، ص: ۳۰۳، عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۳۰

۲۹ عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۳۱

﴿مَثَابَةٌ﴾: یثوبون: برجعون۔

ترجمہ: ﴿مَثَابَةٌ﴾ مصدر ہے ”یثوبون“ کا، بمعنی لوٹنے کی جگہ۔

۳۴۸۳ — حدثنا مسدد: عن يحيى بن سعيد، عن حميد، عن أنس قال: قال

عمر رضی اللہ عنہ: وافقت الله في ثلاث، أو والفني ربي في ثلاث. قلت: يا رسول الله لو اتخذت من مقام إبراهيم مصلی، وقلت: يا رسول الله يدخل عليك البر والفاجر فلو أمرت أمهات المؤمنین بالحجاب، فأنزل الله آية الحجاب. قال: وبلغني معاذة النبی ﷺ بعض نسائه لدخلت عليهن قلت: إن انتهين أو لبيدن الله رسوله ﷺ خيراً منك حتى أتيت إحدى نسائه قالت: يا عمر، أما في رسول الله ﷺ ما يعظ نساءه حتى تعظهن أنت؟ فأنزل الله ﴿عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَرْوَاحًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ﴾ [التحریم: ۵] الآية. [راجع: ۳۰۲]

وقال ابن أبي مریم: أخبرنا يحيى بن أيوب: حدثني حميد: سمعت أنس، عن عمر.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تین باتیں میری ایسی ہیں جو وحی الہی کے موافق ہوں، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے میری تین باتوں سے اتفاق کیا، میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ طواف کے بعد مقام ابراہیم میں نماز ادا کریں، چنانچہ اس کے موافق مقام ابراہیم میں نماز کا حکم ہوا، دوسری بات یہ ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس ہر طرح کے نیک اور بُرے لوگ آتے ہیں، اچھا ہوا اگر آپ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرمائی، تیسری یہ کہ مجھے معلوم ہوا آنحضرت ﷺ بیویوں سے ناراض ہیں، تو میں ان کے پاس پہنچا اور کہا کہ دیکھو تم آنحضرت ﷺ کو ناراض نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے بہتر عورتیں اپنے رسول کو عطا فرما سکتا ہے، مگر ایک بیوی نے کہا کہ اے عمر! کیا حضور ﷺ ہم کو نصیحت نہیں کر سکتے، جو تم نصیحت کرنے آئے ہو، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَرْوَاحًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ﴾ یعنی کوئی تعجب نہیں کہ رسول تم کو طلاق دیدے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے بدلے میں تم سے بھی بہتر بیویاں ان کو عطا فرمائے۔

ابن ابی مریم کہتے ہیں کہ یہی حدیث یحییٰ بن ایوب، حمید، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

سے روایت کرتے ہیں۔

موافقاتِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

اس حدیث میں تین موافقات عمر کا ذکر ہے:

ایک مقام ابراہیم کے بارے میں سیدنا عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اے اللہ کے رسول! کاش آپ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیتے تو یہ آیت ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق، طواف کے بعد مقام ابراہیم کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

دوسرا ازدواج مطہرات کو حجاب کا حکم دیا گیا ہے، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں چونکہ ہر طرح کے لوگ آتے تھے، متقی لوگ، اور فاسق و فاجر اور منافق لوگ بھی تو حضرت عمرؓ نے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ اے اللہ کے رسول! کاش آپ امہات المؤمنین کو حجاب پر پردہ کا حکم دیتے، تو اس موقع پر حضرت عمرؓ کی خواہش کے موافق آیت الحجاب نازل ہوئی ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لَأُزَوِّجَكَ الْخ﴾ [الاحزاب: ۵۹] جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امہات المؤمنین کو پردہ کا حکم دیا گیا۔

تیسرا واقعہ جہاں حضرت عمرؓ کے موافق حکم نازل ہوا۔ اس کی تفصیل حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی بعض ازدواج مطہرات یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی ناراضگی کا معلوم ہوا تو میں انکے پاس گیا اور ان سے کہا کہ دیکھو! تم آنحضرت ﷺ کو ناراض کرنے سے باز آ جاؤ، ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تم سے بہتر ازدواج عطاء فرما سکتا ہے۔

پھر میں آپ ﷺ کی ازدواج مطہرات میں سے ایک دوسری زوجہ کے پاس گیا، دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں، انہوں نے کہا ”اقام فی رسول اللہ ﷺ ما یعظ نساءہ حتی یعظھن انت؟“ اے عمر! رسول اللہ ﷺ کو اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنی ازدواج کو نصیحت کر سکیں جو آپ ہمیں نصیحت کرنے آ گئے ہیں یعنی کوئی بات ہماری ایسی ہوتی تو حضور ﷺ خود نصیحت فرماتے آپ نصیحت کرنے کیوں آ گئے ہیں۔

پھر اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کے موافق اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا ﴿عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَفْتُ أَنْ يَبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكَ مُسْلِمَاتٍ﴾ [التحریم: ۵]۔

اس روایت میں یہ تین باتیں بیان فرمائی ہیں جن میں موافقت عمر کا ذکر ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے تتبع و تلاش سے بکثرت موافقات عمر رضی اللہ عنہ کا ثبوت ملتا ہے، بعض بزرگوں نے بیس کے قریب مقامات میں موافقات عمر کو بیان کیا ہے۔ ۵۰

۵۰ کذا ذکر فی بعض الباری: ولقد عد العلماء موافقاتہ الی عشرين. ج ۳، ص: ۱۵۷، و تاریخ الخلفاء، ج: ۱، ص:

(۱۰) باب: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا﴾

إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲۷﴾

باب: ”اور اُس وقت کا تصور کرو جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے، اور اسماعیل بھی (انکے ساتھ شریک تھے، اور یہ دونوں کہتے جاتے تھے کہ:) اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمालے۔ بیشک تو، اور صرف تو ہی، ہر ایک کی سننے والا، ہر ایک کو جاننے والا ہے۔“

بیت اللہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء

بیت اللہ جسے کعبہ بھی کہتے ہیں درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے تعمیر چلا آتا ہے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں وہ حادثہ روزگار سے منہدم ہو چکا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسے از سر نو انہی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا حکم ہوا تھا جو پہلے سے موجود تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو بتا دی تھیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ وہ بیت اللہ تعمیر کر رہے تھے، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ وہ اس کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔

دل سے نکلی ہوئی اس دعا کی تاثیر کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں منتقل نہیں کی جاسکتی، چنانچہ ترجمہ صرف اس کا مفہوم ہی ادا کر سکتا ہے۔ یہاں اس دعا کو نقل کرنے کا مقصد ایک تو یہ دکھانا ہے کہ انبیائے کرام اپنے بڑے سے بڑے کارنامے پر بھی مغرور ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور اور زیادہ عجز و نیاز کا مظاہرہ فرماتے ہیں، اور اپنے کارنامے کا تذکرہ کرنے کے بجائے اپنی اُن کوتاہیوں پر توبہ مانگتے ہیں جو اس کام کی ادائیگی میں ان سے سرزد ہونے کا امکان ہو۔ دوسرے اُن کا ہر کام صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے، لہذا وہ اُس پر مخلوق سے تعریف کرانے کی فکر کے بجائے اللہ تعالیٰ سے اسکی قبولیت کی دعا مانگتے ہیں۔

القواعد: أساسه، واحدتها قاعدة. ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ [النور: ۶۰] واحدھا قاعدة.

ترجمہ: ”القواعد“ کے معنی ہیں بنیاد کے، اور اس کا واحد ”قاعدة“ ہے۔ اور آیت ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ

النِّسَاءِ﴾ [النور: ۶۰] میں ”القواعد“ آیا ہے، اس کا واحد ”قاعدة“ ہے۔ یہاں ”القواعد“ سے مراد وہ عورت ہے جو بہت بوڑھی ہو کر بیٹھ گئی ہو۔

۴۴۸۴ - حدثنا إسماعيل قال: حدثني مالك، عن ابن شهاب، عن سالم بن عبد الله: أن عبد الله بن محمد بن أبي بكر أخبر عبد الله بن عمر، عن عائشة رضي الله تعالى عنها زوج النبي ﷺ أن النبي ﷺ قال: ((ألم ترى أن قومك بنوا الكعبة واقتصروا عن قواعد إبراهيم؟)) فقلت: يا رسول الله، ألا تردّها على قواعد إبراهيم؟ قال: ((لولا حدثان قومك بالكفر)). فقال عبد الله بن عمر: لئن كانت عائشة سمعت هذا من رسول الله ﷺ ما أرى رسول الله ﷺ ترك استعمال الركبتين اللذين يليان الحجر إلا أن البيت لم يتم على قواعد إبراهيم. [راجع: ۱۲۶]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم کو اس بات کا علم نہیں کہ تمہاری قوم کے آدمیوں یعنی قریش نے جب کعبہ کو جب اپنے وقت میں تعمیر کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے اس کو چھوٹا کر دیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اسے پھر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر بنا دیجئے، آپ نے فرمایا میں تو کر دیتا، مگر تمہاری قوم نے نیا نیا اسلام قبول کیا ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کی سماعت کے بعد کہا، کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے یہ بات سنی ہے تو میں خیال کرتا ہوں، کہ شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان دونوں کونوں کو نہیں چھوتے تھے، جو حطیم کے پاس ہیں، کیونکہ وہ کونے بنیاد ابراہیمی پر نہیں بنائے گئے تھے۔ ج

(۱۱) باب: ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا﴾ [۱۳۶]

باب: ”(مسلمانو!) کہہ دو کہ: ”ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور اُس کلام پر بھی جو ہم اتارا گیا ہے۔“

۴۴۸۵ - حدثنا محمد بن بشار: حدثنا عثمان بن عمر: أخبرنا علي بن المبارك، عن يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان أهل الكتاب يقرؤون العزرة بالعبرانية ويفسرونها بالعربية لأهل الإسلام. فقال رسول الله ﷺ: ((لا تصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم و﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا﴾ الآية)). [انظر: ۷۳۶۲، ۷۵۴۲] ج۲

ترجمہ: ابوسلمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اہل کتاب یعنی یہودی تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم ان اہل کتاب کو نہ سچا کہو، اور نہ جھوٹا کہو، بلکہ تم اس طرح کہا کرو کہ **﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا﴾**۔

اسرائیلی روایات اور ان کی اقسام

یہ حدیث اصل میں اسرائیلی روایتوں کے بارے میں ہے۔

اسرائیلی روایات اُن روایات کو کہتے ہیں جو یہودیوں یا عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں، ان میں بعض براہ راست بائبل یا تالمود سے لی گئی ہیں، بعض مشنا اور ان کی شروح سے اور بعض وہ زبانی روایات ہیں جو اہل کتاب میں سینہ بسینہ چلی آئی ہیں، اور عرب کے یہود و نصاریٰ میں مشہور و معروف تھیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایسی روایات کی تین قسمیں بیان کی ہیں اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے:

پہلی قسم: وہ اسرائیلی روایات ہیں جن کی تصدیق دوسرے خارجی دلائل سے ہو چکی ہے مثلاً فرعون کا غرقاب ہونا، حضرت موسیٰ ؑ کا جادو گروں سے مقابلہ، کوہ طور پر جانا وغیرہ۔

ایسی روایات اس لئے قابل اعتبار ہیں کہ قرآن کریم یا صحیح احادیث نے ان کی تصدیق کر دی ہے۔

دوسری قسم: وہ اسرائیلی روایات ہیں جن کا جھوٹا ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے مثلاً یہ کہانی کہ حضرت سلیمان ؑ آخری عمر میں - معاذ اللہ - بُت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے، اسی طرح حضرت داؤد ؑ کے بارے میں یہ من گھڑت کہانی کہ آپ ؑ - معاذ اللہ - پنے سپہ سالار ادریا کی بیوی پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ یہ روایات اس وجہ سے قطعاً باطل ہیں قرآن کریم نے صراحتاً ان کی تردید کی ہے۔

تیسری قسم: اُن اسرائیلی روایات کی ہے جن کے بارے میں خارجی دلائل سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ سچی ہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جھوٹی ہیں مثلاً تورات کے احکام وغیرہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسرائیلی روایتوں کے بیان کرنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن نہ تصدیق کی جائے گی نہ تردید کی جائے گی، ہو سکتا ہے سچ ہو، ہو سکتا ہے کہ غلط ہو۔

البتہ کوئی اسرائیلی روایت اگر اسلامی دلائل کے خلاف ہو تو اسکی تردید کی جائے گی یعنی امت محمدیہ کی گواہی ان کی امتوں کے خلاف انبیائے کرام کے حق میں ہوگی۔

تیسری قسم کی اسرائیلی روایات کے بارے میں ہی نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ **"لَا تَصَدِّقُوا أَهْلَ**

الکتاب ولا تکذبوہم“ یعنی تم ان اہل کتاب کو نہ سچا کہو، اور نہ جھوٹا کہو۔
موجودہ تورات اور انجیل کو تاریخی کتاب کی حیثیت سے سمجھ سکتے ہیں لیکن اسی شرط کے ساتھ کہ ناتوان
کی تصدیق کریں گے کہ یہ بالکل ٹھیک ہیں، اور نہ ہی ان کی مکمل تکذیب کریں گے۔ ۳۳

بنی اسرائیل کا خطاب

سوال: کیا بنی اسرائیل کا خطاب صرف یہودیوں کیلئے خاص ہے یا اس میں نصاریٰ بھی شامل ہیں؟
اور کیا حضرت عیسیٰ ﷺ، حضرت موسیٰ ﷺ کی شریعت کیلئے ناسخ تھے اور یہودیوں پر ان کی اتباع
ضروری تھی یا نہیں؟

جواب: اصل میں بنی اسرائیل میں یہود و نصاریٰ سب داخل ہیں، کیونکہ سب حضرت یعقوب ﷺ
کی اولاد ہیں، لیکن قرآن کریم میں جہاں خطاب آتا ہے ”یا بنی اسرائیل“ تو زیادہ تر اس سے مراد یہودی
ہوتے ہیں، سوائے چند مواقع کے اکثر پیشتر مواقع پر مراد یہودی ہیں۔
صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے زیادہ تر انہوں نے حضرت
موسیٰ ﷺ کی شریعت پر ہی عمل کرایا۔

البتہ چند مسائل میں انکی شریعت حضرت موسیٰ ﷺ کی شریعت سے مختلف تھی، کچھ مسائل میں اللہ ﷻ
نے تخفیف کر دی تھی یعنی جو حضرت موسیٰ ﷺ کی شریعت میں بنی اسرائیل پر سختیاں تھیں، ان کو حضرت عیسیٰ
ﷺ کی شریعت میں کم کر دیا تھا۔
تو وہ معدودے چند مسائل ہیں ورنہ بحیثیت مجموعی شریعت وہی ہے۔

(۱۲) قوله تعالى: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَاَهُمْ عَن قِبَلَتِهِمْ﴾

[۱۴۲] الأیۃ

اس ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”اب یہ بے وقوف لوگ کہیں گے کہ آخر وہ کیا چیز ہے
جس نے ان (مسلمانوں) کو اُس قبلے سے رُخ پھیرنے پر آمادہ کر دیا“۔ ۳۴

۴۴۸۶۔ حدثنا أبو نعیم: سمع زهيراً، عن أبي إسحاق، عن البراء رضی اللہ عنہ، أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم صلى إلى بيت المقدس سنة عشر شهراً أو سبعة عشر شهراً. وكان يعجبه أن تكون قبلته قبل البيت، وأنه صلى أو صلاها صلاة العصر وصلى معه قوم فخرج رجل ممن كان صلى معه فمر على أهل المسجد وهم راكعون، قال: أشهد بالله لقد صليت مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم قبل مكة فداروا كما هم قبل البيت وكان الذي مات على القبلة قبل أن تحول قبل البيت رجال قتلوا لم ندر ما لقول فيهم. فانزل الله: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ إِيْمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ [۱۴۳]. [راجع: ۴۰]

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ منورہ میں) سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، مگر کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا خیال دل میں بسا ہوا تھا، آخر ایک دن بحکم الہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی، سب لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی، ایک شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر چکے تھے، مسجد قبا کی طرف گئے، دیکھا کہ لوگ وہاں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس شخص نے اسی حالت میں جب کہ وہ رکوع میں تھے پکار کر کہا کہ میں خدا کو گواہ بنا کر کے کہتا ہوں کہ میں نے ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے، یہ سن کر سب کعبہ کی سمت گھوم گئے، البتہ لوگوں کو یہ تشویش تھی کہ جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے انتقال کر گئے ان کی نمازیں ہوئیں یا نہیں۔ چنانچہ اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یعنی اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہاری عبادتوں کو ضائع کر دے بلکہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان اور رحیم ہے۔ ۳۵

..... ﴿گزشتہ سے پوسٹ﴾ میں چند عرصہ کیلئے امتحان بیت المقدس کو قبلہ مقرر فرمایا اور سب جانتے ہیں کہ امتحان اسی چیز میں ہوتا ہے جو نفس پر دشوار ہو، سو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک بجائے کعبہ بیت المقدس کو قبلہ بنانا لوگوں کو بھاری معلوم ہوا، عوام مسلمین کو اس وجہ سے کہ عموماً عرب اور قریش تھے اور کعبہ کے فضیلت کے معتقد تھے، ان کو اپنے خیال اور رسم و عادت کے خلاف کرنا پڑا، اور خواص کے گھبرانے کی وجہ یہ تھی کہ ملت ابراہیمی کے خلاف تھا، جس کے موافقت کے مامور تھے، اور اخص الخواص جن کو ذوق سلیم اور تمیز و مراتب کی لیاقت عطا ہوئی تھی وہ کعبہ کے بعد بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونے کو ترقی منکوس خیال کرتے تھے، مگر جن حضرات کو حکمت و اسرار تک رسائی تھی اور حقیقت کعبہ اور حقیقت بیت المقدس کو نور فراست ہدا اجدامہ فرق مراتب سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے کمالات کے جامع اور آپ کی رسالت جملہ عالم اور تمام امتوں کیلئے شامل ہے اس لئے ضروری ہے کہ استقبال بیت المقدس کی لوہت بھی آئے یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں تمام انبیاء سابقین سے ملاقات بھی ہوئی اور اس کے بعد استقبال بیت المقدس کا بھی حکم ہوا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی، سورۃ بقرہ۔)

(۱۳) باب قوله تعالى: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ

عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ [۱۳۳]

ارشاد باری تعالیٰ کا بیان: ”اور (مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا

ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تم پر گواہ بنے“

امت محمدیہ کی خصوصیات

جس طرح ہم نے آخری زمانے میں تمام دوسری جہتوں کو چھوڑ کر کعبے کی سمت کو قبلہ بننے کا شرف عطاء فرمایا اور تمہیں اسے دل و جان سے قبول کرنے کی ہدایت دی، اسی طرح ہم نے تم کو دوسری امتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ معتدل اور متوازن امت بنایا ہے۔ چنانچہ اس امت کی شریعت میں ایسے مناسب احکام رکھے گئے ہیں جو قیام قیامت تک انسانیت کی صحیح رہنمائی کر سکیں۔ معتدل امت کی یہ خصوصیت بھی اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے کہ اس امت کو قیامت کے دن انبیائے کرام کے گواہ کے طور پر پیش کیا جائے گا۔

آگے حدیث میں تفصیل آرہی ہے کہ جب پچھلے انبیاء کی امتوں میں سے کافر لوگ صاف انکار کر دیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا تو امت محمدیہ کے لوگ انبیائے کرام کے حق میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے رسالت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی اپنی امتوں کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا، اگرچہ ہم خود اس موقع پر موجود نہیں تھے لیکن ہمارے نبی ﷺ نے وحی سے باخبر ہو کر ہم کو یہ بات بتلا دی تھی اور ہمیں ان کی بات پر اپنے مشاہدے سے زیادہ اعتماد ہے۔ دوسری طرف رسول کریم ﷺ اپنی امت کی اس بات کی تصدیق خود فرمائیں گے۔

نیز بعض مفسرین نے امت محمدیہ کے گواہ ہونے کے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ شہادت سے مراد حق کی دعوت و تبلیغ ہے، اور امت پوری انسانیت کو اسی طرح حق کا پیغام پہنچائے گی جس طرح آنحضرت ﷺ نے ان کو پہنچایا تھا۔ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور ان میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے۔ ۳۶

۳۴۸۷۔ حدثنا یوسف بن راشد: حدثنا جریر و أبو أسامة واللفظ لجریر، عن الأعمش،

عن أبي صالح. وقال أبو أسامة: حدثنا أبو صالح، عن أبي سعيد الخدري ؓ قال: قال

رسول اللہ ﷺ: ((یدعی نوح یوم القيامة فيقول: ليبيك وسعديك يا رب. فيقول: هل بلغت؟ فيقول: نعم، فيقال لأمته: هل بلغكم؟ فيقولون: ما أأتانا من لذير، فيقول: من يشهد لك؟ فيقول: محمد وأمته، فيشهدون أنه قد بلغ ﴿وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾
لذلك قوله عز وجل: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾)) والوسط: العدل. [راجع: ۳۳۳۹]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ ﷻ حضرت نوح علیہ السلام کو بلائیں گے، وہ آئیں گے اور عرض کریں گے کہ اے رب میں حاضر ہوں، پھر اللہ ﷻ فرمائے گا کہ کیا تم نے ہمارے احکامات لوگوں تک پہنچا دیئے تھے؟ حضرت نوح علیہ السلام کہیں گے جی ہاں! اس کے بعد ان کی امت سے دریافت کیا جائے گا کہ تمہارے پاس خدا کے احکامات لے کر کوئی رسول آیا تھا یا نہیں؟ وہ لوگ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، پھر اللہ ﷻ (حضرت نوح علیہ السلام سے) فرمائیں گے کہ تمہاری بات کی گواہی کون دے گا؟ وہ فرمائیں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت، چنانچہ اس وقت امت محمدیہ گواہی دے گی کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے احکام الہی کی تبلیغ کی تھی اور رسول اللہ تم پر گواہ ہوں گے۔ اور یہی مراد ہے اس آیت سے: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا الْخ﴾ آیت میں ”والوسط“ بمعنی عدل کے ہے۔

**باب قول الله تعالى: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعِ
الرَّسُولَ﴾ الآية [۱۴۳]**

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان کہ: ”اور جس قبلے پر تم پہلے کار بند تھے، اُسے ہم نے کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کیلئے مقرر کیا تھا کہ کون رسول کا حکم مانتا ہے۔“

بیت المقدس کو قبلہ بنانا، مقصد امتحان تھا

مطلب یہ ہے کہ پہلے کچھ عرصے کیلئے بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا جو حکم ہم نے دیا تھا اس کا مقصد یہ امتحان لینا تھا کہ کون قبلے کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے، کون ہے جو کسی ایک قبلے کو بذاتِ خود ہمیشہ کیلئے مقدس مان کر اللہ کے بجائے اُسی کی عبادت شروع کر دیتا ہے۔
قبلے کی تبدیلی سے یہی واضح کرنا مقصود تھا کہ عبادت بیت اللہ کی نہیں، اللہ کی کرنی ہے، ورنہ اس میں اور

بت پرستی میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟

اگلے جملے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ جو لوگ صدیوں سے بیت المقدس کو قبلہ مانتے چلے آ رہے تھے، اُن کیلئے اچانک بیت اللہ کی طرف رُخ پھیر دینا کوئی آسان بات نہ تھی کیونکہ صدیوں سے دلوں پر حکمرانی کرنے والے اعتقادات کو یکا یک بدل لینا بڑا مشکل ہوتا ہے، لیکن جن لوگوں کو اللہ نے یہ سمجھ عطاء فرمائی کہ کسی بھی چیز میں ذاتی تقدس نہیں، اور اصل تقدس اللہ تعالیٰ کے حکم کو حاصل ہے ان کو نئے قبلے کی طرف رُخ کرنے میں ذرا بھی دقت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم پہلے بھی اللہ کے بندے اور اسکے تابع فرمان تھے اور آج بھی اسی کے حکم پر ایسا کر رہے ہیں۔ ۷۷

۴۴۸۸۔ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن سفيان، عن عبدالله بن دينار، عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما: بينما الناس يصلون الصبح في مسجد قباء إذ جاء جاء فقال: أنزل الله على النبي ﷺ قرآنا أن يستقبل الكعبة فاستقبلوها، فتوجهوا إلى الكعبة. [راجع: ۴۰۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کچھ آدمی مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص آئے اور انہوں نے پکار کر کہا کہ اللہ ﷻ نے قرآن میں اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اپنا منہ کعبہ کی طرف کرلو، لہذا تم بھی کعبہ کی طرف رُخ کرو۔ چنانچہ سب لوگ نماز ہی کی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

(۱۵) باب قوله تعالى: ﴿لَقَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ الآية [۱۴۳]

ارشاد باری تعالیٰ کا بیان: ”(اے پیغمبر!) ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔“

نبی کریم ﷺ کی قبلہ کی تبدیلی کی خواہش و اشتیاق

جب بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تو آنحضرت ﷺ کو یہ اندازہ تھا کہ یہ حکم عارضی ہے، اور چونکہ بیت اللہ، بیت المقدس کے مقابلے میں زیادہ قدیم بھی تھا اور اُس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادیں بھی وابستہ تھیں، اس لئے آپ کی طبعی خواہش بھی یہی تھی کہ اُسی کو قبلہ بنایا جائے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ قبلے کی تبدیلی کے انتظار اور اشتیاق میں کبھی کبھی آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھتے تھے۔ اس آیت ﴿قَدْ لَرَى تَقْلَبَ وَجْهَكَ لِي السَّمَاءِ﴾ میں اسی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

۴۴۸۹۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا معتمر، عن أبیه، عن أنس ؓ قال: لم یبق ممن صلی القبلتین غیری۔

ترجمہ: حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں کہ تمام لوگوں میں اب صرف میں وہ شخص باقی رہ گیا ہوں جس نے دونوں قبلوں کی طرف نماز ادا کی ہے۔

تشریح

”لم یبق ممن صلی القبلتین غیری“ کوئی باقی نہیں رہا ہے مراد یہ ہے کہ اب ان صحابہ کرام ؓ میں سے خواہ وہ مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے جس نے دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہو میرے علاوہ اب (بصرہ میں) کوئی بھی باقی نہیں ہے۔

خادم رسول حضرت انس ؓ نے اپنے آخری عمر میں یہ ارشاد فرمایا تھا، حضرت انس بن مالک ؓ کی وفات ۹۰ھ یا ۹۱ھ یا ۹۳ھ میں بصرہ شہر میں ہوئی، اور آپ کی عمر صحیح ترین قول کے مطابق ایک سو تین برس تھی اور بعض کے نزدیک ایک سو تیس سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ ۳۸

(۱۶) باب: ﴿وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ﴾ الآية [۱۳۵]

باب: ”اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی اگر تم ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں لے آؤ تب بھی یہ تمہارے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے۔“

۴۴۹۰۔ حدثنا خالد بن مخلد: حدثنا سليمان قال: حدثني عبد الله بن دينار، عن

ابن عمر رضي الله عنهما: بينما الناس في الصبح بقباء جاءهم رجل فقال: ان رسول الله ﷺ قد أنزل عليه الليلة قرآن وقد أمر أن يستقبل الكعبة، الا فاستقبلوها. وكان وجه الناس الى الشام فاستداروا بوجوههم الى الكعبة. [راجع: ۴۰۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا کہ آج رات کو رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لو۔ چنانچہ یہ بات سنتے ہی سب لوگ اسی نماز کی حالت میں ہی کعبہ کی طرف گھوم گئے، حالانکہ پہلے رخ شام کی طرف تھا۔ ۳۹

(۱۷) باب: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا هُمْ بِكِتَابِ يَوْمِهِمْ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ﴾

باب: ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔“

پہچاننے سے کیا مراد ہے؟

اسکے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ کعبے کے قبلہ ہونے کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں جیسا کہ اوپر گزرا۔ اور یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ اچھی طرح پہچانتے ہیں کہ یہ وہی رسول ہیں جن کی خبر پچھلے انبیاء کرام کے صحیفوں میں دی جا چکی ہے۔ لیکن ضد کی بناء پر ان حقائق کو تسلیم نہیں کر رہے ہیں۔ ۳۹

۳۴۹۱۔ حدثنا يحيى بن قزعة: حدثنا مالك، عن عبدالله بن دينار، عن ابن عمر قال:

بينما الناس بقاء في صلاة الصبح اذ جاءهم آت فقال: ان النبي ﷺ قد انزل عليه الليلة قرآن، وقد امر ان يستقبل الكعبة فاستقبلوها، وكانت وجوههم الى الشام فاستداروا الى الكعبة. ۳۹

۳۹ تشریح و تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الہاری شرح صحیح البخاری، ج: ۳، ص: ۱۴۶، کتاب الصلاة، رقم: ۴۰۳

۳۰ حدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۳۸

۱۲۱ وفی صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب تحویل القبلة من القدس الى الکعبة، رقم: ۵۲۶، وصن

الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة، رقم: ۲۹۶۳، وصن النسائی، کتاب الصلاة، باب استبالة: الخطا بعد

الاجتهاد، رقم: ۴۹۳، و کتاب القبلة، باب استبالة الخطا بعد الاجتهاد، رقم: ۷۴۵، ووطا مالک، کتاب القبلة، باب ماجاء

القبلة، رقم: ۲، و مسند احمد مسند المکثرین من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہما، رقم: ۳۶۴۲، ۵۸۲۷،

۵۱۳۳، وصن الدارمی، کتاب الصلاة، باب فی تحویل القبلة من بیت المقدس الى الکعبة، رقم: ۱۲۷۰

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ صبح کی نماز لوگ مسجد قبا میں پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص آئے اور انہوں نے کہا کہ آج رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپ ﷺ کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہذا آپ حضرات بھی اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لیجئے، وہ لوگ شام (بیت المقدس) کی طرف نماز پڑھ رہے تھے، لہذا اس بات کو سن کر سب کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

(۱۸) باب: ﴿وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّئُهَا﴾ الآية [۱۳۸]

باب: ”اور ہر گروہ کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔“

بحث و مباحثہ کے بجائے نیکیوں میں اضافہ کا حکم

جو لوگ قبلہ کی تبدیلی پر اعتراض کر رہے تھے اُن پر حجت تمام کرنے کے بعد مسلمانوں کو یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ ہر مذہب کے لوگوں نے اپنے اپنے الگ الگ قبلے بنا رکھے ہیں، اور تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس دنیا میں اُن کو کسی ایک قبلے پر جمع کر سکو۔

لہذا اب ان لوگوں سے قبلہ کی بحث میں پڑنے کے بجائے تمہیں اپنے کام میں لگ جانا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اپنے نامہ اعمال میں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا اضافہ کرو، اور اس کام میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔

آخری انجام یہ ہوگا کہ تمام مذاہب والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلائے گا اور اُس وقت ان سب کی ٹرکی تمام ہو جائے گی۔ وہاں سب کا قبلہ ایک ہی ہو جائے گا، کیونکہ سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ ۳۴۹۲

۳۴۹۲۔ حدثنا محمد بن المثنی قال: حدثنا يحيى، عن سفیان: حدثني أبي اسحاق قال: سمعت البراء ؓ قال: صلينا مع النبي ﷺ نحو بيت المقدس ستة عشر شهراً أو سبعة عشر شهراً، ثم صرفه نحو القبلة. [راجع: ۴۰]

ترجمہ: سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو اسحاق نے بیان کیا کہ میں حضرت براء بن عازب ؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا منہ کعبہ کی طرف پھیر لیا اور ہم بھی پھر گئے۔

(۱۹) باب: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [۱۳۹] الآ
باب: ”اور تم جہاں سے بھی (سفر کیلئے) نکلو، اپنا منہ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف کرو۔“

خطرہ: تلقاؤہ۔

ترجمہ: ”خطرہ“ کے معنی طرف کے ہیں یعنی مسجد حرام کی طرف۔

۴۴۹۳۔ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا عبدالعزيز بن مسلم: حدثنا عبدالله ابن دينار قال: سمعت ابن عمر رضي الله تعالى عنهما يقول: بينما الناس في الصبح بقباء إذ جاءهم رجل فقال: أنزل الليلة قرآن فأمر أن يستقبل الكعبة فاستقبلوها، واستداروا كهبتهم فتوجهوا إلى الكعبة وكان وجه الناس إلى الشام. [راجع: ۴۰۳]
ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ بات ہوئی کہ کچھ لوگ مسجد قبا میں فجر کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص وہاں آئے اور کہا کہ آج رات کو قرآن نازل ہوا ہے اور کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا ہے، لہذا آپ لوگ بھی اپنا اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لیں اور جس حالت میں ہیں اسی حال میں رخ پھیر لے، یہ سنتے ہی سب لوگ اسی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے، اس وقت لوگ شام (بیت المقدس) کی طرف نماز پڑھ رہے تھے۔

(۲۰) باب: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾

وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ [۱۵۰]

باب: ”اور جہاں سے بھی تم نکلو، اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو۔ اور تم جہاں کہیں ہو، اپنے چہرے کو اسی کی طرف رکھو۔“

۴۴۹۴۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: عن مالك، عن عبدالله بن دينار، عن ابن عمر قال: بينما الناس في صلاة الصبح بقباء إذ جاءهم آت فقال: إن رسول الله ﷺ قد أنزل عليه الليلة وقد أمر أن يستقبل الكعبة فاستقبلوها وكانت وجوههم إلى الشام، فستداروا إلى القبلة. [راجع: ۴۰۳]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہا ایک شخص وہاں آئے اور کہا کہ آج رات کو رسول اللہ ﷺ کے پاس خدا کا یہ حکم آیا ہے کہ کعبہ کو اپنا قبلہ بناؤ، لہذا تم سب بھی اپنا اپنا منہ کعبہ کی طرف کرلو، چنانچہ ہم سب لوگ بیت المقدس کی طرف سے کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

تحويل کعبہ کے مراحل

یہ ساری روایتیں مسجد قبا سے متعلق ہیں اور صلوٰۃ فجر سے متعلق ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تحويل قبلہ کا واقعہ فجر میں پیش آیا، تو گویا چار مرحلے ہوئے:

پہلا بنو سلمہ میں کہ جہاں آپ ﷺ نے ظہر کے دوران رخ بدلا۔
دوسرا واقعہ مسجد نبوی میں کہ مکمل نماز کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی۔
تیسرا واقعہ مسجد بنو حارثہ میں لوگوں کو اطلاع دی گئی اور لوگوں نے رخ بدلا۔

اور

چوتھا واقعہ مسجد قبا میں جو اگلے دن فجر میں پیش آیا۔

یہ بات اگر ذہن میں رہے تو تمام روایات اپنی اپنی جگہ پر درست بیٹھ جاتی ہیں، اور ان میں کوئی اشکال کی بات باقی نہیں رہتی۔ ۳۳

(۲۱) باب قوله تعالى: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ [۱۵۸]

ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔“ ۳۳

۳۲ تحويل قبلہ کے متعلق علماء کے اقوال کی مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۱، ص: ۵۰۳

۳۳ پہلے ذکر تھا تحويل الی الکعبہ کا کہ سب قبلوں سے الفضل ہونے کا اب اس کے محل ادائے حج و عمرہ ہونے کا بیان فرماتے ہیں تاکہ ﴿وَلَا تَجِدُ اُمَّةَ اٰمَنَتْ بِحَدِّ النَّبِيِّ اِنْ اٰتٰهُنَّ اٰيٰتُ رَبِّهِنَّ﴾ [۱۵۸] کی تفسیر میں ضروری ہوا اس کی وجہ یہی تو ہے کہ یہ فعل صابریں یعنی حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے آثار میں سے ہے، حدیث و تفسیر و تاریخ میں یہ قصہ مہر مذکور و مشہور ہے جس کے دیکھنے سے ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ کی تصدیق ہوتی ہے۔ تفسیر طبری، سورہ بقرہ، آیت: ۱۵۸، قاعدہ: ۹۔

شعائر: علامات، واحدها شعيرة، وقال ابن عباس: الصفوان: الحجر، ويقال: الحجارة الملس التي لا تبت شيئا والواحدة صفوانة بمعنى الصفا. والصفاء للجمع.
ترجمہ: ”شعائر“ جمع ”شعيرة“۔ اس کے معنی ہیں نشانیاں یعنی علامتیں۔
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ”صفوان“ کا جو لفظ ہے اس کا مطلب ہے پتھر۔
بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”صفوان“ کے معنی چکنے پتھر کے ہیں جس پر کوئی چیز نہیں اُگتی، اس کا واحد ”صفوانة“ بمعنی ”صفا“ ہے اور یہ جمع کیلئے آتا ہے۔

۴۴۹۵۔ حدثنا عبد الله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن هشام بن عروة، عن أبيه أنه قال: قلت لعائشة زوج النبي ﷺ وأنا يومئذ حديث السن: أرايت قول الله تبارك وتعالى: ﴿إِنَّ الصُّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا﴾ لما أرى على أحد شيئا أن لا يطوف بهما، فقالت عائشة: كلا لو كانت، تقول كانت: فلا جناح عليه أن لا يطوف بهما، لما نزلت هذه الآية في الأنصار كانوا يهلون لمناة وكانت منلة حذو قديد، وكانوا يخرجون أن يطولوا بين الصفا والمروة. فلما جاء الإسلام سألوا رسول الله ﷺ عن ذلك فأنزل الله ﷻ ﴿إِنَّ الصُّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا﴾. [راجع: ۱۶۳۳]

ترجمہ: هشام بن عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے زوجہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا اور میں اس وقت بچہ تھا کہ یہ جو اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ ﴿إِنَّ الصُّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا﴾، کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص صفا و مروہ کا طواف نہ بھی کرے تو بھی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا یہ بات نہیں ہے، اگر یہ بات ہوتی تو اللہ ﷻ اس طرح فرماتا کہ اگر کوئی ان کا طواف نہ بھی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ درحقیقت یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی، کیونکہ وہ (اسلام سے قبل) منات بت کیلئے احرام باندھتے تھے، جو قدید کے پاس رکھا ہوا تھا، انصار کو صفا و مروہ کا طواف اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ جب اسلام آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا، تو اس وقت اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿إِنَّ الصُّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا﴾۔

۴۴۹۶۔ حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سليمان، عن عاصم بن سليمان قال:

سالت انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن الصفا والمروة، فقال: كنا نرى أنهما من أمر الجاهلية فلما كان الإسلام أمسكنا عنهما فانزل الله تعالى ﴿إِنَّ الصُّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ﴾. [راجع: ۱۶۳۸]

ترجمہ: عاصم بن سلیمان رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ صفا اور مروہ کے بارے میں سوال کیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کو جاہلیت کے کاموں میں سمجھتے تھے، جب اسلام آیا تو ہم اس سے رُک گئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿إِنَّ الصُّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ الْخ﴾۔

صفا و مروہ

﴿إِنَّ الصُّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ
الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾
ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔
لہذا جو شخص بھی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس کے
لئے اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان چکر
لگائے۔

اس آیت میں اللہ رب العزت نے صفا و مروہ کو شعائر اللہ میں سے قرار دیا ہے۔ شعائر اللہ سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی علامات قرار دیا ہے۔

حج و عمرہ میں اللہ تعالیٰ نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب قرار دیا ہے۔

اس آیت میں اگرچہ سعی واجب ہے، لیکن یہاں ”کوئی گناہ نہیں“ کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہاں دو بت، جن کے نام مناة اور قديد تھے، رکھے گئے تھے اور یہ ثرب (انصار) کے لوگ اسلام لانے سے قبل زمانہ جاہلیت میں اس بت مناة کے نام پر احرام باندھتے تھے، اسلام لانے کے بعد حضرات انصار کو یہ شک ہوا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا یہ جاہلیت کی نشانی ہونے کی وجہ سے گناہ ہو، تو آیت میں یہ شک دور کر دیا۔ ۵۵

(۲۲) باب قوله تعالى: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ

كُحِبَّ اللَّهُ﴾ [۱۶۵]

ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”اور (اس کے باوجود) لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کی خدائی میں طرح شریک قرار دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ کی محبت (رکھنی چاہئے)۔“

یعنی اُضداداً، واحدہا لد۔

آیت میں ”اُنداداً“ سے مراد ضد کے ہیں، اور اس کا ”لد“ ہے۔

۴۴۹۷ - حدثنا عبدان، عن أبي حمزة، عن الأعمش، عن شقيق، عن عبد الله قال:

قال النبي ﷺ كلمة وللت أخرى، قال النبي ﷺ: ((من مات وهو يدعو من دون الله لداً دخل النار))، وللت أنا: من مات وهو لا يدعو لله لداً دخل الجنة. [راجع: ۱۲۳۸]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو شریک کیا اور پھر مر گیا وہ دوزخ میں جائے گا، میں نے کہا اور جس شخص نے اللہ ﷻ کا کسی کو شریک نہیں کیا اور وہ مر گیا، آپ ﷺ نے فرمایا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۲۳) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُحِبَّ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ﴾ الآية [۱۷۸]

باب: ”اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے۔“ ۳۶

۳۶ یعنی حکم قصاص بظاہر نظر اگرچہ ہماری مظلوم ہو لیکن عقلمند سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حکم بڑی زندگانی کا سبب ہے، کیونکہ قصاص کے خوف سے ہر کوئی کسی کو

قتل کرنے سے رکے گا، تو دونوں کی جان محفوظ رہے گی اور قصاص کے سبب قاتل اور مقتول دونوں کی جماعتیں بھی قتل سے محفوظ اور مطمئن رہیں گی۔

عرب میں ایسا ہوتا تھا کہ قاتل اور غیر قاتل کا لحاظ نہیں کرتے تھے ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾

﴿عَفِيَ﴾: ترک۔

”عَفِيَ“ بمعنی ترک، چھوڑنا۔

۳۳۹۸ - حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان: حدثنا عمرو قال: سمعت عن مجاہدا

قال: سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہما يقول: كان في بني اسرائيل القصاص ولم تكن فيهم الدية فقال الله تعالى لهذه الامة: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحَرْبِ بِالْحَرْبِ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عَفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ فَتَى﴾ فالعفو أن يقبل الدية في العمد ﴿فَاتَّبَعَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءَ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ يتبع بالمعروف ويؤدى باحسان ﴿ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ مما كتب على من كان قبلكم ﴿فَمَنْ اغْتَدَى بِغَدِّكَ فَلَهُ عَذَابُ أَلِيمٍ﴾ قتل بعد قبول الدية. [انظر: ۶۸۸۱] ۷

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ بنی اسرائیل میں صرف قصاص کا قانون تھا، دیت کا رواج نہیں تھا۔ پھر اللہ ﷻ نے اس امت سے فرمایا کہ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ﴾ اور معافی یہ ہے کہ قتل عمد میں دیت دی جائے، ﴿فَاتَّبَعَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ مقتول کے وارثوں کو چاہئے کہ معقول طریقے سے دیت کا مطالبہ کریں اور قاتل کو اچھی طرح دیت ادا کرنا چاہئے ﴿ذَلِكَ تَخْفِيفٌ﴾ اس کے مقابلے میں جو پہلے تم پر فرض تھا ﴿فَمَنْ اغْتَدَى بِغَدِّكَ﴾ زیادتی یہ ہے کہ دیت لینے کے بعد پھر قتل بھی کر دیا۔

دیت؛ امت محمدیہ پر اللہ کی خاص عنایت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بنی اسرائیل میں صرف قصاص تھا یعنی خون کا بدلہ خون تھا، دیت کا کوئی تصور نہیں تھا، مگر امت محمدیہ ﷺ پر اللہ ﷻ نے اپنی خاص مہربانی اور فضل فرمایا کہ ان پر

..... ﴿كَذَٰلِكَ سَمَّيْتُمُ الْيَوْمَ الْيَوْمَ﴾ جو ہاتھ آجاتا مقتول کے وارث اس کو قتل کر ڈالتے تھے، اور فریقین میں اس کے باعث ایک خون کی

وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہونے کی نوبت آتی تھی، جب خاص قاتل ہی سے قصاص لیا گیا تو یہ تمام جانیں بچ گئیں اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ قصاص قاتل کے حق میں باعث حیات اخروی ہے۔ تفسیر عثمانی، سورہ بقرہ، آیت: ۱۷۸، ۱۷۹، فائدہ: ۳۔

۷۷ ولسی سنن النسائی، کتاب القسامۃ، باب تلویل قولہ عروجہ: ﴿فَمَنْ عَفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ فَتَى﴾ فَاتَّبَعَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءَ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ۔ رقم: ۴۷۸۱

دیت کا حکم نازل فرمایا:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحُرِّ بِالْحُرِّ
وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ
أَخِيهِ شَيْءٌ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل
کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم)
فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے
غلام، اور عورت کے بدلے عورت (ہی کو قتل کیا جائے گا)،
پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی
طرف سے کچھ معافی دے دی جائے۔

یعنی اگر کوئی کسی کو ناحق قتل کر ڈالے تو اس پر قصاص واجب ہے، قصاص کا مطلب ہے برابر کا بدلہ، اس
آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو جان بوجھ کر ناحق قتل کیا کر دیا جائے اور قاتل کا جرم ثابت ہو جائے تو
مقتول کے وارث کو حق حاصل ہے کہ وہ قاتل سے قصاص کا مطالبہ کرے۔

ہاں اگر مقتول کے تمام ورثاء یا مقتول کے وارثوں میں سے اگر بعض بھی خون کو معاف کر دیں تو اب
قاتل کو قصاص میں قتل تو نہیں کر سکتے بلکہ دیکھیں گے کہ ان وارثوں نے معاف کس طرح پر کیا ہے؟
بلا معاوضہ مالی محض ثواب کی غرض سے معاف کیا یا دیت شرعی اور بطور مصالحت خون بہا کے طور پر کسی
مقدار مال پر راضی ہو کر صرف قصاص سے دستبرداری کی ہے۔

اول صورت میں قاتل ان وارثوں کے مطالبہ سے بالکل سبکدوش ہو جائے گا اور دوسری صورت میں
قاتل کو چاہئے کہ وہ معاوضہ ادا کرے۔

یہ معافی کا حکم قتل عمد کے سلسلے میں ہے کہ چاہو تو قصاص لو چاہو تو دیت لو چاہو تو معاف کر دو۔

﴿فَاتَّبَاعَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءِ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾

ترجمہ: تو معروف طریقے کے مطابق (خون بہا کا) مطالبہ
کرنا (وارث کا) حق ہے، اور اُسے خوش اسلوبی سے ادا
کرنا (قاتل کا) فرض ہے۔

دیت لینے کا ارادہ ہو تو مقتول کے وارثوں کو چاہئے عام دستور کے موافق دیت کا مطالبہ کریں، دیت
کے سلسلے میں زیادہ تنگ نہ کریں بلکہ پہلے باہمی رضامندی کے ساتھ دیت مقرر کر لیں، اور قاتل کو بھی دیت

ممنونیت اور خوشدلی کے ساتھ ادا کرنی چاہئے کہ اس معاملے میں ٹال مٹول سے کام نہ لے۔

﴿ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾

ترجمہ: یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک آسانی پیدا کی گئی ہے اور ایک رحمت ہے۔

یہ دیت کا حکم اللہ ﷻ کی طرف سے سہولت، مہربانی اور تخفیف ہے قاتل اور وارثان مقتول دونوں پر، جو پہلے لوگوں پر نہیں ہوئی تھی کہ یہود پر خاص قصاص کا حکم تھا اور نصاریٰ پر دیت یا عفو مقرر تھا۔

﴿لَمَنِ اغْتَدَىٰ بِغَدَاةٍ ذَلِكِ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

ترجمہ: یہ اس کے بعد بھی کوئی زیادتی کرے تو وہ دردناک عذاب کا مستحق ہے۔

”بعد ذلک“ کے معنی ہیں کہ دیت وصول کر لی اور قاتل کو دوبارہ قتل کر بھی دیا۔

یعنی اس تخفیف و رحمت کے بعد بھی اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا، دستور جاہلیت پر چلے گا معافی اور دیت قبول کر لینے کے بعد قاتل کو قتل کرے گا تو اس کیلئے سخت عذاب ہے آخرت میں یا ابھی اس کو قتل کیا جائے گا۔

قصاص اور مسالک ائمہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ کوئی آزاد شخص کسی غلام کو قتل کر دے تو قصاصاً اس آزاد کو قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح قتل عورت کے قصاص میں مرد قاتل کو قتل کیا جائے گا، نیز کوئی کافر ذمی کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا جائے تو قاتل مسلمان قصاص میں قتل کیا جائے گا، البتہ اگر مسلمان نے کسی حربی کافر کو قتل کیا ہے تو قصاص نہیں ہوگا۔

امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ آزاد بمقابلہ غلام اور مرد بمقابلہ عورت قتل نہیں کیا جائے گا۔ استدلال اسی آیت سے کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا قول ہے کہ ﴿الْحُرُّ بِالنَّحْوِ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾۔

حالانکہ اس آیت کریمہ کا نزول ایک خاص واقعہ کی بنا پر ہے جس پر یہ آیت نازل ہوئی، زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام سے کچھ پہلے دو عرب قبیلوں میں جنگ ہو گئی، طرفین کے بہت سے لوگ قتل ہو گئے اسلام لانے کے بعد اپنے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی گفتگو شروع ہوئی تو ایک قبیلہ جو قوت شوکت والا تھا، اس نے کہا کہ ہم اس وقت تک راضی نہ ہونگے جب تک ہمارے غلام کے بدلے تمہارا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے میں مرد قتل نہیں کیا جائے۔

ن کے جاہلانہ مطالبہ کی تردید کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی ﴿الْحُرُّ بِالسَّحْرِ وَالْعَبْدُ بِالْقَبْذِ وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ﴾ جس کا حاصل ان کے اس مطالبہ کو رد کرتا تھا کہ غلام کے بدلے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے اگرچہ وہ قاتل نہ ہو۔

اسلام نے اپنا عادلانہ قانون یہ نافذ کر دیا کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے، اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو اس کے بدلے میں قتل کرنا ظلم عظیم ہے جو اسلام میں قطعاً برداشت نہیں کیا جاسکتا، آیت کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کو کوئی مرد قتل کر دے یا غلام کو کوئی آزاد قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ۵۸

۴۴۹۹ - حدثنا محمد بن عبد الله الأنصاري: حدثنا حميد أن أنسا حدثهم عن

النسبي قال: ((كتاب الله: القصاص)). [راجع: ۲۷۰۳]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل کی کتاب قصاص کا حکم دیتی ہے، بشرطیکہ دیت قبول نہ کریں۔

۴۵۰۰ - حدثني عبد الله بن منير: سمع عبد الله بن بكر السهمي: حدثنا حميد، عن

أنس: أن الربيع عمته كسرت ثنية جارية فطلبوا اليها العفو فأبوا، فعرضوا الأرض فأبوا، فأتوا رسول الله ﷺ وأبوا إلا القصاص، فأمر رسول الله ﷺ بالقصاص، فقال أنس بن النضر: يا رسول الله، أنكسر ثنية الربيع؟ لا والذي بعثك بالحق لا تكسر ثنيها، فقال رسول الله ﷺ: ((يا أنس، كتاب الله القصاص))، فرضى القوم فعفوا، فقال رسول الله ﷺ: ((إن من عباد الله من لو ألسم على الله لأبره)). [راجع: ۲۷۰۳]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میری پھوپھی ربیع نے ایک لڑکی کا سامنے کا دانت توڑ دیا، ربیع کے رشتہ داروں نے اس لڑکی سے معافی طلب کی، مگر لڑکی کے رشتہ داروں نے معافی سے انکار کر دیا، پھر ان لوگوں نے دیت پیش کی اس کو بھی قبول نہیں کیا گیا۔ آخر معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور لڑکی کے ورثاء قصاص کے علاوہ کسی چیز پر راضی نہیں تھے، رسول اللہ ﷺ نے قصاص کا حکم جاری کر دیا۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ (ربیع کے بھائی اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا) نے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا واقعی ربیع کا دانت توڑ دیا جائے گا؟ نہیں، میں اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے، ان کا دانت نہ توڑا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انس! اللہ کی کتاب قصاص کا حکم دیتی ہے۔

اس کے بعد لڑکی کے رشتہ دار معاف کرنے پر راضی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ جل جلالہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر اللہ کی قسم کھائیں تو اللہ جل جلالہ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔

(۲۴) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [۱۸۳]

باب: ”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو“۔ ۵۸

پچھلی امتوں کا روزہ

روزے کی فرضیت کا حکم مسلمانوں کو ایک خاص مثال سے دیا گیا ہے، حکم کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا کہ یہ روزے کی فرضیت کچھ تمہارے ساتھ خاص نہیں، پچھلی امتوں پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے۔ اس سے روزے کی خاص اہمیت بھی معلوم ہوئی، اور مسلمانوں کی دل جوئی کا بھی انتظام کیا گیا کہ روزہ اگرچہ مشقت کی چیز ہے، مگر یہ مشقت تم سے پہلے لوگ بھی اٹھاتے چلے آئے ہیں۔ طبعی بات ہے کہ مشقت میں بہت سے لوگ مبتلا ہوں تو وہ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ ۵۰

۵۹ یہ حکم روزہ کے متعلق ہے جو ارکان اسلام میں داخل ہے اور نفس کے بندوں ہو اور ستوں کو نہایت ہی شاق ہوتا ہے، اس لئے تاکید اور اہتمام کے الفاظ سے بیان کیا گیا اور یہ حکم حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک برابر جاری رہا ہے گو تعین ایام میں اختلاف ہو اور اصول مذکورہ سابقہ میں جو صبر کا حکم تھا روزہ اس کا ایک بڑا رکن ہے حدیث میں روزہ کو نصف صبر فرمایا ہے۔ یعنی روزہ سے نفس کو اس کی مرغوبات سے روکنے کی عادت پڑے گی تو پھر اس کو ان مرغوبات سے جو شرعاً حرام ہیں روک سکے اور روزے سے نفس کی قوت و شہوت میں ضعف بھی آئے گا تو اب تم متقی ہو جاؤ گے بڑی حکمت روزہ میں یہی ہے کہ نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے احکام جو نفس کو بھاری معلوم ہوتے ہیں ان کا کرنا سہل ہو جائے اور متقی بن جاؤ، جانتا چاہئے کہ یہود و نصاریٰ پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے مگر انہوں نے اپنی خواہشات کے موافق ان میں اپنی رائے سے تغیر و تبدل کیا تو ”لعلکم تتقون“ میں ان پر تعزیر ہے معنی یہ ہوں گے کہ اے مسلمانو! تم نافرمانی سے بچو یعنی مثل یہود و نصاریٰ کے اس حکم میں غلط نہ لاؤ۔ تفسیر عثمانی، سورہ بقرہ، آیت: ۱۸۳۔

قرآن کریم کے الفاظ ﴿الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ عام ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت خاتم الانبیاء ﷺ تک کی تمام شریعتوں اور امتوں کو شامل ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح نماز کی عبادت سے کوئی شریعت اور امت خالی نہیں رہی اسی طرح روزہ بھی ہر شریعت میں فرض رہا ہے۔

جن حضرات نے فرمایا ہے کہ ﴿الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ سے اس جگہ نصاریٰ مراد ہیں، وہ بطور ایک مثال کے ہے، اس سے دوسری امتوں کی نفی نہیں ہوتی۔ [روح المعانی]

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ میں اشارہ ہے کہ تقویٰ کی قوت حاصل کرنے میں روزہ کو بڑا دخل ہے، کیونکہ روزہ سے اپنی خواہشات کو قابو رکھنے میں ایک ملکہ پیدا ہوتا ہے، وہی تقویٰ کی بنیاد ہے۔ ۵۔

۴۵۰۱۔ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن عبيد الله قال: أخبرني نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كان عاشوراء يصومه أهل الجاهلية، فلما نزل رمضان قال: من شاء صامه ومن لم يشأ لم يصمه. [راجع: ۱۸۹۲]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، جب رمضان کے روزے نازل ہوئے تو فرمایا کہ عاشورہ کا روزہ تمہاری مرضی پر ہے چاہے تو رکھو اور نہ چاہے تو نہ رکھو۔

۴۵۰۲۔ حدثني عبد الله بن محمد: حدثنا ابن عيينة، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان عاشوراء يصام قبل رمضان فلما نزل رمضان ((من شاء صام ومن شاء أفطر)). [راجع: ۱۵۹۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کے روزوں سے پہلے لوگ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے جو نہ چاہے نہ رکھے۔

۴۵۰۳۔ حدثني محمود: أخبرنا عبد الله، عن إسرائيل، عن منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله قال: دخل عليه الأشعث وهو يعظم فقال: اليوم عاشوراء، فقال كان يصام قبل أن ينزل رمضان، فلما نزل رمضان ترك فادن لكل.

ترجمہ: ماتمہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس اشعث آئے اور وہ اُس وقت کھانا کھا رہے تھے، تو اشعث نے کہا کہ آج تو عاشورہ کا دن ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رمضان کے روزے نازل ہونے سے پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا، مگر رمضان بعد عاشورہ کا روزہ ختم ہو گیا، تو آؤ تم بھی کھاؤ۔

۴۵۰۳۔ حدثنا محمد بن المثنی: حدثنا يحيى: حدثنا هشام قال: أخبرني أبي، عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان يوم عاشوراء تصومه قريش في الجاهلية وكان النبي ﷺ يصومه فلما قدم المدينة صامه وأمر بصيامه، فلما نزل رمضان كان رمضان الفريضة وترك عاشوراء فكان من شاء صامه ومن شاء لم يصمه. [راجع: ۱۵۹۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ جاہلیت کے زمانے میں قریش کے لوگ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے اور نبی کریم ﷺ بھی یہ روزہ رکھتے تھے اور جب آپ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو یہاں بھی اس دن روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی رکھنے کا حکم دیا، مگر جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو عاشورہ کا روزہ ترک کر دیا گیا اور فرمایا گیا کہ جس کا دل چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جو نہ چاہے وہ نہ رکھے۔

(۲۵) باب قوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ لِدِينَةٍ طَعَامُ مَسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”گنتی کے چند دن روزے رکھنے ہیں۔ پھر بھی اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے اور جو لوگ اسکی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر (روزے کا) فدیہ ادا کر دیں۔ اسکے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اسکے حق میں بہتر ہے اور اگر تم کو سمجھ ہو تو روزے رکھنے میں تمہارے لئے زیادہ بہتری ہے۔“

ابتداء میں فدیہ دینے کی اجازت

شروع میں جب روزے فرض کئے گئے تو یہ آسانی بھی دی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ ادا کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ بعد میں یہ سہولت واپس لے لی گئی، اور حتمی حکم دے دیا گیا کہ جو شخص بھی رمضان کا مہینہ پائے وہ روزے ضرور رکھے۔ تاہم فدیہ کی سہولت ان لوگوں کیلئے اب بھی باقی رکھی گئی ہے جو نہایت بوڑھے ہوں اور ان میں روزہ

رکھنے کی بالکل طاقت نہ ہو، اور آئندہ ایسی طاقت پیدا ہونے کی امید بھی نہ ہو۔ ۵۲

وقال عطاء: يفطر من المرض كله كما قال الله تعالى: وقال الحسن و ابراهيم لم المرضع والحامل: اذا خافنا على نفسيهما او ولدتهما تفطران لم تقضيان. واما الشيخ الكبير اذا لم يطبق الصيام فقد اطعم انس بن مالك بعدما كبر عاما او عامين كل يوم مسكناً خبزاً ولحمأً وفطر، قراءة العامة: يطبقونه وهو اكثر.

ترجمہ: حضرت عطاء رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ہر بیماری میں روزہ چھوڑ سکتے ہیں، جیسے کہ اللہ جلّ جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت حسن بصری اور حضرت ابراہیم رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ اگر کسی دودھ پلانے والی یا حاملہ کو اپنی جان یا بچہ کی جان جانے کا اندیشہ ہو تو وہ روزے کو قضا کر سکتی ہے اور بہت ضعیف العمر شخص اگر روزہ نہ رکھ سکے تو اسے چاہئے کہ فدیہ ادا کرے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب بہت بوڑھے ہو گئے اور روزہ کی طاقت نہ رہی تو ایک یا دو سال آپ نے روزہ نہیں رکھا اور بطور فدیہ ہر روز ایک مسکین کو گوشت روٹی کھلاتے رہے۔ عام قرأت ”یطبقونہ“ ہے اور یہی اکثر حضرات کی رائے ہے۔

مریض کا روزہ افطار کرنے کا مسئلہ

”يفطر من المرض كله“

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرض کسی قسم کا بھی ہو اس میں افطار کرنا جائز ہے، ”كله“ یعنی ہر قسم کے مرض میں۔ جمہور علماء نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ مطلقاً مرض مراد نہیں ہے، ہاں اگر مرض ایسا ہو کہ جس سے روزہ رکھنے کے اندر شدت پیدا ہو، تو افطار جائز ہے۔ ۵۳

”قراءة العامة: يطبقونه وهو اكثر“ امام بخاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ یہاں اس آیت میں لفظ ”يطبقونه“ میں قرأت ”يُطَبِّقُونَهُ“ ہے، یہی اکثر لوگوں کی قرأت ہے اور مشہور و معروف ہے اگرچہ بعض قرأتوں میں ”يُطَوِّقُونَهُ“ ہے۔

”طَوَّقٌ يَطْوِقُ يَطْوِقُهَا“ کے معنی ہیں مشقت میں ڈالنا اور ”يُطَوِّقُونَ“ اس سے صیغہ مجہول ہے۔ تو وہ لوگ جن پر مشقت ڈالی جاتی ہے ان پر فدیہ ہے، یعنی جو روزہ رکھنے میں بہت مشقت محسوس

۵۲ آسان ترجمہ قرآن، ج ۱، ص ۱۲۱

۵۳ وقال جمهور من العلماء: اذا كان به مرض يلزمه ويلوذه او يخاف تعاديه او يخاف تزیده صح له الافطار. تفسیر

القرطبي، ج ۲، ص ۲۷۶

کریں، تو پھر ان کے اوپر فدیہ ہے اور ”مطوّلین“ سے مراد شیخ فانی وغیرہ ہے۔

۳۵۰۵ - حدثني اسحاق: أخبرنا روح: حدثنا زكريا بن اسحاق: حدثنا عمرو بن دينار، عن عطاء: سمع ابن عباس يقول: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لَذَّةَ طَعَامٍ مَسْكِينٍ﴾ قال ابن عباس: ليست بمنسوخة، هو الشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان أن يصوما فليطعمان مكان كل يوم مسكينا. ۵۳

ترجمہ: عطاء رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ آیت اس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لَذَّةَ طَعَامٍ مَسْكِينٍ﴾ یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں، ان کے ذمہ ایک غریب کو کھانا کھانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں، بلکہ اس کا حکم ضعیف مردوں اور بوڑھی عورتوں کے حق میں ہے، جو روزہ نہیں رکھ سکتے، لہذا وہ ایک مسکین کو ہر روز کھانا کھلائیں۔

(۲۶) باب: ﴿لَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [۱۸۵]

باب: ”لہذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے، وہ اس میں ضرور روزہ رکھے۔“

۳۵۰۶ - حدثنا عياض بن الوليد: حدثنا عبد الأعلى: حدثنا عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أنه قرأ ﴿لَذَّةَ طَعَامٍ مَسَاكِينٍ﴾ قال: هي منسوخة. [راجع: ۱۹۴۹]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی ﴿لَذَّةَ طَعَامٍ مَسَاكِينٍ﴾ پھر فرمایا کہ یہ منسوخ ہو گئی ہے۔

۳۵۰۷ - حدثنا قتيبة: حدثنا بكر بن مضر، عن عمرو بن الحارث، عن بكير بن عبد الله، عن يزيد بن مولى سلمة بن الأكوع، عن سلمة قال: لما نزلت ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لَذَّةَ طَعَامٍ مَسْكِينٍ﴾ كان من أراد أن يفطر ويفتدي حتى نزلت الآية التي بعدها فنسختها.

۵۳ وفی سنن ابن داود، کتاب الصوم، باب لیس قولہ تعالیٰ: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لَذَّةَ طَعَامٍ مَسْكِينٍ﴾ رقم: ۲۳۱۶. وباب من

قال: ہی مہینہ لشیخ والحبلی، رقم: ۲۳۱۷، ۲۳۱۸، وسنن السانی، کتاب الجنائز، باب تاویل قول اللہ عزوجل

﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ لَذَّةَ طَعَامٍ مَسْكِينٍ﴾، رقم: ۲۳۱۷

میں یہ حکم باقی رہا کہ وہ چاہے تو فد یہ ادا کر دے۔ یہ تو دو تبدیلیاں ہوئیں۔
تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ شروع میں افطار کے وقت کھانے پینے اور اپنی خواہش پوری کرنے کی اجازت صرف اس وقت تک تھی جب تک آدمی سوئے نہیں، جب سو گیا تو دوسرا روزہ شروع ہو گیا، کھانا پینا وغیرہ ممنوع ہو گیا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ کر کے یہ آسانی عطاء فرمادی کہ اگلے دن کی صبح صادق تک کھانا پینا وغیرہ سب جائز ہیں۔ سو کر اٹھنے کے بعد سحری کھانے کو سنت قرار دے دیا۔ ۵۶

(۲۷) باب: ﴿أَجِلْ لَكُمْ لَيْلَةُ الصَّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ يَسَابِغِكُمْ﴾ اِلَىٰ قَوْلِهِ: ﴿وَابْتَغُوا مَا

كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ [۱۸۷]

باب: ”تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔“ تا ”اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے اسے طلب کرو۔“

﴿أَجِلْ لَكُمْ الْخ﴾ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ جو چیز اس آیت کے ذریعے حلال کی گئی ہے وہ اس سے پہلے حرام تھی، آگے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ ابتداء میں جب رمضان کے روزے فرض فرض کئے گئے تو افطار کے بعد کھانے پینے اور بیویوں کے ساتھ اختلاط کی صرف اُس وقت تک اجازت تھی جب تک سونہ جائے، سو جانے کے سبب یہ سب چیزیں حرام ہو جاتی تھیں، اس حکم کی وجہ سے مسلمانوں کو مشکلات پیش آئیں۔ ان واقعات کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں پہلا حکم منسوخ کر کے غروب آفتاب کے طلوع صبح صادق تک پوری رات میں کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت دی گئی، اگرچہ سو کر اٹھنے کے بعد ہو، بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد آخری شب میں سحری کھانا سنت قرار دے دیا گیا، جس کا ذکر مختلف روایات میں ہے۔ ۵۷

﴿فَالسَّنَ بَاسِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ اس کا مطلب اکبر مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ بیوی سے جماع کرنے میں وہ اولاد حاصل کرنے کی نیت کر کھنی چاہئے جو اللہ نے تقدیر میں لکھ دی ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جماع کے وہی لذت طلب کرنی چاہئے جو اللہ نے جائز قرار دی ہے، ناجائز طریقوں مثلاً غیر فطری طریقوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ۵۸

۵۶، ۵۷ تفسیر معارف القرآن، ج ۱، ص ۳۳۶، ۳۳۵، ۳۵۴، ۳۵۳، وتفسیر القرطبی، ج ۲، ص ۳۱۵

۵۸ آسان ترجمہ قرآن، ج ۱، ص ۱۲۳، ۱۲۲

۳۵۰۸۔ حدثنا عبيد الله، عن اسرائيل، عن أبي اسحاق، عن البراء. وحدثنا أحمد بن عثمان: حدثنا شريح بن مسلمة قال: حدثنا ابراهيم بن يوسف، عن أبيه، عن أبي اسحاق قال: سمعت البراء رضي الله عنه: لما نزل صوم رمضان كانوا لا يقرهون النساء رمضان كله وكان رجال يخولون أنفسهم، فانزل الله تعالى: ﴿عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَلُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ الآية. [راجع: ۱۹۱۵]

ترجمہ: ابواسحاق روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازب رضي الله عنه سے سنا کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو لوگ پورے رمضان اپنی عورتوں سے الگ رہا کرتے، مگر کچھ لوگوں خود کو خیانت میں مبتلا کرتے تھے (چپکے سے جماع کر لیتے تھے) اسوقت اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَلُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾
یعنی اللہ کو علم تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، پھر اس نے تم پر عنایت کی اور تمہاری غلطی معاف فرمادی۔

(۲۸) باب: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ الآية [۱۸۷]۔

باب: ”اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہو کر تم پر واضح (نہ) ہو جائے۔“

سحر اور صبح صادق کی واضح تعیین

اس آیت میں رات کی تاریکی کو سیاہ خط اور صبح کی روشنی کو سفید خط کی مثال سے بتلا کر روزہ شروع ہونے اور کھانا پینا حرام ہو جانے کا صحیح وقت متعین فرمادیا، اور اس میں افراط و تفریط کے احتمالات کو ختم کرنے کیلئے ”خَفِيَ يَتَبَيَّنُ“ کا لفظ بڑھا دیا، جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ نہ تو وہی مزاج لوگوں کی طرح صبح صادق سے کچھ پہلے ہی کھانے پینے وغیرہ کو حرام سمجھو اور نہ ایسی بے فکری اختیار کرو کہ صبح کی روشنی کا یقین ہو جانے کے باوجود کھاتے پیتے رہو، بلکہ کھانے پیتے رہو۔

بلکہ کھانے پینے اور روزہ کے درمیان حد فاضل صبح صادق کا یقین ہے، اس یقین سے پہلے کھانے پینے کو حرام سمجھنا درست نہیں اور یقین کے بعد کھانے پینے مشغول رہنا بھی حرام اور روزے کیلئے مفید ہے، اگرچہ ایک ہی منٹ کیلئے ہو، سحری کھانے میں وسعت و گنجائش صرف اسی وقت تک ہے جب تک صبح صادق کا یقین نہ ہو۔ ۵۹

﴿الْعَاكِفُ﴾ [الحج: ۲۵]: المقيم۔

ترجمہ: ﴿الْعَاكِفُ﴾ کے معنی مقيم کے ہیں۔

۴۵۰۹۔ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا أبو عوانة، عن حصين، عن الشعبي، عن عدي قال: أخذ عدي عقالا أبيض وعقالا أسود، حتى كان بعض الليل نظر فلم يستبين، فلما أصبح قال: يا رسول الله، جعلت تحت وصادتي، قال: ((ان وصادك اذا لعريض ان كان الخطط الأبيض والأسود تحت وصادتك)). [راجع: ۱۹۱۶]

ترجمہ: حضرت عدي بن حاتم ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دو دھاگے ایک سیاہ اور ایک سفید پاس رکھے اور جب رات کا کچھ حصہ باقی رہا تو میں نے دیکھا کہ ان میں کوئی فرق واضح معلوم نہیں ہوا، پھر جب صبح ہوئی تو میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے دو دھاگے اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لئے تھے، لیکن وہ مجھے نظر نہیں آئے، آپ ﷺ نے (عدي کی بات سن کر ہنستے ہوئے) فرمایا کہ پھر تو تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہوگا کہ صبح کی سفید دھاری اور رات کی کالی دھاری اس کے نیچے آگئی۔

۴۵۱۰۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا جريور عن مطرف، عن الشعبي، عن عدي ابن حاتم ؓ قال: قلت: يا رسول الله، ما الخطط الأبيض من الخطط الأسود؟ أهما الخططان؟ قال: ((انك لعريض القفا ان أبصرت الخططين))، لم قال: ((لا، بل هو سواد الليل وبياض النهار)). [راجع: ۱۹۱۶]

ترجمہ: حضرت عدي بن حاتم ؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اس آیت میں سفید و کالے دھاگے سے کیا مطلب ہے؟ کیا ان سے مراد دو دھاگے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم بھی عجیب نادان ہو کہ اگر تم رات کو سفید اور کالے دھاگے دیکھتے ہو، پھر فرمایا کہ اس مراد دھاگے نہیں ہیں! بلکہ اس سے رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی مراد ہے۔

۴۵۱۱۔ حدثنا أبي مریم: حدثنا أبو غسان محمد بن مطرف: حدثني أبو حازم، عن سهل بن سعد قال: أنزلت ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ﴾

الْأَسْوَدُ) وَلَمْ يَنْزَلْ ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ وَكَانَ رِجَالٌ إِذَا أَرَادُوا الصَّوْمَ رَهِطَ أَحَدُهُمْ فِي رِجْلِهِ الْخَيْطَ الْأَبْيَضَ وَالْخَيْطَ الْأَسْوَدَ لَا يَزَالُ يَأْكُلُ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُ رُؤْيَاهُمَا. فَأَنْزَلَ اللَّهُ بَعْدَ ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ لَعَلَّكُمْ أَلَمَّا يَعْنَى اللَّيْلَ مِنَ النَّهَارِ. ۲۰

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ والفاظ نہیں ہوا تھا تو کچھ لوگ جب روزہ رکھنے کا ارادہ کرتے تو اپنے پیروں میں کالا اور سفید دھاگہ باندھ لیتے اور رات کو جب تک وہ دھاگے صاف دکھائی نہ دیتے اس وقت تک کھاتے پیتے رہے، پھر اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾ کے الفاظ نازل فرمائے تو سب کو معلوم ہوا کہ مراد رات اور دن ہیں۔

(۲۹) باب: ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى

وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَدْبَارِهَا﴾ الآية [۱۸۹]

باب: ”اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے اور گھروں میں آئے دروازوں سے۔“

۳۵۱۲۔ حدثنا عبيد الله بن موسى، عن إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن البراء قال:

كَانُوا إِذَا أَحْرَمُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَتَوْا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَدْبَارِهَا﴾ [راجع: ۱۸۰۳]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جاہلیت کے زمانے میں جب لوگ احرام کی حالت میں اپنے گھر آتے تو مکان کی پشت کی طرف سے آتے تھے، اس کیلئے اللہ ﷻ نے اس پر یہ آیت کو نازل فرمائی ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَدْبَارِهَا﴾۔

جاہلیت کے طریقوں پر تنبیہ

جاہلیت کے زمانے میں اہل عرب کا دستور و طریقہ تھا کہ جب حج کا احرام باندھ لیتے تو پھر گھر میں

داخل نہ ہوتے، اگر جانا پڑ جاتا تو گھر کے پچھلی جانب سے دیوار پھاند کر یا چھت پر چڑھ کر گھر میں داخل ہوتے تھے، اور اس کو نیکی شمار کرتے تھے۔

اس آیت میں اس دستور و رواج پر تنبیہ فرمادی کہ ان رسوم پر عمل کر کے کوئی نیکی نہیں ہے، بلکہ اصل نیکی اللہ کے احکامات پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اپنی طرف سے کسی جائز اور مباح امر کو نیکی بنا لینا اور دین میں داخل کر لینا مذموم اور ممنوع ہے، جس سے بہت سی باتوں کا بدعت و مذموم اور غلو فی الدین ہونا معلوم ہو گیا۔

(۳۰) باب قوله: ﴿وَقَالُوا لَهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا

عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ [۱۹۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین اللہ کا ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو (سمجھ لو کہ) تشدد سوائے ظالموں کے کسی پر نہیں ہونا چاہئے۔“

۳۵۱۳۔ حدیثی محمد بن بشار: حدثنا عبد الوهاب: حدثنا عبد الله، عن نافع، عن

بن عمر رضی اللہ عنہما: اناہ رجلان فی فتنۃ ابن الزہر قالوا: ان الناس قد ضیعوا وانت ابن عمر وصاحب النبی ﷺ فما یمنعک ان تخرج؟ فقال: یمنعنی ان اللہ حرم دم اخی، قالوا: الم یقل اللہ: ﴿وَقَالُوا لَهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً﴾؟ فقال: قالنا حتی لم تکن فتنۃ وکان الدین لله، و انتم تریدون ان تقاتلوا حتی تكون فتنۃ و یکون الدین لغير الله. [راجع: ۳۱۳۰]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فتنہ کے زمانہ میں دو آدمی آئے اور کہنے لگے کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگوں میں کیسا فتنہ و فساد برپا ہے، آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور صحابی رسول ﷺ ہیں، کیا چیز مانع ہے کہ آپ اس وقت کیوں نہیں اٹھتے اور اس فتنہ و فساد کو کیوں نہیں روکتے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں اس لئے خاموش ہوں کہ اللہ نے مسلمان کو مسلمان کا خون کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ کہنے لگے کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ﴿وَقَالُوا لَهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً﴾ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ کام ہم نے قائل کیا یہاں تک کہ فتنہ باقی نہیں رہا اور دین خالص اللہ کے لئے ہو گیا، لیکن اب تم لوگ چاہتے ہو کہ جنگ ہوتا کہ فتنہ بڑھ جائے اور دین غیر اللہ کا ہو جائے۔

پرفتن وقت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی احتیاط

حضرت نافع رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کر رہے ہیں کہ ”اے اہل درجلان فی فتنۃ ابن الزبیر“ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتنے کے زمانے میں یعنی جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خلاف حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن مروان کے حکم پر مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کی اور ان کا محاصرہ کیا تھا تو اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس دو آدمی، جن کے نام علاء بن عطاء اور حبان تھے، آئے۔ الا

اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ”ان الناس قد ضیعوا“ لوگ ضائع ہو رہے ہیں یعنی اس فتنہ کی وجہ سے لوگ مر رہے ہیں، ”وانت ابن عمر وصاحب النبی ﷺ لما يمنعک ان تخرج؟“ آپ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں تو آپ کو کون سی بات مانع ہے کہ آپ اس فتنہ کے خلاف نہیں نکلتے یعنی اس فتنے کے خلاف جہاد کیوں نہیں کرتے؟

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”یمنعنی ان اللہ حرم دم اخي“ مجھے اس بات نے روک رکھا ہے کہ اللہ ﷻ نے میرے بھائی کا خون مجھ پر حرام کر دیا ہے یعنی کسی مسلمان کو قتل کرنے سے منع کیا ہے تو اس وجہ سے میں اس معاملے میں تلووار اٹھانا نہیں چاہتا۔

پھر ان دونوں نے کہا کہ ”الم یقل اللہ: ﴿وَلَا يُلَاقِيهِمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً﴾؟“ کیا اللہ ﷻ نے یہ حکم نہیں دیا ہے کہ اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے؟

تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”قاتلنا حتی لم تکن فتنۃ وکان الدین للہ“ ہم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اس آیت کے حکم کے مشرکین سے جہاد و قتال کرتے رہے، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہیں رہا یعنی شرک کا فتنہ ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہو گیا۔

”وانتم لریدون ان تقاتلوا حتی تكون فتنۃ“ لیکن اب تم لوگ چاہتے ہو کہ جنگ ہو یعنی مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ کریں یہاں تک کہ فتنہ بڑھ جائے ”ویكون الدین للہ“ اور دین غیر اللہ کا ہو جائے یعنی آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے مسلمان کمزور ہو جائیں اور کافروں کا غلبہ ہو جائے۔

الا قوله: ((رجلان))، أحدهما: العلاء بن عرار، بالهملات والأولى مكسورة،... والآخر: حبان، بكسر الحاء،

المهملة وتشديد الباء الموحدة. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۵۶

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور مشاجرات صحابہ

اصل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک مشاجرات صحابہ ﷺ کے دوران یہ تھا کہ کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا بلکہ فتنے سے کنارہ کش رہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس وقت صحابہ ﷺ کے تین فریق تھے۔

- (۱) ... بعض صحابہ کرام ﷺ نے ایک فریق کا ساتھ دیا۔
- (۲) بعض صحابہ کرام ﷺ نے دوسرے فریق کا ساتھ دیا۔

اور

(۳) بعض صحابہ کرام ﷺ بالکل کنارہ کش رہے، جن پر حق واضح نہیں ہوا وہ کنارہ کش رہے۔

فتنہ کے عالم میں یہی حکم بھی ہے کہ اگر مختلف مسلمانوں کے درمیان آپس میں لڑائی ہو رہی ہو تو جس کے اوپر یہ واضح ہو جائے کہ حق فلاں کے ساتھ ہے، تو اس کو چاہئے کہ اسکی معاونت کرے اور اگر کسی پر حق واضح نہیں تو وہ کنارہ کش رہے، یہی حکم ہے۔

اب وہ شخص جس پر حق واضح ہو گیا ہے کہ حق فلاں کے ساتھ ہے اور وہ اس کا ساتھ دے رہا ہے تو اس کو یہ نہیں کرنا چاہئے کہ اس شخص کو مجبور کرے جن پر حق واضح نہیں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انہیں حضرات میں سے تھے جو اس آپس کے فتنے کے دوران یہ فرماتے تھے کہ بھی! مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی ہے اور دونوں طرف مسلمان ہی ہیں، ایسی صورت حال میں کسی فریق کا ساتھ نہیں دوں گا، کیونکہ اگر تلوار اٹھاؤں گا تو کسی نہ کسی مسلمان کے گردن پر پڑے گی اور میں مسلمان کا خون اپنے ہاتھ سے نہیں بہانا چاہتا۔

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف تھا اور وہ یہ فرماتے تھے کہ اگر کتنا ہی بُرے سے بُرا حکمران آجائے اور مسلط ہو جائے لیکن جب اس کا غلبہ ہو گیا تو اب اس کے خلاف بغاوت نہیں ہوگی، بلکہ اب وہ جس وقت تک کسی گناہ پر مجبور نہ کرے اس وقت تک اس کی اطاعت کی جائے گی۔

چنانچہ اس وقت عبدالملک بن مروان حکمران تھا اور حجاج بن یوسف اس کا گورنر تھا، یہ عام طور سے ایسے لوگ تھے جن کو صحابہ کرام ﷺ ناپسند کرتے تھے۔ مگر یہ مسلط ہو گئے تھے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کا ساتھ دیا اس معنی میں کہ ان کی اطاعت قبول کی اور ان کے خلاف تلوار اٹھانے کا اقدام نہیں کیا۔

وہ یہ فرماتے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ:

امیر کی بات سنو اور اطاعت کرو، چاہے وہ امیر کئے ہوئے اعضاء والا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔

یعنی اگر تمہارے اوپر بد صورت حبشی ملام بھی امیر بنا دیا جائے تو تم ان کی اطاعت کرنا تو میں ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھاؤں گا۔ ۶۲ ۶۳

ایسے مواقع پر جو جو شیعہ لوگ ہوتے ہیں وہ ایسے آدمی کو پریشان کرتے ہیں، تنگ کرتے ہیں کہ دیکھیں ایک معمولی آدمی آکر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے انسان کو، جس نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ شریکین کے خلاف جہاد کیا، ان کو جہاد کا درس دے رہے ہیں، ابھار رہے ہیں کہ ﴿وَلَا يَلُوفُهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ اس آیتِ قرآن پر عمل کرو۔ جو جو شیعہ لوگ ہوتے ہیں وہ ایسے مواقع پر معتدل المزاج لوگوں کو پریشان کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان پر سختیاں ہوئیں اور لوگوں نے ان کو تنگ کیا اور مطعون کیا، ہمتیں لگائیں کہ یہ تو حکومت کے ساتھ مل گئے ہیں، اس واسطے ان کی بات نہیں ماننی چاہئے۔

یہ سب طعنے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سہ اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔

حکیمانہ اصول

اسی واسطے امام زہری رحمہ اللہ کا ایک مقولہ بڑا ہی حکیمانہ ہے، جب میں نے پہلی بار پڑھا تو واقعی وجد آگیا، فرماتے ہیں کہ "الْعَدُوَّ ابْعِدْ فِي السَّلَامِ وَابْنِهِ فِي الْفِتْنَةِ" کہ جب امن اور سلامت کی حالت ہو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرو اور جب فتنے کا زمانہ ہو تو انکے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرو۔ اس لئے ان کا یہ موقف تھا، جب بھی مسلمانوں کے درمیان تلوار چلے تو اس میں اگر کسی کے اوپر حق واضح ہو جاتا ہے کہ فلاں حق پر ہے اور فلاں باطل پر تو جس کو حق پر سمجھتا ہے اس کا ساتھ دے، اس کے ساتھ تعاون کرے اور جس پر حق واضح نہیں ہو وہ خاموش رہے، کسی کا ساتھ نہ دے اور اس معاملے میں دوسرے لوگوں کو مطعون کرنا درست نہیں۔

اسی سے پتہ چلا کہ یہ سیاسی معاملات میں جو لوگوں کے موقف مختلف ہو جاتے ہیں، کسی نے ایک موقف اختیار کیا، کسی نے دوسرا موقف اختیار کر لیا اور دونوں کسی نہ کسی دلیل شرعی کی طرف مستند ہیں، تو ان میں سے کسی کو بھی ملامت نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی فریق کو یہ حق حاصل ہے کہ دوسرے کو مجبور کرے کہ میرا موقف کو اختیار کرو۔

۶۲ عن ابی ذرؓ قال: ((ان علیٰ اوصالی ان اسمع وأطیع، وان کان عبداً مجدع الاطراف))، صحیح البخاری،

کتاب الصلاة، باب امامة العبد، رقم: ۶۹۳، وایضاً باب سمع والطاعة، رقم: ۷۱۳۲، و صحیح مسلم، باب وجوب

طاعة الامراء فی غیر معصیة، وخصمها فی المعصیة، رقم: ۱۸۳۷

۶۳ اسلام اور سیاسی نظریات، ص: ۲۳۱

جنگ صفین اور صحابہ کرام ؓ کا طرزِ عمل

جنگ صفین کے موقع پر حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کے درمیان میدان کارزار گرم ہے، صحابہ کرام ؓ کا ایک گروہ ایک جماعت کے ساتھ اور دوسرا گروہ دوسری جماعت کے ساتھ ہے، لڑائی ہو رہی ہے، باقاعدہ خون ریزی ہو رہی ہے، شام کو جب جنگ ختم ہوئی تو کہتے ہیں کہ ادھر کے صحابہ ادھر کے صحابہ کے ساتھ جا کر ملے، کھانا کھٹھے کھا رہے ہیں اور نماز اکٹھی پڑھ رہے ہیں، صبح کو پھر جنگ کے میدان میں آ گئے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ کھانا حضرت معاویہ ؓ کے لشکر میں جا کر کھاتے اور نماز حضرت علی ؓ کے لشکر میں جا کر پڑھتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے کہ آپ کھانا حضرت معاویہ ؓ کے لشکر میں جا کر کھاتے ہیں اور نماز حضرت علی ؓ کے ساتھ پڑھتے ہیں؟

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے کہا کہ کھانا وہاں اچھا ہوتا ہے اور نماز یہاں اچھی ہوتی ہے، لہذا دونوں کا حق ادا کر رہا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی یہ باہمی لڑائیاں اقتدار کی خاطر نہیں تھیں، اور نہ ان کا اختلاف آج کی سیاسی پارٹیوں کا سا اختلاف تھا، دونوں فریق دین ہی کی سر بلندی چاہتے تھے، ہر ایک کا دوسرے سے نزاع دین ہی کے تحفظ ہی کے لئے تھا، اور یہ خود ایک دوسرے کے بارے میں یہی جانتے اور سمجھتے تھے کہ ان کا موقف دياندارانہ اجتہاد پر مبنی ہے، چنانچہ ہر فریق دوسرے کو رائے اور اجتہاد میں غلطی پر سمجھتا تھا، لیکن کسی کو فاسق قرار نہیں دیتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ شاید دنیا کی تاریخ میں یہی ایک جنگ ہو جس میں دن کے فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جا کر ان کے مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔ ۱۴ حالانکہ اتنا زبردست اختلاف ہے کہ تلوار چل رہی ہے، اس کے باوجود یہ بات ہے کہ دوسرے کے موقف کا احترام کیا جا رہا ہے۔

مشہور محدث و فقیہ حضرت اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی ؓ نے جنگ جمل یا صفین کے موقع پر ایک شخص کو سنا کہ وہ (مقابل لشکر والوں کے حق میں) تشدد آمیز باتیں کہہ رہا ہے، اس آپ نے فرمایا کہ ان حضرات کے بارے میں کلمہ خیر کے سوا کوئی بات نہ کہو، دراصل ان حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ

ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے، اس بناء پر ہم ان سے لڑتے ہیں۔ ۳۵

ایک اور روایت میں حضرت علیؓ سے اہل جمل کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا یہ لوگ جو آپ کے خلاف لڑ رہے ہیں یہ لوگ کافر و منافق ہو گئے ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نہیں! یہ لوگ نہ تو کافر ہیں، نہ منافق ہیں، پوچھا کہ پھر کون ہیں؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ”اخواننا بغوا علینا“ یہ ہمارے بھائی ہیں اور ہمارے سے باغی ہو گئے ہیں۔ ۳۶

یہ بڑی اہم بات ہے جس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایسے معاملات کے اندر ایسا موقف اختیار کر لینا جس میں کوئی لچک نہ ہو۔ جس میں دوسرے آدمی کا کوئی احترام نہ ہو اور اس کو مطعون کرنا ہر حالت میں صحیح طریقہ نہیں ہے۔ یہ صحابہ کرامؓ کا طریقہ نہیں ہے۔

اختلافات صحابہ کرامؓ میں بھی ہوئے لیکن اس کے باوجود انہوں نے ایک دوسرے کے موقف کا احترام کیا۔ لہذا اس میں ضرورت سے زیادہ جذباتی وجوہات ہو جانا اور دوسرے کو مطعون کرنا، اس کو طرح طرح کے القاب سے یاد کرنا یا اس کے ایمان پر شک کرنا یا اس کی نیوٹوں پر حملہ کرنا یہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔

۳۵۱۴۔ وزاد عثمان بن صالح، عن ابن وہب قال: أخبرني فلان وحیوة بن شریح، عن بکر بن عمرو المعافری: أن بکیر بن عبد اللہ حدثه عن نافع: أن رجلاً أتى ابن عمر فقال: یا أبا عبد الرحمن، ما حملت علی أن تحج عاماً وتعتز عاماً وترک الجہاد فی سبیل اللہ عز وجل لقد علمت ما رغب اللہ فیہ؟ قال: یا ابن أخي، بُنی الاسلام علی خمس: ایمان باللہ ورسولہ، والصلوات الخمس، وصیام رمضان، وأداء الزکاة وحج البیت. قال: یا أبا عبد الرحمن، ألا تسمع ما ذکر اللہ فی کتابہ ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتُلُوا فَاضْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ نَفَتْ إِخْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي هَتَفَتْ إِلَى حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللّٰهِ﴾ [الحجرات: ۹]۔ ﴿فَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى

۳۵۱۴۔ قال اسحاق بن راهويه: حدثنا أبو نعیم، حدثنا سفیان، عن جعفر بن محمد، عن أبيه، قال: سمع عليؓ يوم التحصيل أو يوم صفين رجلاً يملو في القول، فقال: لا تقولوا إلا حبراً، انما هم قوم زعموا اننا بغينا عليهم، وزعمنا انهم بغوا علينا فقاتلناهم منهاج السنة النبوية، ج ۵، ص ۲۴۳-۲۴۵

۳۶۔ عن أبي البختري، قال: سئل علي عن اهل الجمل، قال: قبل: امشركون هم؟ قال: من الشرك فروا، قبل: امشركون هم؟ قال: ان المنافقين لا يدركون الله الا قليلاً، قبل: فما هم؟ قبل: اخواننا بغوا علينا، مصنف ابن خزيمة، كتاب الجمل والصفين والحوارح ومضى الله على سيدنا محمد النبي وآله ر ۳۷۷۲۳

لَا تَكُونُ فِتْنَةً ۖ قَالُوا: فَعَلْنَا عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَانَ الْإِسْلَامُ قَلِيلًا، لَكَانَ الرَّجُلُ يُفْتَنُ دِينَهُ أَمَا قُلُوبُهُ وَأَمَا يَعْلَمُهُ حَتَّىٰ كَثُرَ الْإِسْلَامُ فَلَمْ تَكُنْ فِتْنَةً. [راجع: ۳۱۳۰]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابو عبد الرحمن! یہ آپ کو کیا ہوا کہ ایک سال حج کرتے ہیں اور ایک سال عمرہ کرتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیتے ہیں، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ ﷻ نے جہاد کرنے کی رغبت دلائی ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بھتیجے! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پانچ وقت کی نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، (صاحب حیثیت ہونے پر) حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کرنا۔ اُس آدمی نے کہا کہ کیا آپ نے اللہ ﷻ کا یہ حکم نہیں سنا کہ

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَلَوْا فَلَا ضَلِيلَ لَكُمْ فِي شَيْءٍ مِّنْهُمَا ۚ إِنَّمَا تَلْفَتْهُمَآ فَإِنْ أَخَذَهُمَا عَلَيِ الْآخِرَىٰ لَقَاتِلَا ۚ أَلَيْسَ فِيهِ سَآءٌ مِّمَّنْ عَلَّمَ الْقِتَالَ ۚ إِنَّهُمْ مُّسْتَضَلُّونَ﴾

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر اُن میں سے ایک گروہ دوسرے کے ساتھ زیادتی کرے تو اُس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ ۷۱

۷۱۔ اول مسلمانوں میں نزاع و اختلاف کو روکنے کی تدابیر بتلائی تھیں، پھر بتایا گیا کہ اگر اتفاقاً اختلاف رونما ہو جائے تو پر زور اور مؤثر طریقہ سے اس کو مٹایا جائے لیکن جب تک نزاع کا خاتمہ نہ ہو کوشش ہونی چاہیے کہ کم از کم جذبات منافرت و مخالفت زیادہ تیز اور مشتعل ہونے پائیں، عموماً یہاں جاتا ہے کہ جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا پس ایک دوسرے کا تسخیر اور استہزاء کرنے لگتا ہے۔ ذرا سی بات لگ گئی اور لمبی مذاق اڑانا شروع کر دیا، حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید جس کا مذاق اڑا رہا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو، بلکہ بس اوقات یہ خود بھی اختلاف سے پہلے اس کو بہتر سمجھتا ہوتا ہے۔ مگر ضد و نفسانیت میں دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔

اس طریقہ سے نفرت و عداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے۔ اور قلوب میں اس قدر رعب و ہرجاء ہوتا ہے کہ صلح و اختلاف کی کوئی امید باقی نہیں رہتی، آہِ حلا میں خداوند قدس نے اسی قسم کی باتوں سے منع فرمایا ہے، یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ نہ سخر اپن کرے نہ ایک دوسرے پر آواز یں کسے جائیں اور نہ برے ناموں اور برے القاب سے فریقِ مقابل کو یاد کیا جائے، کیونکہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی اور فتنہ و فساد کی آگ تیزی سے پھیلتی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی بیش بہا ہدایات ہیں۔ آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب سے برے مرض کا مکمل علاج اسی ایک سورہ حجرات میں موجود ہے۔ تفسیر صفائی، سورہ حجرات۔

اور اسی طرح یہ فرمان کہ ﴿لَا يَلُزُّهُمْ حَتَّى لَا تُكُونَ فَتْنَةً﴾

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم زمانہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ کام کر چکے ہیں حالانکہ اس وقت اسلام (مسلمان) بہت قلیل تھا اور آدمی اپنے دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا کر دیا جاتا تھا، یا تو لوگ اس کو قتل کر ڈالتے تھے، یا تو اس کو سخت تکالیف اور اذیت پہنچاتے، یہاں تک کہ اسلام بڑھ چکا (یعنی مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور وہ طاقت میں آ گئے)، اس لئے اب وہ فتنہ ختم ہو گیا۔

۴۵۱۵۔ قال: لما قولك لي علي وعثمان؟ قال: أما عثمان فكان الله عفا عنه، وأما انعم فكرهتم أن يعفو عنه. وأما علي فابن عم رسول الله ﷺ وخنته، وإشار بيده فقال: هذا بيته حيث ترون. [راجع: ۸]

ترجمہ: اس آدمی نے پھر کہا کہ عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصور کو اللہ نے معاف فرما دیا تھا، مگر تم لوگ تو نہیں چاہتے کہ اُن کو معاف کیا جائے، اور جہاں تک بات ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد ہیں۔ اور ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ان کا گھر ہے جو تم سامنے دیکھ رہے ہو۔

عثمان و علی رضی اللہ عنہما کا دفاع

پھر اس شخص نے عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے متعلق سوال کیا کہ ”لما قولك لي علي وعثمان؟“ اچھا یہ تو فرمائیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے اور خیال ہے؟ کیونکہ یہ شخص خارجی تھا جو کہ عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تھا، اس لئے بدینتی کی وجہ سے یہ سوال کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ ”أما عثمان فكان الله عفا عنه“ جہاں تک بات ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو ان کے قصور کو اللہ ﷻ نے معاف فرما دیا ہے، ”وأما انعم فكرهتم أن يعفو عنه“ مگر تم لوگوں نے اس بات کو برا سمجھا کہ اللہ ﷻ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا یعنی اللہ نے تو ان کی معافی کا اعلان کر دیا لیکن تم لوگوں نے ان کو معاف نہیں کیا اور انکے اوپر چڑھ دوڑے اور شہید کر ڈالا۔ اور جہاں تک بات ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تو ”لما بن عم رسول الله ﷺ وخنته“ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد ہیں، پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ ”هذا بيته حيث ترون“ یہ ان کا گھر تم سامنے دیکھ رہے ہو، ان کے لئے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مقصد قریبی رشتہ داری کے ساتھ ساتھ گھر قریب ہونے کا بھی بتانا مقصد تھا۔

مخاطب و تصویب راہِ مستقیم

مطلب یہ ہے کہ بظاہر تو دو الگ الگ فریق ہیں یعنی شیعان عثمان و شیعان علی رضی اللہ عنہما، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دونوں کی فضیلت بیان فرمائی کہ حضرت عثمان ؓ بھی قابلِ صدا احترام ہیں اور حضرت علی ؓ بھی قابلِ صدا احترام ہیں۔ لہذا میں ان میں سے کسی کو بھی غلط نہیں سمجھتا ہوں اور میں ان کے بارے میں کوئی ایسا کلمہ تکفیر نہیں کہنا چاہتا کہ جس سے ان کی شان میں کوئی ادنیٰ سی گستاخی بھی لازم آئے۔

علمائے اہل سنت کا یہی موقف ہے کہ کسی بھی صحابی کے شان میں ادنیٰ گستاخی کا کلمہ بھی نہ کہا جائے۔

سوال: مشاجراتِ صحابہ میں اہل سنت والجماعت کا اصل مسلک توقف ہے یا تخطیہ اور تصویب؟

جواب: بات یہ ہے کہ اس حد تک تصویب اور تخطیہ علمائے اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ جس

سے حضرت علی ؓ کی خلافت راشدہ پر حرف نہ آئے۔

اس پر امت کا اجماع ہے کہ حضرت علی ؓ خلیفہ راشد تھے اور خلیفہ راشد ہونے کی وجہ سے علمائے اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ وہ حق پر تھے اور ان کے مخالفین سے اجتہادی خطا ہوئی تھی، لیکن اگر کوئی شخص حضرت علی ؓ کی خلافت راشدہ کا انکار کئے بغیر توقف اختیار کرے تو علمائے اہل سنت کے مسلک میں اسکی بھی گنجائش ہے۔

مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں کسی نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے انکی رائے پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ ”سلک دماء طہر اللہ معہا یدی فلا أحب أن أخصب بها لسانی“ جب اللہ نے ہمارے ہاتھوں یعنی ہماری تلواروں کو ان حضرات کے پاکیزہ خون میں ملوث ہونے سے محفوظ رکھا تو میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس معاملہ میں اپنی زبانوں کو خراب کریں۔ ۶۸

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت علی ؓ کی خلافت راشدہ مسلم ہے، البتہ اس خاص معاملے میں جو حضرت علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ کے درمیان پیش آیا اس میں کون ”أقرب إلى الحق“ تھا؟ اس معاملے میں توقف کرتا ہوں، تو علماء اہل سنت کے مسلک میں اسکی بھی گنجائش ہے، لیکن اسکی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی شخص حضرت علی ؓ کی خلافت راشدہ پر شک کرے اور کہے کہ ان کی خلافت راشدہ مشکوک ہے کیونکہ ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ وہ خلیفہ راشد تھے۔

۶۸ منهاج السنة النبویة، باب: الرد علی قول الرافضیان ابن مسعود وکان یطعن علی عثمان ویکفرہ رضی اللہ

عنہما، ج ۱ ص ۲۵۳، و العلویین فی أخبار قزوین، باب: حروف الالف فی آباءہم، ج ۱ ص ۱۹۲

(۳۱) باب قوله: ﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

وَأَخْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [۱۹۵]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

دشمن سے دفاع کی تیاری نہ کرنا ہلاکت کا ذریعہ

اشارہ یہ ہے کہ گرم نے جہاد میں خرچ کرنے سے بخل سے کام لیا اور اس کی وجہ سے جہاد کے مقاصد حاصل نہ ہو سکے تو یہ اپنے پاؤں پر خود کھپاڑی مارنے کے مرادف ہوگا، کیونکہ اس کے نتیجے میں دشمن مضبوط ہو کر تمہاری ہلاکت کا سبب بنے گا۔

”وَلَا تُلْقُوا“ کے لفظی معنی تو ظاہر ہیں کہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت بیان فرمائی ہے، اب یہ ہلاکت میں ڈالنے سے اس جگہ کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

امام بھاص رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان سب اقوال میں کوئی تضاد نہیں، سب ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے، ہم اس کی تفسیر کو بخوبی جانتے ہیں، بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ اور قوت عطاء فرمادیا تو ہم میں یہ گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی کیا ضرورت ہے، ہم اپنے وطن میں ٹھہر کر اپنے مال و جائداد کی خبر گیری کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس نے یہ بتلادیا کہ ہلاکت سے مراد اس جگہ ترک جہاد ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں حد سے زیادہ تجاوز کرنا کہ بیوی، بچوں کے حقوق ضائع ہو جائیں، یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، ایسا اسراف جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایسی صورت میں قتال کیلئے اقدام کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، جبکہ یہ اندازہ ظاہر ہے کہ دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، خود ہلاک ہو جائیں گے، ایسی صورت میں اقدام قتال اس آیت کی بناء پر ناجائز ہے۔ ۶۹

التہلکۃ والہلاک واحد.

ترجمہ: "التہلکۃ" اور "ہلاک" کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ہلاکت، بربادی۔

۳۵۱۶۔ حدیثی اسحاق: حدثنا النضر: حدثنا شعبۃ، عن سلیمان قال: سمعت أبا

وائل: عن حذیفۃ: ﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ قال: نزلت فی النفقة.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الْخ﴾ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے متعلق اتاری گئی ہے۔

اگلے ابواب کے متعلق تمہید

یہاں سے حج کا بیان شروع ہو رہا ہے، حج کا تعلق چونکہ مکہ مکرمہ اور بیت اللہ یعنی کعبہ سے ہے اس لئے اس کے متعلق کچھ مسائل تو قبلہ کے بیان میں ضمنی طور پر سورۃ البقرۃ کی آیات ۱۲۵ سے ۱۲۸ میں ذکر کئے گئے ہیں۔ پھر بحث قبلہ کے اختتام پر ایک آیت ۱۵۸ میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا حکم بھی ضمنی طور پر بیان ہو چکا ہے۔

اب آیت ۱۹۶ سے آیت ۲۰۳ تک آٹھ آیات، مسلسل حج و عمرہ کے احکام و مسائل کے متعلق ہیں۔

(۳۲) باب قوله تعالى: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ﴾ [۱۹۶]

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان کہ: "ہاں اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو"۔

۳۵۱۷۔ حدثنا آدم: حدثنا شعبۃ، عن عبدالرحمن بن الأصبهانی قال: سمعت

عبدالله بن معقل قال: قعدت ألى كعب بن عجرة في هذا المسجد، يعني مسجد الكوفة،

فسألته عن: فدية من صيام فقال: حملت الي النبي ﷺ والقمل يتناثر على وجهي فقال:

((ما كنت أرى أن الجهد قد بلغ بك هذا، أما تجد شاة؟)) قلت: لا، قال: ((صم ثلاثة

أيام، أو اطعم ستة مساكين لكل مسكين نصف صاع من طعام، وأحلق رأسك)). فنزلت

في خاصة وهي لكم عامة. [راجع: ۱۸۱۴]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن معقل ؓ نے بیان کیا کہ میں کوفہ کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہ ؓ کے

اہمراہ بیٹھا ہوا تھا میں نے ان سے روزہ کے فدیہ کے متعلق دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس وقت سر سے جوئیں میرے چہرہ پر گر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا تم اس حد تک تکلیف میں مبتلا ہو گئے ہو، کیا تمہارے پاس کوئی بکری نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تین روزے رکھ لو یا چھ مساکین کو کھانا کھلا دو کہ ہر مسکین کو نصف صاع اناج کامل جائے اور اپنے سر کو منڈوا دو۔ حضرت کعب بن عجرہ ؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت خاص میرے لئے نازل ہوئی تھی، مگر اس کا حکم تم سب لوگوں کیلئے یکساں عام ہے۔

حالتِ احرام میں بیماری کی وجہ سے سر منڈانے کا حکم

﴿لَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ﴾ احرام کی حالت میں سر منڈانا جائز نہیں ہوتا، لیکن اگر کسی شخص کو بیماری یا تکلیف کی وجہ سے سر منڈانا پڑ جائے تو اس کو یہ فدیہ دینا ہوگا جو اس آیت میں ذکر ہے۔ تفصیل حضرت کعب بن عجرہ ؓ بیان فرما رہے ہیں کہ "حملت الی النبی ﷺ والقمل بتاتلو علی وجہی" حج کے موقع پر مجھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لیجا یا گیا اور اس وقت میرے سر سے جوئیں میرے چہرہ پر گر رہی تھیں۔

نبی کریم ﷺ نے ان کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ "ما كنت اری ان الجهد قد بلغ بك هذا" مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ تم اس حد تک تکلیف میں پہنچ گئے ہو۔

پھر آپ ﷺ نے حضرت کعب ؓ سے دریافت کیا کہ "اما تجد شاة؟" کیا تمہارے پاس کوئی بکری نہیں ہے؟

حضرت کعب ؓ نے جواب دیا کہ نہیں میرے پاس بکری نہیں ہے۔

پھر نبی ﷺ نے حضرت کعب ؓ سے فرمایا کہ "صم ثلاثة ايام" اچھا تم تین دن روزے رکھ لو۔

"او اطعم ستة مساکین لكل مسکین نصف صاع من طعام" یا چھ مساکین کو کھانا کھلا دو کہ ہر مسکین کو نصف صاع اناج کامل جائے یعنی صدقۃ الفطر کے برابر صدقہ کیا جائے۔

"واخلق رأسک" اور اپنے سر کو منڈوا دو تاکہ تم اس تکلیف سے نجات حاصل کر سکو۔

پھر حضرت کعب بن عجرہ ؓ نے فرمایا کہ "فانزلت لی خاصۃ وہی لکم عامۃ" مذکورہ آیت خاص میرے بارے میں نازل ہوئی تھی، لیکن اب اس کا حکم تم سب لوگوں یعنی تمام مسلمانوں کے حق میں یکساں عام ہے، ہر ایک اس پر عمل کر سکتا ہے۔

(۳۳) باب: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾ [۱۹۶]

باب: ”تو جو شخص حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ بھی اٹھائے“۔ ۷۰

۴۵۱۸۔ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن عمران أبي بكر: حدثنا أبو رجاء، عن عمران بن حصين رضي الله عنه قال: نزلت آية المتعة في كتاب الله ففعلناها مع رسول الله ﷺ ولم ينزل قرآن يحرمه ولم ينه عنها حتى مات، قال رجل برأيه ما شاء. قال محمد بن قيس: قال عمر. [راجع: ۱۵۷۱]

ترجمہ: عمران بن حصین رضي الله عنه نے بیان کیا کہ جب تمتع کی آیت نازل ہوئی تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حج تمتع ادا کیا، پھر اسکے بعد ایسی کوئی آیت نہیں آئی جسکی رو سے تمتع سے منع کیا گیا ہو، اور نہ ہی تمتع سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے، یہ تو صرف ایک شخص ہیں جو اپنی رائے علیحدہ رکھتے ہیں۔ محمد فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت عمر رضي الله عنه مراد ہیں۔

حضرت عمر رضي الله عنه کی تمتع سے منع کرنے کی حکمت

”نزلت آية المتعة في كتاب الله الخ“ حضرت عمران بن حصین رضي الله عنه اس حدیث میں حج تمتع کا ذکر کر رہے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ حج تمتع کیا، اور آنحضرت ﷺ کی وفات تک ہم حج تمتع کرتے رہے اور اس وقت تمتع کی ممانعت میں کوئی آیت بھی نازل نہیں ہوئی۔

پھر کہا کہ ”قال رجل برأيه ما شاء“ صرف ایک شخص ہیں جو اپنی رائے علیحدہ رکھتے ہیں حج تمتع نہیں کرنا چاہتے، اور منع کرنے والے شخص سے مراد حضرت عمر رضي الله عنه ہیں، کیونکہ وہ حج تمتع کرنے سے منع کرتے تھے۔

۷۰۔ یعنی جو عمرہ کی طرف سے اور مرض سے مطمئن ہو خواہ اس کو کسی قسم کا اندیشہ پیش ہی نہ آیا یا دشمن کا خوف یا بیماری کا کھلا پیش تو آیا مگر جلد زائل ہو گیا احرام حج و عمرہ میں اس سے ظن نہ آنے پایا تو اس کو دیکھا جائے کہ اس نے حج اور عمرہ دونوں ادا کئے، یعنی قرآن یا تمتع کیا افراد نہیں کیا تو اس پر قربانی ایک بکرا، یا ساتواں حصہ اونٹ کا یا گائے کا لازم ہے، اس کو دم قرآن اور دم تمتع کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس دم شکر کہتے ہیں اور اس کو اس میں سے کھانے کی اجازت دیتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس کو دم جبر کہتے ہیں اور قربانی کرنے والے کو اس میں سے کھانے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ تفسیر حنفی، سورہ بقرہ: ۱۹۶، فائدہ: ۲۰۔

حضرت عمرؓ کیوں حج تمتع ادا کرنے سے منع کرتے تھے اس کی دو توجیہات ہیں:
 پہلی توجیہ حضرت عمرؓ اس معنی میں منع نہیں کرتے تھے کہ تمتع ناجائز ہے بلکہ ان کا منشا یہ تھا کہ اگر آدمی حج اور عمرہ دونوں کیلئے مستقلاً الگ الگ سفر کرے تو یہ اس کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے کہ ایک ہی سفر میں دونوں کو جمع کرے، یعنی ایک سفر حج کیلئے اور دوسرا سفر عمرہ کیلئے۔

کیونکہ حج اور عمرہ کو الگ الگ بیان کیا ہے "وَابْتَغُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ"۔
 اور اگر حضور ﷺ کے زمانہ میں ایسا کیا گیا تو وہ ایک خاص عارض کی وجہ سے کیا گیا کہ جاہلیت کے عقیدہ باطلہ کو زائل کرنا تھا، ورنہ عام حالات میں یہی افضل ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ انہوں نے تمتع بالمعنی الاصطلاحی سے منع نہیں فرمایا بلکہ "لِسَخِّ الْحَجِّ إِلَى الْعُمْرَةِ" سے منع فرمایا ہے یعنی اگر کوئی شخص حج افراد کا احرام باندھ کر آیا اب بعد میں اس احرام کو تبدیل کر کے عمرہ کا احرام بنانا چاہتا ہے تو اس سے منع فرمایا، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص تھا جو کہ ایک عارض کی وجہ سے ہوا تھا، اگر عام حالات میں کوئی شخص افراد کا احرام باندھ کر گیا تو اسے ضروری ہے کہ حج پورا کرے پھر حلال ہو، اس کو عمرہ میں تبدیل کرنا جائز نہیں۔ اے

(۳۴) باب: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ﴾ [۱۹۸]

باب: "حج کے زمانہ میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو"۔

زمانہ جاہلیت کی تمام بیہودہ رسموں کا قلع قمع

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب نے جس طرح تمام عبادات و معاملات کو نسخ کر کے طرح طرح کی بیہودہ رسمیں ان میں شامل کر دی تھیں اور عبادات کو بھی کھیل تماشا بنا دیا تھا، اسی طرح افعال حج میں طرح طرح کی بیہودگیاں کرتے تھے، منی کے عظیم اجتماع میں ان کے خاص خاص بازار لگتے تھے، نمائش ہوتی تھی، تجارتوں کے فروغ کے ذرائع لگائے جاتے تھے۔

اسلام آیا اور حج مسلمانوں پر فرض کیا گیا تو ان تمام بیہودہ رسموں کا قلع قمع کیا گیا۔

ایک مزید تفصیل دلائل کے لئے مراجعت فرمائیں۔ انعام الباری کتاب الحج، باب من اهل في زمن النبي ﷺ كاهلال النبي ﷺ ج:

صحابہ کرام ؓ جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر مٹ جانے والے تھے، اب ان کو خیال ہوا کہ ایام حج میں تجارت کرنا یا مزدوری کر کے کچھ کمایا یہ بھی جاہلیت کی پیداوار ہے، شاید اسلام میں اس کی مطلقاً حرمت و ممانعت ہو جائے۔

اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص دوران حج میں کوئی بیع و شراء یا مزدوری کرے جس سے کچھ نفع ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، ہاں کفار نے جو حج کو تجارت کی منڈی اور نمائش گاہ بنا لیا تھا اس کی اصلاح قرآن نے کر دی کہ جو کچھ کمائیں اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور عطاء سمجھ کر حاصل کریں اور اس پر شکر گزار ہوں۔ ۲۷

۴۵۱۹۔ حدثنی محمد قال: أخبرنا ابن عیینہ، عن عمرو، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: كانت عكاظ ومجنة وذوالمجاز أسواقا في الجاهلية فتألموا أن يتجروا في المواسم فنزلت ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ﴾ في مواسم الحج. [راجع: ۱۷۷۰]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں تین بازار تھے: عكاظ، مجنة، ذوالمجاز۔ حج کے زمانہ میں بھی ان بازاروں میں لوگ تجارت کیا کرتے تھے، مگر مسلمان ہونے کے بعد اس کو معیوب خیال کرتے تھے، چنانچہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ﴾ حج کے زمانہ میں تجارت کرنا گناہ نہیں ہے۔

(۳۵) باب: ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ [۱۹۹]

باب: ”اس کے علاوہ (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) تم اسی جگہ سے روانہ ہو جہاں سے عام لوگ روانہ ہوتے ہیں۔“

جاہلیت میں اہل عرب نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا تھا کہ اور تمام انسان تو ۹ رذوالحجہ کو عرفات کے میدان میں وقوف کرتے تھے، مگر قریش اور بعض دوسرے قبائل جو حرم کے قریب رہتے تھے اور ”حمس“ کہلاتے تھے، عرفات میں جانے کے بجائے مزدلفہ میں رہتے تھے، اور وہاں وقوف کرتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم حرم کے مجاور ہیں اور عرفات چونکہ حدود حرم سے باہر ہے اس لئے وہاں نہیں جائیں گے۔

نتیجہ یہ کہ عام لوگوں کو نویں تاریخ کا دن عرفات میں گزارنے کے بعد رات کو مزدلفہ کیلئے روانہ ہونا پڑتا تھا، مگر قریش وغیرہ شروع ہی سے مزدلفہ میں ہوتے تھے، اور ان کو عرفات نہیں آنا پڑتا تھا۔ اس آیت نے یہ رسم ختم کر دی، اور قریش کے لوگوں کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں وقوف کریں، اور انہی کے ساتھ روانہ ہو کر مزدلفہ آئیں۔

۳۵۲۰۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا محمد بن حازم: حدثنا هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها قال: كانت قریش ومن دان دينها يقفون بالمزدلفة وكانوا يسمون الحمس، وكان سائر العرب يقفون بعرفات، فلما جاء الاسلام امر الله نبيه ﷺ أن يأتي عرفات ثم يقف بها لم يفيض منها، فذلك قوله تعالى: ﴿ثُمَّ أَلْفِظُوا مِنْ حَيْثُ أَلْفَظَ النَّاسُ﴾. [راجع: ۱۶۶۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے اور انہیں ”حمس“ کہا جاتا تھا اور عرب کے دوسرے قبائل عرفات میں قیام کرتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد اللہ ﷻ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ سب کو عرفات پہنچ کر وقوف کرنا چاہئے اور واپسی پر مزدلفہ میں ٹھہرے۔ چنانچہ اس آیت ﴿ثُمَّ أَلْفِظُوا مِنْ حَيْثُ أَلْفَظَ النَّاسُ﴾ کو اسی مقصد کیلئے نازل کیا گیا تھا۔

۳۵۲۱۔ حدثني محمد بن أبي بكر: حدثنا فضيل بن سليمان: حدثنا موسى بن عقبة: أخبرني كريب، عن ابن عباس قال: يطوف الرجل بالبيت ما كان حلالا حتى يهل بالحج، فإذا ركب إلى عرفة فمن تيسر له هدية من الإبل أو البقر أو الغنم ما تيسر له من ذلك أي ذلك شاء غير أن لم يتيسر له فعليه ثلاثة أيام في الحج وذلك قبل يوم عرفة، فإن كان آخر يوم من الأيام الثلاثة يوم عرفة فلا جناح عليه، ثم لينطلق حتى يقف بعرفات من صلاة العصر إلى أن يكون الظلام ثم ليدعوا من عرفات فإذا أفاضوا منها حتى يهلوا جمعا الذي يتبرر فيه، ثم ليدكروا الله كثيرا وأكثروا التكبير والتهليل قبل أن تصبحوا ثم أليظوا فإن الناس كانوا يفيضون. وقال الله تعالى: ﴿ثُمَّ أَلْفِظُوا مِنْ حَيْثُ أَلْفَظَ النَّاسُ، وَاسْتَظْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَفِيزٌ رَحِيمٌ﴾ حتى ترموا الجمره. ۳

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص عمرہ کر کے احرام اتار دے اور پھر حج کا احرام باندھنے تک بیت اللہ کا طواف کرتا رہے، پھر حج کا احرام باندھ کر عرفات جائے اور جو جانور مل سکے،

اونٹ، گائے یا بکری اس کی قربانی کرے اور جس کے پاس قربانی کی طاقت نہ ہو اسے پر ایام حج سے پہلے تین دن کے روزے رکھنا لازم ہے اور اگر تیسرا روزہ عرفات کے دن آجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ عرفات میں پہنچ کر عصر کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی تک قیام کرے، پھر سب کے ساتھ واپس لوٹے اور پھر سب کے ساتھ مزدلفہ میں رات کو وقوف کرے اور پھر زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا تکبیر و تہلیل کی کثرت کرے صبح ہونے تک، پھر مزدلفہ سے سب کے ہمراہ واپس آجائے، جیسا کہ اللہ جلّ جلالہ کا ارشاد ہے ﴿لَمْ أَفِضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ، وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ پھر شیطان کے کنکریاں مارو۔

(۳۶) باب: ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ

حَسَنَةً﴾ الآية [۲۰۱]

باب: ”اور انہی میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا فرما۔“

جامع ترین دعاء

یہ دعاء ایک ایسی جامع ہے کہ اس میں انسان کے تمام دنیوی اور دینی مقاصد آجاتے ہیں، دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں راحت و سکون میسر آتا ہے، آخر میں خاص طور پر جہنم کی آگ سے پناہ کا بھی ذکر ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بکثرت یہ دعاء مانگا کرتے تھے۔

اس آیت میں ان جاہل درویشوں کی بھی اصلاح کی گئی ہے جو صرف آخرت ہی کی دعاء مانگنے کو عبادت جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں دنیا کی کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ درحقیقت یہ ان کا دعویٰ غلط اور خیال خام ہے، انسان اپنے وجود اور بقاء اور عبادت و طاعت سب میں ضروریات دنیوی کا محتاج ہے، وہ نہ ہوں دین کا بھی کوئی کام کرنا مشکل ہے۔

اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ جس طرح وہ آخرت کی بھلائی اور بہتری اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں، اسی طرح دنیا کی بھلائی اور آسائش بھی طلب کرتے ہیں۔ ۴۷

۳۵۲۲ - حدثنا أبو معمر: حدثنا عبد الوارث، عن جريج، عن أنس قال: كان النبي ﷺ يقول: ((اللَّهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ)). [أنظر: ۶۳۸۹] ۷۵

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اس طرح دعا فرماتے تھے کہ ”اللَّهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

(۳۷) باب: ﴿وَهُوَ أَلَدُ الْخِصَامِ﴾ [۲۰۴]

باب: ”حالانکہ وہ (تمہارے) دشمنوں میں سب سے زیادہ کڑ ہے۔“

آیت کا پس منظر

بعض روایت میں ہے کہ اخنس بن شریق نامی ایک شخص مدینہ منورہ آیا تھا، اور اس نے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر چکنی چڑی باتیں کیں اور اللہ کو گواہ بنا کر اپنے ایمان لانے کا اظہار کیا، لیکن جب واپس گیا تو راستے میں مسلمانوں کی کھیتیاں جلا دیں اور ان کے مویشیوں کو ذبح کر ڈالا۔ یہ آیات اس پس منظر میں نازل ہوئی تھیں البتہ ہر قسم کے منافقوں پر پوری اُترتی ہے۔ ۷۶

۷۵ ولی صحیح مسلم، کتاب الذکی والدعاء والعبوة والاستغفار، باب کراهة اكدعاء بتعجيل العقوبة فی الدنيا، رقم: ۲۶۸۸، وباب فضل الدعاء باللهم آتینا فی الدنيا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار، رقم: ۲۶۹۰، وسنن ابی دالد، کتاب الصلاة، باب فی الاستغفار، رقم: ۱۵۱۹، وسنن الترمذی، أبواب الدعوات، باب ماجاء فی غلہ التمسح بالید، رقم: ۳۳۸۷، ومسند احمد، ومسند المکثرین من الصحابة، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، رقم: ۱۱۹۸۱، ۱۲۰۳۹، ۱۲۶۶۳، ۱۳۱۸۶، ۱۳۵۸۰، ۱۳۹۳۶، ۱۴۰۶۷

۷۶ اراد به الاحسن بن شریق، وكان رجلاً حلو المنطق اذا لقي رسول الله ﷺ، لأن له القول وأدعى أنه يحبه. وأنه مسلم ﴿وَيُشْهِدُ اللَّهُ عَلَى تَائِبِي لَلْبَةِ﴾ الآية، أي يحلف ويقول: الله شاهد على ما في قلبي من محبتك ومن الاسلام، فقال الله في حقه: ﴿وَهُوَ أَلَدُ الْخِصَامِ﴾، أي: شديد الجدل والخصومة والعداوة للمسلمين والألد أفعل التفضيل من اللدد وهو: حدة الخصومة. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۶۲

وقال عطاء: النسل: الحيوان.

ترجمہ: حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ ”النسل“ سے مراد حیوان ہے۔

حیوان سے مراد

عطاء بن رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ ﴿وَيَهْلِكُ الْغَرْتُ وَالنَّسْلُ﴾ [البقرة: ۲۰۵] اس میں نسل سے مراد ہے حیوان ہے، یعنی حیوان کی طرح کھیتیوں اور مویشیوں کو تباہ کرتا ہے۔ ۷۷

۴۵۲۳۔ حدثنا قبيصة: حدثنا سفيان، عن ابن جريج، عن ابن أبي مليكة، عن عائشة ترفعه قال: ((أبغض الرجال إلى الله الألد الخصم)). وقال عبد الله: حدثنا سفيان: حدثني ابن جريج، عن أبي مليكة، عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ. [راجع: ۲۳۵۷] ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اور وہ اس حدیث کو مرفوع بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ سب سے زیادہ اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو خصومت رکھنے والا اور جھگڑا کرنے والا ہے۔

(۳۸) باب: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ

قَبْلِكُمْ﴾ الآية [۲۱۳]

باب: ”(مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں (یونہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہیں اس جیسے حالات پیش نہیں آئے جیسے اُن لوگوں کو پیش آئے تھے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔“

مقصودِ امام بخاری رحمہ اللہ

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد سورہ یوسف کی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرنا ہے جس میں یہ آیا ہے ﴿وَحَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا﴾۔

۷۷ ای: قال عطاء بن أبي رباح النسل في تعالى: ﴿وَيَهْلِكُ الْغَرْتُ وَالنَّسْلُ﴾ [البقرة: ۲۰۵] الحيوان، ووصلني الطبري من طريق ابن جريج. قلت لعطاء في قوله تعالى: ﴿وَيَهْلِكُ الْغَرْتُ وَالنَّسْلُ﴾ قال: الغرث الزرع، والنسل من

الناس والاعنام. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۶۲

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر نقل فرمائی ہے اور دوسرے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر نقل فرمائی ہے۔ پہلے ان دونوں تفسیروں کو ملاحظہ فرمائیں۔
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر اس قرأت پر مبنی ہے، جس میں ﴿كُلِّبُوا﴾ آیا ہے یعنی ”ڈ“ کی تخفیف کے ساتھ۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو تفسیر ہے وہ ﴿كُلِّبُوا﴾ یعنی ”ڈ“ پر تشدید والی قرأت پر مبنی ہے۔
دونوں قرأتیں تو اتر سے ثابت ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق ”كُلِّبُوا“ کی ضمیر نائب الفاعل خود رسول کی طرف راجع ہے، مراد یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے نصرت آنے سے پہلے ان حضرات نے امید قائم کی بھی کہ اللہ ﷻ کی طرف سے مدد آئے گی، لیکن جب بہت دیر گزر گئی اور مایوسی ہونے لگی تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم نے اپنے طور پر جو یہ بات سوچی تھی یہ غلط سوچ تھی۔

”كُلِّبُوا“ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان سے جھوٹ بولا گیا بلکہ یہ اس معنی میں ہے جیسے کہتے ہیں کہ ”كُذِّبَ رجالی“ یا ”كُذِّبَ رجالی“ میری امید جھوٹی ہو گئی۔

ایسا نہیں کہ اللہ ﷻ ان کے دلوں میں یہ خیال لائے کہ اللہ ﷻ نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا وہ جھوٹا ہے یا ہم سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا یہ معنی نہیں ہیں بلکہ یہ معنی ہے کہ ہمارے دل میں ایک امید تھی وہ امید جھوٹی پڑ گئی۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَعْيَاسَ الرَّسُولُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ لَدَىٰ كَلْبٍ بُؤَا﴾

ان کو گمان ہوا کہ ان کے ساتھ ان کے نفس نے جھوٹ بولا، یعنی ان کے نفس نے ایک غلط امید قائم کر دی جو واقعہ نفس الامر کے مطابق نہیں ہے۔

پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کرنے کے بعد کہا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی اس آیت میں آرہا ہے کہ

﴿حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَعِيَ لَبِئْسَ مَا كُنْتُمْ تَفْعَلُونَ﴾

یہاں تک رسول اور ان کے ایمان والے ساتھی بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟۔

اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اسی حالت میں کہہ رہے ہیں جبکہ بظاہر یہ لگ رہا ہے کہ مدد نہیں آرہی ہے۔
جیسے اس وقت میں ان کو ایک مایوسی کی سی کیفیت تھی اور دل میں یہ خیال تھا کہ جو امید تھی وہ پوری نہیں ہوئی۔ اسی

طرح یہاں پر ”اَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا“ اسی معنی میں ہے یعنی ان دونوں آیتوں کو ایک ہی معنی میں لیا۔
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی منشا تھا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تفسیر بیان کی گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا مطلب یہ سمجھیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے معنی یہ ہیں کہ رسولوں نے یہ گمان کیا کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا، تو ظاہر ہے یہ بڑی سنگین بات تھی کہ رسولوں کو یہ گمان ہو کہ اللہ ﷻ نے ان سے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ معاذ اللہ۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ بات تو بالکل غلط ہے، اللہ ﷻ تو جھوٹا وعدہ کر ہی نہیں سکتے اور رسول کبھی سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ہم سے جھوٹا وعدہ کیا گیا ہو، کیونکہ اللہ ﷻ جب وعدہ کرتے ہیں تو اس بات کا وعدہ کرتے ہیں جس کا ان کے علم میں ہو کہ یہ بات ہوتی ہے۔ قیامت تک جو واقعات ہونے والے ہیں ان میں سے کسی کا وعدہ کریں گے اور جو پیش ہونے والا واقعہ نہیں ہے اس کا وعدہ تو نہیں کریں گے۔

لہذا یہ تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ لفظ یوں ہے کہ ﴿قَدْ كَذَّبُوا﴾ جب رسولوں کو مایوسی ہونے لگی، تو انکو گمان ہوا کہ ”اَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا“ اب ان کی (رسولوں کی) تکذیب کی جائے گی۔

یعنی یا تو کافر لوگ ان کی تکذیب کریں گے دیکھو! بہت اترار ہے تھے رفخر کر رہے تھے کہ ہمارے پاس اللہ کی مدد آئے گی لیکن کچھ بھی نہیں آیا۔

یا جو ضعیف الایمان قسم کے لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کہیں گے کہ صاحب! آپ تو اللہ کی نصرت کے وعدے کر رہے تھے، لیکن کوئی نصرت نہیں آئی۔ تو رسول کو کبھی گمان نہیں ہوتا کہ وعدہ جھوٹا ہوگا لیکن جو آس پاس کے لوگ ہیں وہ تکذیب کر سکتے ہیں۔ ۷۸

۳۵۲۳۔ حدثني إبراهيم بن موسى: أخبرنا هشام، عن ابن جريج قال: سمعت ابن

أبي مليكة يقول: قال ابن عباس رضي الله عنهما: ﴿حَتَّى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا﴾ خفيفة ذهب بها هناك. وتلا ﴿حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُ اللَّهَ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ﴾ فلقيت عروة بن الزبير فذكرت له ذلك.

۳۵۲۵۔ فقال: قالت عائشة: معاذ الله، والله ما وعد الله رسوله من شيء قط إلا علم

انہ کائن قبل ان یموت، ولكن لم یزل البلاء بالرسول حتی خالفوا ان یمکون من معہم یکذبونہم لکانت تقرؤہا: ﴿وَقُلْنَا اِنَّہُمْ قَدْ کَذَبُوا﴾ مثقلہ. [راجع: ۳۳۸۹]

ترجمہ: ابن جریج کہتے ہیں کہ میں ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿حَتّٰی اِذَا اسْتَنْیَاسَ الرَّسُلُ وَقُلْنَا اِنَّہُمْ قَدْ کَذَبُوا﴾ تخفیف کے ساتھ قرأت کی اور اس آیت کو وہاں لے گئے یعنی سورہ بقرہ کی اس آیت کی طرف ﴿حَتّٰی یَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِینَ اٰمَنُوْا مَعَهُ مَنّٰی نَضْرُ اللّٰہُ اِلَّا اِنْ نَضَرَ اللّٰہُ قَرِیْبٌ﴾، ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ پھر میری ملاقات عروہ بن زبیر سے ہوئی تو میں نے ان سے اس کا ذکر کیا۔

تو عروہ بن زبیر نے کہا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ معاذ اللہ، اللہ کی قسم! اللہ نے اپنے رسولوں سے جو بھی وعدہ کیا ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ وعدہ ان کی وفات سے پہلے لازمی ہو کر رہے گا، البتہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جب مصیبتیں اور پریشانیاں دراز اور لمبے عرصے تک پہنچتیں تو وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ لوگ انہیں نہ جھٹلا دیں جو ان کے ساتھ ہیں، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آیت ﴿وَقُلْنَا اِنَّہُمْ قَدْ کَذَبُوا﴾ پڑھتی تھیں۔

تشریح

اور اس آیت (بقرات تخفیف) کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے ”وَقُلْنَا اِنَّہُمْ قَدْ کَذَبُوا“ کی ضمیریں کافروں کی طرف راجع ہے یعنی وہ لوگ سمجھے کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے۔
ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کو یوں پڑھتے ہیں ”﴿حَتّٰی اِذَا اسْتَنْیَاسَ الرَّسُلُ وَقُلْنَا اِنَّہُمْ قَدْ کَذَبُوا﴾ خفیفہ“۔ یعنی ”ذ“ کی تخفیف کے ساتھ۔
”ذہب بہا ہناک“ یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کو وہاں لے گئے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اس آیت کے مفہوم کو سورہ بقرہ کی آیت ﴿حَتّٰی یَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِینَ اٰمَنُوْا مَعَهُ مَنّٰی نَضْرُ اللّٰہُ اِلَّا اِنْ نَضَرَ اللّٰہُ قَرِیْبٌ﴾ کی طرف لے گئے اور یہ کہا کہ دونوں آیتوں کا مفہوم ایک جیسا ہے۔
”ذہب بنا ہناک“ کا یہ مطلب ہے۔

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعد میں میری ملاقات حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے ہوئی تو میں نے ان سے یہ بات ذکر کی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ بات کہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تفسیر دوسری طرح کی ہے۔

اور پھر ان کی تفسیر بیان کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”معاذ اللہ واللہ ما وعد اللہ رسولہ من شیء قط إلا علم أنه کائن قبل ان یموت“ اللہ کی پناہ! اللہ کی قسم! اللہ نے اپنے رسولوں سے جو بھی وعدہ کیا ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ وعدہ، صاحب وعدہ کی موت سے پہلے پہلے لازمی ہو کر رہے گا۔

”ولکن لم یزل البلاء بالرسول حتی خافوا أن یکون من معهم یکذبونہم“ البتہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جب مصیبتیں اور پریشانیاں دراز اور لمبے عرصے تک پہنچتیں ہیں اور آزمائشوں کی وجہ سے بعض اوقات مدد آنے میں دیر لگتی ہے، تو وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ لوگ انہیں نہ جھٹلا دیں، تکذیب نہ کر دیں جو ان کے ساتھ ہیں۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آیت ﴿وَلَا تَقْنَبُوا قُلُوبُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَعْلَمُوا﴾ پڑھتی تھیں۔ اور جو تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی ہے وہ ”کذبوا“ بالتخفیف کے اندر بھی کہی جاسکتی ہے اور ”کذبوا“ بالتشدید میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر صرف ”کذبوا“ کی قرأت کے مطابق ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر دونوں قرأتوں کے مطابق ہے۔

(۳۹) باب: ﴿لَیْسَاءُ کُمْ حَزَنٌ لَّکُمْ فَأَتُوا حَزَنَکُمْ أَنِّی شِئْتُ﴾ [۲۲۳]

باب: ”تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں؛ لہذا اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ“۔

۴۵۲۶۔ حدیثی إسحاق: أخبرنا النضر بن شميل: أخبرنا ابن عون، عن نافع قال: کان ابن عمر رضی اللہ عنہما إذا قرأ القرآن لم یتکلم حتی یفرغ منه. فأخذت علیہ یوما فقرأ سورة البقرة حتى التھی إلى مکان قال: تدری لیم أنزلت؟ قلت: لا، قال: أنزلت لی کذا وکذا، ثم مضی. [الظر: ۴۵۲۷] ۹۷

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قرآن کی تلاوت کے درمیان کسی سے بات نہ کرتے تھے، جب تک فارغ نہ ہو جاتے۔ ایک دن میں ان کے پاس گیا تو وہ سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے، جب ایک مقام پر پہنچے یعنی ﴿لَیْسَاءُ کُمْ حَزَنٌ﴾ تو فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو آپ نے وجہ نزول بیان کی اور پھر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

تشریح

اس روایت میں ﴿بَسَّوْكُمْ حَزَنًا لِّكُمْ فَأَتُوا حَزَنَكُمْ أَلَّىٰ حِشْمٍ﴾ کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔
حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”کان ابن عمر رضی اللہ عنہما إذا قرأ القرآن لم يتكلم حتى يفرغ منه“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب قرآن پڑھتے تھے تو اس دوران کوئی بات نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ تلاوت سے فارغ نہ ہو جاتے۔

”لأخذت عليه يوما“ ایک دن میں قرآن لیکران کے پاس بیٹھ گیا، تاکہ دیکھوں کب تک پڑھتے ہیں، ”لقرأ سورة البقرة حتى انتهى إلى مكان“ تو وہ سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ ایک خاص جگہ تک پہنچ گئے یعنی یہی آیت ﴿بَسَّوْكُمْ حَزَنًا لِّكُمْ فَأَتُوا حَزَنَكُمْ أَلَّىٰ حِشْمٍ﴾۔

پھر وہاں تک پہنچنے کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ (حضرت نافع رحمہ اللہ) سے سوال کیا کہ ”ندری لیم أنزلت؟“ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی تھی؟
”قلت: لا“ میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ آیت بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”أنزلت لي كذا وكذا“ یہ آیت فلاں فلاں بات کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی عورت سے دبر میں جماع کرنے کے بارے میں ہے۔
”لم مضى“ یہ بات بتانے کے بعد پھر تلاوت شروع کر دی۔

۴۵۲۷۔ وعن عبد الصمد: حدثني أبي: حدثني أيوب، عن نافع، عن ابن عمر ﴿فَأَتُوا حَزَنَكُمْ أَلَّىٰ حِشْمٍ﴾ قال: يأتيا لي. رواه محمد بن يحيى بن سعيد، عن أبيه، عن عبيد الله، عن نافع، عن ابن عمر. [راجع: ۴۵۲۶]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿فَأَتُوا حَزَنَكُمْ أَلَّىٰ حِشْمٍ﴾ سے مطلب یہ ہے کہ جس طرح چاہو آ سکتے ہو۔ یہی حدیث یحییٰ قطان، عبید اللہ، نافع، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

مبہم انداز میں ذکر کرنے کی وجہ

یہاں اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت نافع رحمہ اللہ سے مروی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی دو روایتیں نقل کی ہیں اور دونوں میں اجمال اور ابہام ہے۔

پہلی روایت میں اس طرح کہا کہ ”نزلت فی کذا و کذا“ یہ آیت فلاں فلاں بات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

جبکہ دوسری روایت میں ہے ”یا نبیہا فی“ امام بخاری رحمہ اللہ نے ”فی“ کے بعد مجرور ذکر نہیں کیا۔ یہ اس وجہ سے ہے غالباً۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ کہ روایت میں جو الفاظ تھے ان کا مفہوم ظاہری طور پر بڑا شنیع تھا، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے شنیع کیلئے اس کو ذکر ہی نہیں کیا یا اس وجہ کو جان بوجھ کر چھپایا اور اس کو پردہ ابہام میں رکھا اور وضاحت نہیں کی تاکہ اس شنیع کی زیادہ تبلیغ نہ ہو۔

مسئلہ کی تفصیل اور اقوالِ علما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کا مفہوم یہ بتایا تھا کہ ﴿فَاتُّوا خَزَنَتُکُمْ اُنّیٰ حِشْمٌ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ مرد اپنی بیوی سے دبر میں بھی استماع کر سکتا ہے۔

﴿اُنّیٰ حِشْمٌ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ”یا نبیہا فی“ یعنی ”فی دبرہا“۔

”نزلت فی کذا و کذا“ اس کا معنی یہ ہے کہ عورت سے دبر میں جماع کر سکتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا کہ یہ انصار کے ایک صاحب نے اپنی عورت سے دبر میں جماع کیا، جماع کرنے کے بعد ان کو اس بارے میں پریشانی ہوئی کہ یہ بات درست بھی ہے کہ نہیں؟ تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ۵۰

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے دبر میں جماع کیا اس بات پر لوگوں نے کچھ اعتراض کیا، حضور اقدس ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ۵۱

۵۰ حدثنا محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم، حدثنا ابو بکر بن ابی اویس، حدثني سليمان بن بلال، عن زيد بن اسلم، عن عبد اللہ بن عمرو: ان رجلا، اتى امراته في دبرها، فوجد في نفسه من ذلك وجدا شديدا، فانزل الله تعالى: ﴿يَسْأَلُكُمْ خَزَنَتُ لَكُمْ فَاَتُّوا خَزَنَتُكُمْ اُنّیٰ حِشْمٌ﴾. شرح مشکل الآثار، رقم: ۶۱۱۷، ج: ۱۵، ص: ۴۱۰

۵۱ حدثنا أحمد بن داود قال: حدثنا يعقوب بن حميد بن كاسب، حدثنا عبد اللہ بن نافع، عن هشام بن سعد، عن زيد بن اسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد: أن رجلا أصاب امراته في دبرها، فانكر الناس ذلك عليه وقالوا: انفرها فانزل الله تعالى: ﴿يَسْأَلُكُمْ خَزَنَتُ لَكُمْ فَاَتُّوا خَزَنَتُكُمْ اُنّیٰ حِشْمٌ﴾. فبقي هذين العديدين ما قد ذكر قوم انهم استدلوا به على الإباحة. شرح مشکل الآثار، رقم: ۶۱۱۸، ج: ۱۵، ص: ۴۱۱

ان روایات کی وجہ سے یہ بات مشہور و معروف ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما طی فی الدبر کی جواز کے قائل تھے۔ اسی بنیاد پر امام مالک رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے کہ دبر میں جماع کرنا جائز ہے۔ ۵۲
البتہ اصحاب مالکیہ امام مالک رحمہ اللہ کی طرف سے اس قول کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ سے کہیں یہ ثبوت صحیح نہیں ہے۔ ۵۳

لیکن قاضی ابن عربی رحمہ اللہ، جو مالکیہ کے فقہاء میں بڑے درجے کے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ تردید کرنا بالکل غلط ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد ابن القاسم سے یہ کہا کہ میں نے اپنے علمائے مدینہ میں سے کسی کو بھی ایسا نہیں پایا جو اس کو ناجائز اور حرام کہتا ہو اور اس میں ذرا سا بھی شک ہو ان کو، لہذا وہ اس کی حرمت کے زیادہ قائل نہیں تھے۔ ۵۴

انہوں نے ایک واقعہ یہ لکھا ہے محمد بن سعد، ابوسلیمان جوزجانی سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں ایک دفعہ انس بن مالک یعنی امام مالک رحمہ اللہ کے پاس تھا، تو ان سے دبر میں جماع کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا کہ سنا ہے کہ یہ بہت حرام و ناجائز کام ہے، تو انہوں نے کہا کہ ”الساعة اغتسلت منه“ یعنی میں نے کچھ دیر پہلے اس سے فارغ ہو کر غسل کیا ہے۔

یعنی یہاں تک کہہ دیا تو جواز کے قائل ہونے کی بات اس وجہ سے ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔
دوسرے حضرات یہ کہتے ہیں کہ امام مالک کا پہلے یہ قول تھا بعد میں اس سے رجوع کر لیا گیا۔ ۵۵

۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵ وأما اختلاف العلماء في هذا الباب فلهب محمد كعب القرظي وسعيد بن يسار المنيني ومالك الي اباحة ذلك، واحتجوا في ذلك بما رواه أبو سعيد، والوا: معنى الآية. حيث شتم من القبل والدبر، وقال عياض: تعلق من قال بالتحليل بظاهر الآية وقال ابن العربي في كتابه ((أحكام القرآن)): جوزته طائفة كثيرة، وقد جمع ذلك ابن خنبل في كتابه ((جماع النوان)) وأسد جوازها إلى زمرة كثيرة من الصحابة والتابعين وإلى مالك من روايات كثيرة، وقال أبو بكر الجصاص في كتابه ((أحكام القرآن)): المشهور عن مالك اباحة ذلك وأصحابه ينفون عنه هذه المقالة لقبها وشاعتها وهي أشهر من أن تدفع بنهم عنه وقد روى محمد بن سعد عن أبي سليمان الجوزجاني، قال: كنت عند مالك بن انس، فسنل عن النكاح في الدبر، فضرب بيده على رأسه، وقال: الساعة اغتسلت عنه، ورواه عنه ابن القاسم: ما أدر كنت أحداً القدي به في دهنى يشك فيه أنه حلال، يعني وطء المرأة في دبرها، ثم قرأ: ﴿إِنْسَاءُكُمْ خَزَنَتْ لَكُمْ فَأْتُوا خَزَنَتَكُمْ أَلَىٰ شَيْئِكُمْ﴾ قال: فأي شيء، أمين من هذا، وما أحك فيه. وأما ملحق الشافعي فيه فما قاله الطحاوي: حكى لنا محمد بن عبد الله بن عبد الحكم أنه سمع الشافعي يقول: ما صح عن رسول الله، في تحريمه ولا في تحليله، والقياس أنه حلال. وقال الحاكم: لعل الشافعي كان يقول ذلك في القديم، وأما في الجديد فصرح بالتحريم. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۱۶۸، ۱۶۷

محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم کہتے ہیں میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات بھی ثابت نہیں، نا تو حلال ہونے کی اور نا ہی حرام ہونے کی، اس وجہ سے قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ یہ درست ہے۔

لیکن یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم تھا، بعد میں انہوں نے اس کو صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا ہے، لہذا شافعیہ کا مذہب بھی حرمت کا ہے۔

بہر صورت حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بات منقول ہے۔

احناف، شوافع، حنابلہ اور جمہور علمائے کرام کہتے ہیں کہ یہ عمل بالکل حرام ہے اور اسی وجہ سے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات باور نہیں ہوتی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایسی بات کہیں گے اور ان کی طرف اس قول کی نسبت مشکوک ہے۔

البتہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس موضوع پر روایات اتنی زیادہ ہیں کہ اس کی تردید مشکل ہے، ہاں یہ عین ممکن ہے کہ بعد میں انہوں نے اس سے رجوع فرما لیا ہو۔

اسی امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں بھی بعض فقہاء مالکیہ تردید کرتے ہیں کہ امام مالک کی طرف اس قول کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے، اگر ہو تو بھی امام مالک نے اس سے رجوع کر لیا ہوگا۔

لہذا اب اس مسئلہ پر تقریباً اجماع ہے جماع فی الد بر حرام ہے۔

جو لوگ امام مالک کی طرف یہ قول منسوب کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ قرآن میں یہ لفظ ﴿اَنۡیٰ حِثۡمٌ﴾

عام ہے، ”اَنۡیٰ“ بمعنی ”امین“ کے ہے۔

”اَیۡن حِثۡمٌ“ یا ”حِثۡ حِثۡمٌ“ تو پھر اس میں کوئی قید نہیں ہے۔

جمہور کا کہنا یہ ہے کہ جیسا حدیث میں آیا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ روایات میں اسکی تفسیر یہ آئی ہے کہ قریش اپنی بیویوں سے استمتاع میں زیادہ تنوع اختیار کرتے تھے یعنی مجامعت تو اگرچہ فرج ہی میں ہوتی تھی لیکن جانے کیلئے راستہ کبھی سیدھا، کبھی الٹا، کبھی پہلو سے، مستقبلہ اور مستدبرہ رہتا تھا۔

جب مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں یہ قصہ نہیں تھا اور وہاں کے لوگ یہودیوں کے زیر اثر تھے، یہودی یہ کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص فرج میں جماع کرے، لیکن پیچھے کی طرف سے کرے تو اس کی اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے، تو اس واسطے وہ منع کرتے تھے۔ ۵۶

۵۶ وذهب الجمهور الى تحريمه لمن الصحابة: علي بن ابي طالب وابن عباس وابن مسعود وجابر بن عبد الله

وعبد الله بن عمرو بن العاص ﴿بقية ما شيا كلفه صلى﴾

۳۵۲۸ - حدثنا أبو نعیم: حدثنا سفیان عن ابن المنکدر: سمعت جابرًا رضی اللہ عنہ قال: كانت اليهود تقول: إذا جامعها من ورائها جاء الولد أحول، فنزلت ﴿يَسْأَلُكُمْ خَزَنَتُ لَكُمْ لَأَتُنْزِلَنَّ عَلَيْكُمْ آتِي شَيْئًا﴾. ۵۷

ترجمہ: ابن منکدر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو آدمی اپنی بیوی سے پیچھے کی طرف سے جماع کرتا ہے، اس کی اولاد بھنگی پیدا ہوتی ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمائی۔

..... ﴿گذشتہ سے پیوستہ﴾..... وأبو الدرداء وعزيمة بن ثابت وأبو هريرة ولى بن طلق وأم سلمة، وقد اختلف عن عبدالله بن عمر بن الخطاب، والأصح عنه المنع، ومن التابعين سعيد بن المسيب ومجاهد وإبراهيم النخعي وأبو سلمة بن عبد الرحمن وعطاء بن أبي رباح، ومن الأئمة: سفیان الثوري وأبو حنيفة والشافعي في الصحيح، وأبو يوسف ومحمد وأحمد وإسحاق وآخرون كثيرون، واحتجوا في ذلك بأحاديث كثيرة. منها: حديث ابن عزيمة: أن رسول الله ﷺ قال: ((إن الله لا يستحي من الحق، لا تأتوا النساء في أدبارهن))، أخرجه الطحاوي والطبراني وإسناده صحيح. ومنها: حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي ﷺ، قال: ((هي اللواطية الصغرى))، يعني وطء النساء في أدبارهن، أخرجه الطحاوي بإسناد صحيح، والطائسي والبيهقي. ومنها: حديث أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ((لا ينظر الله - عز وجل - إلى رجل وطئ امرأة في دبرها))، أخرجه الطحاوي وابن أبي شيبة وابن ماجه وأحمد. ومنها حديث جابر بن عبد الله نحو حديث عزيمة، وفي رواية: لا يحل ما تأتى النساء في حشوشهن، وفي رواية: في محاشهن، أخرجه الطحاوي. ومنها: حديث طلق بن علي: أن رسول الله ﷺ قال: ((إن الله لا يستحي من الحق، لا تأتوا النساء في أعجازهن))، أخرجه الطحاوي وابن أبي شيبة، وفي رواية في أعجازهن، أو قال: في أدبارهن، وأما الآية فتأولوها: بلغاتوا حرثكم أنه شتم متقبلين ومستدبرين، ولكن في موضع الحرث، وهو الفرج. فإن قلت: القاعدة عندكم أن العبرة لعموم اللفظ لا بخصوص السبب. قلت: نعم لكن وردت أحاديث كثيرة فأخرجت الآية عن عمومها وأقصرها على إباحة اللواط في الفرج، ولكن على أي وجه كان. عمدة القاري، ج: ۱۸، ص: ۱۶۸

۵۷ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز جماعة امرأته في قلبها، من لداها، ومن ورائها من غير تعرض الدبر. رقم: ۱۳۳۵، وسنن أبي داود، كتاب النكاح، باب في جامع النكاح، رقم: ۲۱۶۳، وسنن الترمذي، أبواب التفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة. رقم: ۲۹۷۹، وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب النهي عن إيمان النساء في أدبارهن. رقم: ۱۹۲۵، وسنن الدارمي، كتاب الطهارة، باب إيمان النساء في أدبارهن. رقم: ۱۱۷۲، ومن كتاب النكاح، باب النهي عن إيمان النساء في أدبارهن. رقم: ۲۲۶۰

حدیث کی تشریح

ایک مہاجر صحابی ؓ کا نکاح کسی انصاری صحابیہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو ان صحابی نے اپنی عام عادت کے مطابق یا عام معمول کے مطابق ان سے بھی استماع کرنا چاہا تو انصاریہ خاتون نے مزاحمت کی، یہ بات ہوتے ہوتے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئی کہ انصار کے لوگ اسلام سے پہلے چونکہ یہودیوں کے ساتھ رہتے تھے تو اور یہودی یہ کہتے تھے جو اپنی بیوی سے پیچھے کی طرف سے جماع کرتا ہے، تو اس طرح کرنے سے اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے۔

اس پر آیت نازل ہوئی کہ ﴿بَسَّوْكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنْتُمْ﴾ اس آیت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ موضع جماع میں عموم پیدا کیا جا رہا ہے بلکہ اس موضع تک پہنچنے کیلئے طریقہ میں عموم پیدا کیا جا رہا ہے کہ جس طرف سے چاہو جاؤ لیکن جاؤ اسی جگہ پر یہ مقصود ہے نہ کہ مواضع کی تعین مقصود ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ”حَرْثُكُمْ“ کا لفظ استعمال فرمایا کہ ”حَرْثُ“ تو موضع فرج ہی ہے اور جو دوسری جگہ ہے وہ ”فَرْثُ“ ہے حَرْث نہیں ہیں۔

اور کئی احادیث میں صراحۃً یہ ممانعت آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ((وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَعْجَازِهِنَّ رَافِي أَدْبَارِهِنَّ، فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ)) یعنی عورتوں سے پیچھے (دبر میں) سے جماع مت کرو، بے شک اللہ حق بات سے نہیں شرماتا ہے۔ ۵۸

ذوق عربی و نحوی قاعدہ سے حرمت کی تائید

مجھے ایک بات لگتی تھی کہ کسی کی تائید مل جائے تو کہوں بغیر تائید کے کہنے کا دل نہیں چاہتا۔ وہ بات یہ ہے کہ ”انی“ کے معنی کئے گئے ہیں ”اہن شتم“ کے یعنی ”اہن شتم“ یا ”حیث شتم“ یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ”انی“ کے معنی ہیں ”من اہن“ صرف ”اہن“ نہیں ہے۔ مجھے اپنے ذوق عربیت کی وجہ سے یہ بات لگتی تھی مگر کسی کی تائید نظر نہیں آتی تھی، بعد میں دیکھا کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کافیہ کی شرح رضی کے حوالے سے یہی بات کہی ہے کہ ”انی“ کے معنی ”من اہن“ کے ہیں ”من اہن شتم“ جب ”من اہن شتم“ ہے تو طریق کا عموم ہے نہ کہ

موضع کا عموم، تو اس سے یہ بات واضح ہوگئی۔ ۵۹

(۴۰) باب: ﴿وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبَنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ

أَزْوَاجَهُنَّ﴾ [۲۳۲]

باب: ”اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں۔“

آیت کا شان نزول

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جو آگے حدیث میں بھی آرہا ہے، حضرت معقل بن یسار ؓ نے اپنی بہن کی شادی ایک شخص کے ساتھ کی، اس نے طلاق دیدی اور عدت بھی گزر گئی، اس کے بعد یہ شخص اپنے فعل پر پشیمان ہوا، اور چاہا کہ دوبارہ نکاح کر لیں، اس کی بیوی یعنی معقل بن یسار ؓ کی بہن بھی اس پر آمادہ ہو گئیں، لیکن جب اس شخص نے معقل بن یسار ؓ سے اس کا ذکر کیا تو ان کو طلاق دینے پر غصہ تھا، انہوں نے کہا کہ میں نے پہلے تمہارا اعزاز کیا، اپنی بہن تمہارے نکاح میں دی اور تم نے اس کی قدر یہ کی کہ اس کو طلاق دے دی، اب پھر تم میرے پاس آرہے ہو کہ دوبارہ نکاح کروں، خدا کی قسم! اب وہ تمہارے نکاح میں نہ لوٹے گی۔

اسی طرح جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی چچا زاد بہن کا بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو انہوں نے منع کر دیا۔ ان واقعات پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں معقل بن یسار ؓ اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے اس رویہ کو ناپسند و ناجائز قرار دیا گیا۔ آیت کریمہ سنتے ہی حضرت معقل بن یسار ؓ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور خود جا کر اس شخص سے اپنی بہن کا دوبارہ نکاح کر دیا، اور قسم کا کفارہ ادا کیا، اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے بھی تعمیل فرمائی۔ ۶۰

۵۹ وصرح الرطبي، مع كونه شيعياً أن حرف - الی - فی القرآن ليس بمعنى ابن، بل بمعنى: من ابن، لہی لتعميم الحال، مستقبلاً، أو مستعبراً، مع كون الصماخ واحداً، لا لتعميم المكان - والمعاذ باللہ. لفظ الباری علی صحیح البخاری، ج: ۴، ص: ۱۶۳

۶۰ معارف القرآن، ج: ۱، ص: ۵۷۵، وجملة الفاری، ج: ۱۸، ص: ۱۷۰، ۱۶۹

۴۵۲۹۔ حدثنا عبید اللہ بن سعید: حدثنا أبو عامر العقدي: حدثنا عباد بن راشد: حدثنا الحسن قال: حدثني معقل بن يسار قال: كانت لي أخت تخطب إليّ. وقال إبراهيم عن يونس، عن الحسن: حدثني معقل بن يسار حدثنا أبو معمر: حدثنا عبد الوارث: حدثنا يونس، عن الحسن: أن أخت معقل بن يسار طلقها زوجها فتركها حتى انقضت عدتها فخطبها فابى معقل فنزلت ﴿فَلَا تَفْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحَنَّ أَزْوَاجَهُنَّ﴾. [الظر: ۵۱۳۰، ۵۳۳۰، ۵۳۳۱] و

ترجمہ: حسن روایت کرتے ہیں کہ مجھے سے حضرت معقل بن یسار رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میری ایک بہن تھی جس کے نکاح کا پیغام میرے پاس آیا۔

(دوسری سند) ابراہیم بیان کرتے ہیں، ان سے یونس نے، اور ان سے حسن نے، اور ان سے حضرت معقل بن یسار رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ (تیسری سند) ابو معمر بیان کرتے ہیں، ان سے عبد الوارث نے، ان سے یونس نے، ان سے حسن بصری رحمہ اللہ نے، اور ان سے حضرت معقل بن یسار رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ان کی بہن کو اسکے خاوند نے طلاق دی، یہاں تک کہ عدت ختم ہو گئی اس کے بعد اس سے نکاح کرنا چاہا اور پیغام بھیجا تو معقل نے نکاح سے انکار کر دیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت نازل فرمائی۔

عورت کو نکاح کا حق

حسن بصری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ”ان اُخت معقل بن یسار طلقها زوجها فتركها“ حضرت معقل بن یسار رحمہ اللہ کی بہن تھیں، ان کو انکے شوہر نے طلاق رجعی دیدی اور چھوڑ دیا یعنی عدت ختم ہونے تک رجوع بھی نہیں کیا، ”حَتَّى انقضت عدتها“ یہاں تک کہ ان کی عدت پوری ہو گئی، جب عدت پوری ہو گئی تو پھر وہی شوہر پیغام لے کر آ گیا کہ مجھ سے دوبارہ نکاح کر لو، خود خاتون یعنی حضرت معقل بن یسار رحمہ اللہ کی بہن بھی اس بات کیلئے راضی تھیں۔ ”فابى معقل“ معقل ابن یسار رحمہ اللہ نے انکار کیا کہ ایک آدمی تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کر چکا، اس کے بعد میں اس سے تمہارا نکاح تو نہیں کراؤں گا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿فَلَا تَفْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحَنَّ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، وہ اپنی عدت تک پہنچ جائیں اب اگر وہ دوبارہ اپنے شوہر سے نکاح کرنا چاہتی تو انکو روکو نہیں، منع نہ کرو۔

طلاق رجعی اور عدت کی وضاحت

ایک عورت کو اس کے خاوند نے ایک یا دو طلاق دی اور پھر عدت میں رجعت بھی نہ کی جب عدت ختم ہو چکی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ زوج اول نے بھی نکاح کا پیام دیا، عورت بھی اس پر راضی تھی مگر عورت کے رشتہ داروں نے اس کو نکاح سے روک دیا۔

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ عورت کی خوشنودی اور بہبودی کو ملحوظ رکھو، اسی کے موافق نکاح ہونا چاہئے اپنے کسی خیال اور ناخوشی کو دخل مت دو۔

یہ خطاب عام ہے نکاح سے روکنے والے سب لوگوں کو خواہ زوج اول جس نے طلاق دی ہے وہ عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے روکے اور اسی طرح عورت کے ولی اور وارث عورت کو پہلے خاوند سے نکاح کرنے سے یا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے سے مانع ہوں۔

تو اس آیت میں ان سب کو روکنے سے ممانعت آگئی، ہاں اگر خلاف قاعدہ کوئی بات ہو مثلاً غیر کفو میں عورت نکاح کرنے لگے یا پہلے خاوند کی عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہے تو بیشک ایسے نکاح سے روکنے کا حق ہے، اسی آیت میں ﴿امر بالمعروف﴾ فرمانے کا یہی مطلب ہے۔

طلاق کے بعد رجعت یا انقطاع نکاح دونوں کیلئے خاص ہدایات

جب مطلقہ رجعی عورتوں کی عدت گزرنے کے قریب آئے تو شوہر کو دو اختیار حاصل ہیں:

ایک یہ کہ رجعت کر کے اس کو اپنے نکاح میں رہنے دے۔

دوسرے یہ کہ رجعت نہ کرے اور تعلق نکاح ختم کر کے اس کو بالکل آزاد کر دے۔

لیکن دونوں کو اختیاروں کے ساتھ قرآن کریم نے یہ قید لگائی کہ رکھنا ہو تو قاعدہ کے مطابق رکھا جائے

اور چھوڑنا ہو تب بھی شرعی قاعدے کے مطابق چھوڑا جائے:

﴿وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلْيُنْفِقْنَ أَجَلَهُنَّ لَا مَسْکُونَهُنَّ

بِمَرْؤِفٍ﴾ [البقرہ: ۲۳۱]

ترجمہ: اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی

عدت کے قریب پہنچ جائیں، تو یا تو ان کو بھلائی کے ساتھ

(اپنی زوجیت میں) روک رکھو۔

﴿فَلَا تَفْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحَنَّ أَرْوَاجَهُنَّ إِذَا

تَرَاضُوا بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة: ۲۳۲]

ترجمہ: اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں، بشرطیکہ وہ بھلائی کے ساتھ ایک دوسرے سے راضی ہو گئے ہوں۔

اس میں ”بِالْمَعْرُوفِ“ کا لفظ دونوں جگہ علیحدہ علیحدہ لا کر اس کی طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ رجعت کیلئے بھی اور آزاد کرنے کیلئے بھی کچھ شرائط و قواعد ہیں۔ دونوں حالتوں میں سے جس کو بھی اختیار کرے شرعی قاعدے کے موافق کرے، محض وقتی غصے یا جذبات کے ماتحت نہ کرے، دونوں صورتوں کے شرعی قواعد کا کچھ حصہ قرآن کریم میں بیان کر دیا گیا ہے اور باقی تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ ۹۲

(۴۱) باب: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَرْوَاجًا يُتَرَبِّصْنَ أَنْفُسَهُنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ [۲۳۳]

باب: ”اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں، اور بیویاں چھوڑ کر جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں رکھیں گی۔ پھر جب وہ اپنی (عدت کی) معیاد کو پہنچ جائیں تو وہ اپنے بارے میں جو کارروائی (مثلاً دوسرا نکاح) قاعدے کے مطابق کریں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“

﴿يَتَفَتَّحُونَ﴾ [۲۳۷]: یہن۔

ترجمہ: ”یَتَفَتَّحُونَ“ بمعنی بہہ کرنے ہیں۔

مشکل ترین باب

یہ باب امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب التفسیر کی مشکل ترین ابواب میں سے ہے اور جو تعلیقات نقل کئے ہیں، ان سے بات کو سمجھنے میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔ پہلے اس کا خلاصہ کتاب سے ہٹ کر سمجھ لیجئے۔ پھر آپ پڑھیں گے تو پھر آپ کو بات سمجھ میں آجائے گی۔

”متوفی عنہا زوجها“ کی عدت کا مسئلہ

صورت حال یہ ہے کہ ”متوفی عنہا زوجها“ کی عدت کے بارے میں سورہ بقرہ میں دو آیتیں ہیں، ایک آیت ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يُتَرَبِّصْنَ
بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ [البقرہ: ۲۳۴]

یعنی کہ وہ عورتیں جن کے شوہر انتقال کر جائیں وہ چار مہینے دس دن تک عدت گزاریں گی۔
یہ سورہ بقرہ میں ترتیب قرآنہ کے لحاظ سے یہ آیت پہلے ہے، اور دوسری آیت ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً
لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ﴾ [البقرہ: ۲۳۵]

ترجمہ: اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جایا کریں کہ ایک سال تک وہ (ترکے سے نفقہ وصول کرنے کا) فائدہ اٹھائیں گی اور ان کو (شوہر کے گھر سے) نکالا نہیں جائے گا۔

یہ آیت کریمہ ترتیب قرأت کے لحاظ سے مؤخر ہے۔

جمہور کی تفسیر اور مسلک

جو معروف تفسیر ہے جس کو جمہور حضرات نے اختیار کیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ﴾ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ جس کا شوہر انتقال کر

جائے وہ عورت اسکی عدت کے دوران سال بھر تک اپنے شوہر کے گھر میں رہے گی اور ان کو نکالنا جائز نہیں ہے۔
 جمہور کا کہنا ہے کہ یہ حکم سال بھر کی عدت کا منسوخ ہو گیا اور دوسری آیت یعنی ﴿وَاللِّدْنِیْنَ یُتَوَلَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَلْزَمُونَ اَزْوَاجًا یُغْرِبْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ یہ اس آیت (یعنی جس میں ایک سال تک شوہر کے گھر میں رکنے کا حکم ہے) کیلئے ناسخ ہے۔
 اور اس آیت پر عمل نہیں ہے بلکہ ﴿اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ والی آیت پر عمل ہے۔
 یہ جمہور حضرات کا قول ہے۔

جمہور کے مسلک پر اشکال

جمہور کے قول پر اور تو کچھ خاص اشکال وارد نہیں ہوتا سوائے اسکے کہ اس میں آیت ناسخ پہلے اور آیت منسوخہ بعد میں ہے، جبکہ ترتیب طبعی کا تقاضا یہ ہے کہ آیت منسوخہ پہلے ہو اور ناسخ بعد میں آئے۔

جمہور کا جواب

جمہور کی طرف سے اسکا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ ترتیب قرأت، ترتیب نزول سے مختلف ہے اور ”اربعة اشهر“ والی آیت اگرچہ قرأت میں مقدم ہے لیکن نزول میں مؤخر ہے اور سارے ناسخ منسوخ میں یہ واحد آیت ایسی ہے جو قرأت میں مقدم ہے اور نزول میں مؤخر ہے، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔
 یہ جمہور حضرات کی تفسیر تھی، اور اُس پر ہونے والے اشکال کا جواب۔

دوسری تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے حضرت مجاہد اور حضرت عطاء بن رباح رحمہما اللہ نے روایت کی ہے۔ یہ دونوں حضرات، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں۔
 دونوں نے جو تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کی اس میں تھوڑا سا فرق ہے۔

امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول

مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ درحقیقت ان دونوں آیتوں میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں ہے اور ﴿اربعة اشهر وعشرا﴾ والی آیت جس طرح قرأت میں مقدم ہے اسی طرح نزول میں بھی مقدم ہے۔
 ﴿مُنْعَاً اِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ اِخْرَاجٍ﴾ والی آیت جس طرح قرأت میں مؤخر ہے اسی طرح نزول میں بھی مؤخر ہے اور ان میں کوئی ناسخ و منسوخ نہیں، دونوں پر عمل آج بھی ہے۔

ان کا کہنا یہ ہے کہ چار مہینے دس دن تک تو عدت مقرر ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ عورت جو ”متوصلیٰ عنہا زوجہا“ ہے، اس کے ذمے واجب ہے کہ چار مہینے دس دن عدت اپنے شوہر کے گھر میں گزارے، یہ تو واجب ہے اور عورت کا فریضہ ہے۔

پہلی آیت میں اس فریضے کو بیان کیا گیا ہے اور دوسری طرف جواز و اج ہیں ان کے ذمے اللہ تعالیٰ نے یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ جب وہ دیکھیں کہ ہمارے انتقال کا وقت قریب آرہا ہے اور ہم بیوی کو چھوڑ کر جا رہے ہیں تو ان کو چاہئے کہ اپنی بیویوں کے متعلق وصیت کریں، کیا وصیت کریں؟

وصیت یہ کریں کہ میری بیوی کو سال بھر تک تم (ورثاء) میرے گھر میں رکھنا اور اس کو نہیں نکالنا۔ تو اس حکم کا اس حکم سے کوئی تعلق نہیں، اس کی مخاطبہ عورت ہے کہ چار مہینے دس دن تمہیں اپنے شوہر کے گھر میں رہنے ہیں اور اس کا مخاطب شوہر ہے کہ وصیت کرے کہ سال بھر تک میری بیوی کو گھر سے مت نکالنا اور ”غیر اخواج“ کے مخاطب اولیاء ہیں۔

اولیاء پر فرض ہے کہ وہ اسکو سال بھر تک نہ نکالیں، لیکن خود عورت کے ذمے تو چار مہینے دس دن کی عدت گزارنی ہے، اب اگر اس کے بعد وہ کہیں اور جانا چاہے تو اس کو اجازت ہے، اس لئے فرمایا کہ ”فلا جناح علیکم“ اگر وہ خود جانا چاہے تو جائے، تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں لیکن اگر وہ رہنا چاہے تو اسے اولیاء! تم پر فرض ہے کہ سال بھر تک ان کو رکھو۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں، چار مہینے دس دن تک عورت کے ذمے فرض ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں بحیثیت عدت کے رہے اور چار مہینے دس دن کے آگے یعنی سات مہینے بیس دن وہ عورت کا حق ہے چاہے تو رہے چاہے تو نہ رہے۔

اگر رہنا چاہے تو اولیاء کا فریضہ ہے کہ سال بھر تک رکھیں اور اس کو نہ نکالیں اور یہ حکم آج بھی محکم ہے منسوخ نہیں ہوا، لہذا دونوں آیتیں محکم ہیں اور دونوں میں سے کوئی بھی منسوخ نہیں، دونوں پر عمل آج بھی ہے۔ یہ امام مجاہد رحمہ کے قول کی تفصیل ہے۔

حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کا قول

حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے جو تفسیر نقل کی ہے وہ اس کے قریب قریب ہے لیکن تھوڑا سا فرق ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ ترتیب یوں ہوئی ہے کہ جس وقت سب سے پہلے آیت ﴿أَزْنَعَةُ أَهْمَرُ وَعَنْرَاءُ﴾

والی نازل ہوئی کہ چار مہینے دس دن عورت عدت گزارے تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ چار مہینے دس دن شوہر کے گھر میں عدت گزارے۔ وہاں شوہر کے گھر میں عدت گزارنا واجب تھا، اگر کہیں اور جا کر عدت گزارنا چاہے تو یہ اس کا حق نہیں تھا۔

بعد میں آیت نازل ہوئی ﴿وَصِيَّةٌ لِّأُولَآئِهِمْ مِّمَّا تَرَكَهُمْ إِذَا مَاتُوا مِنْكُمْ وَأُولَآئِهِمْ نِسَاءُكُمْ﴾ تو اس میں اور اس چار مہینے والی آیت میں تھوڑا سا تغیر یہ پیدا ہوا کہ اولیاء کے ذمے تو یہ ہے کہ وہ اس کو نہ نکالیں لیکن عورت کے ذمے نہیں ہے کہ وہ وہاں رہے اور اگر عورت جانا چاہے تو جاسکتی ہے، البتہ اگر رہنا چاہے تو اولیاء پورے سال رکھنے پر مجبور ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت نے چار مہینے دس دن والی آیت میں یہ تغیر پیدا کیا کہ جب تک یہ آیت نہیں آئی تھی اس وقت عورت پر واجب تھا کہ چار مہینے دس دن مرد کے گھر میں ہی گزارے، اس آیت کے آجانے کے بعد یہ پابندی عورت پر سے اٹھ گئی لیکن عورت کا حق اولیاء پر یہ حق برقرار رہا کہ وہ سال بھر تک گھر میں رکنا چاہے تو اس کو نہ نکالیں۔

لیکن پھر تیسری آیت آئی جس نے اس حق کے حکم کو بھی ختم کر دیا اور وہ آیت میراث ہے کہ جب آیت میراث آگئی اور اس میں یہ کہہ دیا گیا کہ

﴿وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَخُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ

كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الْفُتْنُ مِمَّا تَرَكَخُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

تَوْضُوءٍ بِهَا أَوْ ذَنْبٍ﴾ [النساء: ۱۲]

ترجمہ: اور تم جو کچھ چھوڑ کر جاؤ اس کا ایک چوتھائی اُن (بیویوں)

کا ہے، بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔ اور اگر تمہاری

کوئی اولاد ہو تو اُس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو تم نے کی

ہو، اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ان کو تمہارے ترکے کا

آٹھواں حصہ ملے گا۔

تو اس آیت میراث نے ان کے حق سکنی کو ختم کر دیا کہ اگر چاہیں دوران عدت وہ اپنے شوہر کے گھر میں رہیں اور اولیاء کو نکالنے کا حق نہیں تھا۔

یہ سکنی کا حق آیت میراث نے ختم کر دیا کہ اگر تم کو شوہر کی میراث مل گئی تو اب شوہر کے گھر میں رہنا کوئی ضروری نہیں نہ تمہارا حق ہے، کیونکہ وہ گھر جو ہے اب تو شوہر کا نہ رہا وہ تو درگاہ کے درمیان تقسیم ہو گیا ان میں سے ایک حصہ تمہیں ملا، تو اب سکنی کا حق تمہیں نہیں ہے۔

تو آیت میراث نے سکنی کا حق ﴿مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ هُنَا اِنْخَوَاج﴾ جو دیا تھا اسکو منسوخ کر دیا۔

مجاہد اور عطاء رحمہما اللہ کے اقوال میں فرق

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے قول اور حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کے قول میں یہ فرق ہے کہ مجاہد کے قول کے مطابق دونوں آیتیں آج بھی محکم ہیں اور آج بھی اگر عورت مطالبہ کرنا چاہے کہ میں سال بھر تک رہوں گی تو مطالبہ کر سکتی ہے، لیکن عطاء کے قول کے مطابق آیت میراث نے اس کے سکنی کا حق ختم کر دیا۔

حنفیہ کا قول بھی یہی ہے یعنی حنفیہ کے نزدیک بھی ”مَعُوْضِي عَنْهَا زَوْجَهَا“ وہ اپنے شوہر کے گھر میں رہنے کا مطالبہ نہیں کر سکتی بلکہ اگر شوہر کے اولیاء کہیں کہ ہم تو نہیں رہنے دیتے تو وہ کہیں اور رہے، یہی وجہ ہے کہ شوہر کے گھر میں بھی اگر عدت گزارے تو نفقہ خود برداشت کرے گی۔

اس مسئلے کی تفصیل میں یہاں پر تین مذاہب ہو گئے:

(۱)..... جمہور حضرات کا مسلک

(۲)..... مجاہد رحمہ اللہ کا مسلک

(۳)..... عطاء بن رباح رحمہ اللہ کا مسلک

امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے جمہور کے مسلک کے مطابق روایت کی ہے:

۳۵۳۰ - حَدَّثَنِي أُمِّيَّةُ بْنُ بَسْطَامٍ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ حَبِيبٍ، عَنْ ابْنِ أَبِي

مَلِيكَةَ: قَالَ ابْنُ الزَّبَيْرِ: قُلْتُ لِعُمَانَ بْنِ عَفَانَ ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَعْدُونَ أَرْوَاجًا﴾ قَالَ:

لَقَدْ نَسَخَهَا الْآيَةُ الْآخَرَى فَلَمْ تَكُنْ تَعْبَاهَا أَوْ تَدْعَاهَا؟ قَالَ: يَا ابْنَ أَخِي، لَا أَظْهَرُ شَيْئًا مِنْهُ مِنْ مَكَانِهِ.

[الظہر: ۳۵۳۶]

ترجمہ: حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان ؓ سے کہا کہ یہ آیت ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَعْدُونَ أَرْوَاجًا﴾ دوسری آیت سے منسوخ ہو گئی، تو پھر آپ اسے مصحف میں کیوں درج کر رہے ہیں؟ یا آپ نے اس کو مصحف میں کیوں چھوڑ دیا؟ حضرت عثمان بن عفان ؓ نے فرمایا اے بھتیجے! میں تو جو نازل ہوا اسے لکھوں گا اور کوئی چیز بدلوں گا نہیں۔

حکماً منسوخ، تلاوتاً اب بھی باقی

- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے، حضرت عثمان بن عفان ؓ کو ان کے دور خلافت

میں جس وقت انہوں نے قرآن کریم کو جمع کرنے کا حکم فرمایا تھا، ان سے اس آیت ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ کے متعلق کہا کہ ”قد نسختها الآية الاخرى“ اس آیت کو جب دوسری آیت یعنی ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ نے منسوخ کر دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا یہ خیال تھا کہ جو آیت حکماً منسوخ ہو گئی اس کو قرآن کریم میں داخل نہیں کرنا چاہئے۔

”للم تكتبها“ تو آپ مصحف میں یہ آیتیں کیوں لکھتے ہیں جو منسوخ ہو گئیں؟ یا راوی کو شک ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”أول قال لم تدعها“ آپ اس آیت کو مصحف میں کیوں چھوڑتے ہیں جبکہ یہ منسوخ ہو چکی؟

تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اے پیغمبر! ”لا أخیر شیئا منه من مکالہ“ میں قرآن کریم کی کوئی چیز وہ لفظ ہو یا حرف ہو اس کی جگہ نہیں بدل سکتا چاہے اس کا حکم منسوخ ہو گیا ہو، لہذا اسکو جہاں اسکی جگہ ہے وہیں پر لکھوں گا کیونکہ اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہے۔

اس روایت سے بتانا یہ مقصود ہے کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما دونوں یہ سمجھتے تھے کہ ﴿مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ والی آیت کو ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ والی آیت نے منسوخ کر دیا، جو کہ جمہور کا مسلک ہے۔

۴۵۳۱۔ حدثني إسحاق: حدثنا روح: حدثنا شبل، عن ابن أبي لجيج، عن مجاهد ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ قال: كانت هذه العدة تعتد عند أهل زوجها واجب، فأنزل الله ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ لِيَأْنِ خُرُجَنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ قال: جعل الله لها تمام السنة بسبعة أشهر وعشرين ليلة وصية، إن شاءت سكنت في وصيتها، وإن شاءت خرجت، وهو قول الله تعالى: ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ لِيَأْنِ خُرُجَنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴿فَالْعِدَّةُ كَمَا هِيَ وَاجِبٌ عَلَيْهَا، زَعَمَ ذَلِكَ عَنْ مُجَاهِدٍ﴾

وقال عطاء: قال ابن عباس: نسخت هذه الآية عدتها عند أهلها فتعديت حيث شاءت وهو قول الله تعالى: ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ قال عطاء: إن شاءت اعتدت عند أهلها وسكنت في وصيتها، وإن شاءت خرجت لقول الله تعالى: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ﴾ قال عطاء: ثم جاء الميراث فنسخ السكنى فتعديت حيث شاءت ولا سكنى لها.

وعن محمد بن يوسف: حدثنا ورقاء، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد بهذا.
 وعن ابن أبي نجيح، عن عطاء، عن ابن عباس قال: نسخت هذه الآية عدتها في أهلها
 لضعف حيث شاءت لقول الله تعالى: ﴿غَيْرِ إِخْوَانٍ﴾ نحوه. [الظر: ۵۳۴۳] ۹۳
 ترجمہ: مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس آیت ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ سے
 پہلے یہ عدت جو عورت گذارتی تھی اپنے شوہر کے گھر والوں کے پاس وہ واجب تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت
 نازل فرمائی کہ ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ
 غَيْرِ إِخْوَانٍ﴾ یعنی اگر یہ عورتیں چار ماہ دس دن کے بعد اپنے خاوند کے گھروں سے نکل جائیں تو خاوند کے
 وارثوں پر کوئی گناہ نہیں، اس آیت میں ایک سال پورا کرنے کیلئے سات ماہ اور بیس دن زیادہ خاوند کے گھر میں
 رکنا اس کی وصیت پر منحصر رکھا گیا ہے، مگر عورت کو اختیار ہے، چاہے تو شوہر کی وصیت کے مطابق شوہر کے گھر میں
 ایک سال پورا کرے اور چاہے تو عدت پوری کر کے چلی جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے
 عورت کے لئے سات مہینے اور بیس راتیں وصیت کے قرار دئے۔ اگر عورت چاہے تو عدت پوری ہونے وصیت
 کے مطابق شوہر کے گھر میں رہے اور چاہے تو چلی جائے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿غَيْرِ إِخْوَانٍ﴾ لِقَائِهِمْ
 فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ کا یہی مطلب ہے، تو عدت کے ایام وہی ہیں جنہیں گذارنا اس پر واجب ہے۔ ایسا حضرت
 مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔

اور حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت نے عورت
 کے لئے صرف شوہر کے گھر میں عدت گزارنے کے حکم کو منسوخ کر دیا، اب عورت جہاں چاہے عدت پوری کر سکتی
 ہے، اور یہ حکم اس آیت ﴿غَيْرِ إِخْوَانٍ﴾ کی وجہ سے ہے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر عورت چاہے تو
 اپنے شوہر کے گھر میں عدت پوری کرے اور شوہر کی وصیت کے مطابق اسی کے گھر میں رہے، اور اگر جانا چاہے تو
 شوہر کے گھر سے جاسکتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَا﴾ اور دستور
 کے موافق کوئی کام کرے تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ پھر حضرت عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد پھر میراث کی
 آیت نازل ہوئی، اور اس سے سکنی کا حکم منسوخ ہو گیا، اب عورت جہاں چاہے اپنی عدت گزارے، اب اس
 کیلئے سکنی (نان ونفقہ) ضروری نہیں رہا۔

۹۳ رقی سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب نسخ مٹاع المعولیٰ عنہا زوجہا بما فرض لہا من المیراث، رقم: ۲۲۹۸، وہاب
 من رأى المحول، رقم: ۲۳۰۱، وسنن النسائی، کتاب الطلاق، باب الرخصة للمعولیٰ عنہا زوجہا ان تعد حيث شاء
 رقم: ۳۵۳۱، وہاب نسخ مٹاع المعولیٰ عنہا بما فرض لہا من المیراث، رقم: ۳۵۳۳

عدت کے بعد جانے کا اختیار

یعنی اگر یہ عورتیں چار ماہ دس دن کے بعد اپنے خاوند کے گھروں سے نکل جائیں تو خاوند وارثوں پر کوئی گناہ نہیں، اس آیت میں ایک سال پورا کرنے کیلئے سات ماہ اور بیس دن زیادہ خاوند کے گھر میں رکنا وصیت پر منحصر رکھا گیا ہے، مگر عورت کو اختیار ہے، چاہے تو شوہر کی وصیت کے مطابق شوہر کے گھر میں ایک سال پورا کرے، اور چاہے تو عدت پوری کر کے چلی جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اب حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر سے متعلق روایات نقل کر رہے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ ”کانت هذه العدة تعد عند اهل زوجها واجب“ عورت یہ عدت یعنی چار مہینے دس دن اپنے شوہر کے ہاں گزارتی تھی اور یہ شوہر کے ہاں گزارنا واجب تھا یعنی یہ کہہ رہے ہیں ﴿وَاللِّينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ﴾ اَرْوَاجًا يَتَرَبُّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴿ والی آیت پہلے آئی تھی۔

بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

﴿وَاللِّينَ يُتَوَلَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ﴾ اَرْوَاجًا وَصِيَّةً وَصِيَّةً

لَا رَاجِيَهُمْ مِّنْ عَمَلٍ غَيْرِ اِخْرَاجٍ لِانْ خَرَجْنَ

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ لِيْ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّغْرُوْبٍ﴿

تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں

چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جایا

کریں کہ ایک سال تک وہ (ترکے سے نفقہ وصول کرنے کا)

فائدہ اٹھائیں گی اور ان کو (شوہر کے گھر سے) نکالا نہیں

جائے گا۔ ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنے حق میں قاعدے

کے مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”جعل الله لها تمام السنة بسبعة اشهر وعشرين ليلة وصية“

اللہ ﷻ نے سارے سال معتدہ رکھے مطلب یہ کہ چار مہینے دس دن تو پہلی آیت کے ماتحت تھے، اب اس کے

اوپر اضافہ کر دیا سات مہینے بیس راتوں کا وصیت کے طور پر کہ شوہر وصیت کر کے جائے کہ میری بیوی کو چار مہینے

دس دن کے بعد سات مہینے بیس راتیں مزید رکھنا۔

”إِنْ شَاءَتْ مَسْكَنْتُ لِي وَصِيَّتَهَا“ اگر عورت چاہے تو اس وصیت کی مدت میں یعنی سات مہینے میں دن کی مدت میں چاہے تو وہ وہاں سکونت اختیار کرے، ”وَإِنْ شَاءَتْ خَرَجَتْ“ اور اگر چاہے تو نکل جائے۔ اللہ ﷻ کے ارشاد ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ کے یہی مطلب و معنی ہیں۔

”فَالْعِدَّةُ كَمَا هِيَ وَاجِبٌ عَلَيْهَا“ لہذا عدت جیسے پہلے چار مہینے دس دن واجب تھی، آج بھی چار مہینے دس دن واجب رہی، لیکن آگے سات مہینے بیس دن کے بارے میں عورت کو حق مل گیا کہ اگر وہ چاہے تو وہاں سکونت اختیار کرے اور اگر چاہے تو نہ کرے۔

”زعم ذلك عن مجاهد“ راوی ابن ابی نجیح نے اسکو مجاہد سے روایت کیا ہے یعنی ان کا قول ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر بیان کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ اب حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کی تفسیر نقل کر رہے ہیں۔

عطاء بن رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”لَسَخَتْ هَذِهِ الْآيَةُ عِدَّتَهَا عِنْدَ أَهْلِهَا“ اس آیت نے عورت کیلئے صرف شوہر کے گھر عدت گزارنے کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ ”هَذِهِ الْآيَةُ“ سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے ﴿مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾۔

﴿يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَشْهُرًا مُعْتَمِرًا﴾ والی آیت کا تقاضا کیا تھا کہ عدت کہاں گزارے؟ تو جواب یہ تھا کہ شوہر کے گھر میں گزارے، اب اس آیت نے شوہر کے گھر عدت گزارنے کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ یہ سمجھ لینا کہ یہ جو ”لَسَخَتْ“ کا تعلق ہے ”عِنْدَ أَهْلِهَا“ سے ہے ”عِدَّتَهَا“ سے نہیں ہے یعنی عدت تو برقرار رہی لیکن وہ عدت اپنے شوہر کے گھر میں گزارے گی اس کو منسوخ کر دیا۔

”لَتَعْدُ حَيْثُ شَاءَتْ“ عورت جہاں چاہے عدت گزارے، شوہر ہی کے گھر پر گزارنے کی پابندی نہیں رہی اور یہ پابندی اس واسطے نہیں رہی کہ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ گھر سے نہیں نکالی جائیں گی یعنی اولیاء کے اوپر تو لازم ہے کہ ان کو رکھیں لیکن اگر وہ خود نکلتا چاہے تو جہاں چاہے چلی جائے۔

گویا کہ حضرت عطاء بن رباحؓ کا کہنا یہ ہوا کہ یہ جو حق دیا گیا ہے جہاں چاہے عدت گزارے، یہ صرف مدت وصیت سات مہینے بیس دن میں نہیں بلکہ پورے سال میں اور اس میں چار مہینے دس دن کے ابتدائی ایام بھی داخل ہیں، اس میں بھی اس کیلئے ضروری نہیں کہ شوہر کے گھر میں عدت گزارے۔

پھر حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں ”إِنْ شَاءَتْ أَعْدَتْ عِنْدَ أَهْلِهَا وَمَسْكَنْتُ لِي وَصِيَّتَهَا“ اگر چاہے تو اپنے شوہر کے گھر میں عدت یعنی چار مہینے دس دن گزارے اور شوہر جو اس کے حق میں وصیت کر کے گیا ہے اس وصیت کی مدت یعنی ساتھ مہینے بیس بھی شوہر کے ورثاء کے ہاں سکونت اختیار کرے۔

”وَإِنْ شَاءَتْ خَرَجَتْ لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ﴾“ اور اگر عورت

چاہے تو عدت کہیں اور جا کر گزارے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ﴾ یعنی وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

اس کا حاصل یہی ہوا کہ عورت کو اختیار ہے کہ پوری عدت کی مدت میں بلکہ پورے سال جب چاہے وہ شوہر کے ہاں رہے، جب چاہے چلی جائے، ہاں! لیکن اولیاء کے ذمے لازم ہے کہ اس کو سال بھر تک سکنی دیں۔ اسکے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت منسوخ ہو گیا کہ ”ثم جاء الميراث فنسخ السكنى“ پھر میراث کی آیت آگئی تو سکنی کا جو حق عورت کا تھا، اور ورثاء کے ذمے تھا اس کو پورا کرنا، وہ منسوخ ہو گیا۔

”فتمت حدیث شاءت ولا سکنی لہا“ کہ اب جہاں چاہے عورت اپنی عدت گزارے وراں کو سکنی و نفقہ کا حق اپنے شوہر کے گھر میں نہیں ملے گا۔

۴۵۳۲ - حدیثی حبان: أخبرنا عبد الله: أخبرنا عبد الله بن عون، عن محمد بن سيرين قال: جلست إلى مجلس فيه عظم من الأنصار وفيهم عبد الرحمن بن أبي ليلى. فذكرت حديث عبد الله بن عتبة في شأن سبيعة بنت الحارث فقال عبد الرحمن: ولكن عمه كان لا يقول ذلك. فقلت: إني لجرى إن كذبت على رجل في جانب الكوفة، ورفع صوته قال: ثم خرجت فلقيت مالك بن عامر، أو مالك بن عوف، قلت: كيف كان قول ابن مسعود في المتوفى عنها زوجها وهي حامل؟ فقال: قال ابن مسعود: أنجعلون عليها التخليط ولا تجعلون لها الرخصة؟ فنزلت سورة النساء القصوى بعد الطولى. [أنظر: ۴۹۱۰] ۹۳

وقال أيوب، عن محمد: لقيت أبا عطية مالك بن عامر.

۹۳ و سنن ابی دالد، کتاب النکاح، باب لیمن تزوج ولم یسم صداقاً حتی مات، رقم: ۲۱۱۲، و کتاب الطلاق، باب فی عدة الحامل، رقم: ۲۳۰۷، و سنن الترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی الرجل یتزوج المرأة فیموت عنها قبل ان یفرضلها، رقم: ۱۱۴۵، و سنن النسائی، کتاب النکاح، باب اباحه الزوج بغير صداق، رقم: ۳۳۵۲، ۳۳۵۵، ۳۳۵۶، ۳۳۵۸، و کتاب الطلاق، باب عدة الحامل المتوفى عنها زوجها، رقم: ۳۵۲۱، ۳۵۲۳، ۳۵۲۴، ۳۵۲۵، و سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب الرجل یتزوج ولا یفرض لها فیموت علی ذلک، رقم: ۱۸۹۱، و کتاب الطلاق، باب الحامل المتوفى عنها زوجها اذا وضعت حلت للأزواج، رقم: ۲۰۳۰، و مسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، مسند عبد الله بن مسعود، رقم: ۴۰۹۹، ۴۲۷۶، و مسند المکین، حدیث معقل بن سنان الأشجعی، رقم: ۱۵۹۳۳، و أول مسند الکوفین، حدیث الجراح و ابی سنان الأشجعی، رقم: ۱۸۴۶۰، ۱۸۴۶۱، ۱۸۴۶۲، ۱۸۴۶۳، ۱۸۴۶۶، و سنن الدارمی، و من کتاب النکاح، باب الرجل یتزوج المرأة فیموت قبل ان یفرض لها، رقم: ۲۲۹۲

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں موجود تھا، اس مجلس میں اکابر انصار موجود تھے اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے وہ حدیث بیان کی جو عبد اللہ بن عتبہ نے سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے متعلق روایت کی تھی، تو عبدالرحمن کہنے لگے کہ لیکن عبد اللہ بن عتبہ کے چچا (حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ) اس کے قائل نہیں تھے۔ پھر میں نے کہا کہ تب تو میں نے جھوٹ بولنے میں بہت جرأت کی ہے اس شخص کے بارے میں جو شخص کوفہ میں بیٹھے ہیں، ان کی آواز ذرا بلند ہوگئی۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں باہر نکلا تو میری ملاقات عامر بن مالک (راوی کو شک ہے) یا مالک بن عوف سے ہوئی، چنانچہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ بتائیے ابن مسعود ؓ اس حاملہ عورت کے متعلق کیا کہتے ہیں جس کا خاوند مر جائے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابن مسعود ؓ کا قول ہے کہ تم لوگ اس پر سختی کے متعلق کیوں سوچتے ہو اس کو رخصت کیوں نہیں دیتے ہو؟ کیونکہ چھوٹی سورۃ النساء بڑی سورت (سورۃ البقرۃ) کے نازل ہوئی۔ ابویوب کہتے ہیں کہ محمد بن سیرین نے بیان کیا کہ میں نے ابو عطیہ مالک بن عامر سے ملاقات کی تھی۔

حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

اس حدیث کے تشریح سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن کریم کی دو آیتیں ہیں:
 ایک آیت وہی عدت والی ﴿وَعَرَضْنَ بِنَفْسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾۔
 دوسری آیت جو کہ سورۃ الطلاق کی ہے اس میں حاملہ کی عدت، اُس کا وضع حمل قرار دیا گیا ہے۔
 ﴿وَاُولَئِكَ الْاَخْمَالُ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: ۴]
 ترجمہ: اور جو عورتیں حاملہ ہوں، اُن کی (عدت کی) میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں۔

یعنی حاملہ وضع حمل کے بعد عدت سے خارج ہو جاتی ہے، کیونکہ سورت الطلاق کی یہ آیت، سورۃ البقرۃ میں موجود عدت کے حکم کے بعد نازل ہوئی ہے۔

تو جمہور کا مسلک یہ ہے سورۃ طلاق کا حاصل یہ ہے کہ اگر عورت حاملہ ہے اور اس کا وضع حمل ہو گیا تو عدت پوری ہو جائے گی، چاہے چار مہینے دس دن پورے نہ ہوئے ہوں، گویا سورۃ الطلاق کی آیت نے سورۃ البقرۃ کی آیت میں تخصیص پیدا کی ہے کہ یعنی سورۃ البقرۃ کی آیات غیر حاملہ کے لئے آئی ہے اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے یعنی وضع حمل سے اس کی عدت پوری ہو جائے گی چاہے اگلے دن ہی وضع حمل ہو جائے، یہ جمہور کا قول ہے۔

اور اسکی تائید حضرت سبیحہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے ہوتی ہے کہ ان کا معاملہ یہ تھا کہ ان کے شوہر کا انتقال ہوا اور انتقال ہونے کے چار مہینے دس دن کی مدت پوری نہیں ہوئی تھی کہ بہت ہی کم دنوں میں ان کے ہاں ولادت ہو گئی تو ولادت ہونے کے بعد نفاس کی مدت گزر گئی۔

تو انہوں نے زیب وزینت شروع کر دی اور لوگوں نے پیغام بھی دینا شروع کر دیا، لوگوں نے اس بات کو برا سمجھا کہ ابھی تو چار مہینے دس دن کی مدت پوری نہیں ہوئی اور انہوں نے زیب وزینت شروع کر دی اور پیغام بھی آنے لگے ہیں تو حضور اکرم ﷺ کے پاس معاملہ پہنچا تو آپ نے فرمایا ”قد حلت لکھی ماشئت“ تم حلال ہو گئی ہو جس سے چاہو نکاح کر لو۔ ۹۵

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ حاملہ ہو تو ”اہعد الاجلین“ عدت گزارے گی یعنی وضع حمل ہو گیا تو چار مہینے دس دن پورا کرے گی اور اگر چار مہینے دس دن پورے ہو گئے تو وضع حمل تک عدت پورا کرے گی اور روافض و شیعوں کا یہی مسلک ہے۔ ۹۶

حدیث کی تشریح

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسی مجلس میں بیٹھا جس میں اکابرین انصار کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی اور انہیں میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ بھی تشریف فرما تھے۔

”فذكرت حديث عبد الله بن عتبة بن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم في شأن سبيعة بنت الحارث“ اس موقع پر میں نے وہاں سبیحہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں عبداللہ بن عتبہ کی حدیث ذکر کی جو وہ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”ولكن عمه كان لا يقول ذلك“ لیکن ان کے چچا یہ بات نہیں کہتے ہیں یعنی آپ سبیحہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کا واقعہ عبداللہ بن عتبہ کے حوالہ سے بیان کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے چچا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اسکے قائل نہیں تھے۔

یعنی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ یہ سمجھتے تھے وہ ”اہعد الاجلین“ کے قائل تھے اور مجرد وضع حمل سے انقضاء عدت کے قائل نہیں تھے۔

۹۵ من النسانی، کتاب الطلاق، باب عدة الحامل المتوفى عنها زوجها، رقم: ۳۵۰۹

۹۶ وكان ابن عباس يجمع عليها العدتين لتعدد أقصاهما وذلك لأن أحدهما لرفع الأخرى، فلما أمكن الجمع بينهما جمع.

وأما عامة الفقهاء فالأمر عندهم محمول على التخصيص لخبر سبيعة الأسلمية. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۷۶

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں پھر میں نے کہا کہ "إلى لجرى إن كذبت على رجل في جانب الكوفة" یعنی عبد الرحمن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ اس طرح کہنے سے ایک طرح سے ان کی تکذیب ہوئی کہ تم عبد اللہ بن عتبہ پر جھوٹ اور افتراء باندھ رہے ہو، انہوں نے یہ روایت نہیں کی ہوگی، تو اس پر میں نے کہا میں بڑا جری ہوں اگر میں جھوٹ بولوں ایک ایسے شخص کے اوپر جو کوفہ میں بیٹھا ہوا ہے، جس سے ہر وقت تصدیق کی جاسکتی ہے کہ اس نے یہ روایت بیان کی یا نہیں۔

"ورفع صوته" محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے یہ بات بلند آواز سے کہی تاکہ ان پر جو جھوٹ کا الزام ہے وہ جلدی سے دفع ہو جائے۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں پھر جب میں مجلس سے باہر نکلا "فلقيت مالک بن عامر، او مالک بن عوف" تو میری ملاقات مالک بن عامر یا مالک بن عوف سے ہوئی، جو حضرت عبد اللہ بن مسعود کے شاگرد تھے، یہاں پر راوی کو شک ہے کہ محمد بن سیرین نے مالک بن عامر کہا تھا یا مالک بن عوف؟

تو میں نے پوچھا کہ "كيف كان قول ابن مسعود في المتوفى عنها زوجها وهي حامل؟" وہ حاملہ عورت جس کے شوہر کا انتقال ہو جائے، اس کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کیا فرماتے تھے یعنی ان کا متوفیٰ عنہا زوجہا کے بارے میں کیا مذہب تھا؟

تو عبد اللہ بن عتبہ نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ نے تو اسکے بارے میں یہ کہا ہے کہ "اتجعلون عليها التغليظ ولا تجعلون لها الرخصة؟" اس بیچاری پر تم سختی تو کرتے ہو اور اسکو رخصت نہیں دیتے یعنی اگر چار مہینے دس دن پہلے پورے ہو گئے، وضع حمل نہیں ہوا اور حمل باقی ہے تو تم اس پر تغلیظ کرتے ہو کہ تمہاری عدت نہیں گزری، حمل تک انتظار کرنا ہوگا لیکن وضع حمل پہلے ہو جائے تو رخصت نہیں دیتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ اس معاملے میں جمہور کے قول کے قائل تھے۔

اور فرمایا کہ "لنزلت سورة النساء القصرى بعد الطولى" یہ اس وجہ سے کہ چھوٹی سورۃ النساء بڑی سورت کے بعد بعد نازل ہوئی ہے۔

یہاں "سورة لساء القصرى" سے مراد "سورة الطلاق" ہے جس میں حاملہ کی عدت کا حکم ہے، "الطولى" سے مراد "سورة البقرة" ہے۔

سورة البقرة جس میں چار مہینے دس دن عدت کا حکم ہے، وہ پہلے نازل ہوئی اور سورة النساء جس میں حاملہ کی عدت وضع حمل کا بیان ہے وہ بعد میں نازل ہوئی۔

گویا اشارہ کر دیا کہ وضع حمل والی جو آیت ہے وہ ناسخ ہے یا مقید - اور تخصص ہے "سورة البقرة" کی آیت کیلئے۔

ای مطہین۔

ترجمہ: ”قالتین“ یہاں پر ”مطہین“ کے معنی میں ہے جس کا مطلب فرماں بردار ہے۔

۴۵۳۴۔ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن اسماعيل بن أبي خالد، عن الحارث ابن شبيب، عن أبي عمرو والشيباني، عن زيد بن أرقم قال: كنا نتكلم في الصلاة، يكلم أحدا أخاه في حاجته حتى نزلت هذه الآية ﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَائِمِينَ﴾ فأمرنا بالسكوت. [راجع: ۱۲۰۰]

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم کو نماز میں اگر کوئی ضرورت پیش آ جاتی تھی تو ہم باتیں کر لیا کرتے تھے، تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا لِلَّهِ قَائِمِينَ﴾، تو ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا۔

(۴۴) باب قوله: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ﴾ [۲۳۹]

اس ارشاد کے بیان میں کہ: ”اور اگر تمہیں (دشمن کا) خوف لاحق ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں (نماز پڑھ لو) یہاں تک کہ تم امن میں آ جاؤ“۔

صلاة الخوف

جنگ کی حالت میں جب باقاعدہ نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو اس بات کی اجازت ہے کہ انسان کھڑے کھڑے اشارے سے نماز پڑھ لے، البتہ چلتے ہوئے پڑھنا جائز نہیں۔ اگر کھڑا ہونے کا بھی موقع نہ ہو تو نماز قضاء کرنا بھی جائز ہے۔

وقال ابن جبير: ﴿كُزَيْبَةُ﴾ [۲۵۵]: علمه، يقال: ﴿بَسْطَةُ﴾ [۲۳۷]: زيادة لفضلاً. ﴿الْرِغْ﴾ [۲۵۰]: أنزل. ﴿وَلَا يُوْذَةُ﴾ [۲۵۵]: لا يثقله، أدنى: أثقلني، والآد والأيد: القوة.

ترجمہ: حضرت ابن جبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”کُزَيْبَةُ“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے، اور بیان کیا جاتا ہے کہ ”بَسْطَةُ“ سے مراد زیادتی اور فضیلت ہے۔ ”الْرِغْ“ سے مراد اتارنا ہے۔ ”وَلَا يُوْذَةُ“ سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں یعنی آسمان و زمین کی حفاظت کا کوئی بار نہیں ہے، اسی سے ”آدنی“ نکلا ہے یعنی مجھ کو بوجھل کر دیا

اور ”الآد۔ الاید“ قوت کو کہتے ہیں۔

﴿السِّنَّة﴾: النعاس، ﴿لَمْ يَتَسَنَّ﴾ [۲۵۹] لم يتغير، ﴿فَبُهِتَ﴾ [۲۵۸]: ذهبت حجتہ۔
﴿خَاوِيَةً﴾ [۲۵۹] لا أنيس فيها۔ ﴿عُرُوشَهَا﴾: ابنيتها، ﴿نُنْشُزُهَا﴾ [۲۵۹]: نخرجها۔
ترجمہ: ”السِّنَّة“ کے معنی اونگھنے کے ہیں، ”لَمْ يَتَسَنَّ“ بمعنی نہیں بگڑا، ”فَبُهِتَ“ دلیل میں ہار گیا،
”خَاوِيَةً“ کا مطلب ہے خالی جگہ جہاں کوئی ہدم نہ ہو۔ ”عُرُوشَهَا“ بمعنی اسکی عمارتیں، ”نُنْشُزُهَا“ کا مطلب
ہے کہ ہم نکالتے ہیں۔

﴿إِغْصَارٌ﴾ [۲۶۲]: ريح عاصف تهب من الأرض الى السماء كعمود فيه نار. وقال
ابن عباس: ﴿صَلْدًا﴾ [۲۶۳]: ليس عليه شيء۔
ترجمہ: ”إِغْصَارٌ“ کے معنی ہیں کہ تیز ہوا جو زمین سے اٹھ کر آسمان کی طرف سیدھی ایک تیر کی طرح جاتی
ہے، اس میں آگ ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”صَلْدًا“ کا معنی چکنا صاف جس پر
کچھ نہ رہے۔

وقال عكرمة: ﴿وَابِلٌ﴾ [۲۶۳]: مطر شديد. الطل: الندى. وهذا مثل عمل
المؤمن. ﴿يَتَسَنَّ﴾ [۲۵۹]: يتغير۔

ترجمہ: حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے کہتے ہیں کہ ”وَابِلٌ“ بمعنی زور کا مینہ بارش، ”الطل“ کے معنی شبنم،
ہلکی بارش کے ہیں اور یہ مؤمن کے نیک عمل کی مثال ہے۔ ”يَتَسَنَّ“ کے معنی بدل جائے بگڑ جائے۔

۴۵۳۵۔ حدثنا عبد الله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن نافع: أن عبد الله بن عمر
رضي الله عنهما كان إذا سئل عن صلاة الخوف قال: يتقدم الامام وطائفة من الناس فيصلي
بهم الامام ركعة وتكون طائفة منهم بينهم وبين العدو لم يصلوا، فإذا صلوا المدين معه
ركعة استأخروا مكان الذين لم يصلوا ولا يسلمون. ويتقدم الذين لم يصلوا فيصلون معه
ركعة ثم ينصرف الامام وقد صلى ركعتين، فيقوم كل واحد من الطائفتين فيصلون
لأنفسهم ركعة بعد أن ينصرف الامام، فيكون كل واحد من الطائفتين قد صلى ركعتين۔
فان كان خوف هو اشد من ذلك صلوا رجالاً قياماً على أقدامهم أو ركباً مستقبلي
القبلة أو غير مستقبلها۔

قال مالك: قال نافع: لا أرى عبد الله بن عمر ذكر ذلك إلا عن رسول الله ﷺ۔

[راجع: ۹۴۲]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب کسی شخص

نے صلوٰۃ الخوف پڑھنے کا طریقہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ امام آگے کھڑا ہو اور کچھ لوگ اس کے ساتھ کھڑے ہوں اور کچھ لوگ دشمن کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ نماز میں شامل نہ ہوں، پھر جب امام کے ساتھ والے لوگ ایک رکعت پڑھ چکیں تو پیچھے ہٹ کر ان کی جگہ چلے جائیں، جو نماز میں شامل نہیں ہوئے تھے، اس کے بعد وہ لوگ آئیں اور امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھیں، اب امام کو سلام پھیر دینا چاہئے کیونکہ وہ دونوں رکعت پڑھ چکا ہے اور دوسرے لوگ اپنی دوسری رکعت پوری کریں اور اس طرح سب کی دو دو رکعت پوری ہو جاتی ہیں اور اگر خوف کی حالت اس سے بھی زیادہ شدید ہو، تو پھر ہر شخص اکیلا نماز پڑھ لے اپنے قدموں پر کھڑے کھڑے یا سواری کی حالت میں چاہے قبلہ کی رخ ہو یا نا ہو۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نافع رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ سے ہی روایت کیا ہے (یعنی آپ ﷺ کا بیان کردہ طریقہ ہی بتایا ہے)۔

فقہی مسئلہ: صلوٰۃ خوف

شافعیہ اور دیگر کا مسلک

امام شافعی، امام بخاری اور اکثر ائمہ رحمہم اللہ اجمعین یہ فرماتے ہیں کہ عین قتال کی حالت میں اگر نماز کا وقت آگیا اور وہ مجاہد اپنی سواری پر موجود ہے اور تلوار چلا رہا ہے تو اسی حالت میں گھوڑے پر بیٹھے ہوئے ہی اشارہ سے نماز پڑھ لے یہ ”رکباناً“ کی تفسیر ہے۔

اگر پیادہ ہے تو چلتے چلتے اشارہ سے جس طرح پڑھ سکتا ہو تو نماز پڑھے یہ ”قرباناً“ کی تفسیر ہے۔

احناف کا مسلک

احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر یہ مجاہد سوار ہے اور مطلوب ہے یعنی کوئی دشمن اس کے تعاقب میں ہے اور اس کو طلب کر رہا ہے تو اس صورت میں گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

لیکن اگر یہ مجاہد مطلوب نہیں بلکہ طالب ہے یعنی کسی دشمن کے تعاقب میں ہے تو اس صورت میں یہ گھوڑے سے نیچے اتر کر نماز پڑھے، یہ ”رکباناً“ کی صورت ہے۔

”قرباناً“ کا معاملہ یہ ہے کہ ”قائماً“ یعنی ایک ہی جگہ کھڑے کھڑے پڑھ سکتا ہے لیکن ”ماہیاً“

یعنی چلتے ہوئے نہیں پڑھ سکتا۔ ۹۸

اگر ایسی نوبت آجائے کہ کھڑا ہونے کا موقع نہ ملے تو مجبوری ہے، قضا پڑھے جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے غزوہ خندق میں قضا فرمائی۔ ۹۹

اس لئے معلوم ہوا کہ خفیہ کے ہاں چلتے چلتے نماز کا کوئی تصور نہیں ہے جبکہ دوسرے حضرات کے ہاں یہ صورت جائز ہے۔

اور بظاہر یوں لگتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی جزوی تائید کی ہے، اسی لئے یہ فرمایا ہے ”رجالاً قیاماً علی الدامہم“ یعنی ”ماشیا“ کے معنی نہیں کئے ہیں بلکہ ”قائم“ کے معنی کئے ہیں اور حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ”قائم“ معنی ”ماشیا“ نہیں ہیں۔ ۱۰۰

(۴۵) باب: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ [۲۴۰]

باب: ”اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں“۔

۴۵۳۷۔ حدثنی عبد اللہ بن ابی الأسود: حدثننا حمید بن الأسود ویزید بن زریع قالا: حدثننا حبیب بن الشہید، عن ابن ابی ملیکہ قال: قال ابن الزبیر: قلت لعثمان: هذه الآية التي في ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ الى قوله: ﴿غَيْرِ اخْرَاجٍ﴾ قد نسخها الآية الاخرى فلم تكتبها؟ قال: تدعها يا ابن أخي، لا أغبر شيئا منه من مكانه.

قال حميد: أو نحو هذا. [راجع: ۴۵۳۰]

۹۸، ۹۹۔ ومذاهب الفقهاء في هذا الباب، فعند أبي حنيفة: إذا كان الرجل مطلوبا فلا بأس بصلاته سالرا، وإن كان طالبا فلا. وقال مالك وجماعة من أصحابه: هما سواء، كل واحد منهما يصلي على دابته. وقال الأوزاعي والشافعي في آخره: كقول أبي حنيفة، وهو قول عطاء والحسن والثوري وأحمد وأبي ثور وعن الشافعي: إن خاف الطالب فوت المطلوب أو ما وإلا فلا. عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۱۴۶

۹۹۔ والحديث أخرجه البخاري ومسلم وغيرهما، وهو ما روى عن حذيفة قال: ((سمعت النبي ﷺ يقول يوم الخندق: شغلونا عن صلاة العصر - قال: ولم يصلها يومئذ حتى غربت الشمس - ملائكة يورهم نارا وقلوبهم نارا وبيوتهم نارا))

هذا لفظ الطحاوي. عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۱۴۰، وإعلاء السنن، ج: ۸، ص: ۲۰۶

۱۰۰۔ تفصیل کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، کتاب الخوف، رقم: ۹۴۳، ۹۴۴، ج: ۳، ص: ۱۲۷

ترجمہ: حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان ؓ سے کہا کہ یہ آیت ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ تا ﴿غَيْرِ أَخْوَاجٍ﴾، دوسری آیت سے منسوخ ہوگئی، تو پھر آپ ا سے مصحف میں کیوں لکھ رہے ہیں؟ حضرت عثمان بن عفان ؓ نے فرمایا اے بھتیجے! میں توجہ نازل ہوا ا سے لکھوں گا اور کوئی چیز بدلوں گا نہیں۔

راوی حمید بن اسود کہتے ہیں کہ یا اسی طرح کہا جیسے متن میں موجود ہے (حمید کو شک کو ہوا اس لئے کہا)۔

(۴۶) باب: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُخَيِّمُ الْمَوْتَى﴾ [۲۶۰]

باب: ”اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟“۔

﴿فَضْرُؤُنْ﴾: قطعہن۔

ترجمہ: ”فَضْرُؤُنْ“ بمعنی ”قَطْعُهُنْ“ کہ ان چڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔

۳۵۳۷۔ حدثنا أحمد بن صالح: حدثنا ابن وهب: أخبرني يونس، عن ابن شهاب، عن أبي سلمة وسعيد، عن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ((لحن أحق بالشك من إبراهيم إذ قال: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُخَيِّمُ الْمَوْتَى قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قُلُوبِي﴾)) [راجع: ۳۳۷۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم شک کرنے کے زیادہ حق دار ہیں حضرت ابراہیم ؑ سے کہ جب انہوں نے کہا ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُخَيِّمُ الْمَوْتَى قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قُلُوبِي﴾۔

تشریح

حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”لحن أحق بالشك“ ہم اس بات میں یعنی مردہ کو دوبارہ زندہ کرنے کے بارے میں حضرت ابراہیم ؑ سے زیادہ شک کرنے کے حق دار ہیں۔

مراد یہ ہے کہ اگر شک ہوتا تو ہمیں ہوتا، لیکن جب ہمیں اس میں شک نہیں ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بطریق اولیٰ اس بات میں شک نہیں ہوگا، لہذا کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہوں نے جو سوال کیا تھا وہ شک کی بناء پر کیا تھا، بلکہ اطمینان قلب کیلئے کیا تھا، یہ مقصود ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ ”لحسن احق“ یہ تو اضعافاً ہے، ورنہ یہ بات ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔

پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، جس میں یہ واقعہ مذکور ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْحَنِي كَيْفَ تُخَيِّمُ الْمَوْتَى قَالَ

أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لَّيَطْمِئِنَّ قُلُوبِي﴾

ترجمہ: اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے کہا تھا

کہ میرے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ مردوں کو کیسے

زندہ کرتے ہیں؟ اللہ نے کہا: ”کیا تمہیں یقین نہیں؟“

کہنے لگے: ”یقین کیوں نہ ہوتا؟ مگر (یہ خواہش اس لئے کی

ہے) تاکہ میرے دل کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے۔“

کیفیت احیاء و یکھنا مقصود تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ سوال ہی کیوں پیدا ہوا، جبکہ وہ حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایمان لانے میں

اس وقت کی ساری دنیا سے زیادہ یقین رکھتے تھے؟

جواب یہ ہے کہ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ﷺ کا سوال کسی شک و شبہ کی بنیاد پر تھا ہی نہیں،

بلکہ سوال منشاء صرف یہ تھا کہ حق تعالیٰ قیامت میں مردوں کو زندہ کریں گے، اُن کی قدرتِ کاملہ سے یہ کسی بھی

طرح مستبعد یا حیرت انگیز نہیں، بلکہ یقینی ہے، لیکن مردہ کو زندہ کرنے کا کام انسان کی طاقت سے باہر ہے، اس

نے کبھی کسی مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھا نہیں اور مردہ کو زندہ کرنے کی کیفیات و صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔

انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کے مشاہدہ میں نہ ہو اس کی کیفیات کی کھوج لگانے کی فکر میں رہا کرتا

ہے، اس میں اس کا خیال مختلف راہوں پر چلتا ہے، جس میں ذہنی انتشار کی تکلیف بھی برداشت کرتا ہے، اس ذہنی

انتشار کو رفع کر کے قلب کو سکون مل جانے ہی کا نام اطمینان ہے، اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ درخواست

پیش فرمائی تھی۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان اور اطمینان میں کیا فرق ہے۔
ایمان اس اعتقادی یقین کا نام ہے جو انسان کو اللہ کے رسول کے اعتقاد پر کسی غیب کی بات کے متعلق حاصل ہو جائے۔

اور اطمینان سکونِ قلب کا نام ہے، بعض اوقات نظروں سے غائب کسی چیز پر یقین کامل تو ہوتا ہے، مگر قلب کو سکون اس لئے نہیں ہوتا کہ اس کی کیفیات کا علم نہیں ہوتا، یہ سکون صرف مشاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی حیات بعد الموت پر تو کامل ایمان و یقین تھا، سوال صرف کیفیتِ احیاء کے متعلق تھا۔ ۱۰

(۴۷) باب قولہ: ﴿أَيُّدُ أَخَذَكُمْ أَنْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَجِيلٍ وَأَعْنَابٌ﴾ إِلَى

قولہ: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾ [۲۶۶]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو“ تا ”تا کہ تم غور کرو“۔

ریا کاری کا انجام

یہ صدقات کو برباد کرنے کی مثال ہے، جس طرح ایک آگ سے بھرا بگولا ہرے بھرے باغ کو یکا یک تباہ کر ڈالتا ہے، اسی طرح ریا کاری یا صدقہ دے کر احسان جتلا نایا کسی اور طرح سے غریب آدمی کو ستانا صدقے کے عظیم ثواب کو برباد کر ڈالتا ہے۔

۳۵۳۸۔ حدثنا إبراہیم: أخبرنا هشام، عن ابن جریج: سمعت عبد الله بن أبي

ملیكة يحدث عن ابن عباس قال: وسمعت أخاه أبا بكر بن أبي ملیكة يحدث عن عبيد بن عمير قال: قال عمر رضی اللہ عنہ یوما لأصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لیم ترون هذه الآية نزلت؟ ﴿أَيُّدُ أَخَذَكُمْ أَنْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَجِيلٍ وَأَعْنَابٌ﴾ قالوا: الله أعلم. فغضب عمر، فقال: قولوا: نعلم، أولا نعلم. فقال ابن عباس: فی نفسی منها شیء یا أمیر المؤمنین، قال عمر: یا ابن أخی قل

ولا تحقر نفسك. قال ابن عباس: ضربت مثلاً لعمل قال عمر: أي عمل؟ قال ابن عباس: لعمل. قال عمر: لرجل غني يعمل بطاعة الله عز وجل ثم بعث الله له الشيطان لعمل بالمعاصي حتى أغرق أعماله. ﴿فَصُرْمُنْ﴾ لقطعهن.

ترجمہ: (پہلی سند) ابراہیم، ہشام سے روایت کرتے ہیں کہ ابن جریج نے عبد اللہ بن ابی ملیکہ سے سنا کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کرتے ہیں، (دوسری سند) ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن ابی ملیکہ کے بھائی ابوبکر بن ابی ملیکہ سے سنا کہ وہ عبید بن عمیر سے روایت کرتے تھے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے اصحاب رسول ﷺ سے پوچھا کہ اس آیت کے بارے میں تم لوگ کیا کہتے ہو کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ ﴿أَيُّوْذُ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَأَغْنَابُ﴾۔ صحابہ کرامؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے اس کے بارے میں۔ حضرت عمرؓ نے اس پر غصہ کا اظہار کیا، پھر کہا کہ تم لوگ صاف کہو کہ ہم کو معلوم ہے یا نہیں معلوم؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! میرے دل میں اس کے بارے میں ایک خیال ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا اے میرے بھتیجے! ضرور کہو اور خود کو کم تر خیال مت کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ یہ عمل کی مثال ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیسے عمل کی؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا بس عمل کی مثال ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ ایک مالدار آدمی کی مثال ہے، جو اللہ عزوجل کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر شیطان کو مسلط کر دیا تو گناہوں میں مبتلا ہو کر اپنے تمام نیک اعمال برباد اور ضائع کر دیئے۔

اعمال صالح کو ضائع کرنے والا عمل

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا کہ ”فہم ثرون هذه الآية نزلت؟“ اس آیت کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ کیوں نازل ہوئی؟ یعنی یہ آیت کریمہ ﴿أَيُّوْذُ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَأَغْنَابُ﴾ اس کے بارے میں پوچھا کہ یہ کس کے بارے میں یا کس سلسلے میں نازل ہوئی؟

صحابہ کرامؓ نے کہا کہ ”اللہ اعلم“ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس کے بارے میں۔

”فغضب عمر“ حضرت عمرؓ نے جب یہ جواب سنا تو اس پر ناراضگی اور غصہ کا اظہار کیا، پھر ان سے کہا کہ ”قلولوا: لعلم، اولاعلم“ تم لوگ صاف اور سیدھی بات کہو جانتے ہو یا نہیں جانتے؟ کیونکہ اللہ تو جانتا ہی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر جب رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام ﷺ سے کوئی بات پوچھتے تھے تو صحابہ یہ جواب دیتے تھے کہ ”اللہ ورسولہ أعلم“ کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے تو آپ ﷺ نے کبھی اس بات پر غصہ نہیں فرمایا کہ ایسے کیوں کہا، لیکن حضرت عمرؓ ناراض ہو گئے، اس کی کیا وجہ ہے؟

وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب اس طرح بات کرتے تھے کہ کیا یہ بات جانتے ہو؟ تو اس بات سے دراصل متوجہ کرنا مقصود ہوتا تھا یعنی آپ ایک بات فرمانا چاہتے ہیں اور اس کی طرف لوگوں کو متوجہ ہو جائیں۔ فی الواقعہ یہ مقصود نہیں کہ کون جانتا ہے اور کون نہیں جانتا بلکہ متوجہ کرنا مقصود ہوتا تھا تو اس لئے صحابہ کرام ﷺ یہ جواب دیتے کہ ”اللہ ورسولہ أعلم“ یعنی آپ بتائیے! ہم محتاج ہیں۔

جبکہ یہاں حضرت عمر فاروقؓ کے پوچھنے کا جو منشا تھا وہ امتحان تھا کہ بھئی! اس آیت کا مطلب کس کو آتا ہے اور کس کو نہیں آتا؟

اسکے جواب میں واضح طور پر یہ کہنا چاہئے تھا کہ مجھے آتا ہے یا مجھے نہیں آتا، اس لئے ناراضگی کا اظہار کیا۔ پھر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”لی نفسی منها شیء یا امیر المؤمنین“ اے امیر المؤمنین! میرے دل میں اس کے متعلق ایک بات ہے کہ یہ آیت اس بارے میں ہوگی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”یا ابن اخی قل ولا تحقر لنفسک“ اے میرے بھائی کے بیٹے یعنی بھتیجے! کہو جو بات تمہارے دل میں ہے آیت کے متعلق، اور اپنے آپ کو حقیر مت سمجھو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”ضربت مفلأ لعمل“ یہ اللہ ﷻ نے کسی عمل کی مثال دی ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”ای عمل؟“ کس عمل کی مثال دی ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”لعملی“ مطلقاً کوئی بھی عمل ہو، اس کے بارے میں فرمایا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”لرجل غنی بعمل بطاعة الله عز وجل“ یہ اصل میں مثال ہے ایسے شخص کی جو غنی مال دار ہے اور اللہ ﷻ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے، ”ثم بعث الله له الشيطان فعلم بالمعاصی“ لیکن پھر اللہ ﷻ نے اس کے پاس شیطان کو بھیج دیا اور اس نے بہکاوے میں آکر گناہ کے کاموں پر عمل کیا، ”حتى أغرق أعماله“ یہاں تک کہ اس نے اپنے تمام نیک اعمال کو غرق کر دیا، ضائع کر دیا۔

اعمال کو ضبط اور غرق کرنے کی صورت

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معصیت تو فی نفسہ ہے ہی معصیت، اس میں نیک اعمال کیسے ختم ہو سکتے؟ جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ معصیت خواہ کیسی بھی ہو لیکن وہ سابقہ کسی بھی نیکی کو باطل نہیں کرتی۔

پہلے اگر کوئی نیکی کی ہوئی ہے تو اپنی جگہ پر اس کا الگ ثواب ہے اور گناہ جو کیا ہے اس کا اپنی جگہ پر عذاب ہے، ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ تو دونوں کے اوپر عمل ہوتا ہے۔

یہ اعمال کو ضبط کرنے والی اور اعمال کو غرق کرنے والی بات کیسے ہو سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ”اعمالی اعمالہ“ کے معنی ہے اعمال میں معصیت غالب آگئی ہے، یہ نہیں ہے کہ وہ نیکیاں نامہ اعمال سے مٹ گئے، نامہ اعمال میں تو ہے لیکن بعد کی معصیتوں نے غلبہ پالیا یعنی وہ کثیر ہو گئی اور غلبہ پانے کی وجہ سے پچھلے اعمال کو ڈبو دیا کہ اس پر غالب آ گئے، لہذا آدمی جب آخرت میں آئے گا تو نیکیوں کے مقابلے میں معصیتیں غالب ہوں گی اور اس کی وجہ وہ جہنم میں جائے گا۔

حبط صرف کفر کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہیں اس عمل کی نحوست کے نتیجے میں تم خود کفر میں مبتلا ہو جاؤ اور کفر میں مبتلا ہو کر حبط اعمال میں مبتلا ہو جاؤ۔

نبی کریم ﷺ کی بے ادبی، گستاخی اور تکلیف پہنچانا سب کفر ہے اور کفر سے حبط اعمال ہو جاتا ہے۔

(۴۸) باب: ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾ [۲۷۳]

باب: ”وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے“۔

يقال: الحف على الخ. على واحفائي بالمسألة.

ترجمہ: ”الحف على الخ على واحفائي“ کا مطلب یہ ہے کہ لپٹ کر مانگتے یعنی مانگنے پر اصرار۔

آیت کا مفہوم

اس آیت سے بظاہر یہ مفہوم نکلتا ہے کہ مسکین وہ ہے جو لپٹ کر نہیں مانگتے، لیکن بغیر لپٹ کر مانگنے کی نفی نہیں ہے، چنانچہ بعض حضرات کا یہی قول ہے۔

لیکن جمہور کے نزدیک اس کے معنی یہ ہے کہ وہ سوال بالکل ہی نہیں کرتے، لَا تَهُمُّ مُتَعَفِّفُونَ عَنِ

الْمَسْأَلَةِ عِفَّةً تَامَةً۔ ۱۰۲

۳۵۳۹۔ حدثنا أبي مریم: حدثنا محمد بن جعفر قال: حدثني شريك بن أبي نمر:

۱ أن عطاء بن يسار وعبد الرحمن بن أبي عمرة الأنصاري قالا: سمعنا أبا هريرة رضي الله عنه يقول: قال النبي ﷺ: ((ليس المسكين الذي ترده العمرة والعمرتان ولا اللقمة ولا اللقمتان. إنما المسكين الذي يعفف، القرؤان شتم))، يعني قوله تعالى: ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾. [راجع: ۱۳۷۶]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے کہ جس کو ایک یادو کھجور اور ایک یادو لقمے کھانے کا لالچ در بدر لئے پھرتا ہے۔ بلکہ مسکین تو وہ ہے جو کسی سے سوال نہ کرے، اگر تم مسکین کا مطلب جانتا چاہتے ہو تو اس آیت کو پڑھو ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾۔

(۴۹) باب: ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ [۲۷۵]

باب: ”حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔“

﴿الْمَسْ﴾: الجنون.

ترجمہ: ”الْمَسْ“ کے معنی جنون، دیوانگی کے ہیں۔

۳۵۴۰۔ حدثنا عمر بن حفص بن غياث: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش: حدثنا مسلم،

عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها قالت: لما أنزلت الآيات من آخر سورة البقرة في الربا فقرأها رسول الله ﷺ على الناس. ثم حرم التجارة في الخمر. [راجع: ۳۵۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیات سود کے بارے میں نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے سب کے سامنے ان آیات کو پڑھا (اس کی حرمت ظاہر فرمادی)، اس کے بعد شراب کی تجارت کو بھی حرام کر دیا گیا۔

(۵۰) باب: ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا﴾ [۲۷۶]

باب: ”اللہ سود کو مٹاتا ہے۔“

يَذْهَبُ.

ترجمہ: ”يَمْحَقُ“ بمعنی ”يَذْهَبُ“ یعنی اللہ اس کو زائل کر دے گا، ہلاک کر دے گا۔

۳۵۴۱۔ حدثنا بشر بن خالد: أخبرنا محمد بن جعفر عن شعبة، عن سليمان

الأعمش: سمعت أبا الضحى يحدث عن مسروق، عن عائشة أنها قالت: لما أنزلت الآيات الأواخر من سورة البقرة، خرج رسول الله ﷺ فعلاهن في المسجد، فحرم التجارة في الخمر. [راجع: ۳۵۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ (گھر سے) باہر تشریف لائے، اور مسجد میں لوگوں کو پڑھ کر سنائیں، پھر اس کے بعد شراب کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

(۵۱) باب: ﴿فَأَذْنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ [۲۷۹]

باب: ”اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو“۔

۳۵۴۲۔ حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن منصور، عن أبي الضحى، عن مسروق، عن عائشة، قالت: لما أنزلت الآيات من آخر سورة البقرة قرأهن النبي ﷺ في المسجد وحرم التجارة في الخمر. ۵۳

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں، تو نبی کریم ﷺ نے مسجد میں لوگوں کو اس کا مطلب سمجھایا، پھر اس کے بعد شراب کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

(۵۲) باب: ﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾ [۲۸۰]

باب: ”اور اگر کوئی تنگ دست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے“۔

یعنی جب سود کی ممانعت آگئی اور اس کا لینا دینا موقوف ہو گیا تو اب تم مدیون مفلس سے تقاضا کرنے لگو

۵۳۔ فی صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب تحریم بیع الخمر، رقم: ۱۵۸۰، و سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب

فی ثمن الخمر والمیئة، رقم: ۳۴۹۰، و سنن النسائی، کتاب البیوع، بیع الخمر، رقم: ۴۶۶۵، و سنن ابن ماجہ، کتاب

الأخریة، باب التجارة فی الخمر، رقم: ۳۳۸۲، و مسند أحمد، مسند الصدیقة عائشة بنت الصدیق رضی اللہ عنہما،

رقم: ۴۶۹۲، ۲۳۹۶۰، ۲۵۵۳۲، ۲۵۵۷۶، ۲۶۳۷۵

یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے بلکہ مفلس کو مہلت دو اور توفیق ہو تو بخش دو۔ ۵۳

۳۵۴۳۔ وقال محمد بن يوسف، عن صفیان، عن منصور والأعمش، عن أبي الضحی، عن مسروق، عن عائشة قالت: لما أنزلت الآيات من آخر سورة البقرة قام رسول الله ﷺ لقراهن علينا ثم حرم العجارة في الخمر. [راجع: ۳۵۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سورہ بقرہ کی آخری چند آیات نازل ہوئیں، تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، ان آیات کو ہمارے سامنے پڑھا، پھر اس کے بعد شراب کی تجارت کو حرام فرمایا۔

حرمتِ خمر اور رِبا

ان روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ نے وہ آیات مسجد میں تلاوت فرمائی پھر خمر کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

سوال: یہاں اشکال یہ ہے کہ یہاں کہا گیا ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیات نزول کے اعتبار سے بھی آخری آیات ہیں جو نبی کریم ﷺ کی عمر کے تقریباً آخری زمانے میں نازل ہوئیں۔ ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ [البقرة: ۲۶۱] کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سب سے آخری آیت ہے جو نازل ہوئی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ آخری آیتیں پڑھیں اور اس کے بعد یہ کہا کہ ”ثم حرم العجارة في الخمر“ پھر خمر کی تجارت کو حرام قرار دیا گیا، حالانکہ خمر کی تجارت بہت پہلے حرام ہو چکی تھی؟ جواب: یہاں پر ”ثم“ یہ تراخی زمانی کے لئے نہیں بلکہ تراخی میان کیلئے ہے، کیونکہ بعض اوقات ”ثم“ تراخی میان کیلئے آتا ہے۔

مثال کے طور پر ﴿ثُمَّ اسْعَوْا إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ﴾ [البقرة: ۲۹]۔ یہاں اس آیت میں ”ثم“ اس لئے نہیں ہے کہ پہلے زمین بنائی پھر آسمان بنائے، بلکہ بہت سے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ ترتیب اس کے برعکس ہے کہ آسمان پہلے بنایا گیا جیسا کہ قرآن شریف میں دوسری جگہ ﴿وَالْأَرْضُ مَغْدًا ذَلِكْ دَحَاهَا﴾ [الذاريات: ۳۰] ہے کہ زمین بعد میں بنائی آسمان پہلے بنے۔

لیکن یہاں ”ثم“ تراخی میان کیلئے ہوگا، مطلب یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہہ رہی ہیں کہ خمر پینا تو حرام کیا ہی تھا پھر اس کی تجارت بھی حرام فرمائی۔

یہاں ”پھر“ سے مطلب یہ ہے کہ اس کے علاوہ تجارت کو بھی حرام کیا۔
اگر ”نہم“ تراخی بیان کیلئے ہو، تراخی زمان کیلئے نہ ہو تو کوئی اشکال نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں پر
تھوڑا سا کسی راوی سے لفظوں میں کوئی بات آگے پیچھے ہو گئی ہو۔

ربا سود کب حرام ہوا؟

ربا کی حرمت کے وقت کے بارے میں مختلف روایتیں ملتی ہیں۔

بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری آیت ہے جو ربا کے بارے میں نازل ہوئی۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے جو بڑی کثرت سے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے حجۃ

الوداع کے موقع پر ربا کی حرمت کا اعلان کیا۔

تیسرا یہ کہ سن دو ہجری میں، کیونکہ سود کے متعلق سورہ آل عمران میں یہ آیت آئی ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ [آل عمران: ۱۳۰] اور سورۃ آل عمران غزوہ احد کے آس پاس

نازل ہوئی ہے یعنی سن دو ہجری میں تو اس طرح روایتیں مختلف ہیں۔

بعض حضرات نے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حرمت ربا غزوہ احد یعنی سن دو ہجری میں

آگئی تھی لیکن اس کی تفصیلات نہیں آئی تھیں اور تفصیلات کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر کیا گیا تو اس طرح ہو سکتا

ہے کہ حرمت خمر کا تعلق سن دو ہجری کی تحریم سے ہے۔

یہاں ان روایات میں ”آخر سورۃ البقرۃ“ کا جو لفظ آیا ہے، اس سے ہو سکتا ہے کہ کسی راوی سے

وہم ہو گیا ہو، مراد ”آخر سورۃ البقرۃ“ نہیں بلکہ مراد ربا کی تحریم ہے اور ربا کی تحریم کا اعلان آپ ﷺ نے مسجد

میں فرمایا، اس کے بعد آپ ﷺ نے خمر کی تجارت کی حرمت کا اعلان فرمایا، تو پھر تراخی زمانی بھی مراد ہو سکتی ہے۔

(۵۳) باب: ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ [۲۸۱]

باب: ”اور ڈرو اس دن سے جب تم سب اللہ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔“

۳۵۴۴۔ حدثنا قبيصة بن عقبة: حدثنا سفيان، عن عاصم، عن الشعبي، عن ابن

عباس رضي الله عنهما قال: آخر آية نزلت على النبي ﷺ آية الرها. ۳۵۴۴

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ پر آخر میں جو آیت نازل ہوئی، وہ سود کے متعلق تھی۔

باعتبار نزول آخری آیت

”آیۃ الربوا“ سے مراد یہی ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُزْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ ہے۔
 ”آیۃ الربوا“ اس سے پہلے ہی نازل ہو چکی تھی، اسکی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ربوا کے معاملات ممنوع قرار فرمادیئے تھے اور اسی پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ”وَاتَّقُوا يَوْمًا“ مراد ہے، اسی کو آیت ربوا سے تعبیر فرمایا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا خیال ہے۔
 بعض حضرات کہتے ہیں باعتبار نزول آخری آیت ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ [المائدہ: ۳] ہے۔
 کسی نے کہا باعتبار نزول آیت میراث آخری آیت ہے، غرض یہ کہ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

(۵۴) باب: ﴿وَإِنْ تُبْذَرُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفَوُہُ يُحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ [الایۃ: ۲۸۴]

باب: ”اور جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں، خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے ان کا حساب لیگا۔“

احکام کے بیان کے بعد تہدید اور تنبیہ

اس سورت میں اصول و فروع عبادات و معاملات جانی و مالی ہر قسم کے احکامات بہت کثرت سے مذکور فرمائے اور شاید اس سورت کے سنام القرآن فرمانے کی یہی وجہ ہو۔ اس لئے مناسب ہے کہ بندوں کو پوری تاکید و تہدید بھی ہر طرح سے فرمادی جائے تاکہ تعمیل احکام مذکورہ میں کوتاہی سے اجتناب کریں۔
 سو اسی غرض کیلئے آخر سورت میں احکام کو بیان فرما کر اس آیت کو بطور تہدید و تنبیہ ارشاد فرما کر تمام احکام مذکورہ سابقہ کی پابندی پر سب کو مجبور کر دیا اور طلاق و نکاح قصاص و زکوٰۃ بیع و ربوا وغیرہ میں جو اکثر صاحب حیلوں اور اپنی ایجاد کردہ تدبیروں سے کام لیتے ہیں اور ناجائز امور کو جائز بنانے میں خود رانی اور سینہ زوری سے کام لیتے ہیں ان کو بھی اس میں پوری تنبیہ ہوگئی۔

دیکھئے جس کو ہم پر استحقاق عبادت حاصل ہوگا اس کو مالک ہونا چاہئے اور جو ہماری ظاہری اور مخفی تمام اشیاء کا محاسبہ کر سکے اس کو تمام امور کا علم ہونا ضروری ہے، اور جو ہماری تمام چیزوں کا حساب لے سکے اور ہر ایک

کے مقابلے میں جزاء و سزا دے سکے اس کو تمام چیزوں پر قدرت ہونی ضروری ہے۔
سوائے تین کمالات یعنی ملک اور علم اور قدرت کو یہاں بیان فرمایا اور انہی کا آیۃ الکرسی میں ارشاد ہو چکا ہے، مطلب یہی ہے کہ ذات پاک سبحانہ تمام چیزوں کی مالک اور خالق اس کا علم سب کو محیط، اس کی قدرت سب پر شامل ہے تو پھر اس کی نافرمانی کسی امر ظاہر یا مخفی میں کر کے بندہ کیونکر نجات پاسکتا ہے۔ ۱۰۵

۳۵۴۵۔ حدثنا محمد: حدثنا النعمانی: حدثنا مسکون: حدثنا شعبۃ، عن خالد الحذاء، عن مروان الأصغر، عن رجل من أصحاب النبی ﷺ وهو ابن عمر أنها قد نسخت: ﴿وَإِنْ تُبَدُّوْا مَا لِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ﴾ الآية. [الظر: ۳۵۴۶] ۱۰۶
ترجمہ: مروان اصغر نے نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی انہوں نے فرمایا کہ ﴿وَإِنْ تُبَدُّوْا مَا لِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ﴾ والی آیت سے منسوخ ہو گئی ہے۔

تشریح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿وَإِنْ تُبَدُّوْا مَا لِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ﴾ یہ آیت اب حکماً منسوخ ہو گئی ہے۔ ﴿لَا يَكْلَفُ اللّٰهُ نَفْسًا وَّلَا وُسْعَهَا﴾ [البقرہ: ۲۸۶] نے اس کو منسوخ کر دیا۔

(۵۵) باب قوله تعالى: ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ [۲۸۵]
باری تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہ رسول (یعنی حضرت محمد ﷺ) اس چیز پر ایمان لائے ہیں جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور (ان کے ساتھ) تمام مسلمان بھی۔“

ہر حال میں رب کی اطاعت

پہلی آیت سے جب یہ معلوم ہوا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب اور گرفت ہے تو اس پر صحابہ کرام ﷺ گھبرائے اور ڈرے اور ان کو اتنا صدمہ ہوا کہ کسی آیت پر نہ ہوا تھا۔

۱۰۵۔ تفسیر الکبیر، ج: ۷، ص: ۱۰۵، وتفسیر طبری، سورہ بقرہ، آیت: ۲۸۳، قاعدہ: ۱،

۱۰۶۔ الفرد بہ البخاری.

آپ ﷺ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا ”قُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا“ یعنی اشکال نظر آئے یا دقت محسوس ہو مگر حق تعالیٰ کے ارشاد کی تسلیم میں ادنیٰ توقف بھی مت کرو اور سینہ ٹھوک کر ”سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا“ عرض کر دو۔ آپ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی تو انشراح کے ساتھ کلمات زبان پر بے ساختہ جاری ہو گئے۔

مطلب ان کا یہ ہے کہ ہم ایمان لائے اور اللہ کے حکم کی اطاعت کی یعنی اپنی دقت اور غلجبان سب کو چھوڑ کر ارشاد کی تعمیل میں مستعدی اور آمادگی ظاہر کی حق تعالیٰ کو یہ بات پسند ہوئی تب یہ دونوں آیتیں اتریں:

اول ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ اس میں رسول کریم ﷺ اور ان کے صحابہ ﷺ کہ جن کو اشکال مذکور پیش آیا تھا ان کے ایمان کی حق سبحانہ نے تفصیل کے ساتھ مدح فرمائی جس سے ان کے دلوں میں اطمینان ترقی پاوے اور غلجبان سابق زائل ہو۔

اس کے بعد دوسری آیت ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ میں فرما دیا کہ مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی، اب اگر کوئی دل میں گناہ کا خیال اور خطرہ پائے اور اس پر عمل نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں اور بھول چوک بھی معاف ہے غرض صاف فرما دیا کہ جن باتوں سے بچنا طاقت سے باہر ہے جیسے برے کام کا خیال و خطرہ یا بھول چوک ان پر مواخذہ نہیں۔

ہاں جو باتیں بندہ کے ارادے اور اختیار میں ہیں ان پر مواخذہ ہوگا اب آیت سابقہ کو سن کر جو صدمہ ہوا تھا اس کے معنی بھی پچھلے قاعدہ کے موافق لینے چاہئیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور غلجبان مذکور کا اب ایسا قلع قمع ہو گیا کہ سبحان اللہ۔ ۷۱

وقال ابن عباس: ﴿إِضْرَأْ﴾ [۲۸۶] عهداً. ويقال: ﴿غُفْرَانِكَ﴾ [۲۸۵] مغفرتك، ﴿لَا غُفْرَانَكَ﴾ [۲۸۶].

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”إِضْرَأْ“ کے معنی عہد اور میثاق کے ہیں، ”غُفْرَانِكَ“ اور ”مغفرتك“ کے ایک ہی معنی ہے یعنی ہمیں معاف فرما دیجئے۔

(۳) سورة آل عمران

سورة آل عمران کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

وجہ تسمیہ

عمران - حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام ہے، اور ”آل عمران“ کا مطلب ہے ”عمران کا خاندان“۔ اس سورت میں اس خاندان کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سورت کا نام ”آل عمران“ ہے۔ یہ سورت مدنی ہے، اس کے شروع کی تراسی آیتیں نجران کے عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ۹ھ میں آئے تھے، جس کا مفصل بیان مباہلہ کی آیت ”قل تعالوا“ کی تفسیر میں عنقریب آئے گا ان شاء اللہ۔

﴿ثَقَاةٌ﴾ وثقیۃ واحده، ﴿صِرَ﴾ [۱۱۷]: برد۔ ﴿شَفَا حُفْرَةٍ﴾ [۱۰۳]: مثل شفا الركبة وهو حفر لها۔ ﴿تَبَوَّءُ﴾ [۱۲۱]: تغلغل معسکراً۔ ﴿رَبِّیُّونَ﴾ [۱۳۶]: الجموع، واحدها ربی۔ ﴿تَخْشَوْنَهُمْ﴾ [۱۵۲]: تسعاصلوهم لعل۔ ﴿عَزَّازٌ﴾: واحدها غاز۔ ﴿سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا﴾: سنحفظ۔ ﴿تُزَلَّ﴾ [۱۹۸]: ثواباً: ويجوز ومنزل من عند الله كقولك: أنزلته۔ ﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾: المسموم الذي له سيماء بعلامة أو بصوفة أو بما كان۔ وقال مجاهد: ﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾ [۱۳]: المظهمة الحسان۔ وقال سعيد بن جبیر: ﴿وَحَضُورًا﴾ [۳۹]: لا يأتى النساء۔ وقال عكرمة ﴿مِنْ قُورِهِمْ﴾ [۱۲۵]: غضبهم يوم بدر۔ وقال مجاهد: ﴿يَخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾: النطفة تخرج ميتة، ويخرج منها الحي۔ ﴿الْإِنْكَارُ﴾ [۳۱]: أول الفجر۔ ﴿وَالْعِشْيُ﴾ [۳۱]: ميل الشمس الى أن تغرب۔

ترجمہ و تشریح

”ثقاۃ“ اور ”ثقیۃ“ دونوں کے معنی ڈر اور بچاؤ کے ہیں، ”صیر“ بمعنی ٹھنڈک سردی۔
”شفا حفرۃ“ کا مطلب ہے گڑھے کا کنارہ جیسے کچے کنویں کا کنارہ۔

”تَبَوُّی“ یعنی تم محاذ پر فوج کو جمع کرتے تھے، ”رَبِیُّوْنَ“ ربی کی جمع ہے، یعنی اللہ والے لوگ۔
 ”تَحْشُوْنَهُمْ“ کا معنی ہے کہ تم قتل کر کے ان کو جڑ سے ختم کر رہے تھے۔
 ”غَزَا“ جمع ہے ”غَزَا“ کی یعنی جہاد کرنے والا۔ ”سَنَكْتُبُ“ ہم عنقریب محفوظ کر لیں گے۔
 ”نُزُلًا“ بمعنی ثواب کے، اور منزل بھی اسی معنی میں ہے جیسے کہ کسی کے سامنے کچھ پیش کریں۔
 ”وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ“ کے ترجمہ میں کہا کہ نشان لگانا، داغ لگانا، یہ لفظ ”سِیمَاء“ سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے وہ چیز جس کی کوئی علامت ہو کسی نشان کے ذریعے یا ادن کے ذریعے یا اور کوئی بھی علامت۔
 حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ“ سے مراد مکمل ساخت والے کامل الاعضاء، خوبصورت عمدہ گھوڑا۔

حضرت سعید بن جبیر اور عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی رجمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ”الْمُسَوَّمَةِ الرَّاعِيَةِ“ سے مراد چرنے والے مویشی یعنی جنگل میں آزادی سے چرنے والے۔
 حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”وَحَظُّوْا“ کے معنی ہیں وہ شخص جو عورت کے پاس نہ جائے یعنی مباشرت پر قادر نہ ہو۔
 حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”مِنْ فَوْرِهِمْ“ کے معنی غضب اور جوش کے ہیں، جو کفار نے غزوہ بدر کے دن دکھایا۔
 حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ”مِنْخَرِجُ الْحَيِّ مِنَ الْمَيِّتِ“ سے مراد نطفہ ہے کہ پہلے بے جان ہوتا ہے، پھر اسے جاندار بنا کر پیدا کرتا ہے۔
 ”الْإِنْكَارُ“ کے معنی ہیں فجر کا پہلا پہر یعنی صبح صادق۔
 ”وَالْعِشْيُ“ کے معنی ہیں جس وقت سورج ڈھلنے سے شروع ہو کر غروب تک جاتا ہے۔

(۱) باب: ﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُّنْعَكَمَاتٌ﴾ [۷]

باب: ”جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں۔“

قال مجاهد: الحلال والحرام ﴿وَأَعْرُفَتْ أَبْهَاتٌ﴾ يصدق بعضها بعض، كقوله تعالى: ﴿وَمَا يُضْلِلْ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾ [البقرة: ۲۶] وكقوله جل ذكره: ﴿وَيَجْعَلُ الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [يونس: ۱۰۰] وكقوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى وَأَتَاهُمْ

تَقْوَاهُمْ ﴿[محمد: ۱۷]۔

﴿زَنَعَ﴾: شک ﴿فَلْيَتَّبِعُونِ مَآثِرَآءَ الْفِتْنَةِ﴾ المشتبهات ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ يعلمون تاویلہ و ﴿يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ﴾ الآية [۷۷]۔

ترجمہ و تشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیات محکمات سے مراد وہ آیتیں ہیں جن میں حلال و حرام کے احکامات ہیں، اور آیات متشابہات وہ آیتیں ہیں جو بعض، بعض کی تصدیق کرتی ہیں، جیسے کہ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾

(مگر) وہ گمراہ انہی کو کرتا ہے جو نافرمان ہیں۔

اسی طرح سورۃ یونس میں اللہ ﷻ ارشاد ہے کہ

﴿وَيَجْعَلُ الرَّجْسَ عَلَى الدِّينِ لَا يَغُولُونَ﴾

اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، اللہ ان پر گندگی کو مسلط کر دیتا ہے۔

سورۃ محمد میں اللہ تعالیٰ کا فرمان موجود ہے کہ

﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى وَأَتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾

اور جن لوگوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہے، اللہ نے انہیں ہدایت میں اور ترقی دی ہے، اور انہیں اُن کے حصے کا تقویٰ عطا فرمایا ہے۔

﴿زَنَعَ﴾ کے معنی ہیں شک کے، اشارہ اس آیت کی طرف ہے کہ ﴿فَلْيَتَّبِعُونِ مَآثِرَآءَ الْفِتْنَةِ﴾ اس جگہ فتنہ سے مراد متشابہات ہیں، ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ جو لوگ جانتے ہیں اس کی تاویل کو وہ کہتے ہیں ﴿يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ﴾۔

محکمات اور متشابہات کا حکم

آیت کریمہ ﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ﴾ اس آیت میں آیات محکمات و متشابہات کا ذکر ہے۔

”محکمات“ وہ ہیں جن کی مراد کو ہم جانتے ہیں اس معنی میں کہ ان کی مراد کا معلوم ہونا کوئی ناممکن نہیں ہے، چاہے علم قطعی کے ساتھ ہو، چاہے علم ظنی کے ساتھ ہو، تو وہ ”محکمات“ ہیں۔

”متشابہات“ کی ایک تفصیل وہ ہے جو جمہور حضرات نے اختیار کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات جن کی مراد ہمیں معلوم نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کی مراد معلوم نہیں۔

جیسا کہ حروف مقطعات یا آیات صفات باری تعالیٰ مثلاً ”امسویٰ“ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کیفیت کیا ہے؟ یہ سب ”متشابہات“ ہیں جن کی مراد ہم نہیں جانتے۔

یہ جمہور کے مذہب کا مختصر ذکر ہے۔

امام مجاہدؒ اور متشابہات

امام مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر جمہور سے مختلف ہے۔

ان کی تفسیر یہ ہے کہ ”متشابہات“ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کے معنی و مفہوم معلوم نہیں بلکہ ”یصدق بعضها بعض“ آیات متشابہات وہ آیتیں ہیں جن کی تصدیق دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے، تو دونوں آیتیں متشابہ ہو جاتی ہیں یعنی ایک آیت مفہوم اور معنی کے لحاظ سے دوسری آیت جیسی ہے۔

اور اسی معنی میں قرآن کریم ہے کہ ﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْكِتَابِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا﴾ [الزمر: ۲۳] تو یہاں بھی معنی ہیں کہ ایک حصہ دوسرے حصے کے مشابہ ہے اور ایک دوسرے کے تصدیق کرتا ہے۔

امام مجاہد رحمہ اللہ نے یہ تفسیر کی ہے۔

”محکمات“ سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کے مشابہ کوئی اور آیت قرآن میں موجود نہیں، ”متشابہات“ وہ ہیں کہ جن سے مشابہ دوسری آیتیں موجود ہیں۔

اب مجاہد رحمہ اللہ کی اس تفسیر پر یہ اشکال ہوتا تھا کہ آگے جو فرمایا گیا ہے کہ ﴿لَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ الْاٰیٰتِیْنَ لَعَلَّہُمْ یَحْشُرُوْکُمْ﴾ تو اگر متشابہ کے بعد یہ ہیں کہ وہ آیتیں جو ایک دوسرے کی تصدیق کر رہی ہیں تو ان کے اتباع سے کیوں منع کیا گیا؟

مجاہد رحمہ اللہ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اتباع سے منع نہیں کیا جا رہا، بلکہ ”ابتغاء الفتنة“ سے تاویل اور ایسی تاویل سے منع کیا جا رہا ہے کہ جو تحریف کی حد تک پہنچتی ہو، جن کے قلوب میں زلیغ ہے جو متشابہ آیات برحق ہیں اور معلوم المراد ہیں ان کے پیچھے پڑتے ہیں کہ ان کے ذریعہ فتنہ پیدا کریں اور اس کے معنی توڑ موڑ کے بیان کریں کہ فتنہ پیدا ہو۔

معنی تو صحیح ہے اور معلوم المراد ہے لیکن یہ جو زلیغ والے ہیں اس کو توڑ موڑ کر کسی اور طرف لے جا کر فتنہ

پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

آگے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی تشریح کر رہے ہیں کہ ایک آیت دوسری آیت کے مشابہ کیسے ہوتی ہے، جیسے قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾ اللہ تعالیٰ فاسقین کو قرآن کے ذریعہ گمراہ کرتا ہے، اور دوسری جگہ فرمایا ﴿وَيَجْعَلُ الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَغْفِلُونَ﴾ دونوں کا مفہوم ایک جیسا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں اور بے عقلوں کو گمراہی کی نجاست میں ڈال دیتا ہے اور یہی بات ﴿وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ [مریم: ۷۶] کا مفہوم مخالف بھی ہے، لہذا تینوں آیتوں کا مفہوم ایک جیسا ہوا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان

تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں مجاہد کی تفسیر نقل کی ہے لیکن حدیث مرفوعہ جو لائے ہیں وہ جمہور کے مطابق لائے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رجحان ان کا بھی جمہور کی تفسیر کے مطابق ہے، البتہ ترجمۃ الباب میں ایک قول کے طور پر امام بخاری رحمۃ اللہ نے امام مجاہد رحمۃ اللہ کا قول نقل کر دیا۔

”وقال مجاهد الحلال والحرام“ مجاہد کہتے ہیں کہ مشتبہات سے مراد حلال و حرام ہے۔

۴۵۳۷۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة: حدثنا يزيد بن ابراهيم الحسري، عن أبي

مليكة، عن القاسم بن محمد، عن عائشة رضي الله عنها قالت: تلا رسول الله ﷺ هذه الآية ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ لِي قُلُوبُهُمْ زَنِعَ لِيَتَّبِعُونَ مَتَشَابَهَةً مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ قالت: قال رسول الله ﷺ: ((فإذا رأيت الذين يتبعون ما تشابه منه فأولئك الذين سمي الله فاحذروهم)). ۱۔

۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب العلم، باب النهي عن اتباع متشابه القرآن، والتحذير من متبعه، والنهي عن الاختلاف

في القرآن، رقم: ۲۶۶۵، وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب النهي عن الجدال واتباع المتشابه من القرآن، رقم:

۴۵۹۸، وسنن العرملي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران، رقم: ۲۹۹۳، ۲۹۹۴، وسنن ابن ماجه،

الفتح الكتاب في الايمان وفضائل الصحابة والعلم، باب احتساب البدع والجدل، رقم: ۴، وسنن احمد، مسند

الصدقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنهما، رقم: ۲۳۲۱۰، ۲۳۹۲۹، ۲۵۰۰۳، ۲۶۱۹۷، وسنن الدارمي، كتاب

العلم، باب من هاب الفتيا وكره التنطع والتدع، رقم: ۱۴۷

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ الْبَحْرُ﴾ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو تشابہ آیات کی مثل میں لگے رہتے ہیں تو سمجھ لو کہ اللہ ﷻ نے اپنی کتاب میں انہیں لوگوں کا ذکر فرمایا ہے، لہذا ان کی صحبت سے پرہیز کرو۔

(۲) باب: ﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ [۳۶]

باب: ”اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے حفاظت کیلئے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔“

۴۵۳۸ - حدثني عبد الله بن محمد: حدثنا عبد الرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة ؓ: أن النبي ﷺ قال: ((مامن مولود يولد إلا والشيطان يمسّه حين يولد فيستهل صارخاً من مس الشيطان إياه إلا مريم وابنها))، ثم يقول أبو هريرة: والقرؤا ان شئتم ﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾. [راجع: ۳۲۸۶]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان ہر بچہ کو جب پیدا ہوتا ہے چھوتا ہے اور وہ بچہ اس شیطان کے چھونے سے چلا کر روتا ہے، سوائے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے (حضرت عیسیٰ ؑ) کے (کہ شیطان نے ان کو نہیں چھوا)۔ پھر حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا کہ اگر تم جاہو تو یہ آیت پڑھو ﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾۔

(۳) باب: ﴿إِنَّ الدِّينَ يَشْعُرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ لَمَنَا لَيْلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾: لا خیر ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [۷۷]

باب: ”جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اپنی کھائی ہوئی قسموں کا سودا کر کے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔“ ان کیلئے کوئی خیر نہیں ہے۔ ”اور ان کا حصہ تو بس عذاب ہوگا، انتہائی دردناک۔“

مؤلم موجع من الالم وهو فی موضع مفعول.

ترجمہ: ”الیم“ بمعنی ”مؤلم و موجع“ یعنی دردناک اور تکلیف دہ، اور یہ مفعول کے وزن پر ہے۔

۴۵۴۹، ۴۵۵۰۔ حدثنا حجاج بن منہال: حدثنا أبو عوانة، عن الأعمش، عن أبي
والل، عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((من حلف يمين صبر ليقطع بها
مال امرئ مسلم لقي الله وهو عليه غضبان. فانزل الله تصديق ذلك ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ
بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾ الى آخر الآية، قال: فدخل
الأشعث بن قيس وقال: ما يحدثكم أبو عبد الرحمن؟ قلنا: كذا وكذا، قال: لقي أنزلت،
كانت لي بئر في أرض ابن عم لي، قال النبي ﷺ: ((بينتك أو يمينه))، فقلت: إذا يحلف
بأمر رسول الله. فقال النبي ﷺ: ((من حلف على يمين صبر يقطع بها مال امرئ مسلم وهو
فيها فاجر لقي الله وهو عليه غضبان)). [راجع: ۲۳۵۶، ۲۳۵۷]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی مسلمان کا مال
حاصل کرنے کی غرض سے جھوٹی قسم کھاتا ہے، جب وہ اللہ ﷻ سے ملے گا تو اللہ ﷻ اس پر غصہ فرمائے گا، پھر
اللہ ﷻ نے یہی مضمون قرآن میں نازل فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا
أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾ آیت کے آخر تک۔

ابو اکل کہتے ہیں کہ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ابو عبد الرحمن یعنی
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تم لوگوں سے کیا حدیث بیان کی ہے؟ ہم نے ان کو بتایا کہ یہ حدیث بیان کی، تو
اس پر وہ کہنے لگے کہ یہ آیت تو میرے حق میں نازل ہوئی تھی، میرے ایک چچا زاد بھائی کی زمین میں میرا کنواں
تھا (میں نے اس پر مال خرچ کیا تھا، وہ انکار کرتا تھا)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم گواہ لے کر آؤ، ورنہ اس سے قسم
لے لو۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ تو (جھوٹی) قسم کھالے گا، چنانچہ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا
کہ جو کسی مسلمان کا مال حاصل کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے اللہ ﷻ اس پر غضب ناک ہوگا۔

۴۵۵۱۔ حدثنا علی بن ابی ہاشم: سمع هشيمًا: أخبرنا العوام بن حوشب،
عن ابراهيم بن عبد الرحمن، عن عبد الله بن أبي أوفى رضى الله تعالى عنهما: أن رجلا أقام
سلعة في السوق فحلف فيها لقد أعطى بها مالم يعطه ليوقع فيها رجلا من المسلمين،
فنزلت: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ الى آخر الآية. [راجع: ۲۰۸۸]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے بازار میں کوئی چیز فروخت
کرتے ہوئے قسم کھائی کہ لوگ اس کی اتنی قیمت لگا رہے ہیں، حالانکہ اس کا یہ کہنا غلط تھا اور کوئی بھی اتنی قیمت جو
وہ بتا رہا تھا، نہیں دے رہا تھا، اور وہ یہ صرف اس لئے کر رہا تھا کہ کوئی مسلمان اس سے یہ سامان لے، اس وقت
اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾۔

۴۵۵۲۔ حدثنا نصر بن علی بن نصر: حدثنا عبد الله بن داود، عن ابن جريج، عن ابن أبي مليكة: أن امرأتين كانتا تخمران في بيت أو في الحجرة فخرجت إحداهما ولد ألفد باسفي في كفها فادعت على الأخرى لرفع إلى ابن عباس فقال ابن عباس: قال رسول الله ﷺ: ((لو يعطى الناس بدعواهم لذهب دماء قوم وأموالهم، ذكروها بالله والقرؤا عليها ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ﴾)) فلا کروها فاعترفت.

فقال ابن عباس: قال النبي ﷺ: ((اليمن على المدعي عليه)). [راجع: ۲۵۱۴]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ دو عورتیں کسی گھریا حجرہ میں ساتھ بیٹھ کر موزے یا کرتی تھیں، پھر ان میں سے ایک باہر آئی اور اس کے ہاتھ میں موزہ سینے والاسوا چھ گیا تھا، اور اس نے دوسری پر دعویٰ کر دیا کہ اس نے مجھے سوا چھوایا ہے، یہ معاملہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کو دعویٰ کے مطابق مطالبہ پورا کیا جاتا، تو بہت سوں کا مال اور خون تلف و ضائع ہو جاتے (جب پہلی عورت گواہ کو پیش نہیں کر سکی تو دوسری عورت قسم کھائے گی، جس پر الزام ہے)، اس کو اللہ ڈراؤ بھی (تا کہ جھوٹی قسم نہ کھائے)، اور اس کے سامنے یہ آیت پڑھو ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ﴾ چنانچہ اس کے بعد وہ عورت ڈر گئی اور اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قسم مدعی علیہ پر ہے (یعنی باتو بینہ چاہیے اور اگر بینہ نہ ہو تو مدعی علیہ جس پر الزام ہے اس کو قسم کھانا ہوگی)۔

(۴) باب: ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أُنْ

لَا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ﴾ [۶۳]

باب: ”(مسلمانو! یہود و نصاریٰ سے) کہہ دو کہ: ”اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔“

سواء: قصداً.

ترجمہ: ”سواء“ بمعنی قصد کرنے ہے یعنی ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو تمہارے، اور ہمارے درمیان میں بالکل برابر ہو۔

۴۵۵۳۔ حدثني ابراهيم بن موسى، عن هشام، عن معمر، وحدثني عبد الله بن

محمد: حدثنا عبد الرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري: أخبرني عبيد الله بن عبد الله ابن عتبة: حدثني ابن عباس: حدثني أبو سفيان من فيه إلى أبي قال: انطلقت في المدة التي كانت بيني وبين رسول الله ﷺ قال: فبيننا أنا بالشام إذ جاء بكتاب من النبي ﷺ إلى هرقل، قال: وكان دحية الكلبي جاء به فدفعه إلى عظيم بصرى، فدفعه عظيم بصرى إلى هرقل. قال: فقال هرقل: هل هاهنا أحد من قوم هذا الرجل الذي يزعم أنه نبي؟ فقالوا: نعم، قال: فدعيت لي نفر من قريش فدخلنا على هرقل فأجلسنا بين يديه فقال: أيكم أقرب نسباً من هذا الرجل الذي يزعم أنه نبي؟ فقال أبو سفيان: فقلت: أنا، فأجلسوني بين يديه وأجلسوا أصحابي خلفي. ثم دعا بترجمانه فقال: قل لهم: إلى سائل هذا عن هذا الرجل الذي يزعم أنه نبي، فإن كذبهني فكذبوه. قال أبو سفيان: ويم الله لولا أن يؤثر على الكذب لكذبت، ثم قال لترجمانه: سل: كيف حسبه فيكم؟ قال: قلت: هو لنا ذو حسب. قال: فهل كان من آباءه ملك؟ قال: قلت: لا، قال: فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال؟ قلت: لا، قال: أيتبعه أشراف الناس أم ضعفاؤهم؟ قال: قلت: بل ضعفاؤهم. قال: يزدون أم ينقصون؟ قال: قلت: لا بل يزدون، قال: هل يترد أحد منهم عن دينه بعد أن يدخل فيه سخطه له؟ قال: قلت: لا، قال: فهل قاتلتموه؟ قال: قلت: نعم. قال: فكيف كان قتالكم إياه؟ قال: قلت: تكون الحرب بيننا وبينه سجلاً يصيب منا ولصيب منه، قال: فهل يهدر، قال: قلت: لا، ونحن منه في هذه المدة لا ندري ما هو صانع فيها. قال: والله ما أمكنني من كلمة أدخل فيها شيئاً غير هذه، قال: فهل قال هذا القول أحد قبلك؟ قلت: لا، ثم قال لترجمانه: قل له: اني سألتك عن حسبه فيكم فزعمت أنه فيك ذو حسب، وكذلك الرسل تبعث في أحساب قومها. وسألتك هل كان في آباءه ملك فزعمت أن لا. فقلت لو كان من آباءه ملك، قلت: رجل يطلب ملك أبيه. وسألتك عن أتباعه أضعفاؤهم أم أشرفهم. فقلت: بل ضعفاؤهم، وهم أتباع الرسل. وسألتك هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال، فزعمت أن لا، فعرفت أنه لم يكن ليدع الكذب على الناس ثم يذهب فيكذب على الله. وسألتك هل يترد أحد منهم عن دينه بعد أن يدخل فيه سخطه له، فزعمت أن لا، وكذلك الإيمان إذا خالط بشاشة القلوب. وسألتك: هل يزدون أم ينقصون؟ فزعمت أنهم يزدون وكذلك الإيمان حتى يتم. وسألتك هل قاتلتموه، فزعمت أنكم قاتلتموه فتكون الحرب بينكم وبينه سجلاً، ينال منكم وتنالون منه، وكذلك الرسل تبلى لم تكون

لہم العاقبة۔ و سالتک: هل یقدر فزعمت أنه لا یقدر، وكذلك الرسل لا تقدر۔ و سالتک هل قال أحد هذا القول قبله فزعمت أن لا۔ فقلت: لو كان قال القول أحد قبله، لنت: رجل التعم بقول قيل قبله۔ قال: ثم قال: ہم یا مکرّم؟ قال: قلت: یا مرنّا بالصلاة والزكاة والصلة والعفاف، قال: ان یک مانقول فيه حقاً فانه لیبی وقد کنت أعلم أنه خارج ولم اک اظنه منکم، ولوانی أعلم انی اخلص الیه لأجبت لقاءه۔ ولو کنت عنده لفسلت عن قدمیه۔ ولیلغن ملکہ ماتحت قدمی۔ قال: ثم دعا بکتاب رسول الله ﷺ فقرأه فاذا فيه:

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله إلى هرقل عظيم الروم: سلام على من اتبع الهدى۔ أما بعد: فإني أدعوك بدعاية الإسلام، أسلم تسلم، وأسلم يؤتک الله أجرك مرتين، فإن تولیت فان علیک إثم الأریسین۔ و﴿يَأْخُذُ الْكِتَابَ تُعَالُوا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أُنْ لَا تُعْبَدُ إِلَّا اللَّهُ﴾ إلى قوله: ﴿وَأَهْلُؤْا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾۔ فلما فرغ من قراءة الكتاب ارتفعت الأصوات عنده وكثر اللفظ، وأمرنا فأخرجنا، قال: فقلت لأصحابی حين خرجنا: لقد أمر أمر ابن أبي كبشة، إنه لیخالفه ملک بنی الأصفر۔ فما زلت موقنا بأمر رسول الله ﷺ أنه سیظهر حتى أدخل الله علی الإسلام۔

قال الزهري: فدعا هرقل عظماء الروم فجمعهم فی دار له فقال: یا معشر الروم، هل لکم فی الفلاح والرشد آخر الأبد وأن یدبت لکم ملککم؟ قال: فحاصوا حیصة حمر الوحش إلى الأبواب فوجدوها قد غلقت، فقال: علیّ بهم، فدعاهم فقال: إني إنما اختبرت شدتکم علی دینکم لقد رأیت منکم الذی أحببت، فسجدوا له ورضوا عنه۔ [راجع: ۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان ؑ نے یہ حدیث میرے سامنے بیان کی کہ جب ہماری اور رسول اللہ ﷺ کی صلح تھی، اس وقت میں ملک شام میں تھا، اسی زمانہ میں نبی کریم ﷺ کا خط وحیدہ الکفی ؑ لے کر ہرقل کے پاس آئے تھے، انہوں نے یہ خط پہلے بھری کے سردار کو دیا، اس نے ہرقل کے پاس بھیج دیا، ہرقل نے خط پڑھ کر کہا کہ وہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، کیا اس کی قوم کا کوئی آدمی یہاں موجود ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں! اس کی قوم کے لوگ یہاں موجود ہیں۔

حضرت ابوسفیان ؑ کا بیان ہے کہ مجھے قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ ہرقل کے دربار میں بلایا گیا، تو اس نے ہم کو اپنے سامنے بٹھایا، پھر پوچھا کہ تم میں سے، اس شخص کا جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، اس کا سب قریبی رشتہ دار ہے؟ حضرت ابوسفیان ؑ کہتے ہیں کہ میں نے کہا میں ہوں، پھر اس نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا اور دوسرے۔ نتیجہ کو میرے پیچھے بٹھایا۔ پھر اس نے اپنے ترجمان کو بلایا اور اس سے کہا کہ ان لوگوں سے کہو کہ میں

اس سے (ابوسفیان سے) اُس شخص کے متعلق پوچھوں کا جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر یہ غلط بیانی سے کام لے لے تو تم اس کی تردید کر دینا۔ حضرت ابوسفیان ؓ کہتے ہیں کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھی مجھے جھٹلا دیں گے، تو ضرور کچھ غلط باتیں بھی کہتا۔

پھر ہر قل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اس شخص کا حسب کیا ہے تم لوگوں کے درمیان؟ یعنی محمد (ﷺ) کا حسب و نسب دریافت کرو، حضرت ابوسفیان ؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہ ہم میں سب سے زیادہ عالی حسب، نسب والے ہیں۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ کیا اس شخص کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟ تو میں نے جواب دیا کہ نہیں، پھر اس نے دریافت کیا کہ کیا تم نے دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی ان کو جھوٹ بولتے سنا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔

پھر اس نے پوچھا کہ ان کی اطاعت میں معزز و مال دار لوگ زیادہ آتے ہیں یا غریب اور کمزور لوگ؟ میں نے جواب دیا کہ بلکہ غریب اور کمزور لوگ ان کی اتباع کرتے ہیں، پھر اس نے دریافت کیا کہ ان کے ماننے والوں تعداد زیادہ ہو رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ نہیں! ان کے ماننے والے تو مسلسل بڑھتے جا رہے ہیں، پھر اس نے پوچھا کہ کیا کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد ناراض ہو کر اس دین سے پھرا (مرتد) بھی ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں۔

پھر اس نے پوچھا کیا تم لوگوں نے ان سے کبھی جنگ بھی کی ہے؟ کہتے ہیں میں نے کہا کہ ہاں ہمارے درمیان جنگیں ہوئی ہیں، پھر اس نے پوچھا کہ تمہاری ان سے جنگ کیسی رہی؟ میں نے جواب دیا ہمارے اور ان کے درمیان لڑائی کنویں کے ڈول کی طرح ہے، کبھی وہ ہم سے لے لیتے ہیں، اور کبھی ہم ان سے لے لیتے ہیں، یعنی کبھی مسلمان غالب آجاتے ہیں اور کبھی ہم غالب آجاتے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ کیا کبھی انہوں نے (محمد ﷺ) نے عہد و پیمان کی وعدہ خلافی کی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا، مگر آج کل ہمارا اور ان کا ایک معاہدہ ہوا ہے، معلوم نہیں اس میں کیا صورت ہوتی ہے۔ حضرت ابوسفیان ؓ نے بیان کیا کہ اللہ کی قسم! مجھ کو سوائے اس آخری بات کے کچھ زیادہ بڑھانے کی گنجائش نہیں ملی۔ پھر ہر قل نے پوچھا کہ کیا ان سے پہلے بھی کبھی کسی نے انکے خاندان میں ایسا دعویٰ (دعویٰ نبوت) کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں۔

اس کے بعد ہر قل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ تم سے ان کا حسب پوچھا، تو تم نے کہا کہ وہ عالی حسب ہیں، اور پیغمبر ہمیشہ عالی حسب و نسب والے ہی ہوتے ہیں، پھر پوچھا کہ ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوا ہے، تم نے کہا نہیں۔ ہر قل نے کہا کہ اس وقت میں سوچا تھا کہ اگر تم نے کہا کہ کوئی بادشاہ ہوا ہے، تو میں کہہ دوں گا کہ دعویٰ نبوت ایک حیلہ ہے، وہ اپنے باپ دادا کی بادشاہت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے ان کے ماننے والوں کے متعلق پوچھا کہ وہ امیر اور معزز ہیں یا غریب اور کمزور لوگ ہیں؟ تو تم

نے کہا غریب اور کمزور لوگ ہیں اور پیغمبروں کے ماننے والے اکثر غریب و کمزور ہی ہوتے ہیں، اور میں نے پوچھا کہ کبھی تم نے اس دعویٰ نبوت سے پہلے ان کو جھوٹ بولتے سنا ہے؟ تو تم نے کہا نہیں، اس لئے میں جان گیا کہ بے شک جو لوگوں پر جھوٹ نہیں بولتا تو اللہ تعالیٰ پر وہ کیسے جھوٹ بولے گا۔

اور میں نے تم سے سوال کیا کہ اس کے دین سے کوئی بدظن ہو کر پھرا بھی ہے یعنی مرتد بھی ہوا ہے کوئی؟ تو تم نے کہا نہیں، لہذا ایمان کی علامت یہی ہے کہ جب وہ دل میں بیٹھ جاتا ہے، تو پھر نکلتا نہیں ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ ان کے ماننے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ تو تم نے کہا کہ ان کی تعداد بڑھ رہی ہے، اور ایمان کی یہی خاصیت ہے کہ وہ بڑھتا ہی رہتا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا تم نے ان سے کبھی جنگ بھی کی ہے؟ تو تم نے کہا ہاں، اور اس میں کبھی وہ، کبھی ہم غالب رہے ہیں اور رسولوں کی یہی حالت ہوا کرتی ہے، اور آخر وہی فتح پاتے ہیں۔

پھر میں نے پوچھا کہ وہ عہد و پیمان کی وعدہ خلافی کرتے ہیں یا نہیں؟ تو تم نے کہا، نہیں، اور رسول وعدہ خلافی کبھی نہیں کرتے، پھر میں نے تم سے پوچھا کہ اس سے پہلے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، تو تم نے کہا نہیں، ہر قل نے کہا کہ میں نے اپنے دل میں سوچا تھا اگر کسی نے دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ نبی نہیں ہیں، بلکہ اپنے پہلے والے کی پیروی کر رہا ہے۔

حضرت ابوسفیان ؓ کا بیان ہے کہ پھر ہر قل نے پوچھا کہ وہ تم کو کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ وہ ہمیں نماز، زکوٰۃ، صلہ رحمی اور پرہیزگاری کا حکم دیتے ہیں۔

اس کے بعد ہر قل نے کہا کہ اگر تم اپنے بیان میں سچا ہے تو بے شک وہ سچے نبی ہیں، اور میں جانتا تھا کہ ان کا ظہور ہونے والا ہے، مگر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ تم میں پیدا ہوں گے، اگر یہ معلوم ہوتا تو میں ضرور ان کی خدمت میں پہنچتا، اور ان سے ملاقات کو پسند کرتا۔ اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو خود ان کے پاؤں دھوتا اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان کی حکومت ضرور میرے قدموں تک پہنچے گی۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہر قل نے پھر رسول اللہ ﷺ کا خط منگوا یا اور اس کو دوبارہ پڑھا، مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم - یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے ہر قل کے نام جو روم کا بادشاہ ہے: جو دین حق کی پیروی کرے گا اس پر سلامتی۔ اما بعد! میں تم کو کلمہ اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو سلامت رہو گے، اور مسلمان ہو گئے تو دو گنا ثواب تم کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا، تو تمہاری رعایا کے اسلام نہ لانے کا گناہ بھی تمہارے ہی سر پر ہوگا۔ اور یہ کہ ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ﴾ یعنی اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ آخر آیت تک۔۔ جب ہر قل خط سے فارغ

ہوا تو اس کے دربار میں آوازیں بلند ہونے لگیں اور عجیب ہلچل مچ گئی، اور ہمارے متعلق حکم دیا کہ ہم کو باہر نکال دیا جائے۔ حضرت ابوسفیان ؓ کا بیان ہے کہ میں نے باہر نکلتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابن ابی کبشہ یعنی رسول اللہ ﷺ کے کام میں بڑی مضبوطی پیدا ہو گئی ہے، اور اب اس سے بادشاہ روم بھی ڈرنے لگا ہے۔ حضرت ابوسفیان ؓ کا بیان ہے کہ اس وقت مجھے یہ یقین ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ضرور غلبہ ہو کر رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دین اسلام میں داخل ہونے کی سعادت عطا فرمائی۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہر قل نے تمام رؤسا کو بلایا اور انہیں اپنے ایک خاص گھر میں جمع کیا اور ان سے کہا کہ اے اہل روم! کیا تم چاہتے ہو کہ ہمیشہ سلامت رہو، اور تمہارے ملک تمہارے ہاتھ میں رہیں؟ (تو ہدایت اور ہمیشہ کی سلامتی کی طرف آؤ)، بیان کرتے ہیں کہ لوگ یہ بات سنتے ہی نیل گائے کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے، مگر انہوں نے دروازے بند پائے۔ پھر ہر قل نے سب کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ بھاگو نہیں، میرے قریب آؤ، سب آگئے تو ہر قل نے کہا کہ میں تم لوگوں کا امتحان لے رہا تھا، میں خوش ہوں کہ تم اپنے دین پر قائم اور ثابت ہو، اس کے بعد سب خوش ہو گئے، اور ہر قل کو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہو گئے۔

حدیث مذکورہ پر ایک تاریخی اشکال

یہاں تاریخی اعتبار سے ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سورہ آل عمران کی یہ آیت ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ﴾ جو نصاریٰ سے متعلق ہے، اس کا شان نزول جس پر بیشتر مفسرین متفق ہیں کہ نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا تھا جن سے نبی کریم ﷺ کا مکالمہ ہوا تھا اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں انہیں کا ایک حصہ یہ بھی ہے۔

اب تاریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نصاریٰ نجران کا وفد ۹ھ میں آیا ہے، کیونکہ ان سے جزیہ کا مطالبہ کیا گیا تھا اور جزیہ فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں فرض ہوا اور قیصر رقم ہر قل کو خط بھیجنے کا واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے جو زیادہ سے زیادہ ۶ھ بنتی ہے۔

۶ھ میں نہ نجران کا وفد آیا تھا اور نہ سورہ آل عمران کی متعلقہ آیات نازل ہوئیں تھیں، جن میں مذکورہ آیت بھی داخل ہے۔

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ۶ھ میں قیصر روم ہر قل کے نام خط میں رسول اللہ ﷺ نے وہ آیات کریمہ تحریر فرمادیں، جو کہ ۹ھ میں تین سال بعد نازل ہوئیں؟

اس اشکال کی وجہ سے بعض لوگوں نے اس روایت کی صحت پر شک کا اظہار کر دیا کہ یہ روایت ہی صحیح

نہیں ہے، کیونکہ اس میں تاریخی اشکال ہے۔

اشکال کا جواب

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اعتراض اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ وفد کی آمد ۹ھ میں متعین کی گئی اور یہ کہ جزیرہ فتح مکہ کے بعد لاگو کیا گیا ہے، تو عین ممکن ہے کہ نجران کا وفد پہلے آگیا ہو اور مکالمہ وغیرہ پہلے ہو چکا ہو اور جزیرہ کے احکام بعد میں آئے ہوں، لہذا یہ آیت پہلے نازل ہو چکی ہو۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ سورۃ آل عمران کی جن آیتوں میں نصاریٰ کا ذکر ہے ان میں سے بیشتر نجران کے وفد کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی ہیں لیکن مذکورہ آیت پہلے نازل ہو چکی ہو۔

تو دونوں احتمال موجود ہیں، ان احتمالات کی موجودگی میں یہ کہنا درست نہیں کہ یہ آیت خط لکھنے کے بعد نازل ہوئی تھی۔

(۵) باب: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ الآية [آل عمران: ۹۲]

باب: ”تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کیلئے) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔“

۳۵۵۳۔ حدثنا اسماعیل قال: حدثني مالك، عن اسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة: انه سمع انس بن مالك رضي الله عنه يقول: كان أبو طلحة أكثر أنصاري بالمدينة نخلًا، وكان أحب أمواله إليه بيرحاء وكانت مستقبلة المسجد، وكان رسول الله ﷺ يدخلها ويشرب من ماء فيها طيب، فلما أنزلت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ قام أبو طلحة، فقال: يا رسول الله ان الله يقول ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ وان أحب أموالي إلى بيرحاء والله صدقة لله أرجو برّها وذخرها عند الله، فضعها يا رسول الله حيث أراك الله. قال رسول الله ﷺ: ((بسخ ذلك مال رايح. ذلك مال رايح. ولقد سمعت ما قلت، والى أرى أن تجعلها في الأقربين)). قال أبو طلحة: أفعلى يا رسول الله، ففلسها أبو طلحة في أقاربه وبنى عمه.

قال عبد الله بن يوسف وروح بن عباد: ((ذلك مال رابع)).

حدثني يحيى بن يحيى قال: قرأت على مالك: ((مال رابع)). [راجع: ۱۴۶۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں انصاری لوگوں میں سب سے زیادہ باغات حضرت ابوطلمحہ ؓ کے پاس تھے اور انہیں اپنی تمام جائیداد میں بیرحاء سب سے زیادہ پسند تھا اور یہ باغ مسجد نبوی سے قریب تھا، رسول اللہ ﷺ اکثر وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کو پیا کرتے تھے، پھر جب یہ آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلمحہ ؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کو علم ہے کہ میں بیرحاء کو بہت پسند کرتا ہوں اور اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ یعنی تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کیلئے) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔ لہذا میں بیرحاء کو اللہ ﷻ کے نام پر صدقہ کرتا ہوں اور اللہ ﷻ سے ثواب کی امید رکھتا ہوں، تو اے اللہ کے رسول! آپ جس طرح چاہیں اس باغ کو اللہ ﷻ کی مرضی کے مطابق استعمال میں لائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ واہ شاباش (یعنی اس نیک کام پر ان کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ) یہ مال تو فنا ہونے والا ہے (لیکن یہ کام تم کو آخرت میں بہت فائدہ پہنچائے گا)، اور میں نے سن لیا ہے جو کچھ تم نے کہا (یعنی تمہاری نیت معلوم کر لی ہے)، میرا خیال ہے تم اس باغ کو اپنے غریب رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ حضرت ابوطلمحہ ؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ایسے ہی کرتا ہوں جیسے آپ نے فرمایا، پھر اس باغ کو انہوں نے اپنے رشتہ داروں میں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

عبد اللہ بن یوسف اور روح بن عبادہ نے (بجائے ”مال رابع“ کے) ”ذلك مال رابع“ کہا ہے یعنی یہ مال نفع دینے والا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن یحییٰ نے اس طرح یہ روایت کی ہے کہ ”ذلك مال رابع“ یعنی یہ مال فنا ہونے والا ہے۔

۴۵۵۵۔ حدثنا محمد بن عبد الله: حدثنا الأنصاري: حدثني أبي، عن ثمامة، عن

انس ؓ قال: فجعلها لحسان وأبي وأنا أقرب إليه ولم يجعل لي منها شيئاً. [راجع: ۱۴۶۱]

ترجمہ: حضرت انس ؓ نے کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلمحہ ؓ نے بیرحاء کو تقسیم کرتے وقت حسان اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کو تو دیا، مگر مجھے کچھ نہیں دیا، حالانکہ میں ان سے رشتہ میں بہت قریب تھا۔

تشریح

یہاں حضرت انس ؓ کہہ رہے ہیں کہ میں حضرت ابوطلمحہ ؓ کے زیادہ قریب تھا لیکن مجھے کچھ نہیں دیا اور

حضرت حسان بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کو اس میں سے حصہ دیا۔
 پیچھے آپ وصایا میں پڑھ کر آئے ہیں کہ وہاں یہ کہا تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ قریب تھے۔ پورا نسب بتایا
 تھا، کہتے ہیں کہ نسب کے اعتبار سے وہ زیادہ قریب ہے، یہاں میں زیادہ قریب تھا، تو دونوں میں تطبیق یوں ہے
 کہ نسب کے اعتبار سے وہی قریب تھے لیکن اپنے تعلقات کے لحاظ سے حضرت ابو طلحہ سے یہ زیادہ قریب تھے تو
 تعلقات کا ذکر رہے ہیں۔

(۶) باب: ﴿قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ [آل عمران: ۹۳]

باب: ”(اے پیغمبر! یہودیوں سے) کہہ دو کہ: ”اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی
 تلاوت کرو“۔

یہ پوری آیت اس طرح ہے:

﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَآءِ نَبَلْ إِلَّا مَا حَرَّمَ
 إِسْرَآءِ نَبَلْ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنْزَلَ التَّوْرَةُ قُلْ
 فَأْتُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾

ترجمہ: تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام
 چیزیں (جو مسلمانوں کے لئے حلال ہیں) بنی اسرائیل کیلئے
 (بھی) حلال تھیں، سوائے اُس چیز کے جو اسرائیل (یعنی
 یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اُپر حرام کر لی تھی۔ (اے
 پیغمبر! یہودیوں سے) کہہ دو کہ: ”اگر تم سچے ہو تو تورات
 لے کر آؤ اور اس کی تلاوت کرو“۔

یہود کے اعتراض کا جواب

یہود آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے کو دین ابراہیم پر کیسے بتلاتے ہو جب کہ وہ
 چیزیں کھاتے ہو جو اللہ ﷻ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے پر حرام کی تھیں جیسے اونٹ کا گوشت اور دودھ۔
 اس مقام پر اللہ ﷻ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں اب لوگ کھاتے ہیں سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت

میں بھی حلال تھیں یہاں تک کہ تورات نازل ہوئی۔

بے شک تورات میں خاص بنی اسرائیل پر بعض چیزیں حرام ہوئی ہیں، مگر اونٹ تورات سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کے کھانے کی قسم کھائی تھی، ان کی پیروی میں ان کی اولاد نے بھی اس کو کھانا چھوڑ دیا تھا اور اس قسم کا سبب یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ”عرق النساء“ کا درد تھا، تو اس بیماری کے وقت یہ نذر کی کہ اگر اس بیماری سے صحت پائی تو جو چیز میری رغبت کی ہے، میری پسند کی ہے اسے چھوڑ دوں گا، اور ان کو یہی اونٹ کا گوشت اور دودھ بہت زیادہ مرغوب تھا، سو نذر کے سبب چھوڑ دیا۔

اس قسم کی نذر جو تحریم حلال پر مشتمل ہو ہماری شریعت میں روا نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾ [التحریم: ۱]

ترجمہ: اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے،

تم اُسے کیوں حرام کرتے ہو؟

اس لئے اگر ایسی نذر مان لی ہے تو اس کو توڑ دے اور کفارہ یحییٰ ادا کرے۔ ح

۳۵۵۶۔ حدثني ابراهيم بن المنذر: حدثنا أبو ضمرة: حدثنا موسى بن عقبة، عن

نافع، عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما: أن اليهود جازوا إلى النبي ﷺ برجل منهم وامرأة

قد زنيا فقال لهم: ((كيف تفعلون بمن زنى منكم؟)) قالوا: نُحْمَمُهُمَا ونضربهما، فقال:

((الاجدون في التوراة الرجم؟)) فقالوا: لانجد فيها شيئا، فقال لهم عبد الله بن سلام:

كلهم فأتوا بالتوراة فاتلوها إن كنتم صادقين. فوضع مدراسها الذي يدرسها منهم كفه

على آية الرجم فطلق يقرأ مادون يده وما وراءها ولا يقرأ آية الرجم، فنزع يده عن آية

الرجم فقال: ما هذه؟ فلما رأوا ذلك قالوا: هي آية الرجم فأمر بهما فرجما قريبا من حيث

موضع الجنائز عند المسجد. قال: فرأيت صاحبها يجنا عليها يقيها الحجارة. [راجع: ۱۳۲۹]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہودی اپنی قوم کے ایک مرد اور عورت کو جنہوں

نے زنا کیا تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔ آپ نے ان دریافت فرمایا کہ تمہارے یہاں جو شخص زنا کرے

اسکے ساتھ تم لوگ کیا کرتے ہو یعنی کیا سزا دیتے ہو؟ یہودی کہنے لگے کہ ان دونوں کا منہ کالا کر کے اچھی طرح

مارتے پٹتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو تورات میں سنگسار کرنے کا حکم نہیں ملا؟ کہنے لگے کہ ہم

تورات میں اس طرح کا کوئی حکم نہیں پاتے، تو حضرت عبد اللہ بن سلام رحمہ اللہ نے اس موقع پر ان سے کہا کہ تم لوگ

جھوٹ بولتے ہو، اگر تم سچے ہو تو رات لا کر پڑھو۔ (چنانچہ جب وہ یہودی تورات لے کر آئے) تو ان میں تورات کا عالم جو تورات پڑھایا کرتا تھا اس نے پڑھا تو رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور ادھر ادھر سے پڑھنا شروع کر دیا لیکن آ۔ رجم کو نہیں پڑھا۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام ؓ نے اس کا ہاتھ اُس آیت رجم سے ہٹایا اور کہا کہ یہ کیا ہے جس کو تم چھپا رہے تھے؟ جب انہوں نے اسے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہی آیت رجم ہے۔ چنانچہ آنحضرت ؐ نے اس کے بعد ان کو مسجد کے قریب ہی جنازہ گاہ میں سنگسار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ وہاں پر ان دونوں کو سنگسار کیا گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ زانیہ کا ساتھی زانیہ پر جھک جاتا تھا، تاکہ پتھروں سے اس کو بچا سکے۔

(۷) باب: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [۱۱۰]

باب: ”(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کیلئے وجود میں لائی گئی ہے۔“

ج۔ گزشتہ رکوع کے شروع میں فرمایا تھا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ﴾ درمیان میں اسی کی مناسبت کچھ اوامر و نواہی اور وعد و وعید آگئی، یہاں سے پھر اسی اول مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے یعنی اے مسلمانو! اللہ ﷻ نے تم تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے اس کے علم ازیلی میں پہلے سے یہ مقدر ہو چکا تھا جس کی خبر بعض انبیاء سابقین کو بھی دیدی گئی تھی کہ جس طرح نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ تمام نبیوں سے افضل ہوں گے، آپ کی امت بھی جملہ ام و اقوام پر گویا سبقت لے جائیں گی، کیونکہ ان کو سب سے اشرف و اکرم پیغمبر نصیب ہوگا، دوم و اکمل شریعت ملے گی علوم و معارف کے دروازے اس پر کھول دیئے جائیں گے، ایمان و عمل و تقویٰ کی تمام شاخیں انکی محنت اور قربانیوں سے سرسبز و شاداب ہوں گی، وہ کسی خاص قوم و نسب یا مخصوص ملک و اقلیم میں محصور نہ ہوں گی، بلکہ اسکا دائرہ عمل سارے عالم کو اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا، گویا اس کا وجود ہی اس لئے ہوگا کہ دوسروں کی خیر خواہی کرے اور جہاں تک ممکن ہو انہی جنت کے دروازوں پر لاکھڑا کر دے ﴿أَخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے۔

اس سورت کے نویں رکوع میں ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ﴾ سے نبی کریم ﷺ کی امامت و جامعیت کبریٰ کا بیان ہوا تھا، دسویں رکوع میں ﴿إِنَّ أَوَّلَ نَسَبٍ وَصَّيْنَا لِلنَّاسِ بِهِمْ﴾ سے اس امت کے قبلہ کی برتری دکھلائی، گیارہویں رکوع میں ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا﴾ سے اس امت کی کتاب و شریعت کی مضبوطی کا اظہار فرمایا۔ اب یہاں بارہویں رکوع کے آغاز سے خود امت مرحومہ کی فضیلت و عظمت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔

﴿وَتَتْلُوْنَ عَلَيْهِنَ الْكُتُبَ﴾ برے کاموں میں کفر، شرک، بدعات، رسوم قبیحہ، فسق و فجور اور ہر قسم کی بد اخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں، ان سے روکنا بھی کئی طرح ہوگا، کبھی زبان سے، کبھی ہاتھ سے، کبھی قلم سے، کبھی تلوار سے، غرض ہر قسم کا جہاد اس میں داخل ہو گیا، یہ مفت جس قدر عموم و اہتمام سے امت محمدیہ میں پائی گئی، پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ تفسیر عثمانی، سورہ آل عمران، آیت: ۱۱۰، فائدہ: ۸۔

۴۵۵۷۔ حدثنا محمد بن يوسف، عن صفیان، عن ميسرة، عن أبي حازم، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ قال: خير الناس للناس، تكون بهم في السلاسل في أعناقهم حتى يدخلوا في الإسلام. [راجع: ۳۰۱۰]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بہتر انسان لوگوں کو نفع پہنچانے والے وہ ہیں جو لوگوں ان کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر انہیں لاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

تشریح

”خير الناس للناس“ یعنی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہ ”خیر“ سے متعلق ہے ”اخرجت“ سے متعلق نہیں ہے، یہ نہیں ہے کہ لوگوں کیلئے نکالی گئی بلکہ ”خير أمة للناس“ تم لوگ دوسرے لوگوں کے لئے بہترین لوگ ہو۔ ”تكون“ کہ وہ لے کر آئے ہیں لوگوں کو اس حالت میں کہ ان کی گردنوں میں زنجیریں ہوتی ہیں یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

بہت سے لوگ جنگ میں قیدی بن کر آتے ہیں لیکن بالآخر جنگ میں قید ہونا ان کے اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ و سبب بن جاتا ہے تو یہ قید ہو کر آنا ان کے حق میں بہتر ہوتا ہے، اس لئے ”خير أمة للناس“ ہے۔ اور دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ لوگوں کو اس حالت میں لائے ہیں کہ ان کے گردنوں میں کفر و شرک کی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں، غیر اللہ کی عبادت کی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں اور پھر امت کی تعلیم و تبلیغ سے مسلمان ہو جاتے ہیں تو اس واسطے یہ امت دوسرے لوگوں کیلئے بہتر ہے۔

(۸) باب ﴿إِذْ أَنْتُمْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا﴾ [۱۲۲]

باب: ”جب تمہی میں سے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں۔“ ۵۔

۵۔ اس آیت میں جنگ احد کا واقعہ یاد دلایا ہے، صورت یہ ہوئی تھی کہ رمضان المبارک سن ۲ ہجری میں بدر کے مقام پر قریشی فوج اور مسلمان مجاہدین میں ٹڈی بھڑ ہو گئی، جس میں کفار مکہ کے سردار و مشائخ خاص مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے، اس جہاں کن اور ذلت آمیز شکست سے قریش کا فعلہ انتقام بھڑک اٹھا، جو سردار مارے گئے تھے ان کے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی اور اہل مکہ سے اپیل کی کہ تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے (دی باعث جنگ بدر ہوا تھا) سب اسی بہم کے نذر کر دیں۔ ... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾ ...

۳۵۵۸ - حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان قال: قال عمرو: سمعت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہما يقول: فیما نزلت ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُهُمَا﴾ قال: لحن الطائفتان، بنو حارثة و بنو سلمة وما لحب۔ وقال سفیان مرة: وما یسرني۔ انہا لم تنزل للقول اللہ: ﴿وَاللَّهُ وَلِيُهُمَا﴾. [راجع: ۵۰۵۱]

﴿گزشتہ سے ہوتے﴾ تا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں سب نے منظور کیا اور سن ۳ ہجری میں قریش کے ساتھ بہت سے دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے حتیٰ کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں تا کہ موقع پیش آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں۔

جس وقت یہ تین ہزار کا لشکر اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح آراستہ ہو کر مدینہ سے تین چار میل جبل احد کے قریب خمیدہ زن ہوا، تو نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا، آپ ﷺ کی رائے مبارک یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ بہت آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، اس کی تائید آپ کے ایک خواب سے ہوئی تھی، یہ پہلا موقع تھا کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی سے بھی رائے مانگی جو حضور ﷺ کی رائے سے موافق تھی، مگر بعض پر جوش مسلمان جنہیں بدر کی شرکت نصیب نہ ہوئی تھی، ارشاد شہادت بے چین کر رہا تھا، سہم ہوئے کہ ہم کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے، تا کہ دشمن ہماری نسبت بزدلی اور کمزوری کا گمان نہ کرے، کثرت رائے اسی طرف ہو گئی، اسی جیسے ہمیں میں آپ ﷺ مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ذرہ پہن کر باہر آئے اس وقت بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے آپ ﷺ کی رائے کے خلاف مدینہ سے باہر لڑائی کرنے پر مجبور کیا، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ ﷺ کا خشاء نہ ہو تو ہمیں تشریف رکھئے، فرمایا ایک پیغمبر کو سزاوار نہیں کہ جب وہ ذرہ پہن لے اور ہتھیار لگا لے پھر بدون قتال کئے بدن سے اتارے، جب آپ ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تقریباً ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ تھے مگر عبد اللہ بن ابی تقریباً تین سو آدمیوں کو (جن میں بعض مسلمان بھی تھے) ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں۔ کیوں خواہ مخواہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں، بعض بزرگوں نے سمجھایا بھی مگر کچھ اثر نہیں ہوا۔

آخر آپ کل سات سو سپاہیوں کی جمعیت لے کر میدان جنگ پہنچ گئے، آپ ﷺ نے بنفس نفیس فوجی قاعدہ سے صفیں ترتیب دیں، ہر ایک دستہ کو اس کے مناسب ٹھکانہ پر بٹھلایا اور فرمایا جب تک حکم نہ دوں کوئی قتال نہ کرے، اسی اثناء میں عبد اللہ بن ابی کی علیحدگی سے دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دلوں میں کچھ کمزوری پیدا ہوئی، مسلمانوں کی قلیل جمعیت پر نظر کر کے دل چھوڑنے لگے اور خیال آیا کہ میدان سے سرک جائیں مگر حق تعالیٰ نے ان کی مدد اور دیکھری فرمائی، دلوں کو مضبوط کیا اور سمجھا دیا کہ مسلمانوں کا بھروسہ تھا خدا کے واحد کی اعانت، ولعزت پر ہونا چاہئے تعداد اور سامان وغیرہ کوئی چیز نہیں جب وہ مظہر منصور کرنا چاہے تو سب سامان رکھے رہ جاتے ہیں اور فطرتی تائید سے فتح یمن حاصل ہو جاتی ہے جیسے معرکہ بدر میں ہوا، پس مسلمانوں کو صرف اللہ ﷻ سے ڈرنا چاہئے تا کہ اس کی طرف سے مزید انعام و احسان ہو اور مزید شکر گزاری کا موقع ملے، دو فرقوں سے مراد بنو سلمہ و بنو حارثہ ہیں، گو اس آیت میں ان پر چشمک کی گئی، لیکن ان کے بعض بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کا نازل نہ ہونا ہم کو پسند نہ تھا کیونکہ ﴿وَاللَّهُ وَلِيُهُمَا﴾ کی بشارت عتاب سے بڑھ کر ہے۔ تفسیر عثمانی، سورہ آل عمران، آیت ۱۲۲، فائدہ ۲، وآسان ترجمہ قرآن، ج ۱، ص ۲۱۸

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ قرآن کی یہ آیت ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا﴾ ہمارے حق میں نازل کی گئی تھی، کیونکہ ہمارے ہی دو گروہ تھے، ایک بنی سلمہ، ایک بنی حارث، ہم اس آیت کے نزول کو اچھا خیال پر پسند کرتے ہیں، اور سفیان بن عیینہ نے ایک مرتبہ اس طرح سے بیان کیا کہ ہم کو اس وجہ سے خوشی ہوئی کہ ﴿وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا﴾ اللہ ان دونوں گروہوں کا محافظ و مددگار ہے۔

بنو حارثہ و بنو سلمہ کیلئے باعث فخر

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ الْخ﴾ دو طائفوں یعنی بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

غزوہ احد کے موقع پر عبد اللہ بن ابی جب تین سو افراد کے ساتھ واپس چلا گیا تو بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دل میں بھی خیال پیدا ہوا کہ ہم بھی چلے جاتے۔ لیکن اللہ ﷻ نے پھر ان کو محفوظ رکھا۔

اگرچہ قرآن کریم میں ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ ﴿أَنْ تَفْشَلَا﴾ اگرچہ اس میں ہماری کمزوری کا ذکر ہے جو بظاہر اچھی بات نہیں ہے، مگر اسکے باوجود مجھے اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ سے خوشی ہے بجائے اس کے کہ مجھے اس کا نازل نہ ہونا کوئی خوشی دیتا۔

اور وہ خوشی اس واسطے کہ اس آیت میں اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ﴿وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا﴾ یعنی اللہ ان دونوں گروہوں بنو حارثہ اور بنو سلمہ کا محافظ و مددگار ہے، تو اللہ ﷻ نے ہمارے لئے اپنے ولی ہونے کی شہادت دیدی کہ ہم ان کے ولی ہیں تو اس واسطے ہمیں تو اچھا لگتا ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے ایک سند ہے ہمارے لئے۔

(۹) باب: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ [۱۲۸]

باب: ”(اے پیغمبر!) تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں۔“

آیت کے نزول کا پس منظر

غزوہ احد میں ستر (۷۰) صحابہ شہید ہوئے تھے، جن میں حضور اقدس ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب ﷺ بھی شامل تھے، مشرکین قریش نے نہایت وحشیانہ طور پر شہداء کا مشلہ کیا، ناک، کان وغیرہ کاٹے، پیٹ چاک کئے حتیٰ کہ حضرت حمزہ ﷺ کا جگر نکال کر چبایا گیا۔

خود نبی کریم ﷺ کو بھی اس لڑائی میں زخم پہنچے، سامنے کے چار دانتوں میں سے نیچے کا دائیں طرف

کا دانت شہید ہوا، خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں، پیشانی زخمی ہوئی اور بدن مبارک لہو لہان نہ اسی حالت میں آپ کا پٹن لڑکھڑایا اور زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔

اس موقع پر کفار نے مشہور کر دیا کہ محمد (ﷺ) قتل ہو گئے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ اس افواہ کے سنتے ہی مسلمانوں کے لشکر میں بدحواسی پھیل گئی، تھوڑی دیر کے بعد آپ (ﷺ) کو ہوش آیا، اس وقت زبان مبارک سے نکلا ”وہ قوم کیونکر فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کیا اور ان کے دانت توڑ دیئے، اس لئے کہ وہ نبی ان کو خدا کی طرف بلاتا تھا“۔ ۱

مشرکین کے وحشیانہ شدائد و مظالم کو دیکھ کر آپ (ﷺ) سے نہ رہا گیا اور ان میں سے چند نامور اشخاص کے حق میں آپ (ﷺ) نے بددعا کا ارادہ کیا یا شروع کر دی جس میں ظاہر ہے آپ (ﷺ) ہر طرح حق بجانب تھے مگر حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ آپ (ﷺ) اپنے منصب جلیل کے موافق اس سے بھی بلند مقام پر کھڑے ہوں، وہ ظلم کرتے جائیں آپ (ﷺ) خاموش رہیں جتنی بات کا آپ (ﷺ) کو حکم ہے (مثلاً دعوت و تبلیغ اور جہاد وغیرہ) اسے انجام دیتے رہیں، باقی ان کا انجام خدا کے حوالے کریں، اس کی جو حکمت ہوگی کرے گا۔

آپ (ﷺ) کی بدعا سے ہلاک کر دئے جائیں کیا اس کی جگہ یہ بہتر نہیں کہ ان ہی دشمنوں کو اسلام کا محافظ اور آپ (ﷺ) کا جاں نثار عاشق بنا دیا جائے؟

چنانچہ جن لوگوں کے حق میں آپ (ﷺ) بددعا کرتے تھے، چند روز کے بعد سب کو اللہ (ﷻ) نے آپ (ﷺ) کے قدموں پر لا ڈالا، اور اسلام کا جاننا زسپاہی بنا دیا، غرض ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ خِشْيَةٌ﴾ میں آپ (ﷺ) کو متنبہ فرمایا کہ بندہ کو اختیار نہیں نہ اس کا علم محیط ہے اللہ (ﷻ) جو چاہے سو کرے، اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں لیکن چاہے وہ ان کو ہدایت دے، چاہے عذاب کرے تم اپنی طرف سے بددعا نہ کرو۔

بعض روایات سے ان آیات کی شان نزول کچھ اور معلوم ہوتی ہے کہ آپ (ﷺ) نے کفار کیلئے کسی اور موقع پر بددعا بھی فرمائی تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں حضور اقدس (ﷺ) کو صبر و تحمل کی تعلیم دی گئی ہے۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں کئی جگہ اس پر شافی کلام کیا ہے۔ ۲

۴۵۵۹۔ حدثنا حبان بن موسى: أخبرنا عبد الله: أخبرنا معمر، عن الزهري قال:

۱۔ حدثنا عفان، حدثنا حماد، أخبرنا ثابت، عن أنس، أن النبي ﷺ قال يوم أحد: وهو سلبت النعم عن وجهه وهو يقول: كيف يفلح قوم شجروا بينهم، وكسروا رباعيته وهو يدعوهم إلى الله، فأنزل الله عز وجل: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ خِشْيَةٌ أَوْ يُخَوِّبَ غَلْبَهُمْ أَنْ يُعْلَنَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ [آل عمران: ۱۲۸]۔ مسند أحمد، مسند أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه، رقم ۱۳۶۵۷

۲۔ معارف القرآن، ج: ۲، ص: ۷۵، تفسير عثمانی، آل عمران: ۱۲۸، طالعہ: ۲، - وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۲۲۶

حدثني سالم عن أبيه انه سمع رسول الله ﷺ اذا رفع رأسه من الركوع في الركعة الآخرة من الفجر يقول: ((اللهم العن فلانا وفلانا وفلانا)) بعد ما يقول: ((سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد))، فانزل الله: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ الى قوله: ﴿فَاتَّهَمُوا ظِلْمُونَ﴾.

رواه اسحاق بن راشد، عن الزهري. [راجع: ۳۰۶۹]

ترجمہ: زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے سالم رحمہ اللہ نے حدیث سنائی جو وہ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فجر کی نماز میں دوسری رکعت میں رکوع سے اٹھنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللَّهُمَّ العن فلانا وفلانا وفلانا“ اے اللہ! لعنت بھیج فلاں شخص پر، فلاں شخص پر اور فلاں شخص پر، یہ بدعاء آپ ﷺ نے ”سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد“ کہنے کے بعد کی تھی۔ تو اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ آیت کے آخر تک۔

یہ روایت اسحاق بن راشد نے امام زہری کے واسطے سے بیان کی ہے۔

۳۵۶۰ - حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا إبراهيم بن سعد: حدثنا ابن شهاب،

عن سعيد بن المسيب وأبي سلمة بن عبد الرحمن، عن أبي هريرة ؓ: أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يدعو على أحد أو يدعو لأحد قنت بعد الركوع فربما قال - إذا قال: ((سمع الله لمن حمده)) - : ((اللهم ربنا لك الحمد. اللهم ألج الوليد ابن الوليد، وسلمة بن هشام، وعياش بن أبي ربيعة. اللهم اشد وطأتك على مضر واجعلها سنين كسنى يوسف))، يجهر بذلك، وكان يقول في بعض صلاته في صلاة الفجر: ((اللهم العن فلانا وفلانا)) لأحياء من العرب حتى أنزل الله ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ [الآية]. [راجع: ۷۹۷]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی پر بددعاء فرماتے یا کسی کے لئے دعا کرتے تھے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے، جب آپ ﷺ ”سمع الله لمن حمده“ : ”ربنا لك الحمد“ کہہ دیتے تو بعض اوقات فرماتے تھے کہ اے اللہ! نجات دے ولید بن ولید کو، سلمہ بن ہشام کو اور عیاش بن ابی ربیعہ کو۔ اے اللہ! تکلیف پہنچانے والی قوم کو سختی سے پکڑ لیجئے اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ جیسی قحط سالی ڈال دیجئے۔ آپ ﷺ ہمیشہ یہ بلند آواز سے کہتے تھے، اور کبھی کبھی فجر کی نماز میں بعض قبل عرب کے لئے یہ بدعاء فرماتے اے اللہ! لعنت بھیج فلاں شخص پر، فلاں شخص پر اور فلاں شخص پر۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

فَإِنِّي لَكُم مِّنَ الْأَمْرِ فَتَىٰ ﴿۱۰﴾

(۱۰) **بَاب قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَالرُّسُولُ يُدْعُوكُمْ فِيْ أَخْرَٰكُمْ﴾ [۵۲]۔**

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے۔“

وہو تانیث آخرکم، وقال ابن عباس: ﴿اخْدَى الْحُسَيْنِ﴾ [العرب: ۵۲]: فتحاً أو شهادة.
ترجمہ: تانت مذکور میں ”آخرکم“ تانیث ”أَخْرَٰكُمْ“ ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے
تانت ﴿اخْدَى الْحُسَيْنِ﴾ قرآن نبیوں میں سے کسی ایک کے تکرر ہو، کا یہ مطلب بیان فرمایا کہ ایک نے
اس آیت سے شہادت۔

۳۵۶۱۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا أَبُو اسْحَاقٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ
بْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الرِّجَالِ يَوْمَ أَحَدٍ عَبْدًا لَهُ ابْنُ جَبْرِ
وَالْبَلَاءُ مِنْهُمْ، فَلَاكَ إِذْ يَدْعُوهُمْ الرُّسُولُ فِيْ أَخْرَٰهُمْ. وَلَمْ يَبْقَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ غَيْرُ النَّبِيِّ
عَشْرًا رَجُلًا. [راجع: ۳۰۳۹]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں پر رسول اللہ ﷺ نے دعوت
عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا، مگر ان لوگوں نے اپنے امیر سے روگردانی کی، اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف
اشارہ دیا گیا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے اور باقی سب منتشر ہو گئے تھے۔

۱۔ (یہ آیت میں ہے کہ) دعوت حبیب اللہ ﷺ نے کیا تو مسلمان بن گئے اور یہاں رسول اللہ ﷺ کا ہر مذکور ہے در مسلمانوں کا۔
غالباً مفہوم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعوت پہنچا دی، آپ کو کہہ کر کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا صحابہ ﷺ نے نہ نہ اور اور کچھ بچے گئے اس وقت
دعوت حبیب ﷺ نے پائی۔ ان سب میں ہو گئے، میں جہاں کہیں پہنچا تو رسول اللہ ﷺ کی جگہ آپ کے پاس میں نہ رہے
تو میں نہ رہا، آپ ﷺ کو دیکھ کر دعوت حبیب ﷺ نے پائی میں ان خیرین میں سے نہیں ہوئی، فی جواب نہ ﷺ آپ
ﷺ سے پانے سے نہ پانے کے ہوتے، یہ کہ عقاب سے اور توجہ سے تو ان بچوں سے رسول اللہ ﷺ کو اس سے کہہ سکا کہ
جلالہ سے نہ رہے اور یہاں میں ﴿الْبَلَاءُ مِنْهُمْ﴾ میں صحابہ ﷺ سے ماں بہت توجہ دینی ہے اس سے قصداً بیت تھی کہ
ان کا یہ صفت ہے کہ ان کے عقاب سے نہ رہے، اور میں نہ رہا، عصبانے میں میں میں مشیت ہوتی ہیں یہ تھی کہ وہی۔
یعنی ان میں سے وہی ہیں عقاب سے نہ رہے۔

(۱۱) باب قوله: ﴿أَمْنَةً لِّعَاسٍ﴾ [۱۵۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”طمأنینت بھری اُونگھ۔“

۳۵۶۲ - حدثني إسحاق بن إبراهيم بن عبد الرحمن أبو يعقوب: حدثنا حسين بن محمد: حدثنا شيبان، عن قتادة قال: حدثنا أنس: أن أبا طلحة قال: غشينا النعاس ونحن في مصافنا يوم أحد، قال: فجعل سيفي يسقط من يدي وأخذته، ويسقط وأخذته. [راجع: ۳۰۶۸]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُحد کے دن جب کہ ہم میدان جنگ میں موجود تھے، ایسی اُونگھ / نیند آنے لگی کہ میری تلوار میرے ہاتھ سے تلوار گرنے لگی، مگر میں نے اس کو پکڑ لیا، پھر گرنے لگی تو میں نے پکڑ لیا۔

اُونگھ مسلط کرنے مقصد

”غشينا النعاس“ یعنی نیند طاری ہو گئی تھی تا کہ کفار کا رعب دور ہو جائے اور سکینت نازل ہو، تو ہاتھ میں تلوار ہوتی تھی اور وہ نیند کی وجہ سے گر جاتی تھی۔

(۱۲) باب قوله تعالى: ﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ

الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرَ عَظِيمٍ﴾ [۱۷۲]

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کیلئے زبردست اجر ہے۔“

﴿الْقَرْحُ﴾: الجراح. ﴿اسْتَجَابُوا﴾: اجابوا، ﴿يَسْتَجِيبُ﴾: بجیب.

ترجمہ: ”الْقَرْحُ“ کے معنی زخم کے ہیں، ”اسْتَجَابُوا“ کے معنی حکم سن کر تعمیل میں جواب دینا، ”يَسْتَجِيبُ“ اور مانتا۔

(۱۳) باب قوله: ﴿إِنِّ الدِّينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ لَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ﴾ [۱۷۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: ”یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کیلئے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہذا ان سے ڈرتے رہنا۔“

۳۵۶۳۔ حدثنا أحمد بن يونس أراه قال: حدثنا أبو بكر، عن أبي حصين، عن أبي الضحى، عن ابن عباس: ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ قَالَهَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِينَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَقَالَهَا مُحَمَّدٌ ﷺ حِينَ قَالُوا: ﴿إِنِّ الدِّينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ لَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ لَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾. [الطبر: ۳۵۶۳] ۱

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ آیت ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہی تھی جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور یہی آیت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس وقت پڑھی تھی ﴿إِنِّ الدِّينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ لَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ الْخ﴾ یعنی جب منافقوں نے مسلمانوں کو ڈرانے کے لئے کہا تھا کہ تم سے لڑنے کو بہت لوگ جمع ہو گئے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جاٹاری اور عزم و ہمت

یہ ”حمراء الأسد“ والا واقعہ ہے۔

غزوہ احد کے بعد جب کفار واپس گئے تو راستے میں ان کو خیال آیا کہ ہم سے غلطی ہو گئی کہ مسلمانوں کو شکست خوردہ حالت میں چھوڑ آئے، ہمیں یوں کرنا چاہئے تھا کہ ایک اور حملہ کر کے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتے، اس پر کفار مشورہ کرنے لگے کہ پھر مدینہ واپس چل کر مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کی خبر ہوئی کہ کفار دوبارہ حملہ کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ احد کی لڑائی میں جو لوگ شریک تھے، وہ دشمن کا تعاقب کرنے کیلئے تیار ہو جائیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باوجود یہ کہ تھکے ہوئے اور شکست خوردہ تھے، پھر اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر جانے کیلئے تیار ہو گئے۔

راستے میں جب منافقوں نے مسلمانوں کو ڈرانے کیلئے کہا کہ تم سے لڑنے کو بہت لوگ جمع ہو گئے ہیں تو اس موقع پر رسول اللہ ﷺ اور ان کے یار صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ”حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“ ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

تو اس موقع پر یہ آیت اللہ رب العزت کی طرف سے نازل ہوئی۔

۴۵۶۳۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ أَرَاهُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي الضَّحَى، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ آخِرُ قَوْلِ إِبْرَاهِيمَ حِينَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ: حَسْبِيَ اللَّهُ وَلَنِعْمَ الْوَكِيلُ. [راجع: ۴۵۶۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا اس وقت آخری بات انہوں نے یہ کہی تھی کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہ ہی کارساز ہے۔

(۱۴) باب: ﴿وَلَا يَخْسِبُنَّ الدِّينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنَّهُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ [۱۸۰] الآية

باب: ”اور جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے (مال) میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کیلئے کوئی اچھی بات ہے۔“

یہود اور منافقین کا بخل

ابتدائے سورت کا بڑا حصہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے متعلق تھا، درمیان میں خاص مناسبات و وجوہ کی بنا پر غزوہ احد کی تفصیلات آگئیں، انہیں بقدر کفایت تمام کر کے یہاں سے پھر اہل کتاب کی شائع بیان کی جاتی ہیں۔

چونکہ ان میں یہود کا معاملہ بہت مضر رساں و تکلیف دہ تھا، منافقین بھی اکثر ان ہی میں سے تھے اور اوپر کی آیت میں آگاہ کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ اب خبیث کو طیب سے جدا کر کے رہے گا، سو یہ جدائی جس طرح جانی و بدنی جہاد کے وقت ظاہر ہوتی تھی اسی طرح مالی جہاد کے وقت بھی کھرا کھوٹا، کچا پکا صاف طور پر الگ ہو جاتا تھا۔ اس لئے بتلادیا کہ یہود منافقین جیسے جہاد کے موقع سے بھاگتے ہیں، مال خرچ کرنے سے بھی جی چراتے ہیں لیکن جس طرح جہاد سے بچ کر دنیا میں چند روز کی مہلت حاصل کر لینا ان کے حق میں کچھ بہتر نہیں، ایسے ہی بخل کر کے بہت مال اکٹھے کر لینا بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اگر دنیا میں فرض کرو کوئی مصیبت پیش بھی نہ

آئے تو قیامت کے دن یقیناً یہ جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں ان کے گلے کا ہار بن کر رہے گا۔
اس میں مسلمانوں کو بھی کھٹکھٹا دیا کہ زکوٰۃ دینے اور ضروری مصارف میں خرچ کرنے سے کبھی جی نہ چرائیں، ورنہ جو شخص بخل و حرص وغیرہ رذیل خصلتوں میں یہود منافقین کی روش اختیار کرے گا، اسے بھی اپنے درجہ کے موافق اسی طرح کی سزا کا منتظر رہنا چاہئے، چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مانعین زکوٰۃ کا مال سخت زہریلے اثر دہے کی صورت میں متمثل کر کے ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ نعوذ باللہ منہ۔ ۱۰

﴿سَيُطَوَّلُونَ﴾ کقولک: طوّلہ بطوق

ترجمہ: ”سَيُطَوَّلُونَ“ عنقریب ان لوگوں کو طوق پہنائے جائیں، جیسا کہ تمہارا قول ہے کہ میں اس کی گردن میں طوق پہنا دیا۔

۴۵۶۵۔ حدثنی عبد اللہ بن مسیر: سمع ابا النضر: حدثنا عبد الرحمن بن ابی عبد اللہ بن دینار، عن ابیہ، عن ابی صالح، عن ابی ہریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((من آتاه اللہ مالا فلم يؤدہ زکاتہ مثل لہ مالہ شجاعا أقرع، لہ زببتان، يطوقہ يوم القيامة یاخذ بلہزمۃ۔ یعنی بشدقیہ۔ بقول: أنا مالک، أنا کنزک))۔ تلا هذه الآية ﴿وَلَا يَخْسِبَنَّ الدِّينَ يَتَخَلَّوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ [راجع: ۱۴۰۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ ﷻ نے مال عطاء کیا ہو اور پھر اس نے اس مال کی زکوٰۃ اداء نہ دی، تو قیامت کے روز اس کا مال اس کے لئے سانپ بن جائے گا، جو گنجا ہوگا اس کی آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے اور پھر یہ سانپ اس کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جائے گا اور پھر وہ سانپ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کردہ خزانہ ہوں، اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَلَا يَخْسِبَنَّ الدِّينَ يَتَخَلَّوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾۔

بخل اور زکوٰۃ نہ دینے پر شدید عذاب

اس آیت میں بخل کی مذمت اور اس پر وعید مذکور ہے۔

”بخل“ کے معنی شرعی یہ ہیں کہ جو چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کسی پر واجب ہو اور وہ اس کو خرچ نہ کرے، جیسے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے لیکن بخل کی وجہ سے کہ مال کم ہو جائے گا اس لئے زکوٰۃ اداء نہ کرے۔

اسی لئے بخل حرام ہے، اور اس پر جہنم کی وعید شدید ہے۔
 اور جن مواقع میں خرچ کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، وہ اس بخل حرام میں داخل نہیں، البتہ معنی عام کے اعتبار سے اس کو بھی بخل کہہ دیا جاتا ہے، اس قسم کا بخل حرام نہیں، مگر خلافِ اولیٰ ہے۔
 بخل کی جو سزا اس آیت میں ذکر کی گئی ہے کہ قیامت کے روز جس چیز کے دینے میں بخل کیا اس کو طوق بنا کر اس گلے میں ڈالا جائے، اس کی تفسیر حضرت ابو ہریرہ ؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتی ہے۔
 آپ ؐ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطاء کیا، پھر اس شخص نے اس مال کا حق یعنی اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو روزِ قیامت اس کا یہ مال ایک خوفناک سانپ کی شکل اختیار کر لے جو اتنا زہریلا ہوگا کہ اس کے سر پر کوئی بال نہیں ہوگا، اور آنکھوں پر دودھ بھرتے ہوں گے، اور یہ سانپ اس کی گردن میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا، وہ سانپ اس شخص کے دونوں جڑوں پر باجھوں کو جکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا مال و دولت ہوں اور وہ خزانہ ہوں جسے تو بڑے شوق سے جمع کرتا تھا۔ ۱۱

(۱۵) باب: ﴿وَلَنَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ

أَشْرَكُوا أَدَىٰ كَثِيرًا﴾ [۱۸۶]

باب: ”اور تم اہل کتاب اور مشرکین دونوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔“

صبر اور برداشت کی تلقین

اس آیت میں مسلمانوں کا بتلایا گیا ہے کہ دین کیلئے جان و مال کی قربانیوں سے اور کفار و مشرکین اور اہل کتاب کی بدزبانی کی ایذاؤں سے گھبراتا نہیں چاہئے، یہ سب ان کی آزمائش ہے، اور اس میں بہتر یہی ہے کہ صبر سے کام لیں اور اپنے اصل مقصد تقویٰ کی تکمیل میں مصروف رہیں، کفار و مشرکین کی جواب دہی کی فکر میں نہ پڑیں۔

۴۵۶۶۔ حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعیب، عن الزہری: أخبرنی عروة بن الزہیر

أن أسامة بن زید رضي الله عنهما أخبره أن رسول الله ﷺ ركب على حمار على قطيفة
 لدكية وأردف أسامة بن زيد وراءه يعود سعد بن عبادة في بني الحارث بن الخزرج قبل

ولقد بدر، قال: حتی مر بمجلس فیہ عبداللہ بن ابی بن سلول وذلك قبل أن یسلم
عبداللہ بن ابی، فإذا فی المجلس أخلاط من المسلمین والمشرکین عبدة الأولان،
والیہود والمسلمین، وفی المجلس عبداللہ بن رواحة. فلما غشیت المجلس عجاوبة
الدابة ختم عبداللہ بن ابی ألفه بردائه ثم قال: لا تُفبروا علینا، فسلم رسول اللہ ﷺ علیہم ثم
وقف فنزل فدعاهم إلی اللہ، وقرأ علیہم القرآن. فقال عبداللہ بن ابی بن سلول: أیہا المرء
إنہ لا أحسن مما تقول. إن کان حقاً فلا تزدنا به فی مجالسنا. ارجع إلی رحلک، فممن
جاءک فالصص علیہ. فقال عبداللہ بن رواحة: بلی یا رسول اللہ فاعشنا به فی مجالسنا
فلما لحب ذلك. فاسب المسلمون والمشرکون والیہود حتی کادوا یقتاورون فلم یزل
النبی ﷺ یخلفهم حتی سکوا ثم ركب النبی ﷺ دابته فسار حتی دخل علی سعد بن
عبادة، فقال له النبی ﷺ: ((أیہا سعد ألم تسمع ما قال أبو حباب؟ - یرید عبداللہ بن ابی -
قال کذا وکذا))، قال سعد بن عبادة: یا رسول اللہ أعف عنه وأصفح عنه، فوالذی أنزل
علیک الکتاب لقد جاء اللہ بالحق الذی أنزل علیک، ولقد اصطلح أهل هذه البحره
علی أن یجوجه لیعصبوه بالعصاة فلما أبی اللہ ذلك بالحق الذی أعطاک اللہ شری
بذلك، فذلك فعل به مارأیت، لعفا عنه رسول اللہ ﷺ وکان النبی ﷺ وأصحابه یعفون عن
المشرکین وأهل الکتاب کما أمرهم اللہ ویصبرون علی الأذى، قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَقَسْمَعُنْ
مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا﴾ الآية. وقال اللہ: ﴿وَذَكِّرْ مَنْ
أَهْلَ الْكِتَابِ لَوْ رَدُّوهُنَّ لَوْ تَرَدُّوهُنَّ لَوْ تَرَدُّوهُنَّ لَوْ تَرَدُّوهُنَّ لَوْ تَرَدُّوهُنَّ لَوْ تَرَدُّوهُنَّ لَوْ تَرَدُّوهُنَّ
النبی ﷺ یسأل العفو ما أمره اللہ به حتی أذن اللہ فیهم، فلما غزا رسول اللہ ﷺ بدرًا ففعل اللہ
به صنادید کفار قریش قال ابن ابی بن سلول ومن معه من المشرکین وعبدة الأولان: هذا
أمر قد توجه، فهاجوا الرسول ﷺ علی الإسلام فأسلموا. [راجع: ۲۹۸۷]

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ
ﷺ ایک گدھے پر سوار تھے، جس پر ندک کی بنی ہوئی چادر رکھی تھی، آپ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو
اپنے پیچھے سوار کر لیا، پھر آپ بنو حارث بن خزرج میں سعد بن عبادہ ﷺ کو دیکھنے تشریف لے گئے اور یہ جنگ بدر
سے پہلے کا واقعہ ہے۔

اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ راستہ میں آپ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے، ان میں (مشہور منافق)
عبداللہ بن ابی بن سلول بھی بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت تک ظاہر ابھی اسلام نہیں لایا تھا، اس مجلس میں مسلمان، بت

پرست مشرک اور یہودی سب بیٹھے ہوئے تھے اور ان میں حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ بھی بیٹھے تھے۔

جب گدھے کے چلنے سے گرداڑی، جس نے اس مجلس کو ڈھانپ لیا، تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک کو چادر سے چھپا دیا اور کہنے لگا کہ ہم پر گرد مت اڑاؤ، رسول اللہ ﷺ نے مجلس والوں کو سلام کیا، پھر ٹھہرے اور سواری سے اترے، قرآن کی تلاوت فرمائی اور ان سب کو اللہ ﷻ کی طرف آنے کی دعوت دی، عبداللہ بن ابی نے کہا کہ جو کلام تم نے پڑھا اس سے عمدہ کوئی کلام نہیں ہے۔ اگرچہ جو تم کہہ رہے وہ سچ ہے، مگر پھر بھی اس کو ہماری مجلس میں سنا کر ہمارے کان مت کھاؤ، اپنے گھر میں جاؤ اور وہاں جو تمہارے پاس آئے اس کو سناؤ۔

تو حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ ضرور ہماری مجالس میں تشریف لایا کیجئے اور ہم کو سنایا کیجئے کیونکہ ہم کو یہ باتیں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں، ہمیں یہ باتیں پسند ہیں۔

اس کے بعد مسلمانوں، مشرکین اور یہودیوں میں آپس میں کچھ ناگوار تلخ گفتگو شروع ہو گئی یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپس میں ہاتھ پائی شروع کر دیں، تو نبی کریم ﷺ ان لوگوں کو روکنے لگے، آخر معاملہ رفع دفع ہو گیا اور سب خاموش ہو گئے۔

پھر نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر سوار ہو گئے، اور حضرت سعد بن عبادہ ؓ کے پاس تشریف لے گئے اور سعد بن عبادہ ؓ سے فرمایا کہ اے سعد! کیا تم نے سنا کہ ابو حباب یعنی عبداللہ بن ابی - نے کیا باتیں کی ہیں؟ اُس نے اس قسم کی باتیں کی ہیں۔ حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے یہ سن کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اسے معاف کر دیجئے اور اس کی باتوں کا کوئی خیال نہ فرمائیں بلکہ درگزر فرمائیں، میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس نے آپ پر قرآن اتارا ہے جو کچھ آپ پر نازل ہو رہا ہے وہ برحق اور صحیح ہے اور آپ اللہ ﷻ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔

بات یہ ہے کہ مدینہ کے لوگوں نے آپ کے تشریف لانے سے پہلے یہ طے کر لیا تھا کہ ہم عبداللہ بن ابی کو اپنا سردار بنائیں گے اور اس کو تاج پہنائیں گے، لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس حق کے ذریعے آپ کو اس نے عطاء کیا ہے، اس کو روک دیا تو یہ بات اس کو ناگوار گذری اور وہ جڑ گیا، اس لئے وہ آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جو آپ نے خود دیکھا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا، کیونکہ نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام ؓ کی یہ عادت تھی کہ وہ ہمیشہ مشرکین اور کفار کی گستاخیوں کو معاف کر دیا کرتے تھے، جیسا کہ اللہ ﷻ نے ان کو حکم دیا اور ان کی جانب سے دی جانے والی تکالیف پر صبر اختیار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ ﴿وَلَقَدْ سَمِعْنَا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَفْرَقُوا آذَىٰ مَغِيرَةٍ﴾ اور فرمایا اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ تَحْتِ

إِنَّمَا لَكُمْ كُفَّارًا خَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ۔

نبی کریم ﷺ ہمیشہ کافروں کی تکلیفوں پر صبر اختیار کیا کرتے تھے، جس کا اللہ ﷻ نے حکم فرمایا تھا، یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے کافروں سے جہاد کا حکم نازل فرمایا اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بدر کی جنگ کی اور اللہ نے اس غزوہ کے ذریعے سے کفار قریش کے بڑے بڑے سردار مسلمانوں کے ہاتھ قتل کر دائے، تو اس وقت عبداللہ بن ابی اور اس کے مشرکین و بت پرست ساتھیوں نے کہا کہ اب تو معاملہ پلٹ گیا ہے یعنی یہ دین غالب ہو گیا اور اس میں شریک ہونے کا وقت آ گیا ہے، چنانچہ ظاہر میں آنحضرت ﷺ سے اسلام پر بیعت کر کے (بظاہر) اسلام میں داخل ہو گئے۔

(۱۶) باب: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا﴾ [۱۸۸]

باب: ”یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو لوگ اپنے کئے پر بڑے خوش ہیں۔“

۳۵۶۷۔ حدثنا سعید بن ابی مریم: حدثنا محمد بن جعفر قال: حدثني زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد الخدري ؓ: أن رجلاً من المنافقين على عهد رسول الله ﷺ، كان إذا خرج رسول الله ﷺ إلى الغزو تخلفوا عنه وفرحوا بمقدمهم خلاف رسول الله ﷺ، فإذا قدم رسول الله ﷺ اعتدوا إليه وحلفوا وأحبوا أن يحمداً بما لم يفعلوا، فنزلت: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾. ۱۱

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو لوگ منافق تھے، جب رسول اللہ ﷺ جہاد کے ارادے سے تشریف لے جاتے، تو یہ منافق لوگ پیچھے رہ جاتے، اور اس بات پر بہت خوش ہوتے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں نہیں گئے، پھر جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لاتے تو یہ لوگ حاضر ہو کر عذر اور مجبوریاں بیان کرنے لگ جاتے اور قسمیں اٹھا لیتے، اور وہ چاہتے تھے کہ جہاد کرنے والوں کے ساتھ ان کی بھی تعریف کی جائے، اس عمل پر جو انہیں نے کیا ہی نہیں تھا، اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾۔

منافقین کیلئے عذاب کی وعید

یہ آیت ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَلُوا﴾ کہ جو لوگ اتراتے ہیں اپنے عمل پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں میں جو انہوں نے نہیں کئے تو ان کیلئے عذاب کی وعید اس آیت میں ہے۔

یہ ان منافقین کے بارے میں ہے جو حضور ﷺ کے ساتھ جہاد میں نہیں جاتے تھے اور بڑے خوش ہوتے تھے کہ ہم نے بڑا اچھا کام کیا کہ نہیں گئے۔ تو جب حضور ﷺ واپس تشریف لاتے تو عذر کچھ ایسے پیش کرتے کہ حضور ﷺ ہماری تعریف کریں، کہ تم نے اچھا ہی کیا، ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

۳۵۶۸۔ حدیثی ابراہیم بن موسیٰ: أخبرنا هشام: أن ابن جريج أخبرهم، عن ابن أبي مليكة أن علقمة بن وقاص أخبره: أن مروان قال لبوابه: اذهب يا رافع إلى ابن عباس لقل: لئن كان كل امرئ فرح بما أوتي وأحب أن يحمد بما لم يفعل معذبا لنعذبن أجمعون. فقال ابن عباس: مالكم ولهذه؟ إنما دعا النبي ﷺ يهود فسالهم عن شيء فكتموه لئلا يباه وأخبروه بغيره فأروه أن قد استحمدوا إليه بما أخبروه عنه فيما سألهم وفرحوا بما آتوا من كتمانهم. ثم قرأ ابن عباس ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ كذلك حتى قوله: ﴿يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَلُوا﴾.

تابعہ عبدالرزاق، عن ابن جريج. حدثنا ابن مقاتل: أخبرنا الحجاج، عن ابن جريج: أخبرني ابن أبي مليكة، عن حميد بن عبدالرحمن بن عوف: أنه أخبره أن مروان: بهذا. ترجمہ: حضرت علقمہ بن وقاص نے بیان کیا کہ ایک دن مروان بن حکم نے اپنے دربان سے کہا کہ اے رافع! ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے معلوم کرو کہ اگر ہر شخص اس عمل سے خوش ہو جو اس نے کیا ہو، اور اگر کوئی شخص بغیر کسی عمل کئے ہوئے اپنی تعریف کرانے کو اچھا خیال کرے تو اس کو آخرت میں عذاب ہوگا، (یہ اگر صحیح ہے) تو پھر تو ہم ضرور عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم کو اس بات سے کیا سروکار؟ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے کچھ یہودیوں کو بلا کر ان سے کوئی بات دریافت کی، انہوں نے اصلی بات کو چھپا لیا اور غلط بات بتادی، اور یہ ظاہر کرنے لگے کہ آپ ﷺ نے جو کچھ پوچھا تھا ہم نے وہی بتایا، وہ اپنی اس بات پر تعریف کے خواہشمند ہوئے، اور اپنے کتمان حق پر خوش ہوئے، اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ سے لیکر

﴿يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ وَيُحْمِلُونَ أَنْ يُحْمَلُوا﴾ تک پڑھی۔

عبدالرزاق نے بھی ابن جریج سے اس کی روایت میں متابعت کی ہے۔ اس حدیث کو ابن ابی ملیکہ نے حمید بن عبدالرحمن بن عوف سے بھی بیان کیا ہے کہ مروان نے اس حدیث کو مجھ سے نقل کیا ہے۔

تشریح

علقمہ بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مروان بن حکم نے اپنے خادم رافع سے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے معلوم کرو کہ ”لَنْ كَانَ كَلَّ امْرِئٍ فَرَحَ بِمَا أُوتِيَ“ جو شخص کوئی عمل کرتا ہے پھر اپنے اس عمل سے خوش ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے بطور نعمت دیا گیا ہے۔

”وَأَحَبُّ أَنْ يَحْمَدَ بِمَا لَمْ يَفْعَلْ، مَعْلُومًا“ اور اگر بغیر کسی کام کے کئے ہوئے اپنی تعریف کرانے کو اچھا خیال کرے تو اس کو آخرت میں عذاب ہوگا، ”لِلْعَالَمِينَ أَجْمَعِينَ“ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تو ہم ضرور عذاب میں ڈالے جائیں گے، کیونکہ ہم سب کی بھی یہی حالت ہے۔

مروان بن حکم کا اس بات کے متعلق سوال کرنا اس آیت کے ضمن میں تھا ﴿لَا تَحْزَنُوا لِمَا أَفْعَلْنَا﴾۔

”فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَا لَكُمْ وَلِهَذِهِ؟“ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم کو اس بات سے کیا سروکار؟ تمہارا اس آیت سے تعلق کیسے ہو سکتا ہے؟

پھر اس آیت کا شان نزول بیان کیا یعنی تم جس آیت سے یہ خیال دل میں لائے ہو، اس کی وجہ تو یہ ہے کہ ”إِنَّمَا دَعَا النَّبِيَّ ﷺ يَهُودُ لِمَا لَهُمْ عَنْ شَيْءٍ“ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے کچھ یہودیوں کو بلا کر کوئی بات دریافت کی، جو ان کی آسمانی کتاب تورات میں موجود تھی۔

”فَكَتَمُوا إِيَّاهُ وَأَخْبَرُوهُ بِغَيْرِهِ“ انہوں نے اصلی بات کو چھپا لیا اور غلط بات بتادی۔

”فَأَرَاهُ أَنْ لَقَدْ اسْتَحْمَدُوا إِلَهَهُ بِمَا أَخْبَرُوهُ عَنْهُ لِمَا سَأَلَهُمْ“ اور پھر یہ ظاہر کرنے لگے کہ جو آپ نے دریافت کیا تھا اسی کے متعلق بتایا ہے، اور اپنی اس بات پر وہ تعریف کے خواہشمند تھے، ”وَلَمْ يَرْحَبُوا بِمَا أُنْزِلَ مِنْ كَعَمَالِهِمْ“ وہ اس بات پر بہت خوش ہوئے کہ ہم نے حق بات کو چھپا دیا۔

یعنی جو پوچھا اس کے جواب میں جو غلط بات کہی اس پر تعریف چاہی اور جو حق کے بجائے جھوٹ کہا اس پر خود خیال کرنے لگے کہ چلو مفت میں ہماری نیک نامی ہوئی۔

اس شان نزول کو بیان کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الْبَنِي إِسْرَءِيلَ أَنْ تَنْزِلُوا الْكِتَابَ﴾ سے لیکر ﴿يَفْرَحُونَ بِمَا أُتُوا وَيُؤْخَذُونَ أَنْ يُنْعِمُوا﴾ تک۔

در اصل دونوں حدیثوں میں یہود اور منافق کے لئے تنبیہ ہے کہ یہود مسئلے غلط بتاتے، رشوتیں کھاتے اور پیغمبر کی صفات و بشارت جان بوجھ کر چھپاتے تھے پھر خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور امید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں کہ بڑے عالم اور دیندار حق پرست ہیں۔

دوسری طرف منافقین کا حال بھی ان کے مشابہ تھا، جب جہاد کا موقع آتا گھر میں چھپ کر بیٹھ رہتے اور اپنی اس حرکت پر خوش ہوتے کہ دیکھو کیسے جان بچائی، جب حضور ﷺ جہاد سے واپس تشریف لاتے تو غیر حاضری کے جھوٹے عذر پیش کر کے چاہتے کہ آپ ﷺ سے اپنی تعریف کرائیں۔

ان سب کو تلامذہ دیا گیا کہ یہ باتیں دنیا و آخرت میں خدا کے عذاب سے چھڑانہیں سکتیں۔
اول تو ایسے لوگ دنیا ہی میں فضیحت ہوتے ہیں اور کسی وجہ سے یہاں فح گئے تو وہاں کسی تدبیر سے نہیں چھوٹ سکتے۔

آیت میں گو تذکرہ یہود یا منافقین کا ہے لیکن مسلمانوں کو بھی سنانا ہے کہ برا کام کر کے خوش نہ ہوں، بھلا کر کے اترا نہیں نہیں اور جو اچھا کام کیا نہیں اس پر تعریف کے امیدوار نہ رہیں، بلکہ کرنے کے بعد مدح سرائی کی نہ ہوس نہ رہیں۔ ۳۱

(۱۷) باب قوله: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

لآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ [آل عمران: ۱۹۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری ہاری آنے جانے میں اُن عقل والوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں۔“

عقل مندوں کیلئے تخلیق کائنات میں نشانیاں

﴿لآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ - یعنی عقل مند آدمی جب آسمان و زمین کی پیدائش اور ان کے عجیب

وغریب احوال وروابط اور دن رات کے مضبوط و محکم نظام میں غور کرتا ہے تو اس کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارے مرتب و منظم سلسلہ ضرور کسی ایک مختار کل اور قادر مطلق فرمانروا کے ہاتھ میں ہے جس نے اپنی عظیم قدرت و اختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے۔

کسی چیز کی مجال نہیں کہ اپنے محدود وجود اور دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے، اگر اس عظیم الشان مشین کا ایک پرزہ یا اس کا رخانہ کا ایک مزدور بھی مالک علی الاطلاق کی قدرت و اختیار سے باہر ہوتا تو مجموعہ عالم کا یہ مکمل و محکم نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔ ۱۳

۴۵۶۹ - حدثنا سعید بن ابی مریم: أخبرنا محمد بن جعفر قال: أخبرني شريك ابن عبد الله بن أبي نمر، عن كريب، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: بث عند خالتي ميمونة فتحدث رسول الله ﷺ مع أهله ساعة ثم رقد. فلما كان لثالث الليل الآخر لعد لنظر إلى السماء فقال: ﴿إِن فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاجْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ ثم قام فتوضأ واستن: فصلى إحدى عشرة ركعة، ثم أذن بلال لفصلي ركعتين ثم خرج لفصلي الصبح. [راجع: ۱۱۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنی خالہ حضرت ميمونہ رضی اللہ عنہا کے یہاں رات کو رہا، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو کچھ دیر حضرت ميمونہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کیں، پھر سو گئے، اس کے بعد رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوئے، آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿إِن فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاجْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے وضو کیا، مسواک فرمائی، پھر گیارہ رکعت نماز ادا کی، پھر جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی اور آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر مسجد میں تشریف لا کر فرض نماز جماعت سے پڑھائی۔

(۱۸) باب: ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ الآية [۱۹۱]

باب: ”جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں۔“

(۴) سورۃ النساء

سورۃ نساء کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہ تسمیہ

عبادات، اخلاق، معاشرت اور مستحکم خاندانی ڈھانچہ کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سورت خاندانی معاملات کے بارے میں مفصل احکام سے شروع ہوئی ہے۔ چونکہ خاندانی نظام میں عورتوں کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، اس لئے عورتوں کے بارے میں اس سورت نے تفصیلی احکام عطا فرمائے ہیں، اور اسی لئے اس کا نام سورۃ نساء ہے۔

قال ابن عباس: ﴿يَسْتَنكِفُ﴾ [۱۷۲]: يستکبر۔

قواما: قوامکم، من معاشکم۔

﴿لَهُنَّ مَسَیِلٌ﴾ [۱۵]: یعنی الرجم للثیب والجلد للبکر۔

وقال غیرہ: ﴿مَفْنًى وَثَلَاثَ زُبَاعٍ﴾ [۳] یعنی الثنین وثلاثا واربعا۔ ولا

تجاوز العرب رباع۔

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”یَسْتَنكِفُ“ کا معنی غرور کرنے، تکبر کرنے کے ہیں۔

”قواما“ کے معنی معاش کے ہیں۔

”لَهُنَّ مَسَیِلٌ“ سے مراد شادی شدہ کو سنگسار کرنا اور غیر شادی شدہ کو کوڑے لگانا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ یعنی حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ ﴿مَفْنًى وَثَلَاثَ زُبَاعٍ﴾ کی

یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اس کے معنی دو دو، تین تین اور چار چار کے ہیں۔ جبکہ اہل عرب اس سے زیادہ پر اسکو نہیں بولتے تھے۔

مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ - کی تفصیل

حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مثنیٰ، ثلاثاء، رباع میں اس سے آگے نہیں جاسکتے کیوں کہ عرب کے لوگ رباع سے آگے نہیں گئے تھے یعنی خمس اور سداس وغیرہ۔

لیکن یہ صرف حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کا خیال ہے، دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ عربوں کے ہاں رباع سے آگے خمس اور سداس وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔

”مثنیٰ و ثلاث و رباع“ کے معنی اہل ظواہر اور خوارج نے یہ لئے ہیں کہ نو تک شادیاں جائز ہیں اور بعض نے کہا کہ اٹھارہ تک جائز ہے۔

ان کے نزدیک یہ اس لئے جائز ہے کہ مثنیٰ - دو اور دو جمع چار، اور ثلاث - تین اور تین جمع چھ، اور رباع - چار اور چار جمع آٹھ۔ اب ان تمام کا مجموعہ یعنی چار + چھ + آٹھ = اٹھارہ ہوا، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اٹھارہ تک شادیاں کرنا جائز ہے۔

لیکن یہ کلام عرب کے محاورات کے بالکل خلاف ہے اور اجماع امت کے بھی بالکل خلاف ہے۔ ۱

(۱) باب: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تُفْسِتُوا فِي الْيَمَانِي﴾ [۳]

باب: ”اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے۔“

۴۵۷۳ - حدثنا ابراهيم بن موسى: أخبرنا هشام، عن ابن جريج قال: أخبرني هشام ابن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها: أن رجلاً كانت له يتيمة فنكحها وكان لها علق وكان يمسكها عليه ولم يكن لها من نفسه شيء، فنزلت فيه ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تُفْسِتُوا فِي الْيَمَانِي﴾ أحسبه قال: كانت شريكته في ذلك العلق وفي ماله. [راجع: ۲۴۹۴]

ترجمہ: هشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص ایک یتیم لڑکی کی پرورش کرتا تھا، اس شخص نے اس یتیم لڑکی سے نکاح کر لیا، اس لڑکی کا ایک کھجور کا

باغ تھا، اس شخص نے اس باغ کی لالچ میں ہی اس سے نکاح کیا تھا، مگر دل میں محبت نہ تھی۔ چنانچہ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ﴾۔

ہشام کہتے ہیں کہ شاید عروہ (ہشام کے والد حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ) نے مجھ سے اس طرح بیان کیا تھا کہ اس باغ میں اور اس شخص کے دوسرے مال میں وہ یتیم لڑکی شریک کی حیثیت رکھتی تھی۔

۳۵۷۴۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله: حدثنا ابراهيم بن سعد، عن صالح بن كيسان، عن ابن شهاب قال: أخبرني عروة بن الزبير: أنه سأل عائشة عن قول الله تعالى: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ﴾ فقالت: يا ابن اختي، هذه اليتيمة تكون في حجر وليها تشاركه في ماله ويعجبه مالها وجمالها فيريد وليها أن يتزوجها بغير أن يقسط في صداقها، فيعطيهما مثل ما يعطيها غيره. فنهوا عن ذلك إلا أن يقسطوا لهن ويبلغوا لهن أعلى سنتهن في الصداق، فأمروا أن ينكحوا ما طاب لهم من النساء سواهن. قال عروة: قالت عائشة: وإن الناس استفتوا رسول الله ﷺ بعد هذه الآية فأنزل الله ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ قالت عائشة: وقول الله تعالى في آية أخرى: ﴿وَلَا تَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ رغبة أحدكم عن یتیمہ حين تكون قليلة المال والجمال، قالت فنهوا أن ينكحوا عمن رغبوا في ماله وجمالها في يتامى النساء إلا بالقسط من أجل رغبتهن عنهن إذا كن قليلات المال والجمال. [راجع: ۲۳۹۳]

ترجمہ: ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے خبر دی کہ انہوں (عروہ بن زبیر) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس ارشاد باری تعالیٰ کے متعلق دریافت کیا ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ﴾ تو انہوں نے جواب دیا کہ اے میرے بھانجے! یہ آیت ایسی یتیم لڑکی کے بارے میں ہے کہ وہ اپنے والی کی پرورش میں ہو اور اس کے مال میں شریک کی حیثیت رکھتی ہو، اور والی کو اس مال اور اس کا حسن پسند بھی ہوتا تھا اور ولی سوچتا ہو کہ اس کے ساتھ نکاح کرے اس کے مہر کے معاملے میں انصاف کئے بغیر، مہر کے بارے میں بھی نیت ٹھیک نہیں ہوتی تھی اور اس کا خیال ہوتا تھا کہ دوسری سے کم مہر ادا کروں گا۔ اس لئے لوگوں کو ایسی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے روک دیا گیا کہ وہ ایسی یتیم لڑکیوں سے اس صورت میں نکاح کریں جب ان کے ساتھ انصاف مد نظر ہو اور بہترین انداز میں ان کو مہر دیں، پھر یہ حکم دیا گیا کہ ان یتیم لڑکیوں کے علاوہ جو بھی تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لیں۔ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کئی آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو اللہ ﷻ نے آیت نازل فرمائی ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دوسری آیت

میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَقَسْرُ غُبُونٍ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ سے وہ یتیم لڑکیوں مراد ہیں جو مال بھی کم رکھتی ہوں اور حسن میں بھی کم ہوں اور ان کی طرف تم لوگ ان باتوں کی وجہ سے نکاح کرنے کی رغبت نہیں رکھتے ہو، فرماتی ہیں کہ اس لئے ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے روکا دیا گیا جو مال اور حسن دونوں کی مالک ہوں، الا یہ کہ تم انصاف کو پیش نظر رکھو، اس لئے کہ اگر وہ مال و حسن میں کم ہوتیں تو تم ان سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں کرتے تو پھر مال اور حسن والی کے ساتھ تم نکاح نہیں کر سکتے۔

یتیم لڑکیوں کی حق تلفی کا انسداد

زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں کی ولایت میں یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں جو شکل و صورت سے اچھی سمجھی جاتی تھیں یا ان کی ملکیت میں کوئی مال و جائیداد ہوتی تو ان کے اولیاء ایسا کرتے تھے کہ خود ان سے نکاح کرتے یا اپنی اولاد کا نکاح ان سے کر دیتے تھے، جو چاہا کم سے کم مہر مقرر کر دیا، اور جس طرح چاہا ان کو رکھا، کیونکہ وہی ان کے ولی اور نگران ہوتے تھے، ان کا باپ موجود نہ ہوتا تھا جو ان کے حقوق کی پوری نگرانی کر سکتا، اور ان کی ازدواجی زندگی کے ہر پہلو پر نظر اور قلاح و بہبود کا مکمل انتظام کر کے ان کا نکاح کر دیتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان دونوں روایت میں اسی طرح کے واقعہ کا ذکر ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں ایک شخص کی ولایت میں ایک یتیم لڑکی تھی، اور اس شخص کا ایک باغ تھا جس میں یہ لڑکی بھی شامل تھی، اس شخص نے اس یتیم لڑکی سے خود اپنا نکاح کر لیا جبکہ اس کے دل میں اس لڑکی کے لئے کوئی رغبت یا محبت نہیں تھی اور پھر بجائے اس کے کہ وہ شخص اس لڑکی کو اس کا مناسب حق مہر وغیرہ اداء کرتا اس کے باغ پر بھی قبضہ کر لیا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَقْسِطُوا فِي الْبَيْتِ﴾ یعنی اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں سے خود اپنا نکاح کرنے میں تم انصاف پر قائم نہیں رہو گے، بلکہ ان کی حق تلفی ہو جائے گی تو تمہارے لئے دوسری بہت سے عورتیں ہیں، ان میں جو تمہارے لئے حلال تمہارے کو پسند ہوں ان سے نکاح کر لو۔

آیت میں یتیم لڑکیوں کے ازدواجی حقوق کو پوری نگہداشت کا حکم ہے، مگر عام حکومتوں کے قانون کی طرح اس کے نافذ کرنے کی ذمہ داری براہ راست حکومت پر ڈالنے کے بجائے خود اس میں انسان کو خدا تعالیٰ کے خوف کا حوالہ دیا گیا کہ اگر تمہیں اس میں بے انصافی کا خطرہ ہو تو پھر یتیم لڑکی سے شادی کے خیال کو چھوڑ دو دوسری عورتیں تمہارے لئے بہت ہیں ان سے نکاح کرو۔ ج

(۲) باب: ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ

فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾ [۶]

باب: ”ہاں اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریق کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے۔ پھر جب تم ان کے مال انہیں دو ان پر گواہ بنالو۔ اور اللہ حساب لینے کیلئے کافی ہے۔“

﴿وَبَذَارًا﴾ [۶]: مبادرۃ۔ ﴿أَعْتَدْنَا﴾ [۱۸]: أعددنا، أفلنا من العتاد۔

ترجمہ: ”وَبَذَارًا“ کے معنی جلدی جلدی کرنا۔

”اعتدنا“ بمعنی ”أعددنا“ بوزن ”أفلنا“ یعنی ہم نے تیار کر رکھا ہے۔

۳۵۷۵۔ حدثني اسحاق: أخبرنا عبد الله بن نمير: حدثنا هشام، عن أبيه، عن

عائشة رضي الله عنها في قوله تعالى: ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ أنها نزلت في مال اليتيم إذا كان فقيرًا أنه يأكل منه مكان قيامه عليه بمعروف. [راجع: ۲۲۱۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ خاص یتیموں کے مال کے حق میں نازل فرمائی گئی ہے، اس حالت میں جب کہ پالنے والا غریب ہو، تو اس یتیم کے مال سے جس قدر اس کی پرورش اور دیکھ بھال میں خرچ کیا ہو اس کے بدلے میں مناسب مقدار کھا سکتا ہے، لے سکتا ہے۔

ولی کو ضرورتاً لینے کا حکم

یتیم کا ولی اس کے مال میں ضرورتاً کچھ لے سکتا ہے۔

اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ اس آیت کی رو سے ولی یتیم کے مال سے اس کی پرورش اور دیکھ بھال کے بدلے میں مناسب مقدار میں مال لے سکتا ہے، جب وہ ولی خود غریب ہو۔

آیت میں ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جو مالدار شخص کسی یتیم کی بچے کی تربیت اور اس کے مال کی حفاظت میں

اپنا وقت اور محنت خرچ کرتا ہے، کیا اس کو یہ حق ہے کہ یتیم کے مال میں سے اپنا حق الخدمت کچھ لے لے؟ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَغْفِرْ﴾ یعنی جو شخص حاجت مند نہ ہو اپنی ضرورت کا تکفل کسی دوسرے ذریعہ سے کر سکتا ہو، اس کو چاہئے کہ یتیم کے مال میں سے حق الخدمت نہ لے، کیونکہ یہ خدمت اس کے ذمہ فرض ہے، اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ یعنی جو یتیم کا ولی، فقیر محتاج ہو اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہ رکھتا ہو وہ یتیم کے مال میں سے ایک مناسب مقدار کھا سکتا ہے جس سے حاجات ضروریہ پوری ہو جائیں۔

مال سپرد کرتے وقت گواہ بنانا

آخر آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿وَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾ یعنی جب آزمائش کے بعد یتیموں کے اموال ان کے سپرد کرنے لگو تو چند ثقہ اور نیک لوگوں کو گواہ بنالیا کرو، تاکہ آئندہ کسی نزاع اور جھگڑے کی صورت پیدا نہ ہو، اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حساب میں ہر چیز ہے۔

(۳) باب: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ﴾ الآية [النساء: ۸]

باب: ”اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین لوگ آجائیں۔“

محروم الارث رشتہ داروں کی دلداری

میت کے رشتہ داروں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کو ضابطہ شرعی کے ماتحت اس کی میراث میں حصہ نہیں ملے گا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ فرائض کی تفصیلات کا علم ہر شخص کو نہیں ہوتا، عام طور پر ہر رشتہ دار خواہش مند ہوتا ہے کہ اس کو بھی میراث میں سے حصہ ملے، اس لئے وہ رشتہ دار جو شرعی ضابطہ میراث کے تحت محروم قرار دیئے گئے ہیں، تقسیم میراث کے وقت ان کا دل افسردہ اور رنجیدہ ہو سکتا ہے۔

خصوصاً جب کہ تقسیم میراث کے وقت وہ موجود بھی ہوں، اور بالخصوص جبکہ ان میں کچھ یتیم اور مسکین حاجت مند بھی ہوں، ایسی حالت میں جب کہ دوسرے رشتہ دار اپنا اپنا حصہ لے جا رہے ہوں اور یہ کھڑے دیکھ رہے ہوں، ان کی حسرت و یاس اور دل شکنی کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن پر کبھی یہ کیفیت گزری ہو۔

اب قرآنی نظام کی خوبی و خوش اسلوبی کو دیکھئے کہ ایک طرف تو خود قرآن ہی کا بتایا ہوا عادلانہ ضابطہ یہ

ہے کہ ”أَقْرَبُ“ کے مقابلہ میں ”أَبْعَدُ“ کو محروم کیا جائے۔

دوسری طرف محروم ہونے والے ”أَبْعَدُ“ کی حسرت اور دل شکنی بھی گوارا نہیں کی جاتی ہے، اس کے لئے ایک مستقل آیت میں ہدایت دی گئی ہے یعنی جو دُور کے رشتہ دار اور یتیم مسکین میراث میں حصہ پانے سے محروم رہے ہوں، اگر وہ تقسیم میراث کے وقت آ موجود ہوں تو میراث پانے والوں کا اخلاقی فرض ہے کہ اس مال میں سے با اختیار خود کچھ حصہ ان کو بھی دیدیں، جو ان کے لئے ایک قسم کا صدقہ اور موجب ثواب ہے۔

اور ایسے وقت میں جب کہ ایک مال بغیر کسی سعی و عمل کے محض خدا تعالیٰ کے دین سے انہیں مل رہا ہو تو صدقہ خیرات فی سبیل اللہ خود بھی داعیہ ان کے دل میں ہونا چاہئے۔ ج

۳۵۷۶ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَمِيدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ الْأَشْجَعِيُّ، عَنْ مَفْيَانٍ، عَنْ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عِكْرَمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ﴿وَإِذَا خَضَرَ الْقِسْمَةُ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ﴾ قَالَ: هِيَ مُحْكَمَةٌ وَلَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ. تَابِعَهُ سَعِيدُ بْنُ جَبْرِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ. [راجع: ۲۷۵۹]

ترجمہ: عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿وَإِذَا خَضَرَ الْقِسْمَةُ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ﴾ منسوخ نہیں ہوئی ہے بلکہ محکم ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔

حدیث کی تشریح: رشتہ داروں کی دلجوئی کا حکم

تقسیم میراث کے وقت برابری اور کنبہ کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا یا جو یتیم اور محتاج ہوں ان کو کچھ کھلا کر رخصت کر دیا کوئی چیز ترکہ میں سے حسب موقع ان کو بھی دید کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے۔

اور اگر مال میراث میں سے کھلانے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو ان لوگوں سے معقول بات کہہ کر رخصت کر دو یعنی نرمی سے عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی اس لئے ہم مجبور ہیں۔

ابتدائے سورت میں بیان ہو چکا ہے تمام قرابت والے درجہ بدرجہ سلوک اور مراعات کے مستحق ہیں اور

یتامی اور مسکین بھی اور جو قریب یتیم یا مسکین بھی ہو تو اس کی رعایت اور بھی زیادہ ہونی چاہئے۔
اس لئے تقسیم میراث کے وقت ان کو حتی الوسع کچھ نہ کچھ دینا چاہئے، اگر کسی وجہ سے وارث نہ ہو تو حسن سلوک سے محروم نہ رہیں، یہ ارشاد تو اصل میں یتیم کے ولی اور وصی کے لئے ہے درجہ بدرجہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کا خیال رہے۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے مرنے کے بعد جیسا ہر کوئی اس بات سے ڈرتا ہے کہ میری اولاد کے ساتھ سختی اور برائی سے معاملہ کیا جائے ایسا ہی تم کو بھی چاہئے کہ یتیم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنی اولاد کے ساتھ پسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو اور یتیموں سے سیدھی اور اچھی بات کہو، یعنی جس سے ان کا دل نہ ٹوٹے اور ان کا نقصان نہ ہو بلکہ ان کی اصلاح ہو۔ ج

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ آیت محکم ہے یعنی اس کا حکم اب بھی باقی ہے، منسوخ نہیں ہوئی۔

(۴) باب: ﴿يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ [۱۱]

باب: ”اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے۔“

۴۵۷۷۔ حدیثی ابراہیم بن موسیٰ: أخبرنا هشام: أن ابن جريج أخبرهم قال:

أخبرني ابن المنكدر، عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال: عادلي النبي ﷺ وأبو بكر رضی اللہ عنہ في بني سلمة ما شئنا فوجدني النبي ﷺ لا أعقل فدعا بماء فتوضأ منه ثم دس علي فالفقت فقلت: ما تأمرني أن أصنع في مالي يا رسول الله؟ فنزلت ﴿يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾. [راجع: ۱۹۳]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں بنی سلمہ کے یہاں پیدل چل کر میری عبادت کے لئے تشریف لائے، تو نبی کریم ﷺ نے میرے کو اس حال میں پایا کہ میں بیہوش تھا، آپ ﷺ نے پانی منگوایا اس سے وضو کیا اور باقی بچا ہوا پانی میرے اوپر چھڑکا جس سے مجھے ہوش آگیا، پھر میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں کہ میں اپنے مال کا کیا کروں؟ چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾۔

(۵) باب قوله: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ﴾ [۱۲]

باب: ”اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ جائیں۔“

۴۵۷۸۔ حدثنا محمد بن يوسف، عن ورقاء، عن ابن أبي نجيح، عن عطاء، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان المال للولد وكانت الوصية للوالدين، فنسخ الله من ذلك ما أحب فجعل للذكر مثل حظ الأنثيين وجعل للأبوين لكل واحد منهما السدس والثالث، وجعل للمرأة الثمن والرابع، وللزوج الشطر والرابع. [راجع: ۲۷۳۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ (ابتداءً اسلام میں) کل مال بیٹے کو ملتا تھا اور ماں باپ کو وہ ملتا تھا جس کی وصیت کی جاتی تھی، اللہ ﷻ نے جو چاہا اسے منسوخ فرما دیا اور مرد کے لئے عورت سے دگنا مقرر فرمایا، ماں باپ کے لئے چھٹا حصہ اور تہائی حصہ مقرر فرمایا، بیوی کے لئے آٹھواں یا چوتھائی مقرر فرمایا اور خاوند کو نصف یا چوتھائی عطا کیا۔

(۶) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهَا وَلَا تَفْضُلُوهُنَّ

لِتَنْهَبُوا بِبَعْضِ مَا تَتَّخِضُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ﴾ [۱۹] الآية

باب: ”اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو، اور ان کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے ان کا کچھ حصہ لے اڑو، الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔“

ویدکر عن ابن عباس ﴿لَا تَفْضُلُوهُنَّ﴾: لاتفہروہن۔ ﴿خُوبًا﴾: الما۔ ﴿تَقُولُوا﴾: تمیلوا۔ ﴿يَخْلَعُ﴾: فالنخلۃ المہر۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ”لَا تَفْضُلُوهُنَّ“ کے معنی ہیں کہ ان (عورتوں) پر جبر و قہر مت کرو۔

”خُوبًا“ کے معنی گناہ کے ہیں۔

”تَعُولُوا“ بمعنی ”تحیلوا“ یعنی ایک طرف جھک جانا۔

”نِخْلَةٌ“ کے معنی مہر کے ہیں۔

۴۵۷۹۔ حدثنا محمد بن مقاتل: أخبرنا اسباط بن محمد: حدثنا الشيباني، عن عكرمة، عن ابن عباس، قال الشيباني: وذكره أبو الحسن السواني، ولا أظنه ذكره إلا عن ابن عباس ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَفْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ﴾ قال: كانوا إذا مات الرجل كان أولياؤه أحق بامرأته. إن شاء بعضهم تزوجها وإن شاؤوا زوجها، وإن شاؤا لم يزوها وهم أحق بها من أهلها، فنزلت هذه الآية في ذلك. [انظر: ۶۹۳۸] ۵

ترجمہ: شیبانی نے عکرمہ کے واسطے سے روایت بیان کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، شیبانی کہتے ہیں کہ اس روایت کو ابوالحسن سوانی نے بھی نقل کیا ہے، اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَفْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ﴾ اس وقت اتری کہ جب کوئی شخص مر جاتا تھا تو اس کے وارث اس کی عورت کے زیادہ حق دار سمجھے جاتے تھے، اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو خود نکاح کر لیتا تھا، یا اگر چاہتے تو کسی اور کے ساتھ اس کا نکاح کر دیتے تھے اور اگر چاہتے تو یونہی بغیر نکاح کے اسے رہنے دیتے، اور یہ لوگ (شوہر کے وارث) عورت کے گھر والوں سے زیادہ حق دار سمجھے جاتے تھے، چنانچہ یہ آیت اسی معاملہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

آیت کا شان نزول

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ
كَرِهًا وَلَا تَفْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ
إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے

۵۔ وفي سنن أبي داود، كتاب النكاح، باب قوله تعالى: ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَفْضُلُوهُنَّ﴾، رقم:

کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو، اور ان کو اس غرض سے مقید مہر کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے ان کا کچھ حصہ لے اؤ، الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

حسب بیان سابق عورتوں کی بدافعالی کی بابت تادیب و سیاست کا حکم دے کر اب اہل جاہلیت کی اس ظلم و تعدی کو روکا جاتا ہے جو تعدی عورتوں پر وہ طرح طرح سے کیا کرتے تھے۔

سومن جملہ اس صورتوں کے ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی مرد جاتا تو اس کی عورت کو میت کا سوتیلا بیٹا یا بھائی یا اور کوئی وارث لے لیتا پھر چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا یا بغیر نکاح ہی اپنے گھر میں رکھتا یا کسی دوسرے سے نکاح کر کے اس کا مہر کل یا بعض لے لیتا یا ساری عمر اس کو اپنی قید میں رکھتا اور اس کے مال کا وارث ہوتا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی مرد جائے تو اس کی عورت اپنے نکاح کی مختار ہے، میت کے بھائی اور اس کے وارث کو یہ اختیار نہیں کہ زبردستی اپنے نکاح میں لے لے، نہ وہ عورت کو نکاح سے روک سکتے ہیں نہ وہ مجبور ہو کر خاوند کے درشہ سے جو اس کو ملا تھا کچھ پھیر دے۔

عورت سے مہر اور مال وغیرہ واپس لینے کی صورت

﴿الْأَنْ يَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ﴾ ہاں اگر صریح بدچلتی کریں تو ان کو روکنا چاہیے۔

عورتوں کو دیا ہوا مہر جبراً واپس لے لیا یا واجب الاداء کو جبراً معاف کرائیں، یہ سب کام ناجائز و حرام ہیں۔ البتہ بعض ایسی صورتوں کو مستثنیٰ فرما دیا گیا ہے کہ جن میں شوہر کو اپنا دیا ہوا مال مہر وغیرہ واپس لینا جائز ہوتا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اگر عورت ربوی کی طرف سے کوئی کھلی ہوئی ناشائستہ ایسی حرکت صادر ہو جائے جس کی وجہ سے طلاق دینے کے لئے آدمی طبعاً مجبور ہو جائے تو ایسی صورت میں مضاائقہ نہیں کہ شوہر اس وقت تک طلاق نہ دے جب تک یہ اس کا دیا ہوا مہر واپس نہ کرے یا واجب الاداء مہر کو معاف نہ کر دے۔

اور اس جگہ لفظ فاحشہ یعنی ناشائستہ حرکت سے مراد بعض حضرات کے نزدیک تو شوہر کی نافرمانی اور بدزبانی ہے، جبکہ بعض دوسرے حضرات کے نزدیک اس جگہ بے حیائی اور زنا مراد ہے۔

تو معنی یہ ہوئے کہ اگر ان عورتوں سے کوئی بے حیائی کا کام سرزد ہو گیا، یا وہ نافرمانی اور بدزبانی سے پیش آتی ہیں، جس سے مجبور ہو کر مرد طلاق دینے پر آمادہ ہو رہا ہے، تو چونکہ قصور عورت کا ہے، اس لئے شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو اس وقت تک اپنے نکاح میں روکے رکھے جب تک اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس وصول

نہ کرے، یا مقرر کردہ مہر معاف کر دے۔ ۱

(۷) باب: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَاقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ فَأَتَوْهُمْ نَصِيبُهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيداً﴾ [۳۳]
 باب: ”اور ہم نے ہر اس مال کے کچھ وارث مقرر کئے ہیں جو والدین اور قریب ترین رشتہ دار چھوڑ کر جائیں۔ اور جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد و پیمان باندھا ہو ان کو ان کا حصہ دو۔ بیشک اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔“

وقال معمر: ﴿مَوَالِيَ﴾ أولياء ورثة. ﴿عَاقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ﴾: هو مولى اليمين: وهو الحليف. المولى أيضاً ابن العم، والمولى المنعم المعتق، والمولى: المليك، والمولى مولى فى الدين.

ترجمہ: معمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لفظ ”موالی“ سے مراد میت کے ”ورثہ“ ولی اور وارث ہیں۔
 ”عاقدت ايمانكم“ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو بذریعہ قسم اپنا وارث بناتے ہیں اور حلیف ہیں یعنی جن سے تم معاہدہ کرتے ہو۔

”والمولى“ کے اور بھی کئی معنی آتے ہیں، چچا کا بیٹا، غلام یا لونڈی کا مالک جو اس پر احسان کر کے اسے آزاد کر دے، خود وہ غلام جو آزاد کیا جائے، مالک، اور وہ جس سے دینی تعلق ہو۔

۳۵۸۰۔ حدثنا الصلت بن محمد: حدثنا أبو أسامة، عن إدريس، عن طلحة بن مصرف، عن سعيد بن جبیر، عن ابن عباس رضى الله عنهما ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ قال: ورثة ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ﴾ كان المهاجرون لما قدموا المدينة يرث المهاجری الأنصارى دون ذوى رحمہ للأخوة التى آخى النبى ﷺ بينهم. فلما نزلت ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ بسخت، ثم قال: ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ﴾ من النصر والرفادة والنصيحة. وقد ذهب الميراث ويوصى له.

سمع أبو أسامة إدريس، وسمع إدريس طلحة. [راجع: ۲۲۹۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ میں ورثہ مراد ہیں، ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ﴾ کی تفصیل یہ ہے کہ جب مہاجرین مدینہ آئے تو اپنے رشتہ داروں کے علاوہ مہاجرین اپنے انصاری بھائیوں کے بھی وارث ہوتے تھے، اور انصار کے رشتہ دار اور ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے تھے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان میں بھائی چارگی کا رشتہ قائم کر دیا تھا۔ جب یہ آیت ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ نازل ہوئی تو سابقہ بھائی بندی کی میراث کا سلسلہ منسوخ ہو گیا۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ﴾، جن سے مدد و معاونت اور خیر خواہی کے ساتھ عہد باندھے گئے تھے ان کے لئے بھی ترک نہیں رہا البتہ حلیف کیلئے وصیت باقی ہے۔ اس حدیث کو ابو اسامہ نے ادریس سے اور ادریس نے طلحہ سے سنا ہے۔

مہاجرین و انصار کے درمیان رشتہ اخوت اور میراث کا حکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اصل میں صورت حال یہ تھی کہ شروع میں اس آیت کا یہ حصہ نازل ہوا تھا ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ﴾ یعنی جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد و پیمان باندھا ہو ان کو ان کا حصہ دو۔

یہ شروع کی بات تھی کہ جب مہاجرین حضرات مدینہ منورہ آئے تو مہاجر صحابی اپنے اس انصاری ساتھی کا وارث ہوا کرتا تھا، جس سے رسول اللہ ﷺ نے اس رشتہ اخوت کا قائم فرمایا تھا، اور اس انصاری صحابی کے قریبی رشتہ دار اور ذوی الارحام اس کے وارث نہیں ہوا کرتے تھے۔

اور جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ یعنی ہم نے ہر اس مال کے کچھ وارث مقرر کئے ہیں، تو پہلا حکم ﴿وَالَّذِينَ عَاقَدْتَ أَيْمَانُكُمْ﴾ منسوخ ہو گیا۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ لیکن اس میں ایک چیز ابھی تک باقی ہے کہ ”من النصر والرفادة والنصيحه“ جن کے ساتھ مَوَالِیٰ اخوات قائم کی تھی اب ان کی مدد کریں، ان کو ہدیہ دیں، ان کو عطیہ دیں، ان کی خیر خواہی کریں، اس حد تک تو باقی ہے، البتہ جو میراث والا حکم ہے وہ منسوخ ہو گیا۔

”وقد ذهب الميراث“ مطلب یہ ہے کہ جو پہلی والی آیت میراث تھی وہ منسوخ ہو گئی، البتہ ”ولاء الموالاة“ اگر کسی کے ساتھ قائم کر دی گئی ہے تو اس کا وارث ہونا اب بھی باقی ہے، لیکن وہ ”ذوی الارحام“ کے بعد ہوتا ہے۔

اکثر لوگ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اکیلے اکیلے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کا سب کنبہ اور تمام اقرباء کافر

تھے، تو اس وقت حضور اکرم ﷺ دو دو مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی کر دیا تھا وہی دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے جب ان کے اقرباء بھی مسلمان ہو گئے تب یہ آیت اتری کہ میراث تو اقرباء اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے اب رہ گئے وہ منہ بولے بھائی تو ان کیلئے میراث نہیں ہاں زندگی میں ان کے ساتھ سلوک ہے اور مرتے وقت کچھ وصیت کر دے تو مناسب ہے، مگر میراث میں کوئی حصہ نہیں۔ ۷

(۸) باب قوله: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ [۳۰]

باب: ”اللہ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔“

یعنی ذرۃ ذرۃ۔

ترجمہ: لال رنگ کی چھوٹی چوٹی کے برابر کم اور حقیر۔

اعمالِ حسنہ کا پورا پورا بدلہ

اللہ تعالیٰ کسی کے اعمالِ حسنہ کا ثواب اور جزائے خیر میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں فرماتے بلکہ اپنی طرف سے اس میں اور اضافہ فرما دیتے ہیں اور آخرت میں چند در چند ثواب بڑھا کر نوازیں گے اور اپنی طرف سے ثوابِ عظیم عطاء فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب کا کم سے کم معیار یہ ہے کہ ایک نیکی کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور اس کے علاوہ مختلف بہانوں سے اضافہ در اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اعمال ایسے ہیں کہ جن کا ثواب بیس لاکھ گنا تک زیادہ ہو جاتا ہے، اور اللہ کی ذات تو کریم ذات ہے، وہ اپنی بے پایاں رحمت سے اتنا بڑھ کر دیدیتے ہیں کہ حساب و شمار میں بھی نہیں آتا۔ ۸

۳۵۸۱۔ حدثنا محمد بن عبد العزيز: أخبرنا أبو عمر حفص بن ميسرة، عن زيد

ابن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أبي سعيد الخدري ؓ: أن أناساً في زمن النبي ﷺ قالوا:

يا رسول الله، هل نرى ربنا يوم القيامة؟ قال النبي ﷺ: ((نعم، هل تضارون في رؤية

۷ تفسیر عثمانی، سورہ نساء، آیت ۳۳، فائدہ ۲، معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۸۹

۸ معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۱۹، ۳۲۰، وعمدة القاری، ج ۱۸، ص ۲۴۳

الشمس بالظہیرۃ ضوۃً لیس فیہا سحاب؟) قالوا: لا، قال: ((وہل تضارون فی رؤیۃ القمر لیلۃ البدر ضوۃً لیس فیہا سحاب؟)) قالوا: لا، قال النبی ﷺ: ((ما تضارون فی رؤیۃ اللہ عزوجل یوم القیامۃ إلا کما تضارون فی رؤیۃ أحدهما. إذا کان یوم القیامۃ أذن مؤذن: تتبع کل أمة ما كانت تعبد. فلا یبقی من کان یعبد غیر اللہ من الأصنام والأنصاب إلا یتساقطون فی النار حتی إذا لم یبق إلا من کان یعبد اللہ برأول فاجرو غُیرات أهل الكتاب. فیدعی الیہود فیقال لہم: ما کنتم تعبدون؟ قالوا: کنا نعبد عزیرا ابن اللہ، فیقال لہم: کذبتم ما اتخذ اللہ من صاحبه ولا ولد فماذا تبغون؟ فقالوا: عطشنا ربنا فاسقنا. فیشارألا تردون، فیحشرون إلى النار کأنہا سراب یحطم بعضها بعضا فیتساقطون فی النار. ثم یدعی النصارى فیقال لہم: ما کنتم تعبدون؟ قالوا: کنا نعبد المسیح ابن اللہ، فیقال لہم: کذبتم ﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَا وَلَدٍ﴾ فیقال لہم: ماذا تبغون؟ فکذلک مثل الأول. حتی إذا لم یبق إلا من کان یعبد اللہ من برأول فاجر، أتاہم رب العالمین فی أدنی صورۃ من التی رآہ فیہا، فیقال: ماذا تنتظرون؟ تتبع کل أمة ما كانت تعبد، قالوا: فارقنا الناس فی الدنیا علی أفقر ما کنا إلیہم ولم نصاحبہم ونحن ننتظر ربنا الذی کنا نعبد، فیقول: أنا ربکم، فیقولون: لا نشرک باللہ شیئاً))، مرتین أو ثلاثاً. [راجع: ۲۲]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں چند لوگوں نے آپ سے پوچھا اے اللہ کے رسول! کیا قیامت کے دن ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں! دیکھو گے، کیا دوپہر کے وقت جب کوئی بادل نہ ہو، اس وقت سورج کو دیکھنے میں تمہیں کوئی دشواری ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں، اس کے بعد پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ چودھویں رات کو جب کوئی بادل موجود نہ ہو، چاند کے دیکھنے میں تم کو کوئی دشواری ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں! تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پس اسی طرح تم قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ کو دیکھو گے، اور تمہیں کوئی دشواری نہیں ہوگی، جس طرح ان دونوں سورج یا چاند کے دیکھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے۔ اور قیامت کا دن ایسا دن ہوگا کہ کوئی پکارنے والا پکارے گا کہ تم میں جو آدمی جس کو پوجتا تھا، اُسی کے ساتھ ہو لے، لہذا اللہ کے سوا پرستش کرنے والا کوئی باقی نہ رہے گا، چنانچہ تمام جھوٹے پجاری اپنے جھوٹے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں گریں گے، اور صرف وہی باقی رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کو پوجتے تھے، اور اس میں اچھے برے سب ہی ہوں گے، پھر اہل کتاب یہودی بلائے جائیں گے اور ان سے کہا پوچھا جائے گا کہ تم (اللہ کے علاوہ) کس کو بھی پوجتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم حضرت عزیر کو بھی پوجتے تھے کہ وہ اللہ کے بیٹے تھے، تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جھوٹ کہتے ہو اللہ نے نہ کسی کو

بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا۔ (پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ) تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم پیاسے ہیں، ہمیں پانی پلا دیجئے۔ انہیں اشارہ کیا جائے گا کیا ادھر نہ چلیں؟ پھر سب جہنم آگ کی طرف لے جائے جائیں گے، جو سراب کی طرح نظر آرہی ہوگی، اور بعض بعض کے ٹکڑے کئے دے رہی ہوگی، اور پھر ان اس آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے بعد نصاریٰ کو بلایا جائے گا، اور ان سے بھی یہی سوال ہوگا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ بولیں گے کہ ہم تو اللہ کے بیٹے مسیح کو معبود کہتے تھے، پھر ان کو جواب ملے گا کہ تم لوگ جھوٹے ہو، ﴿مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَا وَلَدٍ﴾ یعنی اللہ کی کوئی اولاد یا بیوی نہیں، پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ بھی وہی جواب دیں گے، جو یہودیوں نے دیا تھا، پھر چلیں گے، اور دوزخ میں گر پڑیں گے۔ پھر تو میدان میں صرف وہی باقی ہوں گے، جو صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے، ان میں اچھے برے سب ہی ہوں گے، پھر تمام جہانوں کا رب اللہ ان کے پاس آئے گا ایسی صورت میں جو اس صورت کے مقابلے میں کمتر ہوگی جس کو وہ جانتے تھے، پھر ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں کس کا انتظار ہے؟ حالانکہ ہر امت اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ اپنے ٹھکانے پر جا چکی ہے، وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم تو دنیا میں ان ملافروں سے جدا رہے جب ہم بہت کمزور تھے پھر بھی ان کے ساتھ نہیں رہے، اب ہم اپنے معبود برحق کی راہ دیکھ رہے ہیں، جس کی عبادت ہم کیا کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، پھر تمام مسلمان لوگ کہیں گے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، یہ جملہ دو یا تین مرتبہ کہیں گے۔

رؤیت باری تعالیٰ

یہ شروع میں اسی بات کا ذکر ہے جو متعدد احادیث میں آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ ﷻ کو اس طرح دیکھو گے کہ جس طرح تمہیں سورج اور چاند کو دیکھنے میں تکلیف نہیں ہوتی اس طرح دیکھو گے۔ اسکے بعد اس حدیث کے الفاظ کی تفسیر کہ قیامت کے دن جب ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ”تَبَعَ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ“ ہر امت اس چیز کے پیچھے جائے جس کی وہ عبادت کیا کرتی تھی، جو بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ بتوں کے پیچھے جائیں، جو پتھروں کی عبادت کیا کرتے تھے وہ پتھروں کے پیچھے جائیں وغیرہ۔ ”فَلَا يَبْقَىٰ مِنْ كَانِ يَعْبُدُ غَيْرَ اللَّهِ مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْأَنْصَابِ“ تو جتنے غیر اللہ کی عبادت کرنے والے بت پرست ہوں گے، پتھروں کو معبود بنانے والے ہوں گے، ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچے گا۔ ”إِلَّا يَتَسَافَتُونَ فِي النَّارِ“ اور یہ تمام مشرکین، غیر اللہ کی عبادت کرنے والے سب جہنم میں گر جائیں گے۔ ”حَتَّىٰ إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَن كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ“ یہاں تک کہ میدانِ حشر میں صرف وہ لوگ باقی رہ

جائیں گے جو اللہ ﷻ کی عبادت کرتے تھے، ”براؤ فاجر“ اللہ ﷻ کی عبادت کرنے والے یہ لوگ چاہے نیک ہوں یا گناہ گار ہوں، بس یہی لوگ باقی رہیں گے۔

اور ان کے علاوہ ”وَعُثْرَاتُ أَهْلِ الْكِتَابِ“ اہل کتاب کے باقی رہ جائیں گے، اہل کتاب کیونکہ بت پرستی نہیں کرتے تھے، اس واسطے وہ بھی باقی رہ جائیں گے۔

پھر یہودیوں کو بلایا جائے گا، ”فَيَقَالُ لَهُمْ: مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ؟“ اور ان سے پوچھا جائے گا تم اللہ کے علاوہ کس کی عبادت کرتے تھے؟ یہودی جواب دیں گے ”كُنَّا لِعَبْدِ عِزْرِ ابْنِ اللَّهِ“ کہ ہم حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے، جو کہ اللہ کے بیٹے تھے۔ یہودیوں کو جواب میں کہا جائے گا کہ ”كَلْبَتُم مَّا اخْلَدَ اللَّهُ مِنْ صَاحِبِهِ وَلَا وَلَدٍ“ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا۔

پھر ان سے کہا جائے گا کہ ”فَمَاذَا تَبْغُونَ؟“ اب تم لوگ کیا چاہتے ہو؟

یہودی کہیں گے ”عَطِشْنَا رَبَّنَا فَاسْقِنَا“ اے ہمارے پروردگار! ہم پیاسے ہیں، ہمیں پانی پلا دیجئے۔ ”فَيُشَارُ لَهُمْ دُونَ“ تو اشارہ کیا جائے گا کہ کیا ادھر نہیں چلتے، ”فَيُحْشَرُونَ إِلَى النَّارِ كَالْهَامِ“ تو پھر ان کو جہنم کی طرف لیجا یا جائے گا جو کہ سراب کی مانند ہوگی یعنی سامنے سے ایسا نظر آ رہا ہوگا جیسے سامنے پانی ہے۔

”يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ“ اور جہنم کی حالت یہ ہوگی کہ بعض بعض کے ٹکڑے کئے جا رہی ہوگی یعنی آگ کی لپٹیں ایک دوسرے پر چڑھ رہی ہوں گی، پھر ان کو اس آگ میں ڈال دیا جائے گا اور ان کو جلا کر بھسم کر دے گی۔

پھر نصاریٰ یعنی عیسائیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم لوگ اللہ کے علاوہ کس کی عبادت کرتے تھے؟ نصاریٰ کہیں گے کہ ”كُنَّا لِعَبْدِ الْمَسِيحِ ابْنِ اللَّهِ“ حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے۔ پھر ان سے بھی کہا جائے گا تم جھوٹ بولتے ہو اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا۔

پھر ان سے بھی پوچھا جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اور ان کا حال بھی یہودیوں جیسا ہوگا۔

”حَتَّىٰ إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَن كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ مِنْ بَرِّ أَوْ فَاجِرٍ“ یہاں تک کہ میدانِ حشر میں اس کے بعد صرف مسلمان باقی رہ جائیں گے، چاہے وہ نیک ہوں یا بد اعمال ہوں۔

”أَنَّهُمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ فِي أَدْنَىٰ صُورَةٍ مِّنَ الَّتِي رَأَوْهُ فِيهَا“ پھر رب العالمین ان کے پاس آئیں گے، ایسی صورت میں جو اس صورت کے مقابلے میں کمتر ہوگی جس کو وہ جانتے تھے۔

یعنی تجلی فرمائیں گے اور یہ تجلی اسی صفت کے ساتھ ہوگی کہ جو اس صورت میں قریب تر ہوگی جن میں

مسلمانوں نے اللہ ﷻ کو دیکھا ہوگا۔ دیکھنے سے مراد محض تصور کرنا ہے، کیونکہ اس سے پہلے اللہ ﷻ کو کسی نے دیکھا تو نہیں یعنی لوگوں کے تصور میں اللہ ﷻ کی جو تجلی ہوگی اس میں ظاہر ہوں گے، اگرچہ وہ قریب ہوگی لیکن پھر بھی مسلمان پہچانیں گے نہیں کہ یہ اللہ کی ذات عالی شان ہے۔

پھر ان سے کہا جائے گا کہ ”ماذا تنتظرون؟ تنبع کل امة ما کانت تعبد“ بھی! کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ کہ ہر امت اس کے پیچھے چلی گئی جس کی وہ عبادت کرتی تھی تو تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو۔

تو مسلمان کہیں گے کہ ”لما رانا الناس فی الدنیا علی افر ما کنا الیہم ولم لصاحبہم“ دنیا کے لوگوں کو ہم نے چھوڑ دیا تھا باوجود یہ کہ ہم اپنے دنیاوی معاملات میں ان دنیا کے لوگوں کے محتاج تھے، لیکن ہم نے ان کو چھوڑ دیا تھا اس واسطے کہ وہ ہمارے دین پر نہیں تھے اور اللہ ﷻ کی عبادت نہیں کرتے تھے یعنی باوجود اپنے احتیاج کے ہم نے چھوڑ دیا تھا تو آج کیسے ان کے پیچھے چلے جائیں۔

”ولم ننظر ربنا الذی کنا نعبد“ لہذا ہم تو غفلت میں اپنے رب کے، جس کی ہم عبادت کرتے تھے۔ تو اس پر ”فیقول: انا ربکم“ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں ہوں تمہارا رب ہوں۔

پھر مسلمان کہیں گے کہ ”لا نشرک با اللہ شئاً“ ہم اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ اس لئے کہ وہ پہچان لیں گے کہ یہی اللہ ﷻ ہیں، اس واسطے کہیں گے۔
”مرئین اولئنا“ اسی طرح دو تین مرتبہ ہوں گے۔

(۹) باب: ﴿فَکَیْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِیدٍ وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰؤُلَاءِ﴾

شہید ﴿۳۱﴾

باب: ”پھر (یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (انکا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لیکر آئیں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے۔“

المختال والمختال واحد. ﴿نطمس وجوها﴾ [۳۴] نسویہا حتی تعود کأقفاہم۔
طمس الكتاب: محاه. ﴿بجہنم سعیرا﴾: وقوداً۔

ترجمہ: ”المختال والمختال“ دونوں کے ایک ہی معنی ہے یعنی مغرور، متکبر۔

﴿نطمس وجوها﴾ یعنی ہم چہروں کو برابر کر دیں گے، مٹا دیں گے، یہاں تک کہ وہ چہرے بچھلے ہو

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قیامت تک کی پوری امت کی طرف اشارہ ہے، اس لئے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی امت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش ہوتے رہتے ہیں۔

بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ گذشتہ امتوں کے انبیاء اپنی اپنی امت پر بطور گواہ پیش ہوں گے، اور آنحضرت ﷺ بھی اپنی امت کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ قرآن کریم کے اس اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا ہے، جو اپنی امت کے متعلق گواہی دے، ورنہ قرآن کریم میں اس کا اور اس کی شہادت کا بھی ذکر ہوتا، اس اعتبار سے یہ آیت ختم نبوت کی بھی دلیل ہے۔

حضور اقدس ﷺ کو اس آیت سے آخرت کا منظر متحضر ہو گیا، اور اپنی امت کے کوتاہ عمل اور بے عمل لوگوں کی بابت خیال آیا اس لئے آنسو مبارک جاری ہو گئے۔

(۱۰) باب قوله: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ

الْفَاطِطِ﴾ [۴۳]

باب: ”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضاے حاجت کی جگہ سے آیا ہو“۔

﴿صَعِيدًا﴾: وجه الأرض. وقال جابر: كانت الطواغيت التي يتحاكمون إليها: في جهنمة واحد، وفي أسلم، وفي كل واحد. كهان ينزل عليهم الشيطان.

وقال عمر: الجبت: السحر، ﴿وَالطَّاغُوتِ﴾: الشيطان.

وقال عكرمة: ﴿الْجِبْتُ﴾ بلسان الحبشة شيطان. ﴿وَالطَّاغُوتِ﴾: الكاهن.

ترجمہ و تشریح

”صَعِيدًا“ کے معنی ہیں سطح زمین۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”الطواغیت“ سے مراد وہ لوگ ہیں، جن کے پاس (زمانہ جاہلیت) میں لوگ اپنے مقدمات لیکر آیا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک قبیلہ جہینہ میں تھا، ایک قبیلہ بنو اسلم میں تھا، اور تمام قبائل میں ایک طاغوت تھا۔ یہ طاغوت وہی کاهن لوگ تھے جنکے پاس شیطان (مستقبل کی خبریں لیکر) آتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”الجبّ“ کے معنی جادو کے ہیں اور ”طاغوت“ شیطان کو کہتے ہیں۔ اور حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”الجبّ“ جہشی زبان میں شیطان کو کہتے ہیں اور ”طاغوت“ کاہن کو کہتے ہیں۔

۳۵۸۳۔ حدیثی محمد: أخبرنا عبده، عن هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها قالت: هلكت قلادة لأسماء لبعث النبي ﷺ في طلبها رجالا فحضرت الصلاة وليسوا على وضوء ولم يجدوا ماءً ففصلوا وهم على غير وضوء، لما نزل الله تعالى، يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا [راجع: ۳۳۳]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (ایک بار سفر میں) میرا ہار کھو گیا جو کہ میں نے اسماء سے مانگا تھا، نبی کریم ﷺ نے چند لوگوں کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا، وہ لوگ ابھی تلاش ہی کر رہے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا، اور وہ وضو سے نہیں تھے اور پانی بھی موجود نہ تھا لہذا انہوں نے بغیر وضو کے نماز ادا کر لی، اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت تیمم نازل کی گئی۔

ایک وضاحت

یہ قلاذہ۔ ہار حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عاریتاً ان سے لیا ہوا تھا اور ”کتاب التیمم“ میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ تو اس واسطے کہی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر دیا گیا اور کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ ۱۱

(۱۱) باب: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [۵۹]

باب: ”اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب اختیار ہوں، اُن کی بھی۔“

ذوی الامر.

ترجمہ: ”ذوی الامر“ سے مراد حکم والے یعنی حکام۔

۴۵۸۴۔ حدثنا صدقة بن الفضل: أخبرنا حجاج بن محمد، عن ابن جريج، عن يعقوب بن مسلم، عن سعيد بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ قال: نزلت فی عبد اللہ بن حذافہ بن قیس ابن عدی اذ بعثہ النبی ﷺ فی سرية. ۱۲

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ حضرت عبد اللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی ؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب نبی کریم ﷺ نے ان کو ایک سریہ میں روانہ فرمایا تھا۔

حدیث کا مطلب

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت ہے کہ مذکورہ آیت حضرت عبد اللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی ؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، حضور اقدس ﷺ نے ان کو ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ انہوں نے لشکر کے لوگوں کا امتحان لینے کے لئے راستہ میں آگ جلائی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس آگ میں داخل ہو جاؤ تو بہت سے لوگوں نے انکار کر دیا اور کچھ آگ میں داخل ہونے پر راضی بھی ہو گئے تھے۔ اس سے پہلی آیت میں حکام کو عدل کا حکم فرما کر اب عام لوگوں کو حکام کی متابعت کا حکم دیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکام کی اطاعت جب ہی واجب ہوگی جب وہ حق کی اطاعت کریں گے۔

فائدہ حاکم اسلام بادشاہ یا اس کا صوبہ دار یا قاضی یا سردار لشکر اور جو کوئی کسی کام پر مقرر ہو ان کے حکم کا ماننا ضروری ہے جب تک وہ خدا اور رسول کے خلاف حکم نہ دیں اگر خدا اور رسول کے حکم کے صریح خلاف کرے تو اس حکم کو ہرگز نہ مانے۔ ۱۳

۱۲۔ مسند النسائی، کتاب البیعة، قولہ تعالیٰ ﴿وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾، رقم: ۴۱۹۳، ومسند أحمد، ومن مسند ہی

ہاشم، مسند عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب عن النبی ﷺ، رقم: ۳۱۲۴

۱۳۔ حضرت عبد اللہ بن حذافہ ؓ کے اس حکم پر تفصیلی بحث اور ان کے حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح

البخاری، کتاب المغازی - حصہ دوم، باب سرية عبد اللہ بن حذافہ السهمی ؓ، وعلقمة بن معمر المدلجی ؓ،

والمقال انہا سرية الأنصاری، ج: ۱۰، ص: ۳۱۹ - ۳۲۵

(۱۲) باب: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُونَكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ [۱۵]
 باب: ”نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے
 جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصلہ نہ بنائیں۔“

شریعت زندگی کے ہر معاملے پر لاگو

اس آیت سے یہ مسئلہ نکلا ہے کہ لفظ صرف معاملات اور حقوق کے ساتھ متعلق نہیں، عقائد اور نظریات اور دوسرے نظری مسائل کو بھی حاوی ہے۔

اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو باہم جھگڑتے رہنے کے بجائے دونوں فریق رسول اللہ ﷺ کی طرف اور آپ کے بعد آپ کی شریعت کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کا حل تلاش کریں۔ ۱۳

۳۵۸۵ - حدثنا علي بن عبد الله: حدثنا محمد بن جعفر: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن عروة قال: خاصم الزبير رجلاً من الأنصار في شريح من الحرة، فقال النبي ﷺ: ((اسق يا زبير ثم أرسل الماء إلى جارك)). فقال الأنصاري: يا رسول الله أن كان ابن عمك؟ فتلون وجهه ثم قال: ((اسق يا زبير ثم احبس الماء حتى يرجع إلى الجدر، ثم أرسل الماء إلى جارك)). واستوعى النبي ﷺ للزبير حقه في شريح الحكم حين أحفظه الأنصاري كان أشار عليهما بأمر لهما فيه سعة. قال الزبير: فما حسب هذه الآيات إلا نزلت في ذلك ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُونَكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾. [راجع: ۲۳۶۰]

ترجمہ: حضرت عروہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری سے حہ کے مقام پر موجود پانی کے نالے کے بارے میں جھگڑا ہو گیا کہ کون پہلے کھیت کو پانی پہنچائے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے زبیر! تم پہلے اپنے کھیت کو پانی دو اور پھر پڑوسی کیلئے پانی کو چھوڑ دینا۔ اس پر اس انصاری شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! (آپ نے ایسا شاید اس لئے فرمایا کہ) یہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں! یہ بات سن کر حضور اکرم ﷺ کا چہرہ غصہ

سے سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ اے زبیر! پہلے تم اپنے باغ کو پانی دو اور پھر پانی روکے رکھنا یہاں تک کہ مینڈھیر تک بھر دو، پھر پڑوسی کے لئے چھوڑ دو۔ حضرت زبیر ؓ کو نبی کریم ﷺ نے (اس دفعہ) پورا حق دلایا، یہ اس لئے ہوا کہ انصاری نے آپ کو غصہ دلایا تھا، ورنہ پہلے ایسا حکم دیا تھا جس میں دونوں کی رعایت رکھی گئی تھی۔ حضرت زبیر ؓ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ آیت ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَخِمْوْكَ فِيمَا هَجَرُوا بَيْنَهُمْ﴾ اسی واقعہ کے لئے نازل ہوئی تھی۔ ۱۵

(۱۳) باب: ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ﴾ [۶۹]

باب: ”تو وہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء۔“

شان نزول

یہ آیت ایک خاص واقعہ کی بناء پر نازل ہوئی، جس کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے متعدد اسناد سے ذکر کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز ایک صحابی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے دل میں آپ کی محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہے، اپنی بیوی سے بھی زیادہ ہے، اپنی اولاد سے بھی زیادہ ہے، بعض اوقات میں اپنے گھر میں بے چین رہتا ہوں یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کر لوں تب سکون ہوتا ہے۔

اب مجھے فکر ہے کہ جب اس دنیا سے آپ کی وفات ہو جائے گی، اور مجھے بھی موت آجائے گی تو میں جانتا ہوں کہ آپ جنت میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ درجاتِ عالیہ میں ہوں گے، اور مجھے اول تو یہ معلوم نہیں کہ میں جنت میں پہنچوں گا بھی یا نہیں، اگر پہنچ بھی گیا تو میرا درجہ آپ سے بہت نیچے ہوگا، میں وہاں آپ کی زیارت نہ کر سکوں گا تو مجھے صبر کیسے آئے گا؟

نبی کریم ﷺ نے ان کا کلام سن کر کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہو گئی:

﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ
وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾

اس وقت آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ بشارت سنادی کہ اطاعت گزاروں کو جنت میں انبیاء علیہم السلام،

صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ملاقات کا موقع ملتا رہے گا۔ یعنی درجاتِ جنت میں تفاضل اور اعلیٰ ادنیٰ ہونے کے باوجود باہم ملاقات و مجالس کے مواقع ملیں گے۔ ۱۶

۴۵۸۶ - حدثنا محمد بن عبد الله بن حوشب: حدثنا ابراهيم بن سعد، عن أبيه، عن عروة، عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((ما من نبي يمرض الا خيّر بين الدنيا والآخرة))، وكان في شكواه الذي قبض فيه أخذته بحدة شديدة فسمعتة يقول: ((مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ))، فعملت أنه خير. [راجع: ۴۴۳۵]

ترجمہ: عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ ہر نبی کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کو رہنے کے لئے پسند کرے۔ جب آپ ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، تو آپ کی آواز میں کڑھکی پیدا ہو گئی تو میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے ﴿مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ چنانچہ میں سمجھ گئی کہ آپ کو اختیار ملا ہے اور آپ نے آخرت کو ترجیح دی ہے۔

آخرت میں انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کی رفاقت

اللہ اور رسول کے احکامات کو ماننے والوں، ان پر عمل کرنے والوں کو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت میسر آتی ہے، جو اللہ ﷻ کا بڑا انعام اور اس کا محض فضل ہے۔

ان کی اطاعت کا معاوضہ نہیں جس سے منافقین بالکل محروم ہیں اور اللہ ﷻ کافی ہے جاننے والا اور خبر رکھنے والا وہ ہر ایک مخلص اور منافق اور ہر مطیع کی اطاعت اور اس کے استحقاقِ اصلی اور مقدارِ فضل کو بالتفصیل جانتا ہے تو اب کسی کو ان امور کی تفصیل کی وجہ سے وعدہ الہی کو پورا ہونے میں خلجان پیدا نہ ہو۔

نبی: نبی وہ ہیں جن پر اللہ ﷻ کی طرف وحی آئے یعنی فرشتہ ظاہر میں آکر پیغام کہہ جائے۔

صدیق: صدیق وہ کہ جو پیغام اور احکام اللہ ﷻ کی طرف سے پیغمبروں کو آئے، ان کا جی خود ہی اس پر گواہی دے اور بلا دلیل اس کی تصدیق کرے۔

شہید: شہید وہ کہ پیغمبروں کے حکم پر اپنی جان سینے کو حاضر ہیں۔

صالحین: صالح اور نیک بخت وہ کہ جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے اور بری باتوں سے اپنے نفس اور بدن کی اصلاح اور صفائی کر چکے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ مذکورہ چار قسمیں جوامت کے باقی افراد سے افضل ہیں ان کے ماسوا جو مسلمان ہیں اور درجہ میں ان کے برابر نہیں لیکن اللہ اور رسول کی فرمانبرداری میں مشغول ہیں، وہ لوگ بھی انہی کی شمار اور ذیل میں لئے جائیں گے اور ان حضرات کی رفاقت بہت ہی خوبی اور فضیلت کی بات ہے، اس کو کوئی حقیر نہ سمجھے۔

فائدہ: اس آیت میں اشارہ ہو گیا ہے کہ منافقین جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے وہ اس رفاقت اور معیت

سے محروم ہیں۔ ۱۷

(۱۴) باب: ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ الی ﴿الظَّالِمِ أَهْلُهَا﴾ [۷۵]

باب: ”اور (اے مسلمانو!) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دُعا کر رہے ہیں کہ ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بہتی سے نکال لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں۔“ ۱۸

۴۵۸۷۔ حدثنا عبد الله بن محمد: حدثنا سفیان، عن عبيد الله قال: سمعت ابن

عباس قال: كنت أنا وأمي من المستضعفين. [راجع: ۱۳۵۷]

ترجمہ: عبيد اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اور میری والدہ کمزوروں میں سے تھے۔

۴۵۸۸۔ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن ابن أبي

مليكة: أن ابن عباس تلا ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ قال: كنت أنا

۱۷ تفسیر عثمانی، سورہ نساء، آیت ۶۹، فائدہ: ۳۰۲۔

۱۸ یعنی دو وجہ سے تم کو کافروں سے لڑنا ضروری ہے ایک تو اللہ کے دین کو بلند اور غالب کرنے کی غرض سے دوسرے جو لوگ مظلوم مسلمانوں کافروں کے ہاتھ بے بس پڑے ہیں ان کو چھڑانے اور غلامی دینے کی وجہ سے، مکہ میں بہت لوگ تھے حضرت کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور ان کے اقرباء ان کو ستانے لگے کہ پھر کافر ہو جائیں سو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم کو دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضرور ہے تاکہ اللہ کا دین بلند ہو اور مسلمان جو کہ مظلوم اور کمزور ہیں کفار کے ظلم سے نجات پائیں۔ [تفسیر عثمانی، سورہ نساء، آیت: ۷۵، فائدہ: ۳۰]

وَأَمِي مِمَّنْ عَدَا اللَّهَ. وَيَذْكُرُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: ﴿خَصِرَتْ﴾ [۹۰]: ضاقت، ﴿تَلَوُوزًا﴾ [۱۳۵] السِّنْتِكُمْ: بالشَّهَادَةِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: الْمِرَاغِمُ: الْمَهَاجِرُ، زَاغَمْتُ: هَاجَرْتُ قَوْمِي ﴿مَوْقُوتًا﴾ [۱۰۳]: مَوْقُوتًا وَلَقَدْ عَلَيْهِمْ. [راجع: ۱۳۵۷]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت کی ﴿إِلَّا الْمُسْتَظْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ اور پھر فرمانے لگے کہ میں اور میری والدہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جن کو اللہ ﷻ نے معذور رکھا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ”خَصِرَتْ بمعنی ضاقت“ یعنی ان کے دل تنگ ہو گئے اور ”تَلَوُوزًا“ کے معنی ہیں کہ زبان کو پھیر کر گواہی دینا۔ اور دوسرے لوگوں نے کہا کہ ”المراغم“ کے معنی ہیں ہجرت کا مقام اور ”موقوتا“ کے معنی ہیں وقت مقررہ۔

(۱۵) باب: ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَرَّكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا﴾ [۸۸]

باب: ”پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تم دو گروہ بن گئے؟، حالانکہ انہوں نے جیسے کام کئے ہیں ان کی بناء پر اللہ نے ان کو اوندھا کر دیا ہے۔“

قال ابن عباس: بددهم. فئة: جماعة.

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما ”أَرَّكَسَهُمْ“ کی تفسیر فرماتے ہیں کہ یہ ”بددهم“ متفرق کرنے کے معنی میں ہے، ”فئة“ سے جماعت مراد ہے۔

۴۵۸۹۔ حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر وعبد الرحمن قالا: حدثنا شعبة، عن عدي، عن عبد الله بن يزيد، عن زيد بن ثابت رضي الله عنه، ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ﴾ رَجَعَ النَّاسُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَحَدٍ وَكَانَ النَّاسُ فِيهِمْ لِرَقَّتَيْنِ: فَرِيقٌ يَقُولُ: ائْتَلِهِمْ، وَلِرِيقٍ يَقُولُ: لَا، فَنَزَلَتْ ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ﴾ وَقَالَ: ((الها طيبة تنفي الخبث كما تنفي النار خبث الفضة)). ۱۹

۱۹ وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب المدینة تنفی شرارها، رقم: ۱۳۸۴، وکتاب صفات المنافقین وأحكامها،

رقم: ۲۷۷۶، وسنن العرمذی، أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة النساء، رقم: ۳۰۲۸، ومسند أحمد، مسند

الأصهار، حدیث زید بن ثابت رضي الله عنه، ۲۱۵۹۹، ۲۱۶۳۰، ۲۱۶۳۳، ۲۱۶۳۶

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس آیت ﴿لَمَّا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٌ﴾ کے متعلق، جب جنگ احد میں کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تھے، اس وقت مسلمانوں کی ان کے متعلق دو رائےیں ہو گئیں تھیں، ایک فریق تو کہتا تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے، اور دوسرا فریق کہتا تھا کہ نہیں ایسا نہیں کیا جائے، تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ مدینہ کا طیبہ ر پاک ہے، یہ ناپاکی اور خباثت کو اس طرح دور کر دیتا ہے، جس طرح آگ چاندی کے میل کو دور کر دیتی ہے۔

باب

یہ باب بلا عنوان ہے۔

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذْغَابَهُ﴾ [۸۳] ای الفشوه۔
 ﴿يَسْتَنْبِطُونَهُ﴾ [۸۳]: يستخرجونه۔ ﴿عَسِيْبًا﴾ [۸۶]: كافيًا۔ ﴿إِلَّا إِنَانًا﴾: یعنی
 الموات حجراً أو مدراً أو ما شبهه۔ ﴿مَرِيدًا﴾ [۱۱۷]: منمرداً۔
 ﴿فَلْيَبْتَئِكُنَّ﴾ [۱۱۹]: بتكه: قطعه۔ ﴿لِيْلًا﴾ [۱۲۲] وقلوا واحد۔ ﴿طَبَعٌ﴾ [۱۵۶]:
 ختم۔ [راجع: ۱۸۸۴]

آیت سے مراد

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذْغَابَهُ﴾
 اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا
 خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے
 بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔

”ای الفشوه“۔ یعنی اس کو پھیلا دیتے ہیں۔

ان منافقوں اور کم سمجھ مسلمانوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ جب کوئی بات امن کی پیش آتی ہے مثلاً رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی سے صلح کا قصد فرمانا یا لشکر اسلام کی فتح کی خبر سننا یا کوئی خوفناک خبر سن لینا جیسے دشمنوں کا کہیں جمع ہونا
 یا مسلمانوں کی شکست کی خبر آنا تو اس کو بلا تحقیق مشہور کرنے لگتے اور اس میں اکثر فساد و نقصان مسلمانوں کو پیش
 آ جاتا ہے۔ منافقین ضرر رسانی کی غرض سے ایسا کرتے اور مسلمان کم سمجھ، کم فہمی کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

الفاظ کا ترجمہ و تشریح

”يَسْتَبْطِنُونَهُ“ بمعنی ”یستخر جو نہ“ سے مراد خبر کی تحقیق کرنا کہ اس کو پھیلانا مناسب ہے چھپانے کی ضرورت ہے۔

”حَسِينًا“ بمعنی ”کافیا“ یعنی اللہ ہر چیز کیلئے کافی ہوتا۔

”اَنَافًا“ سے مراد غیر جاندار چیزیں ہیں مثلاً پتھر یا مٹی وغیرہ جو ان کے مشابہ ہوں۔

”مَرِيدًا“ بمعنی ”متمرداً“ سرکش ہونے کو کہتے ہیں۔

”بَتَكُهُ“ بمعنی ”قطعہ“ کا مطلب ہے کاٹنا، ٹکڑے کرنا۔

”قِيلًا“ اور ”قَوْلًا“ کے ایک ہی معنی ہیں۔

”طَبَعَ“ بمعنی ”ختم“ یعنی ہیں مہر کے ہیں۔

(۱۶) باب: ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ [۱۳]

باب: ”اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے۔“

۴۵۹۰۔ حدثنا آدم بن أبي إياس: حدثنا شعبة: حدثنا مغيرة بن النعمان قال:

سمعت سعيد بن جبیر قال: آية اختلف فيها أهل الكوفة فرحلت فيها إلى ابن عباس فسأله عنها فقال: نزلت هذه الآية ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ هي آخر ما نزل، وما نسخها شيء. [راجع: ۳۸۵۵]

ترجمہ: مغیرہ بن نعمان روایت کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ اہل کوفہ کا اس آیت میں اختلاف تھا، لہذا میں سفر کر کے اس بات کو پوچھنے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور ان سے دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ قتل وغیرہ کے متعلق سب سے آخر میں نازل ہوئی اور اس کو کسی دوسری آیت نے منسوخ نہیں کیا ہے۔

﴿فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ میں تفصیل

یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ

مُؤْمِنًا مُتَّعِدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ ﴿ قَاتِلْ هِمِشْ جَهَنَّمِ مِی ر ہ ے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کبھی نہیں نکالا جائے گا۔
بعض حضرات یہ کہتے تھے کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا اس آیت کریمہ سے جس میں اللہ ﷻ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ
ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ
إِفْئَامًا عَظِيمًا [النساء: ۴۸]

یعنی جب اللہ تعالیٰ کے یہاں شرک کے علاوہ ہر گناہ کی مغفرت ہو سکتی ہے تو اس قتل کی بھی معافی ہو سکتی ہے، لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس بات کی تردید کر رہے ہیں کہ کوئی منسوخ نہیں ہوا، یہ حکم اب بھی برقرار ہے۔

اس صورت میں اسکے معنی کیا ہیں؟

جمہور فقہاء کا کہنا ہے یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو قتل کو حلال سمجھ کر کرے تو وہ ایک صریح حرام فعل کو حلال سمجھنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا اور کافر ہونے کی وجہ سے ”عَالِدًا فِیْہَا“ ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہے گا۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ ”عَالِدًا“ کے معنی ”مکث طویل“ ہے اور ”احقاباً“ اس کو مجازاً ”عَالِدًا“ سے تعبیر کر دیا گیا۔ ج

(۷۱) باب: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ [۹۴]

باب: ”اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دُنیوی زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں اس کو یہ نہ کہو کہ ”تم مومن نہیں ہو“۔

السَّلَامُ وَالسَّلَامُ وَالسَّلَامُ وَاحِدٌ.

ترجمہ: ان تینوں کا ایک ہی معنی ہیں۔

۳۵۹۱۔ حدیثی علی بن عبد اللہ: حدیثا سفیان، عن عمرو، عن عطاء، عن ابن

عباس رضی اللہ عنہما ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ قال: قال ابن عباس: کان رجل فی غنیمۃ لہ فلحقہ المسلمون فقال: السلام علیکم. فقتلوه وأخذوا غنیمتہ. فانزل

اللہ فی ذلک الی قولہ: ﴿عَرَضَ الْحَبْلَةُ الدُّنْيَا﴾ تلک الغنیمۃ. قال: قرأ ابن عباس: ﴿السلام﴾. ۱۱

ترجمہ: عطاء بن رباح رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ کا شان نزول بیان کیا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کچھ مسلمان جہاد سے واپس آرہے تھے کہ انہیں راستہ میں ایک بکریاں چرانے والا شخص ملا، تو اس نے ”السلام علیکم“ کہا، لیکن مسلمانوں نے اس کو قتل کر ڈالا، اور اس کی تمام بکریاں لے لیں، چنانچہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ آیت ﴿عَرَضَ الْحَبْلَةُ الدُّنْيَا﴾ تک نازل ہوئی، اور یہ سامان دنیوی سے مراد غنیمت سمجھ کر لے جانے والی بکریاں ہیں۔ عطاء بن رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ﴿السلام﴾ کا لفظ پڑھا ہے۔

نادانستگی میں قتل پر عتاب و تنبیہ

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کا شان نزول بیان فرما رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک جماعت کو جہاد کیلئے بھیجا۔ جس قوم کی طرف جہاد کا حکم دے کر بھیجا تھا، اس قوم میں ایک شخص مسلمان بھی تھا جو اپنا مال و اسباب اور مویشی ان میں سے نکال کر علیحدہ کھڑا ہو گیا تھا، اس نے مسلمانوں کو دیکھ کر السلام علیکم کہا، مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی کافر ہے اپنی جان و مال کو بچانے کی غرض سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے، اس لئے اس کو قتل کر ڈالا اور اس کے مویشی اور اسباب سب لے لیا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو تنبیہ اور تاکید فرمائی گئی کہ جب تم جہاد کے لئے سفر کرو تو تحقیق سے کام لو بے سوچے سمجھے کام مت کرو جو تمہارے سامنے اسلام ظاہر کرے اس کے مسلمان ہونے کا ہرگز انکار مت کرو، اللہ ﷻ کے پاس بہت کچھ غنیمت ہے ایسے حقیر سامان پر نظر نہ کرنی چاہئے۔ ۱۲

۱۱۔ وفی صحیح مسلم، کتاب التفسیر، رقم: ۳۰۲۵، وسنن ابی داؤد، کتاب الحروف والقرآن، رقم: ۳۹۷۴،

وسنن الترمذی، أبواب التفسیر، باب ومن سورة النساء، رقم: ۳۰۳۰، ومسند أحمد، ومن مسند بنی ہاشم، مسند

عبد اللہ بن العباس بن عبد المطلب عن النبی ﷺ، رقم: ۲۰۲۳، ۲۳۶۲، ۲۹۸۶

۱۲۔ حمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۲۶۳

(۱۸) باب: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ الآية [۹۵]

باب: ”وہ مسلمان جو جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں بیٹھ رہیں وہ برابر نہیں ہو سکتے۔“

۳۵۹۲۔ حدثنا اسماعیل بن عبد اللہ قال: حدثني ابراهيم بن سعد، عن صالح، عن ابن شهاب قال: حدثني سهل بن سعد الساعدي أنه رأى مروان بن الحكم في المسجد فأقبلت حتى جلست الى جنبه فأخبرنا أن زيد بن ثابت أخبره أن النبي ﷺ أملى عليه ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ فجاءه ابن أم مكتوم وهو يملها على. قال: يا رسول الله، والله لو أستطيع الجهاد معك لجاهدت، وكان أعمى. فأنزل الله على رسوله ﷺ وفخذه على فخذي فقلت على حتى خفت أن ترض فخذي ثم سرى عنه فأنزل الله ﴿غَيْرِ أُولَى الضَّرَرِ﴾. [راجع: ۲۸۳۲]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے مروان بن حکم کو مسجد میں دیکھا تو میں اس کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا، تو اس نے حضرت زید بن ثابت رحمہ اللہ سے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت مجھے لکھوائی ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ابھی آپ ﷺ مجھے آیت لکھوا ہی رہے تھے کہ اتنے میں ابن ام مکتوم رحمہ اللہ آپ کی خدمت حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر مجھ میں جہاد کی طاقت ہوتی، تو اللہ کی قسم! میں ضرور جہاد کرتا، اور وہ ٹاپتا تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی نازل فرمائی اس حال میں کہ آپ میری ران کو اپنی ران سے دبائے ہوئے بیٹھے تھے، چنانچہ میری ران پر اتنا بوجھ اور وزن پڑا کہ میں نے خیال کیا کہ کہیں میری ہڈی ٹوٹ نہ جائے، جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ نازل فرمائے ﴿غَيْرِ أُولَى الضَّرَرِ﴾ (یعنی معذور نہ ہوں وہ لوگ مراد ہیں، معذور لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں)۔

۳۵۹۳۔ حدثنا حفص بن عمر: حدثنا شعبه، عن أبي اسحاق، عن البراء ﷺ قال: لما نزلت ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ دعا رسول الله ﷺ زيدا فكتبها فجاء ابن أم مكتوم فشكا ضرارته، فأنزل الله ﴿غَيْرِ أُولَى الضَّرَرِ﴾. [راجع: ۲۸۳۱]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے زید رحمہ اللہ کو بلایا، تو انہوں نے یہ آیت لکھ دی، پھر ابن ام مکتوم خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ٹاپنا ہونے کا عذر

پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ نازل فرمائے ﴿غَيْرَ أُولَى الضَّرِّ﴾۔

۳۵۹۳۔ حدثنا محمد بن يوسف، عن اسرائيل، عن ابي اسحاق، عن البراء قال:

لما نزلت ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ قال النبي ﷺ: ((ادعوا لفلانا))، فجاءه ومعه الدواة واللوح أو الكتف فقال: ((اكتب ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ وخلف النبي ﷺ ابن أم مكتوم فقال: يا رسول الله أنا ضريب، فنزلت مكانها ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولَى الضَّرِّ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾.

[راجع: ۲۸۳۱]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ن فرمایا کہ فلاں شخص (یعنی زید بن ثابت) کو بلاؤ، وہ اپنے ساتھ دوات اور تختی یا ہڈی لئے ہوئے آئے، تو آپ نے فرمایا یہ آیت لکھو ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾۔ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں تو ایک نابینا شخص ہوں، تو اس وقت یہ الفاظ نازل ہوئے کہ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولَى الضَّرِّ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾۔

۳۵۹۵۔ حدثنا ابراهيم بن موسى: أخبرنا هشام: أن ابن جريج أخبرهم

ح؛ وحدثني اسحاق: أخبرنا عبد الرزاق: أخبرنا ابن جريج: أخبرني عبد الكريم:

أن مقسما مولى عبد الله بن الحارث أخبره أن ابن عباس رضى الله عنهما أخبره ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ عن بدر والخارجون الى بدر. [راجع: ۳۹۵۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو جنگ بدر سے بیٹھے رہ گئے تھے اور جو لوگ بدر کی طرف نکلے۔

پچھلی آیت سے ربط اور جہاد میں نکلنے والوں کی فضیلت

اس سے پہلی آیت میں مسلمانوں کو نادمی اور چوک سے قتل کر دینے پر عتاب اور تنبیہ فرمائی تھی اس لئے یہ احتمال تھا کہ کوئی جہاد کرنے سے رک جائے کیونکہ مجاہدین کو ایسی صورت پیش آ ہی جاتی ہے اس لئے مجاہدین کی فضیلت بیان فرما کر جہاد کی رغبت دلائی گئی۔

خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ لنگڑے لنگڑے اندھے بیمار معذور لوگوں کو تو جہاد کرنے کا حکم نہیں، باقی سب

مسلمانوں میں جہاد کرنے والوں کے بڑے درجے ہیں جو جہاد نہیں کرتے۔
اس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں یعنی اگر مسلمانوں کی کافی مقدار اور ضرورت کے موافق جماعت جہاد کرتی رہے تو جہاد نہ کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔ ۳۳

(۱۹) باب: ﴿إِنَّ الدِّينَ تَوْفَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ﴾ الآية [۱۷]
باب: ”جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئے تو وہ بولے ”تم کس حالت میں تھے؟“۔

۳۵۹۶۔ حدثنا عبد الله بن يزيد المقرئ: حدثنا حيوة وغيره قالوا: حدثنا محمد ابن عبد الرحمن أبو الأسود قال: قطع على أهل المدينة بعث لما كُتِبَتْ فيه فلقيت عكرمة مولى ابن عباس فأخبرته فنهاني عن ذلك أشد النهي ثم قال: أخبرني ابن عباس أن لما من المسلمين كانوا مع المشركين يكثر سواد المشركين على رسول الله ﷺ يأتي السهم فيرمى به فيصيب أحدهم فيقتله أو يضرب فيقتل. فأنزل الله ﴿إِنَّ الدِّينَ تَوْفَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ﴾ الآية.

رواه الليث، عن أبي الأسود. [انظر: ۷۰۵۸] ۳۳

ترجمہ: ابو الاسود نے بیان کیا کہ اہل مدینہ کا لشکر تیار کیا گیا، اس میں میرا بھی نام تھا، میری ملاقات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے ہوئی تو میں انہیں اس بات کی خبر دی کہ میرا نام بھی لشکر میں لکھا گیا ہے تو انہوں نے بڑی سختی سے مجھے منع کیا، پھر کہا کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا تھا کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ مشرکین کے ساتھ رہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف کافروں کی تعداد میں اضافے کا سبب بنتے تھے (کفار انہیں جنگ میں زبردستی لاتے تھے)، پھر ایک تیر آتا جس کو پھینکا جاتا تھا جو ان میں سے کسی کو لگا جاتا تو یہ قتل ہوتے تھے یا تلوار چلائی جاتی تو اس سے مارے جاتے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿إِنَّ الدِّينَ تَوْفَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ﴾۔ اس حدیث کو لیث نے بھی اسود سے بیان کیا۔

حدیث کی تشریح - فتنہ کا سبب بننا بھی ناجائز

حضرت ابوالاسود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”قطع علی اهل المدينة بعث فانكثبت فيه“ اہل مدینہ کے ذمہ ایک لشکر لگایا گیا تھا میرا نام بھی لشکر میں لکھا گیا تھا، مطلب یہ ہے کہ ان کے ذمہ لگایا گیا کہ تم ایک لشکر تیار کرو اور تیاری کر کے نکلو اور ہمارے مخالف سے لڑو۔

”فلقیبت عکرمہ مولیٰ ابن عباس فَاخبرته فنهانی عن ذلك اشد النهی“ میری ملاقات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے ہوئی تو میں انہیں اس بات کی خبر دی کہ میرا نام بھی لشکر میں لکھا گیا ہے تو انہوں نے بڑی سختی سے مجھے منع کیا۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا زمانہ تھا اور اہل شام ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی مخالفت کر رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اہل مدینہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم لوگ یہاں سے ایک لشکر تیار کرو تا کہ وہ اہل شام سے جا کر مقابلہ کریں، اس بات کا یہ مطلب ہے۔

پھر فرمایا کہ ”اخبرنی ابن عباس ان لاسا من المسلمین کالوامع المشرکین یکترون سواد المشرکین علی رسول اللہ ﷺ“ مجھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات بتائی ہے کہ کچھ لوگ مسلمان تھے، لیکن مشرکین کے ساتھ رہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف مشرکین کی جماعت میں نکثیر کا سبب بنتے تھے یعنی تھے وہ مسلمان اور ان کا مقصد مسلمانوں اور حضور اکرم ﷺ سے لڑنا نہیں تھا لیکن نکثیر سوادو تعداد میں اضافہ کی غرض سے مشرکین ان کو اپنے ساتھ لے آتے تھے۔

”یا بنی السہم فیرمی بہ فیصیب احدہم فیقتلہ او یضرب فیقتل“ وہ لوگ اگرچہ خود لڑائی میں شریک نہیں ہوتے تھے لیکن اگر کوئی تیر آتا تو ان میں سے کسی کو لگ جاتا اور اس کو مار دیتا یا ان کے اوپر کوئی تلوار سے حملہ کر دیتا تو پس وہ قتل کیا جاتا۔

تو اس پر اللہ ﷻ نے آیت نازل کی ﴿إِنَّ الدِّينَ تَوْفَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمُ الْخ﴾ کہ جب ملائکہ ان کی روح قبض کرنے کیلئے آئے تو ان سے کہا تم کہاں تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم مکہ مکرمہ کے رہنے والے ہیں اور مشرکوں نے ہمیں نکلنے نہیں دیا تو اس پر فرشتے جواب میں کہیں گے کہ کیا اللہ ﷻ کی زمین اتنی کشادہ نہیں تھی چاہتے تو ہجرت کر کے چلے جاتے؟

معلوم ہوا کہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ہجرت پر قدرت رکھنے کے باوجود ہجرت نہیں کی اور اس واسطے یہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، ایسے لوگوں کیلئے قرآن نے وعید بیان کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ بات نقل کر کے عکرمہ نے کہا کہ اس سے معلوم ہوا کہ تکثیر سواد بھی اس میں شامل ہونے کے معنی میں ہے، اس واسطے وہ بھی ناجائز ہے۔

(۲۰) باب: ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعِفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ﴾ [۹۸: ۹۸]

باب: ”البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں (اس انجام سے مستثنیٰ ہیں)۔“

۳۵۹۷۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد، عن أيوب، عن أبي مليكة، عن ابن عباس رضي الله عنهما ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعِفِينَ﴾ قال: كانت أمي ممن عذر الله. [راجع: ۱۳۵۷]
ترجمہ: ابن ابی ملیکہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعِفِينَ﴾ کے بارے میں بیان کیا کہ میری والدہ ان لوگوں میں سے تھیں جنہیں اللہ نے (ہجرت سے) معذور رکھا تھا۔

(۲۱) باب قوله: ﴿فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَغْفُو عَنْهُمْ﴾ [۹۹: ۹۹]

باب: ”چنانچہ پوری اُمید ہے کہ اللہ ان کو معاف فرمادے۔“

۳۵۹۸۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا شبان، عن يحيى، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة
ﷺ قال: بينا النبي ﷺ يصلي العشاء اذ قال: ((سمع الله لمن حمده))، ثم قال قبل أن يسجد: ((اللهم نج عياش بن أبي ربيعة، اللهم نج سلمة بن هشام، اللهم نج الوليد بن الوليد، اللهم نج المستضعفين من المؤمنين. اللهم اشد وطانك على مضر، اللهم اجعلها سنين كسنى يوسف)). [راجع: ۷۹۷]

ترجمہ: ابوسلمہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے ”سمع الله لمن حمده“ کے بعد سجدہ سے پہلے اس طرح دعا فرمائی کہ اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات عطا فرما، اے اللہ! ولید بن ولید کو بھی نجات دے، اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرمادے، اے اللہ! مضر کے کافروں پر اپنی پکڑ سخت کر دے اور اے اللہ! اس سزا کو قحط سالی بنادے، ایسے قحط میں مبتلا کر جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں طویل قحط آیا تھا۔

آیت کا خلاصہ و فائدہ۔ ہجرت کا حکم

بعض مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور ان سے مغلوب ہیں اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو مکمل رنیں کر سکتے نہ حکم جہاد کی تعمیل کر سکتے ہیں سو ان پر فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت کریں۔

اس جگہ میں اسی کا ذکر ہے خلاصہ یہ کہ جو لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں یعنی کافروں کے ساتھ مل کر رہ رہے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے تو فرشتے ان سے مرتے وقت پوچھتے ہیں کہ تم کس دین پر تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمان تھے مگر بوجہ ضعف و کمزوری کے دین کی باتیں نہ کر سکتے تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ کی زمین تو بہت وسیع تھی تم یہ تو کر سکتے تھے کہ وہاں سے ہجرت کر جاتے سو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

البتہ جو لوگ ضعیف ہیں اور عورتیں اور بچے کہ نہ وہ ہجرت کی تدبیر کر سکتے ہیں نہ ان کو ہجرت کا راستہ معلوم ہے، وہ قابل معافی ہیں۔

فائدہ: اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ مسلمان جس ملک میں کھلا نہ رہ سکے وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے اور سوائے ان لوگوں کے جو بالکل معذور اور بے بس ہوں اور کسی کو وہاں پڑے رہنے کی اجازت نہیں۔ ۲۵

(۲۲) باب: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْنَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ﴾ [۱۰۲] الآية

باب: ”اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔“

۴۵۹۹۔ حدثنا محمد بن مقاتل أبو الحسن: أخبرنا حماد، عن ابن جريج قال:

أخبرني يعلى، عن سعيد بن جبیر، عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما ﴿إِنْ كُنْتُمْ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى﴾ قال عبد الرحمن بن عوف وكان جريحاً. ۲۶

۲۵ ولی ((تفسیر ابن الجوزی)) قال مجاهد: هم قوم أسلموا ولتوا على الإسلام ولم يكن لهم عجلة في الهجرة،

لعلهم الله تعالى بقوله: ﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَفْعَلَ عَنْهُمْ﴾، عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۲۷۰، و تفسیر عثمانی، سورة

النساء: ۹۹، فائدہ: ۳.

۲۶ الفرد به البخاری.

ترجمہ: سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت ﴿إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى﴾ کے بارے میں فرمایا کہ عبدالرحمن بن عوف زخمی ہو گئے تھے۔

ہزار اور خوف کی تدابیر

یعنی اگر بارش یا بیماری اور ضعف کی وجہ سے ہتھیار کا اٹھانا مشکل ہو تو ایسی حالت میں ہتھیار اتار کر رکھ دینے کی اجازت ہے لیکن اپنا بچاؤ کر لینا چاہیے مثلاً زرہ، سپر اور خود ساتھ لے لو۔
فائدہ: اگر دشمنوں کے خوف سے اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ نماز خوف بصورت مذکورہ ادا کر سکیں تو جماعت موقوف کر کے تنہا نماز پڑھ لیں پیادہ ہو کر سواری سے اترنے کا موقع بھی نہ ملے تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لیں، اگر اس کی بھی مہلت نہ ملے تو پھر نماز کو قضا کر دیں۔ ۷۰

(۲۳) باب قوله: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَأَمَّى النِّسَاءِ﴾ [۱۲۷]

باب: ”اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے اپنی عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے، اور اس کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ بھی ان یتیم عورتوں کے بارے میں (شرعی حکم بتاتی ہیں)۔“

۳۶۰۰ - حدثنا عبید بن اسماعیل: حدثنا أبو أسامة قال: حدثنا هشام بن عروة،

عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنهما ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ إلى قوله: ﴿وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ قالت عائشة: هو الرجل تكون عنده اليتيمة هو وليها ووارثها فاشتركت في ماله حتى في العلق فيرغب أن ينكحها ويكره أن يزوجه رجلًا فيشركه في ماله بما شركته فيعضلها فنزلت هذه الآية. [راجع: ۲۳۹۴]

۷۱ ذکرہ العلامة بدرالدین العینی رحمہ اللہ: وقد غمض اکثر الشراح اعينهم في هذا الموضع، ولهما ذكرنا كلامه

ولله الحمد. عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۲۷۱

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ سے مراد وہ آدمی ہے جو کسی یتیم عورت کا وارث ہو، اور اس کے کسی مال میں شریک بھی ہو، اور پھر اس سے نکاح بھی کرنا چاہے، اور دوسرے سے نکاح کرنے کو برا جانے، اس لئے کہ وہ غیر آدمی اس کے مال میں اس کا شریک ہو جائے گا، لہذا اس بناء پر عورت کو دوسرے سے نکاح کرنے سے روکے، چنانچہ اس کیلئے یہ نازل فرمائی گئی۔

رعایت کی صورت میں والی کا یتیم لڑکی سے نکاح کرنا

اس سورت کے اول ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى﴾ میں یتیموں کے حق ادا کرنے کی تاکید فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ یتیم لڑکی جس کا والی مثلاً چچا کا بیٹا ہو اگر جانے کہ میں اس کا حق پورا ادا نہ کر سکوں گا تو خود اس لڑکی سے نکاح نہ کرے بلکہ کسی اور سے اس کا نکاح کر دے اور آپ اس کا حمایتی بنارہے۔ اس پر مسلمانوں نے ایسی عورتوں سے نکاح کرنا موقوف کر دیا تھا مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ لڑکی کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس کا والی ہی اپنے نکاح میں لائے جیسی رعایت وہ کرے گا غیر نہ کرے گا تب مسلمانوں نے حضور اقدس ﷺ سے نکاح کی اجازت مانگی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رخصت مل گئی۔ اور فرمایا کہ وہ جو پہلی ممانعت سنائی گئی تھی وہ خاص اس صورت میں تھی کہ ان کا حق پورا ادا نہ کرو اور یتیموں کے حق ادا کرنے کی تاکید کی گئی تھی اور جو یتیموں کے ساتھ سلوک اور بھلائی کرنے کے ارادہ سے ایسا نکاح کیا جائے تو اجازت ہے۔

فائدہ: عرب کے لوگ عورتوں، بچوں اور یتیموں کو بعض حقوق سے محروم رکھتے تھے میراث نہ دیتے تھے اور کہتے تھے میراث اس کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑائی کرے یتیم لڑکیوں سے ان کے اولیاء نکاح کر کے نفقہ اور مہر میں کمی اور ان کے مال میں بیجا تصرف کرتے تھے، چنانچہ ابتدائے سورت میں ان باتوں کی تاکید گزر چکیں۔ اب اس کا خلاصہ یہ ہے کہ واجب الاتباع حکم الہی ہے کسی کی عقل، کسی کا دستور، کسی کا حکم، کسی کی آرزو اور قیاس قابل اعتبار نہیں ہو سکتا، اللہ جل جلالہ کے حکم کے سامنے کسی کی بات سنی اور اللہ جل جلالہ کے حکم کو چھوڑ کر اس پر عمل کرنا صریح کفر اور گمراہی ہے اور اس مضمون کو طرح طرح سے تاکیدات بلیغہ کے ساتھ ظاہر کر کے دکھلایا ہے۔ اب اس کے بعد آیات سابقہ کا حوالہ دے کر بعضے اور مسائل عورتوں اور یتیم لڑکیوں کے نکاح کے متعلق بتلائے جاتے ہیں تاکہ ان تاکیدات کے بعد کسی کو عورتوں کے حقوق دینے میں کوئی بات باقی نہ رہے۔ روایت ہے کہ جب عورتوں کے متعلق آپ ﷺ نے حکم میراث ظاہر فرمایا تو بعض عرب کے سردار آپ

کی خدمت میں آئے اور تعجب سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ بہن، بیٹی کو میراث دلواتے ہیں حالانکہ میراث تو ان کا حق ہے جو دشمنوں سے لڑیں اور غنیمت کا مال لائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ ﷻ کا یہی حکم ہے کہ ان کو میراث دی جائے۔ ۲۸

(۲۴) باب: ﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ [۱۲۸]

باب: ”اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو۔“

قال ابن عباس: ﴿شِقَاقٌ﴾ [۳۵]: تفسد ﴿وَأُخْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ﴾ [۱۲۸] قال: هو اه في الشيء يحرم عليه ﴿كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ [۱۲۹] لا هي ايم ولا ذات زوج. ﴿نُشُوزًا﴾ بغضا.

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”شِقَاقُ“ معنی ”تفسد“ یا ہی فساد اور جنگ ہے۔
﴿وَأُخْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ﴾ اس آیت میں ”الشُّحُّ“ کا مطلب کسی چیز کے لئے حرص و لالچ اور خواہش نفسانی ہے۔

”كَالْمُعَلَّقَةِ“ کا مطلب ہے کہ بچ میں لٹکی ہوئی، وہ عورت جو گویا نہ بیوہ ہو، نہ شوہر والی ہو۔
”نُشُوزًا“ کا مطلب ہے ناراضگی، خفگی اور بغض وغیرہ۔

۳۶۰۱۔ حدثنا محمد بن مقاتل: أخبرنا عبد الله: أخبرنا هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها ﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ قالت: الرجل تكون عنده المرأة ليس بمستكثر منها يريد أن يفارقها، فتقول: أجعلك من شالي في حل. فنزلت هذه الآية في ذلك. [راجع: ۲۳۵۰]

۲۸۔ قوله تعالى: ﴿قُلِ اللَّهُ يَتَّبِعُكُمْ لَيْلَهُنَّ﴾ [النساء: ۱۲۷]، أي: في ليلتهن، وكانت العرب لا تورث النساء والعبيان. قوله: ((وما يتلى عليكم في الكتاب))، أريد به ما ذكر قبل هذه الآية وهو قوله تعالى: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ [النساء: ۳] الآية. والذي كتب في النساء هو قوله تعالى: ﴿فِي يَتَامَىٰ النِّسَاءِ﴾ التي الخ في الآية. عمدة القاري، ج: ۱، ص: ۲۷۲

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس آیت ﴿وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ کے بارے میں بیان کیا کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے اچھا برتاؤ و محبت نہیں کرتا تھا، اور چاہتا تھا کہ اس کو الگ کر دے، عورت نے کہا، اچھا میں اپنا (نان نفقہ، مہر) معاف کئے دیتی ہوں (مگر تم مجھے طلاق مت دو)، اس وقت یہ آیت نازل فرمائی گئی (یعنی تم آپس میں صلح کر لو، یہی اچھی بات ہے)۔

عورت کا مہر یا نفقہ معاف کرنا

اگر کوئی عورت خاوند کا دل اپنے سے پھرا دیکھے اور اس کو خوش اور متوجہ کرنے کو اپنے مہر یا نفقہ وغیرہ میں سے کچھ چھوڑ کر اس کو راضی کر لے تو اس مصالحت میں کسی ذمہ کچھ گناہ نہیں زوجین میں مصالحت اور موافقت بہت ہی اچھی بات ہے۔

البتہ بے وجہ عورت کو تنگ کرنا اور بلا رضا اس کے مال میں تصرف کرنا گناہ ہے۔ ۲۹

(۲۵) باب: ﴿إِنَّ الْمَنَافِقِينَ فِي الدُّرُكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [۱۳۵]

باب: ”یقین جانو کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے“۔

قال ابن عباس: أسفل النار. ﴿نَفَقًا﴾ [الأنعام: ۳۵]: سربا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں ”أسفل النار“ مراد ہے یعنی آگ کا سب سے نچلا حصہ۔

”نَفَقًا“ بمعنی ”سربا“ سرنگ کے ہیں۔

۳۶۰۲۔ حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش قال: حدثني إبراهيم، عن الأسود قال: كنا في حلقة عبد الله فجاء حذيفة حتى قام علينا فسلم ثم قال: لقد أنزل النفاق على قوم خير منكم، قال الأسود: سبحان الله، إن الله يقول: ﴿إِنَّ الْمَنَافِقِينَ فِي الدُّرُكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ فتبسم عبد الله وجلس حذيفة في ناحية المسجد. فقام عبد الله فتفرق أصحابه فرمالي بالحصى، فأتته فقال حذيفة: عجبت من ضحكة وقد عرف

ماقلت، لقد أنزل النفاق علی قوم كانوا خیرا منکم ثم تابوا لكتاب الله علیهم۔^۱
ترجمہ: اسود سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ اتنے میں ایک صحابی حضرت حذیفہ بن یمانؓ آئے، ہمارے پاس کھڑے ہوئے اور سلام کیا، پھر فرمایا کہ نفاق ایسی چیز ہے جو تم سے اچھے لوگوں کی جماعت پر نازل ہو چکی ہے، اسود نے (راوی نے ذرا تعجب سے) کہا سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الذَّرْبِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ تو اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسکرائے، اور حضرت حذیفہؓ اٹھ کر مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہؓ بھی اٹھ گئے اور ان کے شاگرد بھی ادھر ادھر منتشر ہو گئے، پھر حضرت حذیفہؓ نے ایک کنکری میرے طرف پھینکی، میں ان کے پاس آیا اور تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ میں (عبداللہ بن مسعود) کے مسکرانے سے تعجب میں پڑ گیا، کیونکہ جو کچھ میں نے کہا، وہ انہوں نے اچھی طرح سمجھ لیا، بیشک نفاق اس قوم پر آیا تھا جو تم سے بہتر تھی، لیکن پھر انہوں نے توبہ کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا کو معاف کر دیا۔

نفاق سے برأت اور توبہ کا حکم

حضرت اسود بن یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حلقہ درس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت حذیفہ بن یمانؓ آئے اور ہمارے پاس کھڑے ہو کر سلام کیا۔
پھر فرمانے لگے کہ ”لقد أنزل النفاق علی قوم خیر منکم“ نفاق ایسی قوم پر نازل کیا گیا تھا یعنی ان کو نفاق میں مبتلا کیا تھا جو لوگ تم سے بہتر تھے۔

روی حضرت اسود بن یزید رحمہ اللہ نے اس پر تعجب سے کہا کہ ”سبحان اللہ“ منافقین ہم سے بہتر کیسے ہو گئے؟ جہاں اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الذَّرْبِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ یعنی منافقین جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ ہم سے بہتر ہیں۔
”فتبسم عبد اللہ“ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس بات پر تبسم فرمایا یعنی وہ حضرت حذیفہؓ کا مطلب سمجھ گئے تھے اور ”وَجُلَسَ حَذِيفَةُ فِي لَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ“ پھر حضرت حذیفہؓ مسجد کے گوشے میں جا کے بیٹھ گئے۔

^۱ ولفو مسیح مسلم، کتاب التفسیر، رقم: ۳۰۱، ولسن الترمذی، أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة المائدة، رقم:

۳۰۴۳، و، سند أحمد، مسند المشرقة المبشرين بالجنة، مسند العلماء الراشدين، أول مسند عمر بن الخطابؓ، رقم: ۱۸۸

”لَقَامَ عَبْدَ اللَّهِ فَتَفَرَّقَ أَصْحَابُهُ“ اور پھر حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اٹھ کر چلے گئے اور ان کے شاگرد بھی منتشر ہو گئے، ”لَوْ مَانِي بِالْحَصَا“ تو حضرت حذیفہ ؓ نے میری طرف ایک کنکر متوجہ کرنے، بلانے کیلئے پھینکا اور اپنے پاس بلایا، تو میں ان کے پاس گیا۔

پھر حضرت حذیفہ ؓ نے فرمایا کہ ”عَجِبْتُ مِنْ ضَحْكَةِ وَقَدْ عَرَفْتُ مَا قُلْتُ“ مجھے عبداللہ بن مسعود ؓ کے ہنسنے سے تعجب ہوا، کیونکہ جو کچھ میں نے کہا اس کا مطلب وہ سمجھ گئے تھے اور میں نے یہ کہا تھا کہ ”لَقَدْ أُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلَى قَوْمٍ كَالْوَأخِيْرِ مِنْكُمْ“ نفاق ایسی قوم پر نازل ہوا جو تم سے بہتر تھی یعنی جو لوگ نفاق میں مبتلا ہوئے تھے وہ بہتر تھے، کیونکہ وہ خیر القرون کے لوگ تھے۔

”لَمْ تَأْبُوا لِقَابَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ“ پھر انہوں نے اس سے توبہ کر لی اور پھر اللہ ﷻ نے ان کی توبہ قبول کر لی تو وہ چونکہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے کے لوگ تھے، لہذا تم سے بہتر تھے خاص طور پر وہ جب انہوں نے توبہ کر لی تو تم سے بہتر ہی تھے اس لئے میں نے کہا تھا۔

(۲۶) باب قوله: ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ﴾ الى قوله:

﴿وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ﴾ [۱۶۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”(اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسے نوح پر بھیجی تھی“ آخر آیت تک۔

وحی کے ادوار

اہل کتاب، مشرکین مکہ اور جملہ کفار قرآن مجید کی حقانیت اور صداقت میں طرح طرح سے بیہودہ شبہات پیدا کرتے، اس موقع میں یہی کہہ دیا کہ جیسے توریت سب کی سب ایک دفعہ اتری تھی ایسے ہی تم بھی ایک کتاب آسمان سے لا دو تو ہم تم کو سچا جانیں بقول شخصے۔

خوئے بد را بہانہ بسیار سو۔

اللہ ﷻ نے اس جگہ چند آیتیں نازل فرما کر اس کی حقیقت واضح کر دی اور وحی کی عظمت اور کفار کے سب خیالات اور شبہات بیہودہ کو رد کر دیا اور وحی الہی کی متابعت کو عامۃ اور قرآن مجید کی اطاعت کو تخصیص کے ساتھ بیان فرما کر بتلادیا کہ حکم الہی کا ماننا سب پر فرض ہے کسی کا کوئی عذر اس میں نہیں چل سکتا جو اس کے تسلیم

کرنے میں تردد یا تاثر یا انکار کرے وہ گمراہ اور بے دین ہے۔ اب یہاں سے تحقیقی جواب دیا جاتا ہے۔
اس سے معلوم ہو گیا کہ وحی خاص اللہ ﷻ کا حکم اور اس کا پیام ہے جو پیغمبروں پر بھیجا جاتا ہے، انبیاء سابقین پر جیسے وحی الہی نازل ہوئی ویسے ہی حضرت محمد ﷺ پر بھی اللہ ﷻ نے اپنی وحی بھیجی تو جس نے اس کو مانا اس کو بھی ضرور ماننا چاہیے اور جس نے اس کا انکار کیا وہ گویا ان سب کا منکر ہو گیا۔

اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پچھلوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے جو وحی شروع ہوئی تو اس وقت بالکل ابتدائی حالت تھی، حضرت نوح علیہ السلام پر اس کی تکمیل ہو گئی گویا اول حالت محض تعلیمی حالت تھی، حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں وہ حالت پوری ہو کر اس قابل ہو گئی کہ ان کا امتحان لیا جائے اور فرمانبرداروں کو انعام اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔

چنانچہ انبیائے اولو العزم کا سلسلہ بھی حضرت نوح علیہ السلام سے ہی شروع ہوا اور وحی الہی سے سرتابی کرنے والوں پر بھی اول عذاب حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوا۔

خلاصہ یہ کہ پہلے حکم الہی اور انبیاء کی مخالفت پر عذاب نازل نہیں ہوتا تھا بلکہ انکو معذور سمجھ کر ان کو ڈھیل دی جاتی تھی اور سمجھانے ہی میں کوشش کی جاتی تھی، حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جب مذہبی تعلیم خوب ظاہر ہو چکی اور لوگوں کو حکم خداوندی کی متابعت کرنے میں کوئی خفا باقی نہ رہا تو اب نافرمانوں پر عذاب نازل ہوا۔

اول حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان آیا، اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام وغیرہ کے زمانہ میں کافروں پر قسم قسم کے عذاب آئے تو آپ ﷺ کی وحی کو حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پچھلوں کی وحی کے ساتھ تشبیہ دینے میں اہل کتاب اور مشرکین مکہ کو پوری تنبیہ کر دی گئی کہ جو آپ ﷺ کی وحی یعنی قرآن کو نہ مانے گا وہ عذاب عظیم کا مستحق ہوگا۔ ۱۱

۴۶۰۳ - حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن سفيان قال: حدثني الأعمش، عن أبي وائل، عن عبد الله عن النبي ﷺ قال: ((ما ينبغي لأحد أن يقول: أنا خير من يونس ابن متى)). [راجع: ۳۴۱۲]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کیلئے یہ بات مناسب نہیں ہے وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی (علیہ السلام) سے بہتر ہوں۔

۴۶۰۴ - حدثنا محمد بن سنان: حدثنا فليح: حدثنا هلال، عن عطاء بن يسار، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((من قال: أنا خير من يونس بن متى، فقد كذب)). [راجع: ۳۴۱۵]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں، تو اس نے جھوٹ بولا۔

(۲۷) باب: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنَّ أَمْرًا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِيهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ﴾ [۱۷۶]
 باب: ”(اے پیغمبر!) لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم بتاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس حال میں مر جائے کہ اس کی اولاد نہ ہو، اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکے میں سے آدھے کی حق دار ہوگی۔ اور اگر اس بہن کی کوئی اولاد نہ ہو (اور وہ مر جائے، اور اس کا بھائی زندہ ہو) تو وہ اس بہن کا وارث ہوگا۔“

کلالہ کی تفسیر

شروع سورت میں آیت میراث میں کلالہ کی میراث کا ذکر گزر چکا ہے اسکے بعد جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق زیادہ تفصیل پوچھنی چاہی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
 ”کلالہ“ کے معنی کمزور اور ضعیف، یہاں وہ شخص مراد ہے جس کے وارثوں میں باپ اور اولاد میں سے کوئی نہ ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا، کیونکہ اصلی وارث والد اور ولد ہی ہیں جس کے یہ نہیں تو اس کے حقیقی بھائی بہن کو بیٹا بیٹی کا حکم ہے اور اگر حقیقی نہ ہوں تو یہی حکم سوتیلوں کا ہے جو کہ باپ میں شریک ہوں ایک بہن ہو تو آدھا اور دو بہن ہوں تو دو تہائی اور اگر بھائی اور بہن دونوں ہیں تو مرد کو دوہرا حصہ اور عورت کو اکہرٹے کا اور اگر فقط بھائی ہوں بہن کوئی نہ ہو تو وہ بہن کے مال کے وارث ہوں گے یعنی ان کا کوئی حصہ معین نہیں، کیونکہ وہ عصبہ ہیں جیسا کہ آیت میں آگے یہ سب صورتیں مذکور ہیں۔

اب باقی رہ گئے وہ بھائی بہن جو صرف ماں میں شریک ہوں جن کو اخیانی کہتے ہیں سوان کا حکم شروع سورت میں فرمادیا گیا ان کا حصہ معین ہے یعنی اگر مرد مر گیا اور اس نے ایک بہن چھوڑی، نہ بیٹا چھوڑا نہ باپ تو اس کو میراث میں نصف مال ملے گا۔

اور اگر اسکے برعکس ہو یعنی کوئی عورت لا ولد مر گئی اور اس نے بھائی اعیانی یا علاتی چھوڑا تو وہ بہن کے مال کا وارث ہوگا کیونکہ وہ عصبہ ہے اور اگر اس نے لڑکا چھوڑا تو بھائی کو کچھ ملے گا اور لڑکی چھوڑی تو لڑکی سے جو

بچے گا وہ اس بھائی کو ملے گا اور بھائی یا بہن اخیانی چھوڑے گی تو اس کے لئے چھٹا حصہ معین ہے جیسا کہ ابتداء سورت میں ارشاد ہوا۔

والکلالۃ من لم یرونہ اب او ابن، وهو مصدر من تکللہ النسب۔
ترجمہ: کلالہ وہ شخص ہے جس کے ورثاء میں سے نہ باپ ہو نہ بیٹا ہو، اور کلالہ مصدر ہے تکللہ النسب کا۔
۴۶۰۵ - حدثنا سلیمان بن حرب: حدثنا شعبۃ، عن ابی اسحاق: سمعت البراء
ؓ قال: آخر سورة نزلت براءۃ، و آخر آية نزلت ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي
الْكُلَالَةِ﴾. [راجع: ۴۳۶۳]

ترجمہ: ابو اسحاق کہتے ہیں میں نے سنا کہ حضرت براء بن عازب ؓ فرما رہے تھے کہ سب سے آخر میں جو سورت نازل ہوئی، وہ سورۃ براءۃ ہے، اور آخر میں جو آیت اتری وہ یہ آیت ہے: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكُلَالَةِ﴾۔

تشریح

حضرت براء بن عازب ؓ کا خیال ہے کہ قرآن کی آخری آیت ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكُلَالَةِ﴾ ہے۔

کسی نے کہا ہے کہ آخری آیت ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ [المائدہ: ۳] ہے۔
اور کسی نے کہا کہ ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُزْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ [البقرہ: ۲۸۱] آخری آیت ہے۔
یہ سب تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

تینوں صورتوں میں تطبیق

ان تینوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكُلَالَةِ﴾ حضرت براء ؓ کا کہنے کا منشا یہ ہے کہ اس آیت میں میراث کے معاملے میں آخری آیت یہی نازل ہوئی تھی، مطلق آخر میں نازل ہونا مراد نہیں ہے
﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ آخری احکام والی آیت ہے جو نازل ہوئی ہے۔
اور جس نے ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُزْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ کہا ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تو ان کی مراد یہ ہے باقاعدہ واقعاً آخری آیت۔

(۵) سورة المائدة

سورة مائدہ کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

وجہ تسمیہ

اس سورة کو "سورة المائدة" کہتے ہیں، اس لئے کہ اس میں "مائدہ" کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ اس کا نام "سورة العقود" بھی ہے، چونکہ اس کی پہلی آیت میں ایقانے عہود کا حکم ہے۔ لفظ "مائدہ" کے معنی ہیں وہ دسترخوان جس پر کھانا ہو، لیکن اگر دسترخوان پر کھانا موجود نہ تو اس کو "مائدہ" نہیں کہا جائے، جیسا کہ علامہ عینی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ "مائدہ" فاعلہ کے وزن پر ہے بمعنی مفعولہ جیسے "عیشۃ راضیۃ" بمعنی "مرضیۃ" ہے۔ ۱

سورة المائدہ کا نزول

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی عضباء کی تکمیل تھامے ہوئی تھی کہ آپ پر سورہ پوری نازل ہوئی قریب تھا کہ اس بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں۔ ۲

حضرت جبیر بن نفیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تم سورہ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں! تو آپ نے فرمایا کہ سنو سب سے آخر یہی سورت نازل ہوئی اس میں جس چیز کو حلال پاؤ اس کو حلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ حرام ہی جانو۔ ۳

۱۔ عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۲۷۹

۲۔ مسند احمد، الملحق المستدرک من مسند الأنصار بقیة خامس عشر الأنصار، من حدیث اسماء بنت یزید رضی

اللہ عنہا، رقم: ۲۷۵۷۵

۳۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب التفسیر.....، تفسیر سورة المائدة، رقم: ۲۳۱۰

(۱) باب

یہ باب بلا عنوان ہے۔

﴿وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ [۱] واحدها حرام ﴿لَبِئْسَ لَقِضِهِمْ مِثْلًا قَلِيلٌ﴾ [۱۲] بنقضهم ﴿الَّذِي كَتَبَ اللَّهُ﴾ [۱]: جعل الله ﴿كِبْوَةً﴾ [۲۹]: تحمل۔
 ﴿ذَابِرَةً﴾ : دولة۔ وقال غيره: الاغراء: التسلط، ﴿أَجْوَرَهُنَّ﴾ [۵]: مهورهن۔
 المهيمن: الأمين۔ القرآن أمين على كل كتاب قبله۔
 وقال سفيان: مالى القرآن آية أشد على من ﴿لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ﴾۔
 ﴿مَخْمَصَةً﴾ : مجاعة۔ ﴿مَنْ أَحْيَاهَا﴾ : لمن من حرم قتلها الا بحق حيي الناس منه جميعا ﴿خِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ : سبلا وسنة۔
 ﴿فَإِنْ غَيْرَ﴾ : ظهر ﴿الْأُولَيَانَ﴾ : واحدهن أولى۔

ترجمہ و تشریح

”حرم“ کا واحد ”حرام“ ہے، یعنی احرام کی حالت۔
 ”لَبِئْسَ لَقِضِهِمْ“ کا معنی ہے ان کے عہد توڑنے کی وجہ۔
 ”كَتَبَ اللَّهُ“ کا معنی ”جعل الله“ یعنی اللہ نے مقرر کر دیا ہے۔
 ”كِبْوَةً“ کا معنی ہے تو بوجہ اٹھائے۔
 ”ذَابِرَةً“ : گردش زمانہ، مصیبت۔
 ”الاغراء“ کے معنی ہے مسلط کر دینا۔
 ”أَجْوَرَهُنَّ“ کے معنی ہیں ان کے حق مہر۔
 ”المهيمن“ کے معنی امانتدار، قرآن گویا اگلی کتابوں کا محافظ ہے۔

حضرت سفيان ثوري رحمہ اللہ کہتے ہیں میرے خیال میں پورے قرآن میں میرے لئے اس سے زیادہ کوئی سخت اور شدید تر آیت نہیں ہے ﴿لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ

إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ -

”مَخْمَصَةٌ“ کے معنی سخت بھوک کے ہیں۔

”مَنْ أَحْبَبَهَا“ کے معنی ہیں، جس نے بغیر کیسی شرعی حق کے کسی قتل انسانی کو حرام جانا۔

”شُرْعَةٌ“ شریعت کو کہتے ہیں ”مِنْهَا جَاءَ“ سنت محمدی ﷺ کو کہتے ہیں۔

”لَإِنْ غَيَّرَ“ یعنی ظاہر ہوا، ”الْأَوَّلِيَّانِ“ اس کا واحد اول ہے۔

(۲) باب قوله: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ [۳]

باب: ”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے“۔

وقال ابن عباس: ﴿مَخْمَصَةٌ﴾ [۳]: مجاعة.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”مَخْمَصَةٌ“ کے معنی سخت بھوک کے ہیں۔

۳۶۰۶ - حدثني محمد بن بشار: حدثنا عبد الرحمن: حدثنا سفيان، عن قيس،

عن طارق بن شهاب: قالت اليهود لعمر: إنكم تقرؤون آية لو نزلت فينا لامتخذناها عيداً،

فقال عمر: إني لأعلم حيث أنزلت، وأين أنزلت. وأين رسول الله ﷺ حيث أنزلت، يوم

عرفة وإنا والله بعرفة.

قال سفيان: وأشك كان يوم الجمعة أم لا؟ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾.

[راجع: ۳۵]

ترجمہ: طارق بن شهاب روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہودیوں نے کہا کہ یہ آیت جو تم

پڑھتے ہو، گم ہمارے متعلق نازل ہوتی / ہمارے درمیاں نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ آیت کب کہاں اور کس وقت نازل ہوئی تھی اور رسول اللہ

ﷺ کہاں رونق افروز تھے؟ اللہ کی قسم! جب یہ آیت نازل ہوئی وہ عرفہ کا دن اور ہم میدان عرفات میں تھے۔

سفيان کہتے ہیں کہ مجھے شک ہے کہ وہ جمعہ کا دن تھا یا نہیں؟ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ - ج

ج: مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: انعام الباری شرح صحیح البخاری، جلد: ۱، ص: ۵۳۲، کتاب الايمان، رقم الحديث: ۴۵،

تفسیر طبری، ج: ۶، ص: ۸۳، فتح الباری، ج: ۱، ص: ۱۰۵، وعمدة القاری، ج: ۱۲، ص: ۵۶۶

(۳) باب قوله: ﴿قَلَمَ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [۶]

باب: ”اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔“

﴿تَيَمَّمُوا﴾ تعمّدوا، ﴿آمَنَ﴾ [۲] عامدین، اُمت و تیممت واحد۔
 وقال ابن عباس: ﴿لَمْ تَسْغُمْ﴾ [النساء: ۳۳]، و﴿تَمَسَّوْهُنَّ﴾ [البقرة: ۲۳۶]، ﴿وَالَّذِينَ
 دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ [النساء: ۲۳]، والافضاء: النكاح۔

ترجمہ و تشریح

”تَيَمَّمُوا“ بمعنی ”تعمّدوا“ یعنی تم قصد کرو، ارادہ کرو۔
 ”آمَنَ“ بمعنی ”عامدین“ یعنی قصد واردہ کرنے والے۔
 ”اُمت و تیممت“ ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے قصد کرنا، کسی کام کا ارادہ کرنا۔
 حضرت عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”لَمْ تَسْغُمْ“ اور ”تَمَسَّوْهُنَّ“ اور ”دَخَلْتُمْ بِهِنَّ“
 ”الافضاء“ ان سب الفاظ کے معنی ایک ہی ہیں نکاح یعنی جماع روٹی کرنا۔

۳۶۰۷۔ حدثنا اسماعیل قال: حدثني مالك، عن عبد الرحمن بن القاسم، عن
 أبيه، عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ قالت: خرجنا مع رسول الله ﷺ في بعض أسفاره
 حتى إذا كنا بالبيداء أو بذيات الجحش قطع عقد لي. فأقام رسول الله ﷺ على التماسه وأقام
 الناس معه وليسوا على ماء وليس معهم ماء، فأتى الناس إلى أبي بكر الصديق فقالوا: ألا
 ترى ما صنعت عائشة أقامت برسول الله ﷺ وبالناس وليسوا على ماء وليس معهم ماء؟
 فجاء أبو بكر ورسول الله ﷺ واضع رأسه على فخذي قد نام، فقال: حبست رسول الله ﷺ
 والناس وليسوا على ماء وليس معهم ماء. قالت عائشة: فعائني أبو بكر وقال ما شاء الله
 أن يقول وجعل يطعنني بيده في خاصرتي، ولا يمنعني من التحرك إلا مكان رسول الله ﷺ
 على فخذي. فقام رسول الله ﷺ حين أصبح على غير ماء فأنزل الله آية التيمم. فقال أسيد
 بن حضير: ما هي بأول بركتكم يا آل أبي بكر. قالت: فبعثنا البعير الذي كنت عليه فإذا
 العقد تحته. [راجع: ۳۳۳]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں گئے، جب ہم مقام بیداء میاذاث الخیش کے مقام پر پہنچے، تو میرا ہار کہیں گم ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ اسی جگہ ٹھہر گئے، اور لوگ بھی ٹھہر گئے ہار ڈھونڈنے لگے، اور یہ جگہ ایسی تھی کہ پانی کہیں نام و نشان نہیں تھا، اور نہ ان لوگوں کے پاس پانی موجود تھا، کچھ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگے کہ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں عائشہ کیا کر رہی ہیں؟ کہ ان کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے سب لوگوں کو رکنا پڑا ہے، اور نہ اس جگہ پر پانی موجود ہے، اور نہ ہی ان کے پاس پانی ہے۔ پھر ابوبکر صدیق میرے پاس آئے، اُس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے، اور کہنے لگے کہ اے عائشہ! تم نے رسول اللہ ﷺ کو اور تمام لوگوں کو ایسی جگہ روک دیا ہے کہ جہاں قریب میں پانی بھی دستیاب نہیں ہے، اور نہ ہی پانی ان کے پاس موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابوبکر مجھ سے بہت ناراض ہوئے، جو اللہ کو منظور تھا وہ کہا، اور انہوں نے میری کوکھ پر انگلی بھی ماری تھی، میں اس لئے خاموش ہو رہی کہ میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ جب صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو پانی موجود نہیں تھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یعنی آیت تیمم نازل فرمائی۔ حضرت اسید بن خضیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابوبکر کے خاندان والو! یہ سب کچھ تم لوگوں کی کوئی پہلی برکت نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرا اونٹ کھڑا ہوا تو ہار اس کے نیچے سے برآمد ہوا اور مجھے مل گیا۔

ہار گم ہونے کا واقعہ اور نزول تیمم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر گوئی، جب ہم مقام بیداء میں پہنچے تو میرا ہار کہیں گم ہو گیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اسی جگہ ٹھہر گئے اور لوگ ہار ڈھونڈنے لگے اور یہ جگہ ایسی تھی کہ پانی کا کہیں نام و نشان نہیں تھا، اور ساتھ میں بھی پانی موجود نہ تھا۔ کچھ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگے کہ یہ عجیب بات ہوئی ہے کہ عائشہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور دوسرے سب لوگوں کو رکنا پڑا اور نہ یہاں پانی پر ہیں، اور نہ ہی لوگوں کے پاس پانی موجود ہے۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے کہ اے عائشہ! تم نے رسول اللہ کو اور تمام لوگوں کو ایسی جگہ روک دیا ہے کہ جہاں پانی بھی دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی ان کے پاس پانی موجود ہے، اور پھر مجھے سخت سخت کہا۔ میں اس لئے خاموش ہو رہی کہ رسول اللہ ﷺ

میری ران پر سر رکھ کر سو رہے تھے، حالانکہ انہوں نے میری کوکھ میں انگلی بھی ماری تھی۔
آخر صبح کو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، مگر پانی موجود نہ تھا اس وقت اللہ جلّ جلالہ نے یہ آیت تیمم نازل فرمائی ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابوبکر کے خاندان والو! اس آیت کے نزول کا سبب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اولاد کی بزرگی اور کرامت ہے، آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرا اونٹ کھڑا ہوا تو ہمارا اس کے نیچے سے برآمد ہوا اور مجھے مل گیا۔

۴۶۰۸۔ حدثنا يحيى بن سليمان قال: حدثني ابن وهب قال: أخبرني عمرو بن عبد الرحمن بن القاسم حدثه عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها: سقطت قلادة لي بالبيداء ونحن داخلون المدينة، فاناخ النبي ﷺ ونزل فنفى رأسه في حجرى والداء، أقبل أبو بكر فلكنزى لكزة شديدة وقال: حبست الناس في قلادة لبي الموت لمكان رسول الله ﷺ وقد أوجعني، ثم إن النبي ﷺ استيقظ وحضرت الصبح، فالتمس الماء فلم يوجد، فنزلت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ الآية، فقال أسيد بن حضير: لقد بارك الله للناس فيكم يا آل أبي بكر، ما أنتم إلا بركة لهم. [راجع: ۳۳۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ کی طرف واپس آرہے تھے کہ راستہ میں مقام بیداء میں میرا ہار گم ہو گیا، جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے اپنی اونٹنی کو بٹھا دیا، اور اسی جگہ اتر گئے اور اور اپنا سر مبارک میری گود میں رکھ کر آرام کرنے لگے، تھوڑی دیر میں میرے باپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور میرے سینہ پر زور سے ہاتھ مار کر کہا کہ تم نے سب لوگوں کو ایک ہار کی وجہ سے یہاں روک کر بڑی پریشانی میں ڈال دیا ہے، مجھے بڑی تکلیف ہوئی، مگر آنحضرت ﷺ کے خیال سے برداشت کر گئی، اور خاموش رہی۔ جب نبی کریم ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور صبح کا وقت ہوا تو پانی طلب کیا، مگر پانی موجود نہ تھا، چنانچہ اس وقت یہ آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ آخر تک نازل ہوئی، اس موقع پر اسید بن حضیر نے کہا کہ اے اولاد ابو بکر! تم لوگوں کیلئے باعث برکت و رحمت ہو، کیونکہ تمہاری وجہ سے آیت تیمم نازل ہوئی۔

حدیث باب میں تیمم کا حکم اور معذوری کی صورتیں

حالت جنابت میں نماز کا نہ پڑھنا تا وقتیکہ غسل نہ کر لے، یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کوئی عذر نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی ایسا عذر پیش آئے کہ پانی کے استعمال سے معذوری ہو اور طہارت کا حاصل کرنا ضروری ہو تو

ایسے وقت میں زمین سے تیمم کر لینا کافی ہے۔

اب پانی کے استعمال سے معذوری کی تین صورتیں بتلائیں گئی ہیں:

ایک ایسی بیماری کہ اس میں پانی ضرر و نقصان کرتا ہے۔

دوسری یہ کہ سفر در پیش ہے، پانی اتنا موجود ہے وضو کر لے تو پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے

اور دور دور تک پانی نہ ملے گا۔

تیسری یہ کہ پانی بالکل موجود ہی نہیں اس پانی موجود نہ ہونے کی صورت کے ساتھ دو صورتیں طہارت

کے ضروری ہونے کی بیان فرمائیں:

ایک یہ کہ کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آیا اس کو وضو کی حاجت ہے۔

دوسری یہ کہ عورت سے صحبت کی ہو تو اس کو غسل کی ضرورت ہے۔

تیمم کا طریقہ اور حکمت

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پاک زمین پر دونوں ہاتھ مارے پھر سارے منہ پر اچھی طرح مل لے پھر دونوں ہاتھ زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک مل لے۔

مٹی طاہر، پاک ہے اور بعض چیزوں کے لئے مثل پانی کے مطہر پاک کرنے والی بھی ہے، مثلاً خف، تلواریں، آئینہ وغیرہ اور جو نجاست زمین پر گر کر خاک ہو جاتی ہے وہ بھی پاک ہو جاتی ہے۔

نیز ہاتھ اور چہرہ پر مٹی ملنے میں تذلل و عجز بھی پورا ہے جو گناہوں سے معافی مانگنے کی اعلیٰ صورت ہے، سو جب مٹی ظاہری و باطنی دونوں طرح کی نجاست کو زائل کرتی ہے تو اس لئے بوقت معذوری پانی کی قائم مقام کی گئی ہے۔

اس کے سوا مقضائے آسانی و سہولت جس پر حکم تیمم مبنی ہے یہ ہے کہ پانی کی قائم مقام ایسی چیز کی جائے جو پانی سے زیادہ سہل الوصول ہو سوزمین کا ایسا ہونا ظاہر ہے، کیونکہ وہ سب جگہ موجود ہے، ساتھ ہی یہ خاک انسان کی اصل ہے اور اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے میں گناہوں اور خرابیوں سے بچاؤ ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے روز قیامت کافر بھی آرزو کریں گے کہ ہم کسی طرح خاک میں

مل جائیں۔ ۵

(۴) باب قوله: ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ لِقَابِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ [۲۴]

باب: ”(اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور تمہارا رب چلے جاؤ، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔“

بنی اسرائیل کی حکم عدولی

اس آیت متذکرہ میں اس کا بیان ہے کہ اس کے باوجود بنی اسرائیل نے اپنی معروف سرکشی اور کج طبعی کی وجہ سے اس حکم کو بھی تسلیم نہ کیا، بلکہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا کہ اے موسیٰ! اس ملک پر تو بڑے ہی زبردست قوی لوگوں کا قبضہ ہے، ہم تو اس زمین میں اس وقت تک داخل نہ ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں قابض ہیں، ہاں وہ کہیں اور چلے جائیں تو بے شک ہم وہاں جاسکتے ہیں۔

واقعہ اس کا جو ائمہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ اور علی ابی طلحہ وغیرہ رحمہم اللہ اجماع سے منقول ہے، وہ یہ ہے کہ اس وقت ملک شام اور بیت المقدس پر قوم عمالقہ کا قبضہ تھا، جو قوم عاد کی کوئی شاخ اور بڑے ذیل ڈول اور بیت ناک قد وقامت کے لوگ تھے، جن سے جہاد کر کے بیت المقدس فتح کرنے کا حکم حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو ملا تھا۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) حکم خداوندی کی تعمیل کیلئے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے، جانا بیت المقدس پر تھا۔ جب نہر اردن سے پار ہو کر دنیا کے قدیم ترین شہر ایریحا پہنچے تو یہاں قیام فرمایا اور بنی اسرائیل کے بارہ سرداروں کو آگے بھیجا تا کہ وہ ان لوگوں کے حالات اور محاذ جنگ کی کیفیات معلوم کر کے آئیں جو بیت المقدس پر قابض ہیں اور جن سے جہاد کرنے کا حکم ملا ہے۔

یہ حضرات بیت المقدس پہنچے تو شہر سے باہر ہی قوم عمالقہ کا کوئی آدمی مل گیا اور وہ اکیلا ان سب کو گرفتار کر کے لے گیا، بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ یہ لوگ ہم سے جنگ کرنے کے قصد سے آئے ہیں۔ شاہی دربار میں مشورہ ہوا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے یا کوئی دوسری سزا دی جائے۔

بالآخر رائے اس پر ٹھہری کہ ان کو آزاد کر دیں تا کہ یہ اپنی قوم میں جا کر عمالقہ کی کی قوت و شوکت کے ایسے یحییٰ گواہ ثابت ہوں کہ کبھی ان کی طرف رخ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔

بہر حال بنی اسرائیل کے بارہ سردار جب قوم عمالقہ کی قید سے رہا ہو کر اپنی قوم کے پاس مقام ایریحا پہنچے، تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے اس عجیب و غریب قوم اور اس کی ناقابل قیاس قوت و شوکت کا ذکر کیا۔ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر تو ان کی باتوں کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فتح و کامیابی کی بشارت سنادی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ان کی قوت و شوکت کا حال سن کر اپنی جگہ کوہ استقامت بنے ہوئے تھے، اقدام جہاد کی فکر میں لگے رہے۔ مگر خطرہ یہ ہو گیا کہ بنی اسرائیل کو اگر حریف مقابل کی اس بے پناہ طاقت کا علم ہو گیا تو یہ لوگ پھسل جائیں گے۔ اس لئے ان بارہ سرداروں کو ہدایت فرمائی کہ قومِ عمالقہ کے یہ حالات بنی اسرائیل کو ہرگز نہ بتائیں، بلکہ راز رکھیں۔

مگر اس راز کا پھیل جانا قدرتی امر تھا، بنی اسرائیل میں جب ان حالات کی خبریں شائع ہونے لگیں تو رونے، پیٹنے اور کہنے لگے کہ اس سے تو اچھا یہی تھا کہ قومِ فرعون کی طرح ہم بھی غرقِ دریا ہو جاتے، وہاں سے بچا لاکر ہمیں یہاں مردایا جا رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ فتح کی بشارت سن چکے تھے اور اس پر کامل یقین ہونے کی وجہ سے ان کو تسلی دی، مگر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ سنی اور بھونڈے انداز میں کہا کہ

﴿لَا ذَهَبَ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَابِلًا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾

ترجمہ: (اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور تمہارا رب چلے

جاؤ، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ ۱

۴۶۰۹۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا اسرائیل، عن مخارق، عن طارق بن شهاب: سمعت

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، قال: شهدت من المقداد، ح؛

وحدثني حمدان بن عمر: حدثنا أبو النضر: حدثنا الأشجع، عن سفیان، عن

مخارق، عن طارق، عن عبد الله قال: قال المقداد يوم بدر: يا رسول الله انا لانقول لك

كما قالت بنو اسرائيل لموسى ﴿لَا ذَهَبَ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَابِلًا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ ولكن امض

ولنحن معك، لكانه سرى عن رسول الله ﷺ.

وراه وكيع، عن سفیان، عن مخارق، عن طارق أن المقداد قال ذلك للنبي ﷺ.

[راجع: ۳۹۵۲]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ غزوہ بدر کے موقع پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کہنے لگے

اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو اس طرح ہرگز نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل کی طرح نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا

تھا ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَابِلًا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِذُونَ﴾ لیکن ہم ایسا کہیں گے کہ آپ فکر مت کیجئے، ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں، اس بات سے رسول اللہ ﷺ کو بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ اور کعب نے یہ حدیث روایت کی سفیان سے، انہوں نے مخارق سے، اور انہوں نے طارق سے کہ حضرت مقدادؓ نے نبی کریم ﷺ سے یہ فرمایا تھا۔ ۷

(۵) باب: ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ

فَسَادًا﴾ [۳۳]

باب: ”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں۔“

المحاربة لله: الكفر به.

ترجمہ: اے اللہ سے جنگ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا انکار کرنا۔

محاربہ اور فساد فی الارض کی تفصیل

اس مقام پر پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے ساتھ محاربہ اور زمین میں فساد کا کیا مطلب ہے اور کون لوگ اس کے مصداق ہیں؟

لفظ ”محاربہ - حرب“ سے ماخوذ ہے، اس کے اصل معنی سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں اور محاورات میں یہ لفظ ”سَلَمَ“ کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی امن اور سلامتی کے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بد امنی پھیلانا ہے اور ظاہر ہے کہ اکاؤ کا چوری یا قتل و غارت گری سے امن عامہ سلب نہیں ہوتا، بلکہ یہ جیسی ہوتی ہے کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر کھڑی ہو جائے۔

اسی لئے فقہائے کرام نے اس سزاء کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے، اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے، جس کو دوسرے الفاظ میں ڈاکو یا باغی کہا جاسکتا ہے، عام انفرادی جرائم کو نیا لے چور، گرہ کٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں ہیں۔

۷ حضرت مقداد بن اسودؓ کی ولولہ انگیز تقریر اور غزوہ بدر کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الہاری شرح صحیح البخاری۔ کتاب

دوسری بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ اس آیت میں محاربہ کو اللہ اور رسول کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ڈاکو یا بغاوت کرنے والے جو مقابلہ یا محاربہ کرتے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی طاقت ور جماعت جب طاقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا چاہے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا مقابلہ عوام اور انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کی جنگ حکومت کے ساتھ ہے اور اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ اور رسول کا نافذ ہو تو یہ محاربہ بھی اللہ و رسول ہی مقابلہ میں کہا جائے گا۔ ۵

۴۶۱۰ - حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا محمد بن عبد اللہ الأنصاری: حدثنا ابن عون قال: حدثني سلمان أبو رجاء مولى أبي قلابه، عن أبي قلابه: أنه كان جالسا خلف عمر بن عبد العزيز فذكروا وذكروا، فقالوا وقالوا: قد أفاضت بها الخلفاء. فالتفت إلى أبي قلابه وهو خلف ظهره فقال: ما تقول يا عبد الله بن زيد؟ أو قال: ما تقول يا أبا قلابه؟ قلت: ما علمت نفسا حل قتلها في الإسلام إلا رجل زنى بعد إحصان، أو قتل نفسا بغير نفس، أو حارب الله ورسوله ﷺ. فقال عبيدة: حدثنا أنس بكذا وكذا، قلت: (ياي حدث أنس، قال: قدم قوم على النبي ﷺ فكلّموه فقالوا: قد استوخمنا هذه الأرض، فقال: ((هذه نعم لنا تخرج لترعى فماخرجوا فيها فاشربوا من ألبانها وأبنائها))، فخرجوا فيها فاشربوا من أبنائها وألبانها واستصحبوا ومالوا على الراعي فقتلوه واطردوا النعم فما يستبطن من هؤلاء، قتلوا النفس وحاربوا الله ورسوله وخوفوا رسول الله ﷺ؟ فقال: سبحان الله. فقلت: تهمني؟ قال: حدثنا بهذا أنس قال: وقال: يا أهل كذا إنكم لن تزالوا بخير ما بقى الله هذا فيكم، ومثل هذا. [راجع: ۲۳۳]

ترجمہ: سلمان ابو رجاء روایت کرتے ہیں کہ ابو قلابہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے پاس ان کی پشت کی جانب بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ لوگوں نے (قسامت کا) ذکر چمڑ دیا اور کہا کہ اس (قسامت) میں قصاص لازم ہوگا، کیونکہ خلفاء راشدین نے بھی اس میں قصاص کا حکم دیا، پھر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ابو قلابہ کی طرف متوجہ ہوئے جو کہ ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ان سے کہا کہ اے عبد اللہ بن زید! تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ یا یوں کہا اے ابو قلابہ! اس معاملہ میں تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا میرا خیال ہے کہ سوائے تین لوگوں کے اسلام میں کسی اور کا قتل جائز ہو، اول جو

شادی شدہ ہو کر زنا کا ارتکاب کرے، دوم جس نے ناحق کسی انسان کو قتل کیا ہو، سوم وہ جس نے اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کی ہو (یعنی کفر کیا ہو)۔ یہ بات سن کر عنبہ بن سعید کہنے لگے ہم سے تو حضرت انس بن مالک ؓ نے اس اس طرح حدیث بیان کی تھی، پھر یہ حدیث بیان فرمائی کہ (قبیلہ عرینہ کے) کچھ آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی اور بد ہضمی ہو گئی ہے، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے یہ اونٹ چرنے کے لئے جنگل میں جا رہے ہیں تم بھی ان کے ساتھ چلے جاؤ، اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ چنانچہ وہ لوگ چلے گئے اور اونٹوں کا دودھ اور پیشاب (بطور علاج) پیا تو تندرست ہو گئے پھر انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے چرواہے کو قتل کر ڈالا اور اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ کیا ایسے لوگوں کے قتل میں کوئی تامل ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو مار دیا، اللہ اور رسول سے لڑے، اور نافرمانی کی اور اس طرح انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو خوف زدہ کیا؟، یہ سن کر عنبہ نے سبحان اللہ کہا، میں نے کہا کیا آپ مجھ کو جھٹلاتے ہو؟ انہوں نے کہا بلکہ حضرت انس ؓ نے یہ حدیث مجھ سے بھی بیان کی ہے (مجھے تعجب ہوا کہ آپ کو حدیث خوب یاد رکھتی ہے)، ابوقلابہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد عنبہ نے کہا اے اہل شام تم ہمیشہ خوش رہو گے، جب تم میں یہ (ابوقلابہ) یا ان جیسے عالم موجود رہیں گے۔

وضاحت

یہ روایت ان شاء اللہ تعالیٰ قسامت کے باب میں آرہی ہے، وہاں تفصیل آجائے گی، یہاں یہ روایت بالکل محمل ہے جس کی تفسیر بالکل سمجھ میں نہیں آتی، لیکن وہاں پر بالکل واضح ہو جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ۹

(۶) باب قوله: ﴿وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ﴾ [۳۵]

باب: ”اور زخموں کا بھی (اسی طرح) بدلہ لیا جائے۔“

اس آیت کا پس منظر میں یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، ایک بنو قریظہ اور دوسرا بنو نضیر۔ بنو نضیر کے لوگ مالی اعتبار سے مضبوط تھے اور بنو قریظہ کے لوگ مالی اعتبار سے انکے مقابلے میں کمزور تھے۔

اگرچہ دونوں یہودی تھے، مگر بنو نضیر نے ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان سے یہ ظالمانہ اصول طے کر لیا تھا کہ اگر بنو نضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو قاتل سے جان کے بدلے جان کے اصول پر قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ وہ خون بہا کے طور پر ستر و سق کھجوریں دے گا، (وسق ایک پیہ نہ تھا جو تقریباً پانچ من دس سیر کا ہوتا تھا)، اور بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو نہ صرف قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، بلکہ اس سے خوں بہا بھی لیا جائے گا اور وہ بھی دس دُگنا۔

جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ قریظہ کے کسی شخص نے بنو نضیر کے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ بنو نضیر نے جب اپنی سابق قرارداد کے مطابق قصاص اور خوں بہا دونوں کا مطالبہ کیا تو قریظہ کے لوگوں نے اسے انصاف کے خلاف قرار دیا اور تجویز پیش کی کہ فیصلہ آنحضرت ﷺ سے کرایا جائے، کیونکہ اتنا وہ بھی جانتے تھے کہ آپ کا دین انصاف کا دین ہے۔

جب قریظہ کے لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو بنو نضیر نے کچھ منافقین کو مقرر کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے غیر رسمی طور پر آپ کا عندیہ معلوم کریں، اور اگر عندیہ بنو نضیر کے حق میں ہو تو فیصلہ ان سے کرائیں، ورنہ ان سے فیصلہ نہ لیں۔ چنانچہ اس پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے معلوم ہوا کہ تورات نے واضح طور پر فیصلہ دیا ہوا ہے کہ جان کے بدلے لینی ہے، اور اس لحاظ سے بنو نضیر کا مطالبہ سراسر ظالمانہ اور تورات کے خلاف ہے۔ ۱۱۶۱۔ حدیثی محمد بن سلام: أخبرنا الفزاری، عن حمید، عن انس رضی اللہ عنہ قال:

كسرت الربيع وهي عمة انس بن مالك ثنية جارية من الأنصار فطلب القوم القصاص فأتوا النبي ﷺ فأمر النبي ﷺ بالقصاص، فقال انس بن النضر عم انس بن مالك: لا والله لا تكسر منها يا رسول الله. فقال رسول الله ﷺ: ((يا انس كتاب الله القصاص))، فرضي القوم وقللوا الأرض. فقال رسول الله ﷺ: ((إن من عباد الله من لو أقسم على الله لأبره)).

[راجع: ۲۷۰۳]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میری پھوپھی ربیع نے ایک انصاریہ کے دو دانت توڑ ڈالے، تو اس کی قوم والوں نے قصاص کا مطالبہ کیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے قصاص کا حکم صادر فرمایا۔ تو حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ انس بن مالک کے چچا، کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم ان کے دانت ہرگز نہیں توڑے جاسکتے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے انس! کتاب اللہ کا حکم تو قصاص ہے۔ پھر انصاریہ کے رشتہ دار راضی ہو گئے اور دیت لینا منظور کر لیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

کہ اللہ ﷻ کے بہت سے نیک بندوں میں سے جب کوئی کسی بات کی قسم کھا لیتا ہے، تو اللہ ﷻ اس کی بات کو پورا کر دیتا ہے (اور اسے جھوٹا نہیں ہونے دیتا)۔

(۷) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ [۶۷]

باب: ”اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو“۔

تبلیغ کی تاکید اور آنحضرت ﷺ کو تسلی

اس آیت سے پہلے یہود و نصاریٰ کی کج روی و بے راہی اور ضد و ہٹ دھرمی اور مخالف اسلام سازشوں کا ذکر چل رہا تھا، اس کا ایک اثر طبعی طور پر بتقاضائے بشریت یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ اس سے مایوس ہو جائیں یا مجبور ہو جائیں جس کی وجہ سے تبلیغ و رسالت میں کچھ کمی ہو جائے، اور دوسرا اثر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آپ مخالفت اور دشمنی اور ایذا رسانی کی پرواہ کئے بغیر تبلیغ رسالت میں لگے رہیں اور اس کے نتیجے میں آپ کو دشمنوں کے ہاتھ سے تکالیف و مصائب کا سامنا ہو۔

اس لئے اس آیت میں ایک طرف تو رسول اللہ ﷺ کو یہ تاکید دی حکم دیا گیا کہ جو کچھ آپ پر اللہ ﷻ کی طرف سے نازل کیا جائے وہ سب بغیر کسی جھجک کے لوگوں تک پہنچا دیں، کوئی بُرا مانے یا بھلا، مخالفت کرے یا قبول کرے۔

۳۶۱۲۔ حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سفیان، عن اسماعیل، عن الشعبي، عن مسروق، عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: من حدثك أن محمداً ﷺ كتم شيئاً مما أنزل عليه فقد كذب، والله يقول: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ الآية. [راجع: ۳۲۳۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو آدمی یہ بات کہے کہ محمد ﷺ نے خدا کے کسی حکم کو چھپا لیا ہے جو آپ پر نازل ہوا ہے تو وہ کاذب و جھوٹا ہے، اللہ ﷻ نے فرما دیا ہے کہ ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾۔ ۱۱

۱۱۔ بھیل آیات میں اہل کتاب کی شرارت، کفر اور یہودیوں کا ذکر کر کے تورات، انجیل، قرآن اور کتب سماویہ کی اقامت کی ترغیب دی گئی تھی، آئندہ ﴿لَنْ يَأْتِيَنَّكَ الْكِتَابُ لَشُعْمٌ عَلَىٰ قَسِيٍّ﴾ سے اہل کتاب کے مجمع میں اعلان کرنا چاہئے ہیں کہ اس ”اقامت“ کے بدون تمہاری مذہبی زندگی بالکل مفرار لاشے ہے جس سے ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ میں . . . ﴿يَقْرِءُ مَا يُوحَىٰ﴾ . . .

(۸) باب قوله: ﴿لَا يُؤْخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ [۸۹]

باب: ”اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں کرے گا۔“

..... ﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ اسی دونوں اعلان کیلئے حضور ﷺ کو تیار کیا گیا ہے، یعنی آپ ﷺ پر جو کچھ پروردگار کی طرف سے اتارا جائے خصوصاً اس طرح کے فیصلہ کن اعلانات آپ بے خوف و خطر اور بلا تامل پہنچاتے رہے، اگر بالفرض و محال کسی ایک چیز کی تبلیغ میں بھی آپ سے کوتاہی ہوئی تو بحیثیت رسول (خدا کی پیغامبر) ہونے کی رسالت و پیغام رسانی کا جو منصب جلیل آپ کو تفویض ہوا ہے سمجھا جائیگا کہ آپ نے اس کا حق کچھ بھی ادا نہ کیا۔ بلاشبہ نبی کریم ﷺ کے حق میں فریضہ تبلیغ کی انجام دہی پر پیش از پیش ثابت قدم رکھنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مؤثر عنوان نہ ہو سکتا تھا، آپ ﷺ میں، بائیس سال تک جس بے نظیر اولوالعزمی، جانفشانی، مسلسل جد و کد اور مبر و استقلال سے فرض رسالت و تبلیغ کو ادا کیا، وہ اس کی واضح دلیل تھی کہ آپ ﷺ کو دنیا میں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے فرض منصبی (رسالت و بلاغ) کی اہمیت کا احساس ہے۔

حضور ﷺ کے اس احساس قوی اور تبلیغی جہاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ تبلیغ میں مزید استحکام و ثبوت کی تاکید کے موقع پر مؤثر ترین عنوان یہ ہی ہو سکتا تھا کہ حضور ﷺ کو ”یَا أَيُّهَا الرُّسُولُ“ سے خطاب کر کے صرف اتنا کہہ دیا جائے کہ اگر بالفرض محال تبلیغ میں ادنیٰ سی کوتاہی ہوئی تو سمجھو کہ آپ اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے، اور ظاہر ہے کہ آپ کی تمام تر کوششوں اور قربانیوں کا مقصد وحید یہی تھا کہ آپ خدا کے سامنے فرض رسالت کی انجام دہی میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی حاصل فرمائیں لہذا یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ کسی ایک پیغام کے پہنچانے میں بھی ذرا سی کوتاہی کریں، عموماً یہ تجربہ ہوا ہے کہ فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں انسان چند وجوہ سے مقصر رہتا ہے، یا تو اسے اپنی فرض کی اہمیت کا کافی احساس اور شغف نہ ہو یا لوگوں کی عام مخالفت سے نقصان شدید پہنچے یا کم از کم بعض فوائد کے فوت ہونے کا خوف ہو اور یا مخاطبین کے عام تردد و طغیان کو دیکھتے ہوئے جیسا کہ پچھلی اور اگلی آیات میں اہل کتاب کی نسبت بتلایا گیا ہے، تبلیغ کے مشرور مانع ہونے سے مایوسی ہو۔

پہلی وجہ کا جواب ”یَا أَيُّهَا الرُّسُولُ“ سے ”لَمَّا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ“ تک، دوسری کا ﴿وَاللَّهُ يَخَصِّمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ میں اور تیسری کا ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ میں دیدیا گیا، یعنی تم اپنا فرض ادا کئے جاؤ اللہ تعالیٰ آپ کی جان اور عزت و آبرو کی حفاظت فرمانے والا ہے وہ تمام روئے زمین کے دشمنوں کو بھی آپ کے مقابلہ پر کامیابی کی راہ نہ دکھلا گا، باقی ہدایت و ضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے، ایسی قوم جس نے کفر و انکار ہی پر کمر باندھ لی ہے اگر راہ راست پر نہ آئی تو تم غم نہ کرو اور نہ مایوس ہو کر اپنے فرض کو چھوڑ دو۔

نبی کریم ﷺ نے اس ہدایت ربانی اور آئین آسمانی کے موافق است کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تبلیغ کی، نوع انسانی کے عوام و خواص میں سے جو بات، جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کی مطابق تھی، آپ نے بلا کم و کاست اور بے خوف و خطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی، اور وفات سے دو، وحاتی مبینے پہلے جہۃ الوداع کے موقع پر، جہاں چالیس ہزار سے زائد خادمان اسلام اور عاشقان تبلیغ کا اجتماع تھا، آپ نے علیٰ رؤس الاشہاد اعلان فرما دیا کہ ”اے خدا تو گواہ رہ میں (حیری امانت) پہنچا چکا۔“ (تفسیر عثمانی، سورہ مائدہ، آیت: ۶۷، فائدہ نمبر: ۷)

یمین لغو سے مراد

لغو قسموں سے مراد ایک تو وہ قسمیں ہیں جو قسم کھانے کے ارادے کے بغیر محض محاورے اور تکیہ کلام کے طور پر کھالی جاتی ہیں، اور دوسرے وہ قسمیں بھی لغو کی تعریف میں داخل ہیں جو ماضی کے کسی واقعے پر سوچ سمجھ کر کھائی گئی ہوں، مگر بعد میں معلوم ہو کہ جس بات کو سچ سمجھا تھا وہ سچ نہیں تھی۔

اس قسم کی قسموں پر نہ کوئی گناہ ہوتا ہے اور نہ کوئی کفارہ واجب ہوتا ہے، البتہ بلا ضرورت قسم کھانا کوئی اچھی بات نہیں ہے، اس لئے ایک مسلمان کو اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔ ۱۲

۴۶۱۳۔ حدثنا علی بن مسلمة: حدثنا مالک بن سعیر: حدثنا هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها: أنزلت هذه الآية ﴿لَا يُؤْخَذُكُمْ بِاللُّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ في قول الرجل: لا والله، وبلى والله. [النظر: ۶۶۶۳] ۱۳

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آیت ﴿لَا يُؤْخَذُكُمْ بِاللُّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ اس آدمی کے متعلق نازل فرمائی گئی ہے جو اپنی عادت سے مجبور ہو کر بلا قصد قسم کھاتا ہو، جیسے لوگ واللہ اور باللہ باتیں کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں۔

۴۶۱۴۔ حدثنا أحمد بن أبي رجاء: حدثنا النضر، عن هشام قال: أخبرني أبي، عن عائشة رضي الله عنها: أن أباها كان لا يحنث في يمين حتى أنزل الله كفارة اليمين. قال أبو بكر: لا أرى يميناً أرى غيرها خيراً منها إلا قبلت رخصة الله وفعلت الذي هو خير. [النظر: ۶۶۲۱] ۱۴

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میرے والد ابو بکر ؓ اپنی قسم کے خلاف کبھی نہیں کیا کرتے تھے (یعنی کبھی نہیں توڑتے تھے)، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کفارہ یمین کی یہ آیت نازل ہوئی، چنانچہ حضرت ابو بکر ؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد میں نے ہر اس قسم کو توڑ دیا جس میں میں نے بھلائی دیکھی اور کفارہ ادا کر دیا اور اچھے کام کو اختیار کیا۔

۱۲ آسان ترجمہ قرآن، سورۃ المائدہ، آیت: ۸۹، حاشیہ: ۵۹، ج: ۱، ص: ۳۶۳

۱۳ وفی سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والصلو، باب لغو الیمین، رقم: ۳۲۵۳

۱۴ انفراد بہ البخاری.

(۹) باب قوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ لَا تَحَرَّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾ [۸۷]
 ارشاد باری تعالیٰ کا بیان کہ: ”اے ایمان والو! اللہ نے تمہارے لئے جو پاکیزہ چیزیں
 حلال کی ہیں ان کو حرام قرار نہ دو۔“

۳۶۱۵۔ حدثنا عمرو بن عون: حدثنا خالد، عن اسماعيل، عن قيس، عن عبد الله
 قال: كنا لغزو مع النبي ﷺ وليس معنا نساء فقلنا: ألا نختصي؟ فنهانا عن ذلك
 فرخص لنا بعد ذلك ان نعزو ج المرأة بالشوب ثم قرأ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ لَا تَحَرَّمُوا طَيِّبَاتِ مَا
 أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾. [النظر: ۵۰۷۱، ۵۰۷۵] ۱۵

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد پر گئے اور عورتیں ہمارے
 ساتھ نہیں تھیں، ہم نے (خواستہ سے مجبور ہو کر) عرض کیا کہ ہم خسی نہ ہو جائیں؟ تو آپ ﷺ نے ہمیں ایسا
 کرنے سے منع فرمایا، پھر ہمیں اس بات کی اجازت دی کہ ہم کسی عورت سے کپڑے کے عوض نکاح کر لیں، پھر
 آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ لَا تَحَرَّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾۔ ۱۶

۱۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب لذب من رأى امرأة فرغت فى نفسه، الى أن يأتى امرأته أو جارية فبولعها،
 رقم: ۱۴۰۳، ومسنند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبد الله بن مسعود، رقم: ۳۶۵۰، ۳۷۰۶،
 ۳۹۸۶، ۴۱۱۳

۱۶ پچھلے رکوع میں یہود نصاریٰ کے جو فساد بیان کئے گئیں سمجھنے والوں کے نزدیک ان کا خلاصہ دو چیزیں تھیں یعنی یہود کا لذات شہوات دنیا اور حرام
 خوری میں انہماک جو ”تفریط فی الدین“ کا سبب ہوا، اور نصاریٰ کا دین میں غلو اور افراط جو آخر کار رہبانیت وغیرہ پر منتہی ہوا، بلاشبہ رہبانیت جسے
 دیندازی یا روحانیت کا ہیضہ کہنا چاہئے، نیت و فتنائے اصلی کے اعتبار سے فی الجملہ محمود ہو سکتی تھی اسی لئے ﴿ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيْنَ وَزُهَّانًا
 وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾۔ [المائدة: ۸۲] کو من وجہ معرض مدح میں پیش کیا گیا۔

لیکن چونکہ اس طرح کا تجرد و ترک دنیا، اس مقصد عظیم اور قانون قدرت کے راستہ میں حائل تھا جو فاطر عالم نے عالم کی تخلیق میں مری رکھا
 ہے اس لئے وہ عالم گیر نہ ہو جاوے بلکہ جو ابدی طور پر تمام بنی نوع انسان کی فلاح داریں اور اصلاح معاش و معاد کا متکفل ہو کر آیا ہے ضروری تھا کہ اس طرح
 کے مبتدعانہ طریق عبادت پر سختی سے نکتہ چینی کرے کوئی آسمانی کتاب آج تک ایسی جامع، معتدل، فطری تعلیم انسانی ترقیات کے ہر شعبہ کے متعلق پیش
 نہیں کر سکتی، جو قرآن کریم نے ان دو آیتوں میں پیش کی ہے۔۔۔ ﴿بقیہ ماثیہ اگلے نسطے پر﴾۔

(۱۰) باب قوله: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجِسٌ مِنْ

عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ [۹۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوئے کے تیر، یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں۔“

زمانہ جاہلیت کا جوئے اور فال کے طریقے

جاہلیت کے زمانے میں ایک طریقہ یہ تھا کہ مشترکہ اُونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت قرعہ اندازی کے

﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ ان آیتوں میں اللہ ﷻ نے مسلمانوں کو صاف طور پر اس سے روک دیا کہ وہ کسی لذیذ

حلال و طیب چیز کو اپنے اوپر عقیدہ یا عملاً حرام ٹھہرائیں، نہ صرف یہ ہی بلکہ ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی حلال و طیب نعمتوں سے متنع ہونے کی ترغیب دی ہے، مگر سلبی اور ایجابی دو شرطوں کے ساتھ: [۱] اعتداء نہ کریں (حد سے نہ بڑھیں) [۲] اور تقویٰ اختیار کریں (خدا سے ڈرے رہیں)۔

اعتداء کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: حلال چیزوں کے ساتھ حرام کا سا معاملہ کرنے لگیں اور نصاریٰ کی طرح رہبانیت میں مبتلا ہو جائیں، یا لذیذ و طیبات سے تنہی کرنے میں حد اعتدال سے گزر جائیں، حتیٰ کہ لذات و شہوات میں شہک ہو کر یہود کی طرح حیات و دنیا ہی کو اپنا مطلق نظر بنالیں۔
الغرض غلو و جفا اور افراط و تفریط کے درمیان متوسط و معتدل راستہ اختیار کرنا چاہئے، نہ تو لذائذ دنیوی میں غرق ہونے کی اجازت ہے اور نہ ازراہ رہبانیت مباحات و طیبات کو چھوڑنے کی۔

”ازراہ رہبانیت“ کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ بعض اوقات بدنی یا نفسی علاج کی غرض سے کسی مباح سے عارضی طور پر پرہیز کرنا ممانعت میں داخل نہیں، نیز مسلمان تقویٰ کے مامور ہیں جس کے معنی ہیں خدا سے ڈر کر ممنوعات سے اجتناب کرنا، اور تجربہ سے معلوم ہے کہ بعض مباحات کا استعمال بعض اوقات کسی حرام یا ممنوع کے ارتکاب کی طرف منہسی ہو جاتا ہے، ایسے مباحات کو عہد قسم یا تقرب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق احتیاط اگر کوئی شخص کسی وقت باوجود اعتقادِ اہانت ترک کر دے تو یہ رہبانیت نہیں بلکہ ورع و تقویٰ میں شامل ہے۔

حدیث میں ہے ”لا یصلح العبد ان یمکن من المعظمین معنی یدع مالا یأس بہ حلاً و أمما بہ یأس“۔ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا بندہ متعین کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ اس بات کو جس میں کوئی حرج نہ ہو، اس چیز سے بچے کیلئے نہ چھوڑ دے، جس میں برائی ہے۔

الحاصل ترک اعتداء اور اختیار تقویٰ کی قید طوطا رکھ کر ہر قسم کے طیبات سے مؤمن مستفید ہو سکتا ہے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقیات کے

دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ [تفسیر عثمانی، سورہ مائدہ، آیت: ۸۷، فائدہ نمبر: ۲] (سنن العمادی، ابواب الزہد، باب، رقم: ۲۳۵۱)۔

ذریعے تقسیم کرتے تھے اور قرعہ اندازی کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مختلف تیروں پر حصوں کے نام لکھ کر ایک تھیلے میں ڈال دیتے تھے، پھر جس شخص کے نام جو حصہ نکل آیا، اسے گوشت میں سے اتنا حصہ دیا جاتا تھا، اور کسی کے نام پر کوئی ایسا تیر نکل آیا جس پر کوئی حصہ مقرر نہیں ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔

اسی طرح ایک اور طریقہ یہ تھا کہ جب کسی اہم معاملے کا فیصلہ کرنا ہوتا تو تیروں کے ذریعے فال نکالتے تھے، اور اس فال میں جو بات نکل آئے اس کی پیروی لازمی سمجھتے تھے۔

ان تمام طریقوں کو آیت کریمہ نے ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ پہلی صورت میں یہ جوا ہے، اور دوسری صورت میں یا علم غیب کا دعویٰ ہے، یا کسی معقول وجہ کے بغیر کسی بات کو لازم سمجھنے کی خرابی ہے۔ ۷۱

وقال ابن عباس: ﴿الْأَزْلَامُ﴾: القداح يقتسمون بها في الأمور. والنصب: أنصاب يذهبون عليها. وقال غيره: الزلم: القدح لا ريش له وهو واحد الأزلام. والاستقسام: أن يجيل القداح، فإن لهته انتهى، وإن أمرته فعل ما تأمره به. وقد أعلموا القداح أعلاما بضروب يستقسمون بها، وفعلت منه لسمت. والقسوم المصدر.

ازلام، نصب اور استقسام کی تعریف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ”الْأَزْلَامُ“ سے مراد فال نکالنے کے تیر ہیں، جن سے لوگ قسمت کا حال معلوم کیا کرتے ہیں۔ ”نصب“ سے تھان مراد ہیں جن پر کافر لوگ قربان کیا کرتے تھے۔ دوسرے لوگوں نے کہا کہ ”الزلم“ بے پرکی تیر کا پھرانا مراد ہے اور یہ ”الْأَزْلَامُ“ کا واحد ہے۔ ”الاستقسام“ سے مراد یہ ہے کہ تیروں کو گھمایا جائے، پس اگر منع کا تیر نکلتا تو رک جاتے اور اگر حکم کا تیر نکلتا تو حکم کے مطابق عمل کر لیتے۔ زمانہ جاہلیت میں ان لوگوں نے تیروں پر مختلف قسم کے نشانات لگا رکھے تھے اور انہی سے فال نکالا کرتے تھے۔

۴۶۱۶۔ حدثنا اسحاق بن ابراهيم: اخبرنا محمد بن بشر: حدثنا عبدالعزیز بن

عمر عبدالعزیز قال: حدثني نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: نزل تحريم الخمر وان في المدينة يومئذ لخمسة أشربة ما فيها شراب العنب. [أنظر: ۵۵۷۹] ۷۲

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جس دن شراب کی حرمت نازل ہوئی تو مدینہ میں اس وقت پانچ قسم کی شراب تھی مگر انگوری شراب نہیں تھی۔

۴۶۱۷۔ حدثنا يعقوب بن ابراهيم: حدثنا ابن علية: حدثنا عبدالعزيز بن صهيب قال: قال انس بن مالك ؓ: ما كان لنا خمر غير فضيخكم هذا الذي تسمونه الفضيخ، فاني لقائم اسقى ابا طلحة وفلانا وفلانا اذ جاء رجل فقال: وهل بلغكم الخبر؟ فقالوا: وما ذاك؟ قال: حرمت الخمر، قالوا: اهرق هذه القلال يا انس. قال: فما سألوا عنها ولا راجعوها بعد خبر الرجل. [راجع: ۲۴۶۳]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ نے بیان کیا کہ ہم لوگ کھجور سے تیار شدہ شراب کے علاوہ کوئی شراب استعمال نہیں کرتے تھے، جس کا نام تم لوگوں نے فُضِيخ رکھا ہے، ایک دن میں کھڑا ابو طلحہ اور دوسرے فلاں، فلاں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا کہ ایک شخص آئے اور کہنے لگے کہ کیا تم لوگوں کو خبر نہیں پہنچی ہے؟، لوگوں نے پوچھا کیا خبر؟ تو کہنے لگے کہ شراب حرام کر دی گئی ہے، تو جو لوگ شراب پی رہے تھے انہوں نے کہا انس! ان منکوں کو بہادو۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ پھر کسی نے کوئی بات نہیں پوچھی اور نہ اس بات کے خلاف کوئی کام کیا۔

هذا الذي تسمونه الفضيخ.

لفضيخ۔ کچی کھجور کی شراب کو کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل کتاب الاشریہ میں آئے گی۔

۴۶۱۸۔ حدثنا صدقة بن الفضل: أخبرنا ابن عيينة، عن عمرو، عن جابر قال: صبح

أناس غداة أحد الخمر فقتلوا من يومهم جميعا شهداء وذلك قبل تحريمها. [راجع: ۲۸۱۵]

ترجمہ: حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے صبح کے وقت جنگ احد میں شراب پی، پھر وہ سب حضرات اس دن شہید ہو گئے، یہ قصہ اس وقت پیش آیا جب کہ حرمت شراب کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

۴۶۱۹۔ حدثنا اسحاق بن ابراهيم: أخبرنا عيسى وابن ادریس، عن أبي حبان،

عن الشعبي، عن ابن عمر قال: سمعت عمر ؓ على منبر النبي ﷺ يقول: أما بعد أيها

الناس، انه نزل تحريم الخمر وهي من خمسة: من العنب، والتمر، والعسل، والحنطة،

والشعير. والخمر: ما خامر العقل. [أنظر: ۵۵۸۱، ۵۵۸۸، ۵۵۸۹، ۷۳۳۷] ۱۹

۱۹ ولی صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب فی نزول تحریم الخمر، رقم: ۳۰۳۲، وसन ابی داؤد، کتاب الاشریہ، باب فی

تحریم الخمر، رقم: ۳۶۶۹، وसन الترمذی، ابواب الاشریہ، باب ماجاء فی الحبوب التي يتخذ منها الخمر، رقم: ۱۸۷۳،

وसन النسائی، کتاب الاشریہ، ذکر انواع الاشریہ التي كانت منها الخمر حين نزل تحریمها، رقم: ۵۵۷۸، ۵۵۷۹

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت عمرؓ کو (خلافت کے زمانے میں) منبر رسول ﷺ پر تقریر کرتے ہوئے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے کہ حمد و ثناء کے بعد اے لوگو! شراب کی حرمت نازل ہو چکی ہے اور یہ پانچ چیزوں سے تیار کی جاتی ہے، انگور، گیہوں، کھجور، شہد اور جو، اور شراب کی خاصیت یہ ہے کہ عقل کو زائل کر دیتی ہے۔

شراب کی حرمت و ممانعت کا حکیمانہ اصول

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ

رَجَسَ مَنْ عَمِلَ الشَّيْطَانُ﴾

اس آیت سے پہلے بعض آیات خمر (شراب) کے بارے میں نازل ہو چکی تھیں، اول یہ آیت نازل ہوئی

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ

كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمْ لَكَاثِرُونَ مِّنْ نَّفْعِهِمَا﴾ ۲۰

گو اس سے نہایت واضح اشارہ تحریم خمر کی طرف کیا جا رہا تھا مگر چونکہ صاف طور پر اس کے چھوڑنے کا

حکم نہ تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے سن کر کہا ”اللہم بین لنا بیانا شافیا“ اس کے بعد دوسری آیت آئی

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ

سُكَارَى﴾ ۲۱

اس میں بھی تحریم خمر کی تصریح نہ تھی، گوشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہوئی اور یہ قرینہ اسی کا تھا کہ غالباً

یہ چیز عنقریب کلیہ حرام ہونے والی ہے، مگر چونکہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعہ

چھڑا دینا مخاطبین کے لحاظ سے سہل نہ تھا اس لئے نہایت حکیمانہ تدریج سے اولاً قلوب میں اس کی نفرت بٹھلائی گئی

اور آہستہ آہستہ حکم تحریم سے مانوس کیا گیا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس دوسری آیت کو سن کر پھر وہی لفظ کہے ”اللہم بین لنا بیانا شافیا“۔

آخر کار ”سورہ مائدہ“ کی یہ آیتیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سے

﴿لَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ﴾ تک نازل کی گئیں، جس میں صاف صاف بت پرستی کی طرح اس گندی چیز سے بھی

اجتناب کرنے کی ہدایت تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ ”لہم انتم منتہون“ سن کر چلا اٹھے ”العہینا التہمینا“۔

لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے، خم خانے برباد کر دیئے، مدینہ کی گلی کو چوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی، سارا عرب اس گندی شراب کو چھوڑ کر معرفت ربانی اور محبت و اطاعت نبوی کی شراب طہور سے مخمور ہو گیا اور ام النجاشی کے مقابلہ پر حضور ﷺ کا یہ جہاد ایسا کامیاب ہوا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جس چیز کو قرآن کریم نے اتنا پہلے شدت سے روکا تھا، آج سب سے بڑے شراب خور ملک امریکہ وغیرہ اس کی خرابیوں اور نقصانات کو محسوس کر کے اس کے منادینے پر تلے ہوئے ہیں۔ (فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمُنَىٰ) ۲۲

(۱۱) باب: ﴿لَيْسَ عَلَى الدِّينِ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ

لِيَمَاطِعُمُوا﴾ [۹۳] الآية

باب: ”جو لوگ ایمان لے آئے اور نیکی پر کار بند رہے ہیں، انہوں نے جو کچھ پہلے کھایا پیا ہے۔“

۴۶۲۰۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد بن زيد: حدثنا ثابت، عن أنس رضي الله عنه: ان الخمر التي هربت الفضيخ. وزادني محمد البيكندی، عن أبي النعمان قال: كنت ساقی القوم فی منزل أبي طلحة فنزل تحريم الخمر فأمر مناديا فنادی، فقال أبو طلحة: أخرج فانظر ما هذا الصوت. قال: فخرجت فقلت هذا مناد ينادي: الا ان الخمر قد حرمت، فقال لي: اذهب فأمر لها، قال: فخرجت في سكك المدينة. قال: وكانت خمرهم يومئذ الفضيخ، فقال بعض القوم: قتل قوم وهي في بطونهم، قال: فأنزل الله ﴿لَيْسَ عَلَى الدِّينِ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ لِّمَا طَعِمُوا﴾. [راجع: ۲۳۶۳]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شراب بھینکی گئی تھی وہ فضيخ، کھجور سے تیار شدہ تھی، بیان کیا کہ جب شراب بھینکی گئی تھی۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے محمد بیکنی نے ابو النعمان کے واسطے سے اس زیادتی کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر سب کو شراب پلا رہا تھا، اس وقت حرمت شراب کا حکم نازل ہوا تھا، ہوا یہ کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ منادی کر دے، وہ منادی کرتا ہوا ادھر آیا تو ابو طلحہ نے کہا کہ دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ میں باہر آیا تو دیکھا کہ ایک منادی کرنے والا پکار پکار کر کہہ رہا

ہے کہ لوگو! خبردار ہو جاؤ، آج سے شراب حرام کر دی گئی ہے، اسکے بعد ابو طلحہ ؓ نے فرمایا، جاؤ شراب کو پھینک دو، حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ اس دن مدینہ کے راستوں، گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی، اور حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں شراب فقیح استعمال ہوتی تھی، کچھ لوگوں نے کہا کہ مسلمان اس جال میں مارے گئے کہ انکے پیٹ میں شراب بھری تھی، چنانچہ اس وقت یہ آیت ﴿لَنْسَ عَلَى الدِّينِ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ نازل ہوئی۔

حرمت سے پہلے شراب پینے والوں کا حکم

جب تحریم خمر کی آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام ؓ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! ان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے حکم تحریم آنے سے پہلے شراب پی اور اسی حالت میں انتقال کر گئے؟ مثلاً بعض صحابہ کرام ؓ جو جنگ احد میں شہید ہوئے تھے، جب وہ شہید ہوئے تو انہوں نے شراب پی رکھی تھی اور پیٹ میں شراب موجود تھی کہیں وہ ان کیلئے گناہ کا سبب نہ بنے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور یہ غلط فہمی دور ہو گئی، چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے شراب پینے سے صاف الفاظ میں منع نہیں کیا تھا، اس لئے اس وقت جنہوں نے شراب پی تھی اس پر ان کی کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ ۲۳

(۱۲) باب قوله: ﴿لَتَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسْأَلُكُمْ﴾ [۱۰۱]

باب: ”اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں۔“

۴۶۲۱۔ حدثنا منذر بن الوليد بن عبد الرحمن الجاوردی: حدثنا أبي: حدثنا شعبة، عن موسى بن انس عن انس ؓ قال: خطب النبي ﷺ خطبة ما سمعت مثلها قط، قال: ((لو تعلمون ما أعلم لضحككم قليلاً ولبكعكم كثيراً))، وقال: فغطي أصحاب رسول الله ﷺ وجوههم لهم حنين، فقال رجل: من أسي؟ قال: ((أبو ك فلان))، فنزلت هذه الآية ﴿لَتَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسْأَلُكُمْ﴾. رواه النضر وروح بن عباد، عن شعبة. [راجع: ۹۳]

ترجمہ: حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایسا خطبہ پڑھا جو میں نے پہلے

نہیں سنا تھا، آپ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم اس کو جانتے تو کم ہستے اور بہت زیادہ روتے۔ یہ بات سکر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اپنے چہرے چادر میں چھپائے اور انکے رونے کی آواز آنے لگی، ایک آدمی نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا فلاں شخص تیرا باپ ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَفْئَاءٍ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسْأَلُونَ﴾۔ اس حدیث کو نصر اور روح بن عبادہ نے بھی شعبہ سے روایت کیا ہے۔

۳۶۲۲۔ حدثني الفضل بن سهل قال: حدثنا أبو النضر: حدثنا أبو خيثمة: حدثنا أبو الجويرية، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان قوم يسألون رسول الله ﷺ استهزاء ليقول الرجل: من أبي؟ ويقول الرجل تفضل ناقله: أين ناقتي؟ فأنزل الله فيهم هذه الآية ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَفْئَاءٍ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسْأَلُونَ﴾ حتى فرغ من الآية كلها. ۳۶ ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے بطور استہزاء رسول اللہ ﷺ سے کچھ باتیں دریافت کیں، ایک آدمی نے کہا میرا باپ کون ہے؟ اور اگر کسی کی اونٹنی گم جاتی تو وہ کہتا کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا النَّاسَ﴾ یہاں تک کہ آپ پوری آیت سے فارغ ہو گئے۔

آیت کا مطلب

اس آیت میں اس بات کی تنبیہ فرمادی کہ جو چیزیں رسول اللہ ﷺ نے تصریح کے ساتھ بیان نہیں فرمائیں ہیں، ان کے متعلق فضول اور بے کار کے سوالات مت کیا کرو کیونکہ جس طرح حلت و حرمت کے مسائل کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے، اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت و سہولت ہے۔

خدا نے جس چیز کو کمال حکمت و عدل سے حلال یا حرام کر دیا وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی، مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا، عمل کرنے والے اسکے فعل و ترک میں آزاد رہے۔ اب اگر ایسی چیزوں کی نسبت خواہ مخواہ کھود، کرید کر بحث و سوال کا دروازہ کھولا جائے، بحالیکہ قرآن شریف نازل ہو رہا ہے اور تشریع کا باب مفتوح ہے تو بہت ممکن ہے کہ سوالات کے جواب میں بعض ایسے احکام نازل ہو جائیں جن کے بعد تمہاری یہ آزادی اور گنجائش اجتہاد باقی نہ رہے، پھر یہ سخت شرم کی بات ہوگی کہ جو چیز خود مانگ کر لی ہے اس کو نباہ نہ سکیں۔

سنت اللہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی معاملہ میں بکثرت سوال اور کھود کرید کی جائے اور خواہ مخواہ

شکوہ و شبہات اور احتمالات نکالے جائیں تو ادھر سے تشدید (سختی) بڑھتی جاتی ہے، کیونکہ اس طرح کے سوالات ظاہر کرتے ہیں گویا سائلین کو اپنے نفس پر بھروسہ ہے اور جو حکم - ملے گا اس کے اٹھانے کیلئے وہ ہمہ وجوہ تیار ہیں۔ اس قسم کا دعویٰ کو بندہ کے ضعف و افتقار کے مناسب نہیں۔ ۲۵

(۱۳) باب: ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ﴾ [۱۰۳]

باب: ”اللہ نے کسی جانور کو نہ بحیرہ بنانا طے کیا ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حامی“۔

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ﴾ [۱۱۶] يقول: قال الله، وإذ هاهنا صلة. المائدة أصلها مفعولة، كعيشة راضية، وتطليقة بانه. والمعنى ميد بها صاحبها من خير، يقال: مادني يميدني. وقال ابن عباس: ﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ [آل عمران: ۵۵]: مميتك.

ترجمہ و تشریح

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ﴾ بمعنی ”يقول“ کے ہے، اور ”إِذْ“ یہاں پر صلہ ہے یعنی زائدہ ہے۔
”المائدة“ یہ اصل میں اسم مفعول ہے، جیسا کہ ”كعيشة راضية“ یہاں پر ”راضية“ اصل میں ”مرضية“ یعنی اسم مفعول کے معنی میں ہے، اسی طرح ”تطليقة بانه“ کی مثال بھی ہے۔
”ميد بها“ اس کے معنی کسی کے پاس کھانا لے جانا، مطلب یہ ہے کہ خیر و بھلائی کا ذریعہ بنایا گیا۔

﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ کی تشریح

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ کی تفسیر میں کہا کہ ”مميتك“ یا ”فلما توفيتني كنت أنت الرقيب عليهم“ لیکن اسکی مناسبت سے انہوں نے ”مُتَوَفِّيكَ“ کی تفسیر نقل کر دی۔

۵۵ قولہ: ((لا تسألوا)) الآية. تأديب من الله تعالى عباده المؤمنين، ونهى لهم عن أن يسألوا عن أهواء معارفهم لما لا فائدة لهم في السؤال والتفتيش عنها لأنها ان ظهرت تلك الأمور ربما ساء لهم وحق عليهم سماعها، كما جاء في الحديث أن رسول الله قال: ((لا ينبغي أحد عن أحد شيئاً إلى أحب أن أخرج المكم وأنا سليم الصدر)). عمدة القاري، ج: ۱، ص: ۳۰۳، وآسان ترجمہ قرآن، المائدہ: ۱۰۱، حاشیہ: ۶۹

کیا معنی ہوئے کہ عیسیٰ تم کو موت دوں گا۔ کیسے اور کب؟

جب واپس آئیں گے آخر زمانہ میں تو اس وقت موت دوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں یہ قتل کرنے کے قابل نہیں ہیں، قتل نہیں کر پائیں گے اور میں تمہیں آخر زمانہ میں موت دوں گا اس دوران تمہیں آسمان کی طرف اٹھالوں گا۔ یہ تفسیر امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نقل کی ہے اور وہی ابو عبیدہ اور معمر بن شنی کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

جب کہ دوسرے حضرات اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ ”عوفی“ کے معنی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے آئے ہیں، تو اسکے معنی ہیں پورا پورا لے لینا کہ میں تم کو پورا پورا لے لوں گا اور اپنی طرف تم کو اٹھالوں گا۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے ”مشکلات القرآن“ میں بڑی مزے دار بات لکھی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا عجیب معمول تھا، عموماً لوگ رمضان میں تلاوت کی مقدار بڑھا دیتے ہیں، حضرت تلاوت کی مقدار اتنی ہی رکھتے تھے جتنی کہ عام دنوں میں رکھتے تھے لیکن قرآن میں تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ تلاوت کے علاوہ باقی سارا وقت تذکرہ قرآن میں خرچ فرماتے تھے، تفاسیر وغیرہ کا مطالعہ کرتے تھے، ایک ایک آیت پر غور کرتے تھے، اس دوران ہاتھ میں کاغذ یا قلم ہو تو کچھ بات کسی آیت کے بارے میں یاد آتی تو اسے یادداشت کے طور پر لکھ دیتے تھے یا حوالہ دے دیا کرتے تھے۔ حضرت کی وہ یادداشتیں مشکلات القرآن کے نام سے چھپی ہوئیں ہیں۔ اور اس پر ضرورت تھی کہ کوئی آدمی اس کو تشریح کے ساتھ چھاپتا۔ تشریح وغیرہ تو کچھ نہیں کی گئی، البتہ حضرت نے جو حوالے دیئے تھے انکو حاشیہ میں نقل کر دیا ہے، بعض جگہ بڑا فائدہ بھی ہو جاتا ہے۔

ایک بات انہوں نے فرمائی اور جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حضرت کی کتاب ”عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ“ میں موجود ہے، وہ کہتے ہیں کہ موت کیلئے وفات کا لفظ سب سے پہلے قرآن کریم نے استعمال کیا ہے، اس سے پہلے وفات کا لفظ عرب کے اندر تھا ہی نہیں، عرب میں جتنے لفظ موت کیلئے استعمال ہوتے تھے سب ایسے الفاظ تھے کہ جو عدم پر دلالت کرتے تھے، وفات کا لفظ کہیں بھی نہیں تھا۔

چونکہ موت اہل عرب کے اس عقیدے پر مبنی تھی کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو بس فنا ہو جاتا ہے۔ وہ فنا کے معنی پر دلالت کرتا ہے، سب سے پہلے قرآن نے وفات کا لفظ دیا ہے۔

”اللہ یعوفی الانفس“ کہ پورا پورا لے لینا کہ جس ذات نے بنایا ہے وہی اس کو پورا پورا واپس لے رہی ہے۔ اب ”عوفی“ جس طرح موت کیلئے ہو سکتا ہے اسی طرح اللہ جس طرح بھی واپس لے لیں۔

چنانچہ نیند کیلئے بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے، ”اللہ یعوفی الانفس“ اسی طرح اگر کسی کو آسمان کی طرف رافع کیا گیا تو اس میں بھی کہہ سکتے ہیں ”انی معولک“ اور ساتھ اس کا معنی بھی بتا دیا کہ ”انی دالک الیک“۔ تو اسلئے اس سے مرزا قادیانی وغیرہ جو منکرین نزول مسیح ہے وہ جو استدلال کرتے ہیں کہ انتقال

ہو گیا ہے، یہ استدلال باطل محض ہے۔

۴۶۲۳۔ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا ابراهيم بن سعد، عن صالح بن كيسان، عن ابن شهاب، عن سعيد بن المسيب قال: البحيرة التي يمنع درها للطواغيت فلا يحلبها أحد من الناس. والسائبة كانوا يسيبونها لألثمتهم فلا يحمل عليها شيء. قال: وقال أبو هريرة: قال رسول الله ﷺ: ((رايت عمرو بن عامر الخزاعي يجر قصبه في النار، كان أول من سب السوالب)). والوصيلة: الناقة البكر تبكر في أول لتاج الابل بأنثى ثم تنثى بعد بأنثى، وكانوا يسيبونها للطواغيتهم ان وصلت احدهما بالآخرى ليس بينهما ذكر. والحام: فحل الابل يضرب الضراب المعدود فاذا قضى ضرابه ودعوه للطواغيت واعفوه من الحمل فلم يحمل عليه شيء، وسموه الحامى.

وقال لي أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري: سمعت سعيدا يخبره بهذا. قال: وقال أبو هريرة: سمعت النبي ﷺ يحو، ورواه ابن الهاد، عن ابن شهاب، عن سعيد، عن أبي هريرة ﷺ: سمعت النبي ﷺ. [راجع: ۳۵۲۱]

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ بحیرہ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے، جس کو کفار کسی بت کی نذر کر کے آزاد چھوڑ دیتے تھے، اور اس کا دودھ نہ دوتے تھے۔ اور سائبہ وہ اونٹنی ہے، جو بچوں کی نذر کی جاتی، اس پر نہ کوئی سواری کی جاتی تھی، اور نہ اس سے کوئی کام لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دوزخ میں دیکھا کہ اس کی انتڑیاں باہر نکلی ہوئی تھیں اور وہ ان کو گھسیتا تھا، یہ وہ آدمی ہے، جس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر سائبہ (اونٹنی) کو چھوڑنے کی رسم نکالی تھی۔ اور وصیلہ اس جوان اونٹنی کو کہتے ہیں جو پہلی اور دوسری مرتبہ میں مادہ جنتی، اور اس کو بھی بت کے نام پر چھوڑ دیا جاتا، یعنی متصل دودھ مادہ جنے، جن کے درمیان نرنہ ہو۔ اور حام اس اونٹ کو کہتے جس کیلئے کفار کہتے تھے کہ اگر اس سے ہماری اونٹنی کے دس یا بیس (مقررہ تعداد) بچے پیدا ہوئے تو ہمارے لئے ہوں گے اور اگر زائد ہوئے تو ہمارے بچوں کے لئے ہوں گے، پھر جو زائد ہوتے ہیں، ان کو بچوں کے نام پر چھوڑ دیتے، اور اس سے کچھ کام نہیں لیا کرتے تھے اور اس کا نام حامی رکھتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ یہ حدیث ابو الیمان نے توسط شعیب، انہوں نے زہری سے، زہری کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے اس حدیث کو سنا اور انہوں نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے نبی کریم ﷺ سے اسی طرح سنا۔ اور ابن الہاد نے بواسطہ ابن شہاب، انہوں نے سعید بن مسیب سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا۔

بحیرہ، سائبہ وغیرہ کی تفصیل

”البحيرة التي يمنع درها للطواغيت فلا يحملها أحد من الناس“ - بحیرہ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے، جس کو کفار کسی بت کی نذر کر کے آزاد چھوڑ دیتے تھے، اور اس کا دودھ نہ دوتے تھے۔

”والسائبه كانوا يسيبونها لآلهتهم فلا يحمل عليها شيء“ - سائبہ وہ اونٹنی ہے جو بتوں کی نذر کی جاتی اور جس پر کوئی سواری نہ کی جاتی تھی اور نہ اس سے کوئی کام لیتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”رأيت عمرو بن عامر الخزاعي يجر قصبه في النار، كان أول من سبب السوالب“ - میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دوزخ میں جلتے ہوئے دیکھا، اس کی انتڑیاں باہر نکلی ہوئی تھیں اور وہ ان کو گھسیٹتا تھا، یہ وہ آدمی ہے جس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر اونٹنی کو چھوڑا تھا۔

”الوصيلة: الناقة البكر بكر في أول لتاج الابل بانثى ثم تنثى بعد بانثى، وكانوا يسيبونهم لطواغيتهم ان وصلت احدهما بالآخرى ليس بينهما ذكر“ - وصیلہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو ابھی جوان ہے پہلی مرتبہ اس نے اونٹنی دی پھر دوسری اونٹنی دی درمیان میں کوئی ذکر نہیں تھا تو اس کو وہ بے لگام بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، کیونکہ اس نے ایک اونٹنی کو دوسری کے ساتھ ملا دیا اس کو ”وصیلہ“ کہتے تھے۔

”الحام: فحل الابل يضرب الضراب المعلوم فاذا قضى ضرابه ودعوه للطواغيت واعطوه من الحمل فلم يحمل عليه شيء، وسموه الحامى“ - حام اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کیلئے کفار کہتے تھے اگر اس اونٹنی سے ہماری مقرر کردہ تعداد میں بچے پیدا ہوئے تو ہمارے ہوں گے اور اگر زائد ہوئے تو ہمارے بتوں کیلئے ہوں گے، پھر جو زائد ہوتے ہیں ان کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے، اس سے کچھ کام نہیں لیا کرتے تھے۔

۳۶۲۴ - حدثني محمد بن أبي يعقوب أبو عبد الله الكرمانی: حدثنا حسان بن ابراهيم: حدثنا يونس، عن الزهري، عن عروة: ان عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: ((رأيت جهنم يحطم بعضها بعضا، ورأيت عمرا يجر قصبه، وهو أول من سبب السوالب)). [راجع: ۱۰۴۴]

مشاہدہ - اعمال بد کی سزا آخرت میں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دوزخ کو دیکھا کہ

اس کے بعض حصے بعض کو کھل رہے تھے اور میں نے جہنم کے اس حصے میں عمرو کو اپنی آنتیں کھینچتے ہوئے دیکھا، اور یہی شخص ہے جس نے سب سے پہلے بنوں کے نام پر جانور چھوڑے تھے۔

(۱۴) باب: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَلَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ

الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ [۱۱۷]

باب: ”اور جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، میں ان کے حالات سے واقف رہا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ خود ان کے نگراں تھے، اور آپ ہر چیز کے گواہ ہیں۔“

۴۶۲۵ - حدثنا أبو الوليد: حدثنا شعبه: أخبرنا المغيرة بن النعمان قال: سمعت سعيد بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: خطب رسول اللہ ﷺ فقال: ((يا أيها الناس انكم محشورون الى الله حفاة عراة غرلا)) ثم قال: ((كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَغَدَاً عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ)) الى آخر الآية. ثم قال: ((الاولان اول الخلائق يكسى يوم القيامة ابراهيم، الا وانه يجاء برجال من امتي فيؤخذ بهم ذات الشمال فأقول: يا رب اصبحنا، فيقال: انك لا تدري ما احدثوا بعدك، فأقول كما قال العبد الصالح: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَلَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ فيقال: إن هؤلاء لم يزالوا مرتدين على أعقابهم منذ فارقتهم)). [راجع: ۳۳۴۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو! تم (قیامت کے دن) اللہ جلّ جلالہ کی طرف سے ننگے پیر اور ننگے بدن اور بلا ختنہ اٹھائے جاؤ گے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَغَدَاً عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾ تلاوت فرمائی، یعنی جس حال میں تم کو پیدا کیا ہے، اسی حال میں تم کو قیامت کے دن اٹھائیں گے اس وعدے کے مطابق جو ہم نے کیا ہے اور ہم اس کام کے کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا سن لو! کہ روز قیامت سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، اور پھر چند آدمی میری امت کے لائے جائیں گے اور انہیں بائیں طرف جانے والوں میں لے جایا جائے گا (یعنی دوزخ کی طرف)، تو میں عرض کروں گا کہ اے رب! یہ تو میرے امتی ہیں، کہا جائے گا کہ مگر تم کو نہیں معلوم کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا نئے کام (بدعات) کئے، اس وقت میں عبد صالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) طرح عرض کروں گا ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ﴾

فَلَمَّا تَوَلَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ﴿۱۱۸﴾ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے جدا ہوتے ہی دین سے پھر گئے تھے۔

(۱۵) باب قوله: ﴿إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَلَا تُهِنُّمُ عِبَادُكَ﴾ [۱۱۸]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اگر آپ ان کو سزا دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں۔“

۳۶۶۶۔ حدثنا محمد بن كثير: حدثنا سفيان: حدثنا المغيرة بن النعمان قال:

حدثني سعيد بن جبيرة، عن ابن عباس عن النبي ﷺ قال: ((الكم محشورون، وإن ناسا يلزعدهم ذات الشمال فأقول كما قال العبد الصالح: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ ضَيْعًا مَادُمْتُ لِيَنَّهُمْ﴾ إلى قوله ﴿الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾)). [راجع: ۳۳۴۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم قیامت کے روز اللہ ﷻ کی طرف سے اٹھائے جاؤ گے، پھر تم میں سے کچھ لوگوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا، اس وقت میں اس وقت میں عبد صالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح وہی کہوں گا جو انہوں نے کہا تھا کہ ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ ضَيْعًا مَادُمْتُ لِيَنَّهُمْ﴾ تا ﴿الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾۔

اپنی امت کیلئے آہ و بکا

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے جو نبی کریم ﷺ تلاوت فرما رہے تھے، پھر آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا ”اللہم امتی“ (اے میرے رب! میری امت) اور زار و قطار رو رہے تھے۔

اللہ ﷻ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے آکر رونے کی وجہ پوچھنے لگے تو رسول اکرم ﷺ نے جو جواب دینا تھا حضرت جبریل علیہ السلام کو دیا تو اللہ ﷻ نے فرمایا اے جبریل! محمد سے جا کر کہو ہم تمہاری امت کے بارے میں تمہیں راضی کریں گے اور دل نہ دکھائیں گے۔ ۲۶

(۶) سورة الأنعام

سورة انعام کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

وجہ تسمیہ

عربی زبان میں ”العام“ چوپایوں کو کہتے ہیں۔

عرب کے مشرکین مویشیوں کے بارے میں بہت سے غلط عقائد رکھتے تھے، مثلاً ان کو بتوں کے نام پر وقف کر کے ان کا کھانا حرام سمجھتے تھے۔ چونکہ اس سورت میں ان بے بنیاد عقائد کی تردید کی گئی ہے، اس لئے اس کا نام ”سورة الانعام“ رکھا گیا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند آیتوں کو چھوڑ کر یہ پوری سورت ایک ہی مرتبہ میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ”روح المعانی“ میں ان روایتوں پر تنقید کی ہے۔ ۱۔

قال ابن عباس: ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ لِنَفْسِهِمْ﴾ [۲۳]: معذرتهم. ﴿تَعْرِضُ عَنْهُمْ﴾ [۱۳۱]: ما يعرض من الكرم وغير ذلك. ﴿عَمُولَهُ﴾ [۹]: ما يحمل عليها.

﴿وَلَلْبَنَانَا﴾ [۹]: لشبهنا. ﴿لَا نَذِرُكُمْ بِهِ﴾ اهل مكة ﴿وَيَنَّاوُونَ﴾ [۲۶]: يعباعدون. ﴿تُسَلِّ﴾: تفضح. ﴿أُبَسِّلُوا﴾ [۷۰]: افضحوا.

﴿بَاسِطُوا أَيْدِيَهُمْ﴾ [۹۳]: البسط: الضرب. ﴿اسْتَكَفَرْتُمْ﴾: أضللتكم كثيراً.

﴿مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ﴾ [۱۳۶]: جعلوا الله من ثمراتهم ومالهم نصيباً وللشيطان

والأوثان نصيباً.

﴿أَكِنَّةٌ﴾ واحدها كنان. ﴿أَمَّا أَفْعَمَلْتَ﴾ [۱۳۳-۱۳۴]: یعنی هل تشتمل الآلى

ذکر آواشی؟ فلم تحرمون بعضاً وتحلون بعضاً؟

۱۔ تفسیر آلوسی۔ روح المعانی، سورة الانعام، ج: ۴، ص: ۷۲، - وآسان ترجمہ قرآن، سورة الانعام، ج: ۱، ص: ۳۸۰۔

﴿مَفْسُوحًا﴾: مہر اقا۔ ﴿صَدَقَ﴾ [۱۵۸]: اعرض۔ اہلسوا: اویسوا۔ ﴿أَنْسَلُوا﴾: اسلموا۔ ﴿سَرَمَدًا﴾ [۷۱]: دائما۔ ﴿إِسْتَهْوَتْهُ﴾: أضلته۔
 ﴿تَخْتَرُونَ﴾ [۲]: تشکون۔ ﴿وَقَرَّ﴾ [۲۵]: صمم، واما الوقر فانه الحمل۔
 ﴿أَسَاطِيرُ﴾ [۲۵]: واحدها أسطورة واسطورة وهى الترهات۔
 ﴿الْبَاسَاءُ﴾ [۳۲]: من البأس، ويكون من البؤس۔ ﴿جَهْرَةً﴾ [۳۷]: معالية۔
 ﴿الضُّورُ﴾ [۷۳]: جماعة صورة۔ كقوله سورة وسور، ملكوت وملك۔ رهبوت، رحموت، وتقول: ترهب خیر من أن ترحم۔
 ﴿جَنُّ﴾ [۷۶]: اظلم۔ تعالیٰ علا ﴿وَإِنْ تَعْدِلْ﴾ تقسط - لا یقبل منها فی ذلك اليوم یقال: على الله حسابه: أى حسابه۔
 ویقال: ﴿حُسْبَالًا﴾ مرامی و﴿زُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ﴾۔ مستقر: فی الصلب و﴿مُسْتَوْدَعٌ﴾ [۹۸]: فی الرحم۔
 القنو: العلق، والالنان قنوان، والجماعة أيضا قنوان، مثل صنو وصنوان۔

ترجمہ و تشریح

﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِئْتَهُمْ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں پر ”فِئْتَهُمْ“ سے مراد ہے ان کا عذر اور بہانہ بازی کرنا۔
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”مَعْرُوفَاتِ“ کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ بلیں جو دیواروں، چھپروں پر پھیلی ہیں، جیسے انگور وغیرہ۔
 ﴿حَمُولَةً﴾ کے معنی وہ جانور جن پر بوجھ لاداجاتا ہے۔
 ﴿وَلَلْبَسَنَّا﴾ کے معنی ہم شبہ میں ڈال دیں گے۔
 ﴿لَا نُلَدِرُكُمْ بِهِ﴾ یعنی اس قرآن کے ذریعے میں تم لوگوں کو ڈراؤں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خطاب اہل مکہ کو ہے۔
 ﴿وَيَبْأَوْنَ﴾ بمعنی ”بعباعدون“ یعنی دور رہتے ہیں، بھاگتے ہیں۔
 ﴿يُنْسَلُ﴾ بمعنی ”تفضح“ اور ﴿أَنْسَلُوا﴾ بمعنی ”الفضحوا“ یعنی رسوا کیا جائیگا، عیب ظاہر کئے جائیں گے اور ذلیل و خوار ہو کر ہلاکت میں ڈالے گئے۔

﴿بَاسِطُوا أَيْدِيَهُمْ﴾ یعنی موت کے فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے، اس آیت میں "البسط" بمعنی "الضرب" - مارنے کے ہیں۔

﴿اسْتَكَفَرْتُمْ﴾ بمعنی "اضلعلیم" گمراہ کرنا، یعنی تم نے بہت سے انسان گمراہ کئے۔
 ﴿مِمَّا ذَرَأَا مِنَ الْحَبِثِ﴾ - اس آیت کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مالوں اور پھلوں میں سے ایک حصہ تو اللہ جلّالہ کے واسطے ٹھہرایا اور ایک حصہ اپنے بتوں کے لئے مقرر کیا۔

"اکنہ" کے معنی پردہ، یہ "کنان" کی جمع ہے۔
 ﴿أَمَّا اخْتَلَفْتُمْ﴾ - یعنی نرا اور مادہ کے سوا کسی اور جنس پر مشتمل نہیں ہوتے، پھر تم کیوں ایک حلال اور دوسرے کو حرام ٹھہراتے ہو۔

﴿مَفْسُوحًا﴾ بمعنی "مہرالا" یعنی بہتا ہوا خون۔
 ﴿صَدَفٌ﴾ بمعنی "اعرض" یعنی اس سے اعراض کرنا، اس سے پھر جانا۔
 "ابلسوا" بمعنی "اویسوا" یعنی ناامید ہو گئے۔
 ﴿أَنْبَسُوا﴾ بمعنی "اسلموا" یعنی پھانسی گئے، ہلاکت کے سپرد کئے گئے۔

﴿مَرْمَدًا﴾ ہمیشہ قائم رہنے والا۔

﴿اِسْتَهْوَتْهُ﴾ اسکو پھینک دیا۔

﴿تَفْتَرُونَ﴾ تم شبہ کرتے ہو۔

﴿وَقَرٌّ﴾ بمعنی "صمم" یعنی بہرا پن۔ یہ جمہور کی قرأت کے مطابق ہے۔

جبکہ حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں "واما الوقر فانه الحمل" اس قرأت میں معنی یہ ہوگا کہ ان کے کانوں بوجھ ہے، ڈاٹ ہے جو بات سننے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔

﴿أَسَاطِيرُ﴾ بے سند باتیں، جس کا واحد "اسطورة واسطارة" اور اس کی تشریح "تُرْهَات" سے کی گئی ہے جس کا مطلب باطل اور یہ جھوٹے قصے کہانیوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔

﴿الْبَاسَاءُ﴾ یہ "باس" یا "ہوس" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں محتاجی اور سختی۔

﴿جَهْرَةً﴾ یعنی سامنے رو برو۔

﴿الصُّورُ﴾ جمع "صورة" جیسے سورۃ اور سور میں، "ملکوت" بمعنی "ملک" یعنی بادشاہت کے ہیں، "دھبوت" کے معنی بہت ڈر، "دحموت" مہربانی، اور جیسے کہ کہتے ہیں تیرا ڈرایا جانا تجھ پر مہربانی کرنے سے بہتر ہے۔

”ملکوت - ملک“ سے نکلا ہے جیسے ”رہبوت“ نکلا ہے ”راہب“ سے، ”رہبوت غمر من“ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ”ترحم غمر من ترہب“ تمہیں ڈرایا جانا بہتر ہے نسبت اس کے کہ تم پر رحم کیا جائے۔

یعنی ان لوگوں کا مقولہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ”ترہیب“ زیادہ مؤثر ہے نسبت ترغیب کے کہ جب پٹائی کا اندیشہ ہوگا تو آدمی ٹھیک رہے گا اور اگر بہت زیادہ رحمت کا معاملہ کر دیا تو بگڑ جائے گا، حالانکہ معاملات تو مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف ہوتے ہیں ”اذا انت اکرم مت (معنی)“ تو ہر جگہ کا معاملہ و حال الگ ہے۔ ﴿جَنُّ﴾ یعنی رات کی اندھیری اس پر چھا گئی۔

﴿وَإِنْ تَعْدِلْ﴾ یعنی اپنے گناہ کے بدلہ میں وہ اپنی ساری دنیا جہاں بھی فدیہ یا بدلہ میں دے ڈالے تو اس دن قبول نہ ہوگی۔

اور چھوٹے تیر کو ”حسبان“ کہتے ہیں اور شیطان کو تیر مارنے کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ آیت میں ہے ﴿رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ﴾۔

”مستقر“ کا مطلب ہے رہنے کی جگہ۔

﴿مُسْتَوْدَعٌ﴾ عورت کا رحم۔

”القنو“ گچھا، خوشہ اس کا ثنیہ اور جمع دونوں ”قنوان“ ہے۔ اسی طرح ”صنو“ کا ”صنوان“ ہے یعنی جڑ ملے ہوئے درخت۔

(۱) باب: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ [۵۱]

باب: ”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے“۔

علم غیب اللہ ﷻ ہی کے ساتھ خاص ہے

اس آیت میں اللہ ﷻ کی خصوصی صفت بتلائی گئی ہے کہ وہ عالم الغیب ہے، ہر غیب کو جانتا ہے، بعد کی آیتوں میں غیب کے مقابل علم شہادت یعنی حاضر و موجود چیزوں کے علوم کا بیان ہے کہ انکے علم میں بھی اللہ ﷻ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا علم محیط ہے کوئی ذرہ اس سے باہر نہیں ہے۔

ارشاد فرمایا کہ وہی جانتا ہے ہر اس چیز کو جو خشکی میں ہے اور اس چیز کو جو دریا میں ہے، اور کوئی پتہ کسی درخت کا نہیں کرتا جس کا علم اس کو نہ ہو، اسی طرح کوئی دانہ جو زمین کے تاریک حصے میں مستور ہے وہ بھی اس کے

علم میں، اور ہر تر و خشک میں کل کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے علم میں ہے اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ علم کے متعلق دو چیزیں حق تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہیں، جن میں کوئی فرشتہ یا رسول یا کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں۔

ایک علم غیب، دوسرے موجودات کا علم محیط جس سے کوئی ذرہ مخفی نہیں، پہلی آیت میں انہی دونوں مخصوص صفات کا بیان ہے، ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهَا لَاحُظٌ﴾۔
بعد کی آیتوں میں تمام کائنات و موجودات کے علم محیط کا ذکر اس طرح فرمایا کہ پہلے ارشاد ہوا ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ یعنی اللہ ہی جانتا ہر اس چیز کو جو خشکی میں ہے اور دریا میں ہے۔

مراد اس سے کل کائنات و موجودات ہے، جیسے صبح و شام کا لفظ بول کر پورا زمانہ اور مشرق و مغرب کا لفظ بول کر پوری زمین مراد لی جاتی ہے، اسی طرح بروبحر یعنی خشکی اور دریا بول کر مراد اس سے پورے عالم کی کائنات و موجودات ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ ﷻ کا علم تمام کائنات پر محیط ہے۔ ۲

۴۶۲۔ حدثنا عبدالعزيز بن عبدالله: حدثنا ابراهيم بن سعد، عن ابن شهاب، عن سالم بن عبدالله، عن أبيه: أن رسول الله ﷺ قال: ((مفاتيح الغيب خمس: ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ، وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ، وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا، وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾)). [راجع: ۱۰۳۹]

ترجمہ: حضرت سالم بن عبد اللہ رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غیب کے پانچ خزانے ہیں (پھر یہ آیت تلاوت فرمائی): یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کسی تنفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور نہ کسی تنفس کو یہ پتہ ہے کہ کونسی زمین میں اُسے موت آئے گی۔ بیشک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔

مفاتیح الغیب

آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے جن کا علم (یعنی علم کلی) بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں، فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کل اکوان غیبیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہو گیا۔

”إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ“ قیامت کی گھڑی کا علم مراد ہے۔

”يُنَزِّلُ الْغَيْثَ“ میں غالباً زمانیہ ماضیہ پر تنبیہ ہے۔

”مَنْ لِي الْأَرْحَامُ“ میں زمانیہ حالیہ۔

”مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا“ میں زمانیہ مستقبلہ۔

”بِأَيِّ آرَاضٍ تَمُوتُ“ میں غیوب مکانیہ۔

یعنی بارش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ پہلے سے کیا ایسے اسباب فراہم ہو رہے تھے کہ ٹھیک اُسی وقت اُسی جگہ اُسی مقدار میں بارش ہوئی۔

ماں بچہ کو پیٹ میں لئے پھرتی ہے پر اُسے پتہ نہیں کہ پیٹ میں کیا ہے، لڑکا یا لڑکی؟

انسان واقعات آئندہ پر حاوی ہونا چاہتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں گا؟ میری موت کہاں واقع ہوگی؟

اس جہل و بیچارگی کے باوجود تعجب ہے کہ دنیا کی زندگی پر مفتون ہو کر خالق حقیقی کو اور اس دن کو بھول جائے جب پروردگار کی عدالت میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا۔

بہر حال ان پانچ چیزوں کے ذکر سے تمام اکوان غیبیہ کے علم کلی کی طرف اشارہ کرنا ہے حصر مقصود نہیں اور غالباً ذکر میں ان پانچ کی تخصیص اس لئے ہوئی کہ ایک سائل نے سوال انہیں پانچ باتوں کی نسبت کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ۱۱

(۲) باب: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ [۶۵]

باب: ”کہو کہ: وہ اس بات پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے کہ تم پر کوئی عذاب، تمہارے اوپر سے بھیج دے۔“

قدرتِ کاملہ

اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ ہے کہ کوئی عذاب، کوئی مصیبت اور کیسی ہی بڑی سے بڑی آفت ہو اس کو

ٹال سکتا ہے۔ اسی طرح اس کو اس پر بھی قدرت حاصل ہے کہ جب کسی فریاد جماعت کو اس کی سرکشی کی سزا اور عذاب میں مبتلا کرنا چاہے تو ہر قسم کا عذاب اس کے لئے آسان ہے، کسی مجرم کو سزا دینے کے لئے دنیا کے حکام کی طرح اس کو نہ کسی پولیس اور فوج کی حاجت ہے اور نہ کسی مددگار کی ضرورت۔
اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَتَعَذَّبَ عَلَيْكُمْ

عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾

یعنی اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ بھیج دے تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا تمہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے آپس میں بھڑا دے اور ایک کو دوسرے کے ہاتھ سے عذاب میں ہلاک کر دے۔

﴿يَلْبِسَكُمْ﴾ [۶۵]: يَخْلُطُكُمْ مِنَ الْإِلْبَاسِ، ﴿يَلْبِسُوا﴾ [۸۲]: يَخْلُطُوا.

﴿شِيَعًا﴾ [۵۶]: لِرَقَا.

ترجمہ: ”يَلْبِسَكُمْ“ بمعنی ”يَخْلُطُكُمْ“ یہ ”الْإِلْبَاس“ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اشتباہ اور اختلاط کے، ”يَلْبِسُوا“ بھی اسی معنی میں ہے ملا دینا، خلط ملط کر دینا۔
”شِيَعًا“ بمعنی گروہ گروہ، فرقے فرقے۔

۴۶۲۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرٍ

قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَتَعَذَّبَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَعُوذُ بِوَجْهِكَ)) ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكَ﴾ قَالَ: ((أَعُوذُ بِوَجْهِكَ)) ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((هَذَا أَهْوَنُ، أَوْ هَذَا أَيْسَرُ)). [الطبر: ۴۳۱۳، ۴۳۰۶ ج ۲]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَتَعَذَّبَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”اَعُوذُ بِوَجْهِكَ“ یعنی میں پناہ لیتا ہوں، پھر (اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا) ﴿أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكَ﴾ آپ ﷺ نے اس سے بھی پناہ مانگی، پھر اللہ ﷻ نے فرمایا ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ تو آپ ﷺ

نے فرمایا ہاں یہ اس سے آسان ہے (کہ ان پر یہ عذاب مسلط کر دیا جائے)۔

عذاب الہی کی تین قسمیں

اس میں عذاب کی تین قسمیں بیان فرمائیں:

(۱) جو اوپر سے آئے جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش۔

(۲) جو پاؤں کے نیچے سے آئے، جیسے زلزلہ یا سیلاب وغیرہ۔

یہ دونوں خارجی اور بیرونی عذاب جو پچھلی قوموں پر مسلط کئے گئے، حضور اقدس ﷺ کی دعا سے اس امت کو اس قسم کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا ہے یعنی اس قسم کا عام عذاب جو گزشتہ اقوام کی طرح اس امت کا استیصال کر دے نازل نہ ہوگا، جزئی اور خصوصی واقعات اگر پیش آئیں آپس کی نفی نہیں۔

(۳) تیسری قسم عذاب کہ جسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہئے، اس امت کے حق میں باقی رہی ہے اور وہ پارٹی بندی، باہمی جنگ و جدل اور آپس کی خونریزی کا عذاب ہے۔

موضع القرآن میں ہے کہ قرآن شریف میں اکثر کافروں کو عذاب کا وعدہ دیا، یہاں کھول دیا کہ عذاب وہ بھی ہے جو اگلی امتوں پر آیا آسمان سے یا زمین سے اور یہ بھی ہے کہ آدمیوں کو آپس میں لڑا دے اور ان کو قتل یا قید یا ذلیل کرے، حضور اکرم ﷺ نے سمجھ لیا کہ اس امت پر یہ ہی ہوگا، اکثر ”عذاب الہم“ اور ”عذاب مہین“ اور ”عذاب شدید“ اور ”عذاب عظیم“ ان ہی باتوں کو فرمایا ہے اور آخرت کا عذاب بھی ہے ان پر جو کافر ہی مرے۔ ۵

(۳) باب: ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ [۸۲]

باب: ”اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا۔“

ظلم کی تصریح و مراد

اس آیت ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ میں ظلم سے نبی کریم ﷺ کی تصریح کے موافق شرک مراد ہے، عام گناہ مراد نہیں، لیکن لفظ ”بِظُلْمٍ“ کو نکرہ لا کر عربی کے قواعد کے مطابق عام کر دیا ہے، جو ہر قسم کے

شرک کو شامل ہے۔

لفظ ”لَمْ يَلْبِسُوا“۔ ”لَبَسَ“ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں اُدھنایا خلط ملط کر دینا ہے۔
مراد اس آیت کی یہ ہے کہ جو آدمی اپنے ایمان میں کسی قسم کا شرک ملا دے یعنی اللہ تعالیٰ کو تمام صفات
کمال کے ساتھ ماننے کے باوجود غیر اللہ کو بھی ان میں سے بعض صفات کا حامل سمجھے وہ اس امن و ایمان سے
خارج ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک صرف یہی نہیں کہ کھلے طور پر شرک و بت پرست ہو جائے، بلکہ وہ
آدمی بھی مشرک ہے جو اگرچہ کسی بت کی پوجا پاٹ نہیں کرتا اور کلمہ اسلام پڑھتا ہے، مگر کسی فرشتہ یا رسول یا کسی ولی
اللہ کو اللہ کی بعض صفات خاصہ کا شریک ٹھہرائے۔

اس میں اُن عوام کیلئے سخت تنبیہ ہے جو اولیاء اللہ اور ان کے مزار کو حاجت روا سمجھتے ہیں اور عملاً ان کو ایسا
سمجھتے ہیں کہ گویا خدائی کے اختیارات اُن کے حوالے کر دیئے گئے ہیں۔ نعوذ باللہ منہ۔ ۱

۳۶۲۹۔ حدیثی محمد بن بشار: حدیث ابن ابی عدی، عن شعبۃ، عن سلیمان،
عن ابراہیم، عن علقمہ، عن عبد اللہ ؓ قال: لما نزلت ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ قال
اصحابہ: وَاَيْنَا لَمْ يَظْلَمُوا؟ فنزلت ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾. [راجع: ۳۲]

ترجمہ: حضرت علقمہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ (بن مسعود) ؓ فرماتے ہیں کہ جس
وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ تو آپ ﷺ کے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں سے
ایسا کون ہے؟ جس نے ظلم نہ کیا ہو، تو اسکے بعد یہ آیت نازل فرمائی گئی کہ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾
[لقمان] یعنی ظلم سے مراد شرک ہے۔

شرک؛ سب سے بڑا ظلم

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ اس لئے لے کر آئے ہیں کہ ظلم کے
ساتھ جو عظیم کالفظ ہے وہ دلالت کر رہا ہے کہ ظلم کے مختلف مراتب ہیں، عظیم ترین جو ظلم ہے وہ شرک ہے جو انسان
کو ملت سے خارج کر دیتا ہے اور اس سے نیچے جو مراتب ہیں وہ ملت سے نکالنے والے نہیں ہیں۔
اور ظلم میں اصل یہ ہے کہ وہ ایمان سے خارج نہ کرے، کیونکہ وہ معصیت محض ہے۔ لیکن اس کا ایک فرد

اعلیٰ درجہ کا جو انسانوں کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ ۷

(۴) باب قوله: ﴿وَيُؤْنَسَ وَلَوْ طًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ [۸۶]

باب: ”اور یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو ہم نے دنیا جہاں کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔“

۴۶۳۰۔ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا ابن مهدي: حدثنا شعبة، عن قتادة، عن أبي العالية قال: حدثني ابن عم ليكم، يعني ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال: ((ما ينبغي لعبد أن يقول: أنا خير من يونس بن متى)). [راجع: ۳۳۹۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یعنی آنحضرت ﷺ یونس بن متی سے بہتر ہوں۔

۴۶۳۱۔ حدثنا آدم بن أبي إياس: حدثنا شعبة: أخبرنا سعد بن إبراهيم قال: سمعت حميد بن عبد الرحمن بن عوف، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((ما ينبغي لعبد أن يقول: أنا خير من يونس بن متى)). [راجع: ۳۴۱۵]

(۵) باب قوله: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمُ الْغَتِدَةُ﴾ [۹۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہ لوگ وہ تھے جن کو اللہ نے (مخالفین کے رویے پر صبر کرنے کی) ہدایت کی تھی، لہذا (اے پیغمبر!) تم بھی انہی کے راستے پر چلو۔“

انبیاء سابقین کی اقتداء کا حکم

آیت میں رسول کریم ﷺ کو خطاب فرما کر اہل مکہ کو سنایا گیا ہے کہ کسی قوم کے آباء و اجداد محض باپ دادا ہونے کی حیثیت سے قابل تقلید نہیں ہو سکتے کہ ان کے ہر قول و فعل کو قابل اتباع سمجھا جائے جیسا کہ عموماً عرب اور

۷۔ ومن أراد التعمیل فليراجع: انعام الباری شرح صحيح البخاری، ج: ۱، ص: ۴۷۸، کتاب الايمان، باب: ظلم

دون ظلم، رقم الحديث: ۳۲

اہل مکہ کا خیال تھا بلکہ تقلید و اتباع کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم جس کی پیروی کرتے ہیں وہ خود بھی ہدایت کے صحیح راستے پر ہے یا نہیں؟

اس لئے انبیاء علیہم السلام کی ایک مختصر فہرست شمار کر کے فرمایا گیا کہ ﴿أُولَٰئِكَ الدِّينَ هَدَىٰ اللَّهُ﴾ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، پھر فرمایا کہ ﴿فَبِهَٰذَا هُمُ الْقَدَرُ﴾ یعنی آپ بھی ان کی ہدایت اور طریق کار کو اختیار فرمادیں۔

اس میں ایک ہدایت تو اہل عرب اور تمام امت کو یہ ہے کہ تقلید آبائی کی وہم پرستی کو چھوڑیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ بزرگوں کی اتباع کریں۔

دوسری ہدایت خود رسول اللہ ﷺ کو ہے کہ آپ بھی انہی انبیاء سابقین کا طریق اختیار فرمائیں۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فروعی اور جزوی اختلافات پہلے بھی ہوتے رہے، اور ملت اسلام میں ان سے مختلف بہت سے احکام نازل ہوئے ہیں، تو پھر حضور اقدس ﷺ کو انبیاء سابقین کے طریق پر چلنے اور عمل کرنے کا کیا مطلب ہوا؟

دوسری آیات اور روایات حدیث کے پیش نظر اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تمام فروعی اور جزوی احکام میں انبیاء سابقین کا طریق کار اختیار کرنے کا حکم نہیں، بلکہ اصول دین، توحید، رسالت، آخرت میں ان کا طریق اختیار کرنا مقصود ہے جو کسی پیغمبر کی شریعت میں اڈل بدل نہیں ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی ایک عقیدہ اور طریقہ رہا ہے۔

باقی فروعی احکام جن میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی، ان میں بھی طریقہ کار مشترک رہا اور جن میں حالات کے بدلنے کی وجہ سے بتقاضائے وقت و حکمت کوئی دوسرا حکم دیا گیا اس کی تعمیل کی گئی۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب آپ کو بذریعہ وحی کوئی خاص ہدایت نہ آتی تھی تو آپ فروعی معاملات میں بھی پچھلے انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کار پر چلتے تھے۔ ۵

۴۶۳۲۔ حدثنی ابراہیم بن موسیٰ: أخبرنا هشام: ان ابن جریج أخبرهم قال: أخبرني سليمان الأحول: ان مجاهدا أخبره: انه سأل ابن عباس ألقى من سجدة؟ فقال: نعم، ثم تلا ﴿وَوَهَبْنَا﴾ الى قوله ﴿فَبِهَٰذَا هُمُ الْقَدَرُ﴾ ثم قال: هو منهم. زاد يزيد بن هارون، ومحمد بن عبيد، وسهل بن يوسف، عن العوام، عن مجاهد: قلت لابن عباس، فقال: ليكن ممن أمر أن يقتدى بهم. [راجع: ۳۴۲۱]

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ سورت میں سجدہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہے، پھر یہ آیت پڑھی ﴿وَوَهَبْنَا﴾ تا ﴿لَهُمْ الْجَنَّةُ﴾ یعنی انبیاء کی پیروی ضروری ہے، انہیں میں حضرت ابوداؤد رحمہ اللہ بھی ہیں، جن کے سجدہ کا اس سورت میں ذکر ہے، اسی حدیث کو یزید بن ہارون محمد بن عبید اور کھل بن یوسف نے عوام بن حوشب سے اور وہ مجاہد سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے معلوم کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ تمہاری نبی ﷺ کو بھی (پچھلے) انبیاء کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ ۹

(۶) باب قوله: ﴿وَعَلَى الدِّينِ هَادُوا وَآخِرُ مَنَّا كُلُّ ذِي ظَفَرٍ﴾ [۱۴۶]

باب: ”اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا۔“

وقال ابن عباس: كل ذي ظفر: البعير والنعامة. ﴿الْحَوَايَا﴾: المعبر، وقال غيره: هادوا: صاروا يهودا، وأما قوله: ﴿هَدُنَا﴾ [الأعراف: ۱۵۶]: تبناء، هالد: تالب. ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ”كل ذي ظفر“ کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ یہاں اس سے مراد شتر مرغ اور اونٹ ہے۔

”حوایا“ کا مطلب وہ آنتیں جن میں میٹھی رہتی ہے۔

اور بعض کا کہنا ہے کہ ”هادو“ کا مطلب یہود ہو گئے۔

”هدنا“ کے معنی ہیں توبہ کرنے والے، ”هالد“ بمعنی تاب۔

۳۶۳۔ حدثنا عمرو بن خالد: حدثنا الليث، عن يزيد بن أبي حبيب: قال عطاء:

سمعت جابر بن عبد الله رضي الله عنهما: سمعت النبي ﷺ قال: ((قاتل الله اليهود لما حرم

۹۔ تمام انبیاء علیہم السلام عقائد، اصول دین اور مقاصد کلیہ میں متحد ہیں۔ سب کا دستور اساسی ایک ہے، ہر نبی کو اسی پر چلنے کا حکم ہے۔ آپ بھی اسی طریق مستقیم پر چلنے رہنے کے مامور ہیں۔ گویا اس آیت میں متنبہ کر دیا کہ اصولی طور پر آپ کا راستہ انبیاء سابقین کے راستہ سے ہدائیں، رہا فردغ کا اختلاف وہ ہر زمانہ کی مناسبت و استعداد کے اعتبار سے پہلے بھی واقع ہوتا رہا ہے اور اب بھی واقع ہو تو مضائقہ نہیں۔

فائدہ: علمائے اصول نے اس آیت کے عموم سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر کریم ﷺ کسی معاملہ میں شرائع سابقہ کا ذکر فرمائیں تو وہ اس

امت کے حق میں بھی سند ہے بشرطیکہ شارع نے اس پر کئی یا جزئی طور پر انکار نہ فرمایا ہو۔ تفسیر عثمانی، سورہ انعام: ۹۰، فائدہ: ۷۔

اللہ علیہم شحومہا جملوہا ثم باعوہا فاکلوہا))۔

وقال ابو عاصم: حدثنا عبد الحمید: حدثنا یزید: کتب الی عطاء: سمعت جابراً

عن النبی ﷺ. [راجع: ۲۲۳۶]

ترجمہ: حضرت عطاء (بن ابی رباح) رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا کہ وہ بیان کر رہے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو برباد کرے جب چربی کو ان کیلئے حرام کیا گیا تو انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت وصول کر کے اس کو کھایا (یعنی اس کی قیمت کھائی)۔

اور ابو عاصم کہتے ہیں کہ ہم سے عبد الحمید نے بیان کیا اور ان سے یزید نے بیان کیا کہ حضرت عطاء رحمہ اللہ نے مجھے لکھا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ نبی کریم ﷺ نے اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

یہود کی ہٹ دھرمی

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ﷻ ان یہودیوں کو مار ڈالے، کیونکہ اللہ ﷻ نے ان پر چربی حرام فرمائی تھی، لیکن انہوں نے اس چربی کو پگھلایا اور پھر فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی۔

نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی

یہودیوں نے چربی استعمال کرنے کا یہ حیلہ کیا کہ انہوں نے کہا کہ ہم پر ”شحم“۔۔۔ چربی حرام کی گئی ہے، اور لفظ ”شحم“ کا اطلاق چربی پر اس وقت ہوتا جب تک اس کو پگھلایا نہ گیا ہو اور پگھلانے کے بعد اس کو ”شحم“ نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو ”ودک“ کہتے ہیں، اب جب ہم نے اس کو پگھلایا تو اب یہ ”شحم“ نہ رہی بلکہ ”ودک“ ہو گئی اور یہ ہمارے لئے حرام نہیں۔

حالانکہ حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، لہذا ان کا یہ حیلہ درست نہیں تھا۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے اس حیلے کی مذمت بیان فرمائی۔

اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ محض نام کے بدل جانے سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، اور حلت و حرمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

البتہ اگر ماہیت ہی بدل جائے، مثلاً ”خمر-شراب“ کی ماہیت بدل کر ”خل-سرکہ“ بن گیا تو اس

صورت میں حکم بھی بدل جاتا ہے یعنی حرمت کا حکم بھی باقی نہیں رہتا بلکہ وہ شی طاهر اور حلال ہو جاتی ہے۔ ۱۰

(۷) باب : ﴿وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ [۱۵۱]

باب : ”اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی۔“

بے حیائی کے کاموں سے دور رہنے کا حکم

”فَوَاحِش - فاحشہ“ کی جمع ہے، اور لفظ ”لحش، لَحْشَاء، فاحشہ“ سب مصدر ہیں، جن کا اردو میں ترجمہ بے حیائی سے کیا جاتا ہے۔

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ہر ایسے بُرے کام کے لئے یہ الفاظ بولے جاتے ہیں جس کی برائی اور فساد کے اثرات بُرے ہوں اور دور تک پہنچیں۔

امام راغب رحمہ اللہ نے مفردات القرآن میں اور ابن اثیر رحمہ اللہ نہایت ہی معنی بیان فرمائے ہیں، قرآن کریم میں جا بجا فحش اور فحشاء کی ممانعت وارد ہوئی ہے، ایک آیت میں ارشاد ہے ﴿يَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾، ایک جگہ ارشاد ہے ﴿عَوَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ﴾۔ ۱۱

”لحش و لَحْشَاء“ - اس کے مفہوم عام میں تمام بڑے گناہ داخل ہیں، خواہ اقوال کے متعلق ہوں یا افعال سے اور ظاہر سے متعلق ہوں یا باطن اور قلب سے، بدکاری اور بے حیائی کے جتنے کام ہیں وہ بھی سب اس میں داخل ہیں۔

اس لئے عام زبانوں پر یہ لفظ بدکاری کے معنی میں بولا جاتا ہے، قرآن کریم کی اس آیت میں فواحش کے قریب جانے سے بھی روکا گیا ہے، اس کو اگر مفہوم عام میں لیا جائے تو تمام بُری خصلتیں اور گناہ خواہ زبان کے ہوں، خواہ ہاتھ پاؤں وغیرہ کے، اور خواہ دل کے متعلق ہوں، سبھی اس میں داخل ہو گئے۔

اور اگر اس کو عام عوام میں مشہور بے حیائی کے معنی میں لئے جائیں تو بدکاری اور اس کے مقدمات اور اسباب مراد ہوں گے۔

۱۰ مزید تفسیر کے لئے ان کے فرمائیں۔ لعمد الباری، کتاب البیوع، رقم: ۲۲۳۶، ج: ۶، ص: ۴۱۹

۱۱ مفردات الفاظ العرب، للعلامة الراغب الاصفهانی، ص: ۶۲۶، والنهاية فی غریب الحديث والآثر لابن الاثیر

الجلدی الشامی، ج: ۳، ص: ۱۵

پھر اسی آیت میں فواحش کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا ﴿مَّا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ پہلی تفسیر کے مطابق ظاہری فواحش سے زبان اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کے تمام گناہ مراد ہوں گے اور باطنی فواحش سے مراد وہ گناہ ہوں گے جو دل سے متعلق ہیں، جیسے حسد، کینہ، حرص، ناشکری، بے صبری وغیرہ۔

اور دوسری تفسیر کے مطابق ظاہری فواحش سے مراد وہ بے حیائی کے کام ہوں گے جن کو علانیہ کیا جاتا ہے، اور وہ باطنی وہ جو چھپ کر کئے جائیں، کھلی بدکاری میں اس کے مقدمات اور لوازمات سب داخل ہیں، بدنیتی سے کسی عورت کی طرف دیکھنا، ہاتھ وغیرہ سے چھونا، اس سے اس طرح کی باتیں کرنا سب اس میں داخل ہیں، اور باطنی بے حیائی اور بدکاری میں وہ خیالات اور ارادے اور ان کو پورا کرنے کی خفیہ تدبیریں داخل ہیں جو کسی بے حیائی اور بدکاری کے سلسلہ میں عمل میں لائی جائیں۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ظاہری فواحش سے وہ بے حیائی کے کام مراد ہیں جن کا بُرا ہونا عام طور پر مشہور و معلوم ہے اور سب جانتے ہیں۔

اور باطنی فواحش سے مراد وہ افعال ہیں جو اللہ کے نزدیک بے حیائی کے کام ہیں، اگرچہ عام طور پر ان کو لوگ بُرا نہیں جانتے یا عام لوگوں کو ان کا حرام ہونا معلوم نہیں، مثلاً بیوی کو طلاق دینے کے بعد بیوی بنا کر رکھ چھوڑا یا کسی ایسی عورت سے نکاح کر لیا جو شرعاً اس کیلئے حلال نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت فواحش کے اصل مفہوم کے اعتبار سے تمام ظاہری اور باطنی گناہوں کو مشہور عام مفہوم کے اعتبار سے بدکاری و بے حیائی کے جتنے طریقے کھلے یا چھپے ہوئے ہیں ان سب کو شامل ہے۔

اور حکم اس میں یہ دیا گیا ہے کہ ان چیزوں کے پاس بھی نہ جاؤ، پاس نہ جانے سے مراد یہ ہے کہ ایسی مجلسوں اور ایسے مقامات سے بھی بچو جہاں جا کر اس کا خطرہ ہو کہ ہم گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے، اور ایسے کاموں سے بچو جن سے ان گناہوں کا راستہ نکلتا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”كُرَاعِ بِرْعَى حَوْلَ الْجَنَى، يُؤْهِكُ أَنْ يُوَالِغَةَ“۔ یعنی وہ چراہا جو (شاہی محفوظ) چراگاہ کے آس پاس اپنے جانوروں کو چرائے، قریب ہے کہ وہ کبھی اس چراگاہ کے اندر گھس جائے یعنی جو شخص کسی ممنوع جگہ کے گرد گھومتا ہے تو کچھ بعید نہیں کہ وہ اس میں داخل بھی ہو جائے۔ ۱۲

اس لئے احتیاط کا مقتضی یہی ہے کہ جس جگہ کا داخلہ ممنوع ہے اس جگہ کے گرد بھی نہ پھرے۔ ۱۳

۳۶۳۴۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ

۱۲ صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب فضل من استبرا لدينه، رقم الحديث: ۵۲

۱۳ معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۳۸۶، ۳۸۵

عبداللہ ﷺ قال: لا أحد أغير من الله، ولذلك حرم الفواحش، ما ظهر منها وما بطن. ولا شيء أحب إليه المدح من الله، ولذلك مدح نفسه. قلت: سمعته من عبد الله؟ قال: نعم، قلت: ورفعه؟ قال: نعم. [أنظر: ۴۶۳۷، ۵۲۲۰، ۷۳۰۳] ۱۳

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ سے زیادہ کوئی غیرت دار نہیں ہے، یہی وجہ ہے اس نے تمام ظاہر و باطن کی فحش چیزوں کو حرام کر دیا ہے، اور اللہ ﷻ اپنی تعریف، حمد و ثنا سے زیادہ کسی چیز کو پسند نہیں کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے خود اپنی تعریف فرمائی۔ عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد ابو دائل سے اس حدیث کو سن کر کہا کہ کیا آپ نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں! اس کے بعد میں نے کہا اس کا سلسلہ رسول اکرم ﷺ تک جا پہنچتا ہے؟ فرمایا ہاں!

(۸) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

﴿وَكَيْلٌ﴾: حفيظ ومحيط به. ﴿ثَبَلًا﴾ جمع قَبِيل. والمعنى أنه ضروب لعذاب كل ضرب منها قَبِيل. ﴿زُخْرُفُ الْقَوْلِ﴾: كل شيء حسنته زينته وهو باطل فهو زخرف. ﴿وَعَرْتُ حَجْرًا﴾: حرام، وكل ممنوع فهو حجر محجور. والحجر: كل بناء بنيته. ويقال للأنثى من الخيل: حجر. ويقال للعقل: حجر وحجا. وأما الحجر لموضع لعمود، وما حُجِرَتْ عليه من الأرض فهو غير. ومنه سمي حطيم فلست حجرا كأنه مشق من معطوم، مثل قتل من مقتول. وأما حجر الهمامة فهو منزل.

ترجمہ و تشریح

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”وَكَيْلٌ“ بمعنی ”حفيظ ومحيط به“ یعنی وہی اللہ ہر چیز کا

۱۳ ولی صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب غیرۃ اللہ تعالیٰ و تحريم الفواحش، رقم: ۲۷۶۰، و سنن الترمذی، أبواب

الدعوات، باب، رقم: ۳۶۳۰، و مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابة، مسند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، رقم:

۳۶۱۶، ۴۰۴۴، ۴۱۵۳، و سنن الدارمی، و من کتاب النکاح، باب فی الغیرۃ، رقم: ۲۷۷۱

نکبان و محافظ ہے، اور کوئی شے اسکے احاطہ سے باہر نہیں۔

”قَبَلًا“: جمع ہے اور اس کا واحد ”قَبْل“ ہے اور اس سے مراد ہر قسم کا عذاب ہے۔

”وَعَزُوفٌ“ کے معنی ہر وہ چیز جس کو ظاہری طور پر خوبصورت و آراستہ کیا گیا ہو لیکن حقیقتاً وہ بیکار چیز ہو۔

”وَعَزُوفٌ حَجَرٌ“ یعنی حرام ہے، ہر وہ چیز جو ممنوع ہے وہ حجر ہے، اور ”حَجَرٌ“ بمعنی ”مَحْجُورٌ“۔

”حَجَرٌ“ ہر وہ عمارت ہے جس کو تم نے تعمیر کی، یعنی حجر کا اطلاق عمارت پر بھی ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ”حَجَرٌ“ کا اطلاق گھوڑے کی مادہ یعنی گھوڑی پر بھی ہوتا ہے۔

”حَجَرٌ وَحِجَا“ اور ان دونوں کا اطلاق ”عَقْلٌ“ پر بھی ہوتا ہے۔

”حَجَرٌ“ قومِ ثمود کی بستی کا نام بھی ہے، جو مدینہ و شام کے درمیان واقع ہے، غزوہ تبوک کے موقع پر

آنحضرت ﷺ مع اصحاب وہاں سے گزرے تھے۔

اور زمین کے جس حصہ پر ٹنگی ہو یعنی ہر ممنوع علاقہ ”حَجَرٌ“ ہے اور اسی لئے بیت اللہ کے ”حَطِيمٌ“ کو

بھی ”حَجَرٌ“ کہتے ہیں گویا کہ ”حَطِيمٌ“ مشتق ہے ”مَحْطُومٌ“ سے یعنی ”حَطِيمٌ - مَحْطُومٌ“ کے مفہوم کو

ادا کرتا ہے، جیسے قتل، مقتول کے معنی کو اداء کرتا ہے اور ”حَجَرٌ بِمَامَہ“ ایک مقام کا نام ہے۔

(۹) باب قوله: ﴿قُلْ هَلْ مِنْكُمْ شَيْءٌ﴾ [۱۵۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”ان سے کہو کہ اپنے وہ گواہ ذرا سامنے تولاؤ۔“

لغة أهل الحجاز هلم للواحد والاثنين والجمع.

ترجمہ: لفظ ”هَلَمْ“ اہل حجاز کی لغت ہے، اور واحد، ثننیہ اور جمع سب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

(۱۰) باب: ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا﴾ [۱۵۸]

باب: ”اُس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کیلئے کارآمد نہیں ہوگا۔“

مغرب سے طلوع آفتاب کے بعد توبہ کا دروازہ بند

اس آیت میں اس بات پر متنبہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیاں سامنے آجانے کے بعد توبہ کا

دروازہ بند ہو جائے گا، جو شخص اس سے پہلے ایمان نہیں لایا، اب ایمان لائے گا تو قبول نہیں ہوگا، اور جو شخص ایمان تو لایا تھا مگر نیک اعمال نہیں کئے تھے، وہ اب توبہ کر کے آئندہ نیک عمل کا ارادہ کرے گا تو اس کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ کافر اپنے کفر سے یا اپنے فاسق اپنے فسق و معصیت سے اگر اس وقت توبہ کرنا چاہے گا تو وہ توبہ قبول نہیں ہوگی۔

سبب یہ ہے کہ ایمان اور توبہ صرف اس وقت تک قبول ہو سکتی ہے جب تک وہ انسان کے اختیار میں ہے، اور جب عذاب الہی کا اور حقائق آخرت کا مشاہدہ ہو گیا تو ہر انسان ایمان لانے میں اور گناہ سے باز آنے پر خود بخود مجبور ہو گیا، مجبوری کا ایمان اور توبہ قابل قبول نہیں ہے۔

قرآن مجید کی بے شمار آیات میں مذکور ہے کہ اہل دوزخ، دوزخ میں پہنچ کر فریاد کریں گے اور بڑے بڑے وعدے کریں گے کہ اگر ہمیں اب دنیا میں دوبارہ لوٹا دیا جائے تو ہم ایمان اور عمل صالح کے سوا کچھ نہ کریں گے، مگر سب کا جواب یہی ہوگا کہ ایمان و عمل کا وقت ختم ہو چکا ہے اور اب جو کچھ کہہ رہے ہو مجبور ہو کر کہہ رہے ہو اس کا اعتبار نہیں۔

اس آیت میں اتنی بات تو قرآنی تصریح سے معلوم ہو گئی کہ بعض نشانیاں ایسی واقع ہوں گی، جن کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، کسی کافر یا فاسق کی توبہ قبول نہ ہوگی، لیکن قرآن کریم نے اس وضاحت نہیں فرمائی کہ وہ کونسی نشانی ہے؟

آگے حدیث میں اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں جب تک سورج مغرب کی طرف سے طلوع نہ ہو، جب لوگ یہ نشانی دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے لیکن اس وقت کسی کی توبہ قبول نہیں ہوگی کیونکہ اسی وقت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے تذکرہ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے شرح بخاری فتح الباری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ یعنی سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہونے کے بعد ایک سو بیس سال تک دنیا قائم رہے گی۔ ۱۷

۴۶۳۵۔ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا عبد الواحد: حدثنا عمارة: حدثنا أبو

زرعة: حدثنا أبو هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((لا تقوم الساعة حتى تطلع الشمس

۱۷ تفسیر آلوسی - روح المعانی، سورۃ الانعام، ج: ۴، ص: ۳۰۵، فتح الباری، کتاب الرقاق، باب، رقم الحديث:

۶۵۰۶، ج: ۱۱، ص: ۳۵۳، تفسیر معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۴۹۸، ۴۹۷

من مغربها فاذا رآها الناس آمن من عليها فذاك حين ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ﴾. [راجع: ۸۵]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوگا، پھر جب آدمی اسے دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، مگر یہ وقت ایسا ہوگا کہ جیسا اس آیت میں ذکر ہے ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کے لئے کارآمد نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا۔ ۱۶

۴۶۳۶ — حدثني اسحاق: أخبرنا عبد الرزاق: أخبرنا معمر، عن همام، عن
أبو هريرة ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ((لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَاذَا
طَلَعَتْ وَرَأَاهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ، وَذَلِكَ حِينَ ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا﴾)) لَمْ قَرَأِ الْآيَةَ. ۱۷
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے، پھر جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا، لوگ اس نشانی کو دیکھیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، اور یہی وہ وقت ہوگا کہ جیسا اس آیت میں ذکر ہے ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا﴾ یعنی اس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کے لئے کارآمد نہیں ہوگا۔ پھر آپ ﷺ نے آیت پوری تلاوت فرمائی۔

۱۶ ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا﴾ — یعنی اللہ ﷻ کی طرف سے ہدایت کی جو دعوتی وہ پوری ہو چکی، انبیاء شریف لائے، شریعتیں اتریں، کتابیں آئیں حتیٰ کہ اللہ ﷻ کی آخری کتاب بھی آ چکی، تب بھی نہیں مانتے تو شاید اب اس کے فخر ہیں کہ اللہ ﷻ آپ آئے یا فرشتے آئیں یا قدرت کا کوئی بڑا نشان مثلاً قیامت کی کوئی بڑی علامت ظاہر ہو، تو یاد رہے کہ قیامت کے نشانیوں میں سے ایک نشان وہ بھی ہے جس کے ظاہر ہونے کے بعد نہ کافر کا ایمان لانا معتبر ہوگا نہ عاصی کی توبہ۔

مختلف احادیث بتاتی ہیں کہ یہ نشان آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا ہے، یعنی جب خدا کا ارادہ ہوگا کہ دنیا کو ختم کرے اور عالم کا موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے تو موجودہ قوانین طبعیہ کے خلاف بہت سے عظیم الشان خوارق وقوع میں آئیں گے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آفتاب مشرق سے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ غالباً اس حرکت مقلوبی اور رجعتیہ میں سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ جو قوانین قدرت اور فوایم طبعیہ دنیا کے موجودہ نظم و نسق میں کار فرما تھے، ان کی میعاد ختم ہونے اور نظام شمسی کے الٹ پلٹ ہو جانے کا وقت آ پہنچا ہے۔ گویا اس وقت سے عالم کبیر کا نزاع اور جاگتی کا وقت شروع ہوتا ہے اور جس طرح عالم صغیر (انسان) کی جاگتی کے وقت ایمان اور توبہ مقبول نہیں، کیونکہ وہ حقیقت میں اختیار نہیں ہوتا، اسی طرح طلوع شمس من المغرب کے بعد مجموعہ عالم کے حق میں یہی حکم ہوگا کہ کسی کا ایمان و توبہ معتبر نہ ہو۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾

﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾

بعض روایات میں "طلوع الشمس من مغربها" کے ساتھ چند دوسرے نشانات بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً خروج دجال، خروج داوود وغیرہ، ان روایات کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ان سب نشانات کا مجموعہ متحقق ہوگا اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ "طلوع الشمس من مغربها" بھی متحقق ہو، تو دروازہ توبہ کا بند کر دیا جائے گا الگ الگ ہر نشان پر یہ حکم متفرغ نہیں۔ آسان ترجمہ قرآن، سورۃ الانعام، آیت ۱۵۸، -تفسیر عثمانی، سورۃ العام، آیت: ۱۵۸، فائدہ: ۲۔

بحل و فی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الزمن الذی لا یقبل فیہ الایمان، رقم: ۱۵۷، و سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب امارات الساعة، رقم: ۴۳۱۲، و سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب طلوع الشمس من مغربها، رقم: ۴۰۶۸، و مسند أحمد، مسند المکفرین من الصحابة، مسند ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، رقم: ۷۱۶۱، ۸۵۹۹،

۱۰۷۵۹، ۹۱۷۲، ۸۸۵۰

سورة الاعراف

سورة اعراف کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

وجہ تسمیہ

”اعراف“ کے لفظی معنی بلند یوں کے ہیں۔

اور اصطلاح میں یہ اُس جگہ کا نام ہے، جو جنت اور دوزخ کے درمیان واقع ہے، اور جن لوگوں کے اچھے اور بُرے اعمال برابر ہوں گے، اُن کو کچھ عرصے کے لئے یہاں رکھا جائے گا، پھر اُن کے ایمان کی وجہ سے آخر کار وہ بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

چونکہ اسی سورت میں اعراف اور اس میں رکھے جانے والوں کا بیان تفصیل سے آیا ہے، اس لئے اس کا نام سورۃ اعراف رکھا گیا ہے۔ ۱

قال ابن عباس: ﴿وَرِيشًا﴾: المال. ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْتَدِينَ﴾: في الدعاء ولي غيره. ﴿عَفْوًا﴾: كثروا. ﴿الْفُتَاخُ﴾: القاضي.

﴿الْفُتُحُ بَيْنَنَا﴾: اقص بيننا. ﴿تَعَفَّنَا الْجَبَلَ﴾: رلعنا. ﴿الْبَجَسَتْ﴾: انفجرت. ﴿مُتَبَرِّجًا﴾: عسرن. ﴿آسَى﴾: أحزن. ﴿تَأَسَّ﴾: تحزن.

﴿مَا مَنَعَكَ أَنْ لَا تُسْجِدَ﴾ بقول: ما منعك أن تسجد. ﴿يَخْصِفَانِ﴾: أخذا الخصاص من ورق الجنة، يؤلفان الورق: يخصفان الورق بعضه الى بعض.

﴿سَوَّآبِهِمَا﴾: كناية عن فرجهما.

﴿وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾: هو ما هنا الى القيامة، والحين عند العرب من ماعة الى ما

لا يحصى عدها. الرياش والريش واحد وهو ما ظهر من اللباس.

﴿قَبِيلُهُ﴾: جيله الذي هو منهم.

﴿إِذَا رَكُوتَا﴾: اجتمعوا. ومثاق اللسان والدابة كلها يسمى سموما واحدها سم، وهي عيناه ومنخرأه ولفمه وأذناه ودبره وأحليله.

﴿غَوَاشٍ﴾ ما غشوا به. ﴿نُشْرَا﴾: متفرقة. ﴿نَكِدَا﴾: قليلا. ﴿يَفْتَنُوا﴾: يعيشوا.

﴿اسْتَرْهَبُوهُمْ﴾: من الرهبة. ﴿تَلْقَفُ﴾: تلتقم.

﴿طَالَرُهُمْ﴾: حَظُّهُمْ. طوفان: من السيل، ويقال للموت الكثير: الطوفان.

﴿الْقَمْلُ﴾: الحمنان شبه صغار الحلم. عروش وعريش: بناء.

﴿سُقُطُ﴾: كل من لدم فقد سقط في يده. الأسباط: لبائل بنى اسرائيل.

﴿يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ﴾: يتعدون له، يجاوزون. ﴿تَغْلُ﴾ [الكهف: ۲۸]: تجاوز.

﴿شُرْعَا﴾: شوارع. ﴿بَنِيْسٍ﴾: شديد. ﴿أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ﴾: لعد وتقايس.

﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ﴾: نأتيهم من مامنهم كقوله تعالى: ﴿فَلَنَأْتِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا﴾ [الحشر: ۲]. ﴿مِنْ جَنَّةٍ﴾: من جنون.

﴿أَيَّانَ مَرَسَاهَا﴾ من خروجها ﴿لَمَرَّتْ بِهِ﴾: استمر بها الحمل فأنتمته.

﴿يَنْزِعُكَ﴾: يستخفك. ﴿طَيْفٌ﴾ ملثم: به لمم، ويقال: طائف وهو واحد.

﴿يَمْلُؤُونَهُمْ﴾: يزينون. ﴿وَحَيْفَةً﴾: خوفا. ﴿وَحَيْفَةً﴾: من الاخفاء.

﴿وَالْأَصَالِ﴾: واحدهما أصيل، ما بين العصر الى المغرب كقوله تعالى: ﴿بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ [الفرقان: ۵].

ترجمہ و تشریح

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ”وَرِيْشًا“ کا مطلب ہے ”الجمال“ یعنی دنیاوی ساز و سامان اور مال و متاع۔

﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْتَدِينَ﴾ یعنی اللہ حد سے زیادہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دعائیں حد سے زیادہ تجاوز کرنا، اس طرح کہ کوئی شخص ناممکن چیزیں دعاء میں مانگنے لگ جائے۔

”عَفَوَا“ بمعنی ”کفروا“ کے معنی بہت ہوئے اور ان کے اموال زیادہ ہو گئے۔

”الْفَتْحُ“ بمعنی قاضی، حکم کرنے والا اور ”الْفَتْحُ بَيْنَنَا“ کے معنی ہیں ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔

”نَفَعْنَا“ کے معنی ہیں ”رفعنا“ یعنی ہم نے اٹھایا۔
 ”اَنْبَجَسَتْ“ بمعنی ”الفطرت“ یعنی جاری ہو گیا۔
 ”مُتَبَّرٌ“ بمعنی ”خسران“ خسارہ پانے والے۔
 ”اَمْسَى“ بمعنی ”احزن“ رنج کرنا، غم کھانا، اسی مناسبت سے دوسرا لفظ ”تَأَمَسَ“ بمعنی ”احزن“ کو ذکر کر دیا۔

اس آیت ﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ لَا تَسْجُدَ﴾ اس میں ”لا“ زائدہ ہے اور معنی ہوگا کس چیز نے منع کیا تجھ کو سجدہ کرنے سے؟
 ”يَخْصِمَانِ“ کے معنی ہیں دونوں جوڑنے لگے، چپکانے لگے جنت کے چوں کو جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے، اور دونوں چوں کو ایک دوسرے پر تہ بہ تہ جوڑتے تھے۔
 ”سَوَّاهِمَا“ کنایہ ہے دونوں کے شرم گاہ سے۔
 ﴿وَمَعَاقِ اِلٰى جَنِّ﴾ سے یہاں مراد ہے قیامت کے دن تک اور لفظ ”حين“ عرب کے نزدیک استعمال کیا جاتا ہے ایک ساعت سے لے کر غیر محصور مدت تک۔
 ”رباش و ریش“ دونوں ہم معنی ہیں اور وہ ظاہری لباس ہے۔
 ﴿قَبِيلُهُ﴾ - قبیل“ کا معنی ہے گروہ، قوم، اس کا قبیلہ اس کا گروہ ہے کہ جن میں سے وہ ہے۔
 ﴿اِذَا رُكَّوْا﴾ کے معنی ہیں سب جمع ہو گئے۔
 انسان اور چوپائے سب میں جو سوراخ ہیں ان کو ”شُومَا“ کہتے ہیں، جس کا واحد ”سَمٌ“ ہے اور اس سے مراد دونوں آنکھیں اور دونوں ناک، منہ، دونوں کان اور دبر و قبل یعنی شرم گاہیں۔
 ”هَوَاشِ“ یعنی وہ چیز ہے جس سے ڈھاٹکا جائے۔
 ”تَشْرَأُ“ کے معنی ہیں متفرقہ، جدا جدا، مختلف۔
 ”رَكْدًا“ کے معنی قلیل اور تھوڑے کے ہیں۔
 ”يَهْنَوْنَ“ کے معنی جینے اور زندگی گزارنے کے ہیں۔
 ”اِسْتَرْهَبُوْهُمْ“ - ”رہبہ“ سے مشتق ہے جس کے معنی خوف کے ہیں۔
 ”تَلَقَّفُ“ بمعنی ”تَلَقَّمُ“ یعنی لقمہ بنانے لگا، نگلنے لگا۔
 ”طوفان“ کے معنی سیلاب، بہنے والا پانی اور اموات کی کثرت یعنی موت کی گرم بازاری کو بھی طوفان کہا جاتا ہے۔

”الْقَمَلُ“ بمعنی ”حمنان“ یعنی چھوٹی چچڑیاں جو مشابہ ہے چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے۔

”عروش وعروش“ کے معنی ہیں ”بناء“ یعنی عمارت، محل۔

”سُقَطُ“ کے معنی ہیں ہر وہ شخص جو شرمندہ ہوا اور وہ ہاتھ مل کر پچھتایا۔

”الاسباط“ سے مراد قبائل بنی اسرائیل ہیں۔

”يَعْدُونَ فِي السُّبُتِ“ کے معنی ہیں ”يَتَعَدُونَ“ تعدی کر رہے تھے، وہ لوگ حد شرعی سے تجاوز کر رہے تھے۔

اسی طرح سورہ کہف میں ﴿تَعْلُكُ﴾ کا بھی یہی مطلب ہے۔

”شُرْعًا“ کے معنی ہیں پانی کے اوپر ظاہر ہونے والے، یہ لفظ پچھلی آیت سے متعلق ہے۔

”بَنِيْس“ بمعنی - شدید۔

”أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ“ کی تفسیر کی ہے ”لَعَدَ“ اور ”لَقَاعَسَ“ دونوں کے معنی ایک ہیں اپنی

ضرورت یا اپنے کام سے پیچھے ہٹ جانا۔

”سَنَسْتَدْرِجُهُمْ“ کے معنی ہیں آئیں گے ہم نے ان کے پاس ایسی جگہ سے جہاں سے ان کا گمان بھی

بھی نہیں ہوگا ایسی پر امن جگہ ہوگی۔

استدراج کے معنی ہیں ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں چڑھانا، قریب کرنا، مراد یہاں پر یہ ہے کہ اللہ

کی پکڑا چاک آن دیو جتی ہے۔

ایسے ہی دوسرا ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَلَنَأْتِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا﴾ [الحشر: ۲]۔

”مِنْ جَنِبَةٍ“ سے مراد یہاں پر جنوں ہے۔

﴿إِبَانٌ مَرْمَأَةٍ﴾ سے مراد یہ ہے کہ قیامت کی گھڑی کب نکلے گی، کب قائم ہوگی؟

”فَمَرُثَ بِهِ“ کا مطلب یہ پھر جب مرد نے عورت کو دھانک لیا، جماع کیا، تو اس نے ہلکا سا بوجھ اٹھالیا

یعنی اس کو خفیف حاصل رہ گیا، اس کو پیٹ میں لئے پھرتی رہی اور اس کی مدت کو پورا کیا۔

”يَنْزَعُنْكَ“ سے مراد یہ ہے شیطان تجھے بہکائے۔

”طَبَقٌ“ بمعنی ”مَلَمٌ“ یعنی دل میں آنے والے خیالات اور دوسوے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں ”طائف“ جمع ہے ”طيف“ کی جس کے معنی ہیں جمع، بھیر وغیرہ۔

”يَمْلُؤْنَهُمْ“ وہ ان کو خوبصورت کر کے دکھلاتے ہیں۔

”وَحَيْفَةٌ: خَوْفًا - وَحَيْفَةٌ: مِنَ الْإِخْفَاءِ“ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی خوف اور ڈر۔

”وَالْأَصَالُ“ جمع ہے، ”أَصِيل“ کی جس کے معنی ہیں عصر سے مغرب تک کا وقت، جیسے اللہ ﷻ کا

قول ہے کہ ﴿نُكْرَةٌ وَأَصِيلَةٌ﴾۔

(۱) باب قول اللہ عزوجل: ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا

وَمَا بَطَنَ﴾ [۳۳]

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”کہہ دو کہ: میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو، یا چھپی ہوئی۔“

افتراء علی اللہ ایک سنگین گناہ

یوں تو کسی بھی شخص کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنا ہر اعتبار سے ایک ناجائز اور غیر اخلاقی فعل ہے، لیکن اگر یہ جرم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا جائے تو اس کی سنگینی انسان کو کفر تک لے جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرتے وقت انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے، اور جب تک انسان کو یقینی علم حاصل نہ ہو، ایسی نسبت کا اقدام ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔

عرب کے بت پرستوں نے اپنی طرف سے باتیں گھڑ گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رکھی تھیں، جن کی بنیاد کسی علم پر نہیں تھی، بلکہ اپنے بے بنیاد اندازوں پر تھی، جن کی حقیقت کا خود انہیں بھی علم حاصل نہیں تھا۔ ۷
۴۶۳۔ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا شعبة، عن عمرو بن مرة، عن أبي وائل، عن عبد الله رضی اللہ عنہ قال: قلت: ألت سمعت هذا من عبد الله؟ قال: نعم، ورفع قال: ((لا أحد أغبر من الله فلذلك حرم الفواحش ما ظهر منها وما بطن، ولا أحد أحب إليه المدح من الله فلذلك مدح نفسه)). [راجع: ۴۶۳۲]

بے حیائی کے تمام کام حرام قرار

عمرو بن مرة کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے راوی ابو داؤد اکل سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حدیث خود حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں نے خود ان سے سنی ہے، اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست روایت کی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں ہے، اس لئے اللہ نے بے حیائی کے تمام کاموں کو حرام قرار دیا ہے، خواہ وہ علی الاعلان بے حیائی کے کام ہوں، یا چھپ کر بے حیائی کے کام ہوں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی اپنی حمد و تعریف کو پسند کرنے والا نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ خود اپنی تعریف بیان فرماتا ہے۔

(۲) باب: ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ﴾

النَّك ﴿۱۴۳﴾

باب: ”اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا رَبُّ اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: ”میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔“

رؤیت باری تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تجلی کا ظہور

اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں تو ممکن نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بات کا مظاہرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کروادیا کہ اس دنیا میں انسانوں کو تو کجا، پہاڑوں کو بھی یہ طاقت نہیں دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کو بھی برداشت کر سکیں۔

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رؤیت باری تعالیٰ ناممکن نہیں مگر مخاطب بحالت موجودہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا، ورنہ اگر رؤیت ممکن ہی نہیں ہوتی تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوں مخاطب نہ کرتے ﴿لَنْ تَرَانِي﴾ بلکہ فرماتے ﴿لَنْ أُوَدِيَ﴾ یعنی میری رؤیت نہیں ہو سکتی۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بھی عقلاً ممکن ہے مگر اس آیت سے ان کا ممتنع الوقوع ہونا بھی ثابت ہو گیا اور جمہور اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت عقلاً ممکن ہے مگر شرعاً ممتنع ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”تَعْلَمُونَ اَنَّهُ لَنْ يَرِيَ أَحَدٌ مِنْكُمْ رَبَّهُ حَتَّى يَمُوتَ“ یعنی تم لوگ یہ جان رکھو کہ تم میں سے کوئی بھی اپنے رب کو مرنے سے پہلے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ ۳ پھر فرمایا کہ ﴿وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ﴾ اس میں اس امر کی شہادت ہے کہ بحالت موجودہ مخاطب

روایت الہی کو برداشت نہیں کر سکتا، اس لئے اس پہاڑ پر ادنیٰ سی جھلک ڈال کر بتلادیا گیا کہ وہ بھی برداشت نہیں کر سکتا، انسان تو ضعیف الخلق ہے وہ کیسے برداشت کر لے گا۔

پھر اسی آیت میں آگے فرمایا کہ ﴿لَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ﴾ - ”تَجَلَّى“ کے معنی عربی لغت میں ظاہر اور منکشف ہونے کے ہیں، اور صوفیہ کرام کی نزدیک تجلی کے معنی کسی چیز کو بالواسطہ دیکھنے کے ہیں، جیسے کوئی چیز بواسطہ آئینہ کے دیکھی جائے، اسی لئے تجلی کو روایت نہیں کہہ سکتے، خود اسی آیت میں اس کی شہادت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی توفیٰ فرمائی ہے اور تجلی کا اثبات۔

امام احمد، ترمذی، حاکم نے بروایت حضرت انس بن مالک ؓ نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر ہاتھ کی چھوٹی انگلی (خنصر) کے سرے پر انگوٹھا رکھ کر اشارہ فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے نور کا صرف اتنا سا حصہ ظاہر کیا گیا تھا جس سے پہاڑ کے ٹکڑے اڑ گئے۔ ۳

یہ ضروری نہیں کہ سارے پہاڑ کے ٹکڑے ہو گئے ہوں جس حصہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ تجلی فرمائی وہ حصہ ہی اس سے متاثر ہوا ہو۔ ۴

قال ابن عباس: أرنى: أعطنى.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”ارنى“ کا یہاں پر مطلب ہے مجھے عطاء کر۔

۴۶۳۸ - حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سفيان، عن عمرو بن يحيى المازني، عن أبيه، عن أبي سعيد الخدري ؓ قال: جاء رجل من اليهود الى النبي ﷺ قد لطم وجهه وقال: يا محمد ان رجلا من أصحابك من الأنصار لطم في وجهي، قال: ((ادعوه)) فدعوه قال: ((لم لطمت وجهه؟)) قال: يا رسول الله، اني مررت باليهود فسمعتهم يقول: والذي اصطفى موسى على البشر، فقلت: وعلى محمد؟ وأخذتني غصبة فلطمته، قال: ((لا تخبروني من الأنبياء فان الناس يصعقون يوم القيامة فاكون اول من يفيق فاذا انا بموسى آخذ بالقائمة من لوائم العرش. فلا أدري أفاق قبلي أم جزى بصوفة الطور؟)). [راجع: ۲۴۱۲]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک یہودی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں فریاد کی کہ آپ کے ایک انصاری صحابہ نے میرے منہ پر تھپڑ مارا ہے اور نشان پڑ گیا ہے، آپ ﷺ نے

۳ من اراد التفصيل للمراجع: عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ج: ۱۸، ص: ۳۴۲، ۳۴۳

۴ معارف القرآن، سورة اعراف، ج: ۳، ص: ۲۶، ۲۵

فرمایا صحابی کو بلاؤ، جب وہ آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم نے تھپڑ کیوں مارا ہے؟ صحابی نے کہا کہ میں جب اس یہودی کے پاس سے گذرا تو یہ کہہ رہا تھا قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس نے تو آپ ﷺ پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو افضل بتایا ہے اس لئے مجھے غصہ آگیا اور میں نے اسے طمانچہ مار دیا، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے دوسرے انبیاء پر فضیلت نہ دو، کیونکہ قیامت کے دن سب بیہوش ہو جائیں گے اور پھر سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا، تو دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے کھڑے ہیں، اب میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا بے ہوش ہی نہیں ہوئے۔

۴۶۳۹ - حدثنا مسلم: حدثنا شعبه، عن عبد الملك، عن عمرو بن حريث، عن سعيد بن زيد عن النبي ﷺ قال: ((الكمة من المن ومالها شفاء العين)). [راجع: ۴۴۷۸]
ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ ”کھسی“ من کی ایک قسم ہے اور اس کا پانی آنکھ کیلئے مفید ہے۔

(۳) باب: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَلَا مُنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيُّ الْأُمِّيَّ

الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلَمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [۱۵۸]

باب: ”(اے رسول! ان سے) کہو کہ: ”اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اب تم اللہ پر اور اُس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اُس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اور اُس کی پیروی کرو، تاکہ تمہیں ہدایت حاصل ہو۔“ ۱

۱ یعنی آپ ﷺ کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کو عام ہے، عرب کے اسمٰئیل یا یہود و نصاریٰ تک محدود نہیں، جس طرح خداوند تعالیٰ شہنشاہ مطلق ہے، آپ ﷺ اس کے رسول مطلق ہیں، اب ہدایت و کامیابی کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس جامع ترین عالمگیر صداقت کی پیروی کی جائے جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں، یہی پیغمبر ہیں، جن پر ایمان لانا تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور تمام کتب سماویہ پر ایمان لانے کا مرادف ہے۔ تفسیر عثمانی، سورۃ اعراف، آیت: ۱۵۸، فائدہ: ۱۔

آپ ﷺ تمام عالم کیلئے تاقیامت نبی و رسول

اس آیت میں اہم بات بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت تمام جن و بشر کے لئے اور ان میں بھی قیامت تک آنے والی نسلوں کیلئے عام ہے۔

اس آیت میں رسول کریم ﷺ کو یہ اعلان عام کر دینے کا حکم ہے کہ آپ لوگوں کو بتلا دیں کہ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، میری بعثت و رسالت پچھلے انبیاء کی طرح کسی مخصوص قوم یا مخصوص خطہ زمین یا خاص وقت تک کیلئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کیلئے دنیا کے ہر خطہ، ہر ملک، ہر آبادی کیلئے اور موجودہ اور آئندہ نسلوں کیلئے قیامت تک کے واسطے عام ہے، اور انسانوں کے علاوہ جنات بھی اس میں شریک ہیں۔

یہی اصلی راز ہے مسئلہ ختم نبوت کا، کیونکہ جب آنحضرت ﷺ کی نبوت قیامت تک آنے والی نسلوں کیلئے عام ہے تو پھر کسی دوسرے رسول اور نبی کے مبعوث ہونے کی نہ ضرورت ہے، نہ گنجائش اور یہی راز ہے امت محمدیہ کی اس خصوصیت کا کہ اس میں ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق ہمیشہ قیامت تک ایک ایسی جماعت قائم رہے گی جو دین میں پیدا ہونے والے سارے فتنوں کا مقابلہ اور دینی معاملات میں پیدا ہونے والے سارے رخنوں کا انسداد کرتی رہے گی، کتاب و سنت کی تعبیر و تفسیر میں جو غلطیاں رائج ہوں گی یہ جماعت ان کو بھی دور کرے گی اور حق تعالیٰ کی خاص نصرت و امداد اس جماعت کو حاصل ہوگی جس کے سبب یہ سب پر غالب آکر رہے گی، کیونکہ درحقیقت یہ جماعت ہی آنحضرت ﷺ کے فرائض رسالت ادا کرنے میں آپ کی قائم مقام ہوگی۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین اور آخری پیغمبر ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب آپ کی بعثت و رسالت قیامت تک آنے والی نسلوں کیلئے اور پورے عالم کیلئے عام ہوئی تو اب کسی دوسرے جدید نبی و رسول کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اسی لئے آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ ﷺ تشریف لائیں گے تو وہ بھی اپنی جگہ اپنی نبوت پر برقرار ہونے کے باوجود شریعت محمدی پر عمل کریں گے، جیسا کہ صحیح روایت حدیث سے ثابت ہے۔ ۷

رسول کریم ﷺ کی بعثت و رسالت ساری دنیا اور قیامت تک کیلئے عام ہونے پر یہ آیت بھی بہت واضح ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کی متعدد آیات اس پر شاہد ہیں۔ ۵

۴۶۴۰۔ حدثنی عبد اللہ: حدثنا سلیمان بن عبد الرحمن وموسیٰ بن ہارون قالا: حدثنا الولید بن مسلم: حدثنا عبد اللہ بن العلاء بن زہر قال: حدثنی بسر بن عبید اللہ قال: حدثنی أبو إدريس الخولانی قال: سمعت أبا الدرداء يقول: كانت بين أبي بكر وعمر محاوراة فأغضب أبو بكر عمر، فانصرف عنه عمر مغضبا فالتبعه أبو بكر يسأله أن يستغفر له فلم يفعل حتى أغلق بابه في وجهه، فاقبل أبو بكر إلى رسول الله ﷺ. فقال أبو الدرداء: ونحن عنده. فقال رسول الله ﷺ: ((أما صاحبكم هذا لقد غامر))، قال: وندم عمر على ما كان منه فاقبل حتى سلم وجلس إلى النبي ﷺ وقص على رسول الله ﷺ الخبر، قال أبو الدرداء: وغضب رسول الله ﷺ وجعل أبو بكر يقول: والله يا رسول الله لا أراكنت أظلم، فقال رسول الله ﷺ: ((هل أنتم تاركولي صاحبي؟ هل أنتم تاركولي صاحبي إلى قلت: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ فقلتم: كذبت، وقال أبو بكر: صدقت)).

قال أبو عبد الله: غامر: سبق بالخير. [راجع: ۳۶۶۱]

ترجمہ: بسر بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ادريس خولانی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے سے سنا وہ فرما رہے تھے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان بحث چھڑ گئی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر غصہ کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے ناراض ہو کر چل دیئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی پیچھے ہوئے اور معافی چاہی، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاف نہیں کیا، بلکہ ان کے چہرے کے سامنے (اپنے گھر کا) دروازہ بند کر لیا، اس کے بعد پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ بھی اس وقت آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے دوست (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ) کسی سے لڑ کر آرہے ہیں۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے اس طرز عمل پر شرمندہ و نادم ہوئے اور مجلس میں حاضر ہوئے، سلام کیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھ گئے، اور تمام قصہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غصہ کا اظہار فرمایا، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم! میری ہی غلطی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ میرے ساتھی کو چھوڑنا چاہتے ہو؟ آپ ﷺ نے یہ بات دو دفعہ فرمائی، پھر ارشاد فرمایا جب میں نے یہ کہا تھا ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ تو تم سب نے مجھے جھٹلایا تھا، اور صرف ایک ابو بکر ہی تھے جنہوں نے میری تصدیق کی تھی۔

ابو عبد اللہ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”غامر“ کا مطلب یہ ہے کہ نیکی، خیر میں سبقت کی۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا مقام و فضیلت

حضرت ابوالدرداء ؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان تھوڑی سی محاورہ یعنی بحث ہو گئی، تھوڑی سی ناراضگی ہو گئی تو حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے حضرت عمر ؓ پر غصہ کیا، جس پر حضرت عمر ؓ غصہ میں ناراض ہو کر چلے گئے۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ بھی پیچھے پیچھے چلے اور کہا کہ مجھے معاف کر دو، ”فلنم یفعل“ مگر حضرت عمر ؓ نے معاف نہیں کیا ”حلی اخلق“ یہاں تک دروازہ بند کر کے اندر چلے گئے۔

پھر حضرت ابو بکر ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت ابوالدرداء ؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”اما صاحبکم هذا فقد غامر“ یہ تمہارے دوست کسی سے لڑ کر آئے ہیں۔

”اما صاحبکم هذا فقد غامر“ اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک تو عام طور پر جو سمجھ میں آتے ہیں کہ ”غامر“ کے معنی جھگڑے میں پڑ گئے۔

اسکے اصل معنی ہیں کسی چیز میں گھس جانا، مطلب یہ ہے کہ جھگڑے میں پڑ گئے اور ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی طرف اشارہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ وحی ہو یا ان کے چہرے کو دیکھ کر کہ ان کے چہرے پر کوئی آثار نظر آئے۔

دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے جو کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے نقل کیا ہے ”غامر“ کے معنی سابق بالخیر کے یعنی یہ جو تمہارا ساتھی ابو بکر ہے، یہ خیرات میں سبق ہے، یہ تو ایک تعریف کا ایک جملہ ارشاد فرمایا۔

حضرت ابوالدرداء ؓ بیان کرتے ہیں کہ ”ولدم عمر علی ما کان منہ“ بعد میں حضرت عمر ؓ اپنے طرز عمل پر شرمندہ و نادم ہوئے۔

”فاجل حتی سلم وجلس الی النبی ﷺ“ اور آپ بھی اس مجلس میں حاضر ہوئے، سب کو سلام کیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھ گئے، ”وقص علی رسول اللہ ﷺ الخبر“ اور ناراضگی کا تمام قصہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا۔

”وغضب رسول اللہ ﷺ“ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے غصے کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابو بکر ؓ کہنے لگے کہ ”واللہ یا رسول اللہ ﷺ لانا کنت اظلم“ اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم! میری ہی غلطی تھی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”هل انتم نار کولی صاحبی؟“ کیا تم لوگ میرے ساتھی کو چھوڑنا

چاہتے ہو؟ آپ ﷺ نے یہ بات دو دفعہ فرمائی۔

پھر ارشاد فرمایا جب میں نے یہ کہا تھا ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ تو تم سب نے مجھے جھٹلایا تھا، اور صرف ایک ابو بکر تھے جنہوں نے میری تصدیق کی تھی۔
 ”غامر“ کے معنی سابق بالخیر۔

مطلب یہ ہے کہ جوڑ کر پہلے معافی چاہتا ہے اس نے نیکی کرنے میں سبقت کی۔

(۴) باب قوله: ﴿وَقُلُوا حِطَّةٌ﴾ [۱۶۱]

باب: ”اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں۔“

بنی اسرائیل کا ضد اور عناد

بنی اسرائیل نے جہاد کے ایک حکم کی نافرمانی کی تھی جس کی پاداش میں انہیں صحرائے سینا میں مقید کر دیا گیا تھا، اس صحراء میں رہتے ہوئے جب مدت گزر گئی اور بنی اسرائیل من و سلوئی سے بھی اکتا گئے تو انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر گزارہ نہیں کر سکتے۔ ہم زمین کی ترکاریاں وغیرہ کھانا چاہتے ہیں۔
 اس موقع پر انکی یہ خواہش بھی پوری کی گئی اور یہ اعلان فرمایا گیا کہ اب تمہیں صحرا کی خاک چھاننے سے نجات دی جاتی ہے۔ سامنے ایک شہر ہے اس میں چلے جاؤ، لیکن اپنے گناہوں پر ندامت کے اظہار کے طور پر سر جھکائے ہوئے اور معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہو، وہاں اپنی رغبت کے مطابق جو حلال غذا چاہو کھا سکو گے۔
 لیکن ان ظالموں نے پھر ضد کا مظاہرہ کیا۔

شہر میں داخل ہوتے ہوئے سر تو کیا جھکاتے، سینے تان تان کر داخل ہوئے، اور معافی مانگنے کے لئے انہیں جو الفاظ کہنے کی تلقین کی گئی تھی ان کا مذاق بنانے سے ملتے جلتے ایسے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوئے جن کا مقصد مسخرہ پن کے سوا کچھ نہ تھا۔

جو لفظ انہیں معافی مانگنے کے لئے سکھایا گیا تھا وہ تھا: ”حِطَّةٌ“ (یا اللہ! ہمارے گناہ بخش دے) انہوں نے اسے بدل کر جس لفظ کے نعرے لگائے وہ تھا: ”حِنِطَّةٌ“ یعنی گندم۔ ۱

۱۶۴۱ھ - حدیسی اسحاق: اخبرنا عبدالرزاق: اخبرنا معمر، عن همام بن منبه:

اَلَمْ يَسْمَعْ اَبَا هَريره ؓ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيْلُ لَيْسَى اسْرَائِيلَ: ﴿اَدْخُلُوا الْبَابَ مُسْجِدًا وَقُولُوا حِطَّةَ نَغْفِرْ لَكُمْ﴾ فَبَدَلُوا فَاَدْخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلٰى اَسْتَاهِمُمْ وَقَالُوا: حَبَّةٌ فِى شَعْرَةٍ)). [راجع: ۳۴۰۳]

ترجمہ: ہمام بن منبہ کہتے ہیں میں نے سنا کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ ﴿اَدْخُلُوا الْبَابَ مُسْجِدًا وَقُولُوا حِطَّةَ نَغْفِرْ لَكُمْ﴾ غَطَايَاكُمْ، مگر ان لوگوں نے اس کو بدل ڈالا، اور اپنی سرینوں کو زمین پر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے، اور ”حِطَّة“ کی جگہ (کہنے لگے ”حَبَّةٌ فِى شَعْرَةٍ“ یعنی اناج کا دانہ۔

حِطَّة - کی توضیح و تشریح

اللہ ﷻ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم بیت المقدس کے دروازے میں عاجزی کے ساتھ ہٹے کہتے ہوئے داخل ہو، تو ہم تمہارے گناہ معاف کریں گے، مگر بنی اسرائیل نے اس حکم کو نہیں مانا اور اپنی سرینوں کو زمین پر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور ہٹے کی جگہ ”حَبَّةٌ فِى شَعْرَةٍ“ یعنی اناج کا دانہ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔

(۵) باب: ﴿تُخَذِ الْعَفْوُ وَأُمْرٌ بِالْعَرْفِ وَاعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ [۱۹۹]

باب: ”(اے پیغمبر!) درگزر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو۔“

﴿العرف﴾: المعروف.

ترجمہ: ”العرف“ بمعنی معروف کے ہے یعنی اچھی بات، نیک بات کا م یا بات۔

۴۶۴۲۔ حدثنا أبو الیمان: حدثنا شعيب، عن الزهري: أخبرني عبيد الله بن عبد الله

بن عتبة: أن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قدم عيينة بن حصن بن حذيفة فنزل على ابن أخيه الحر بن قيس وكان من نفر الذين يدينهم عمر، وكان القراء أصحاب مجالس عمر ومشاورته كهؤلاء كانوا أو شبانا، فقال عيينة لابن أخيه: يا ابن أخي، لك وجه عند هذا الأمير فاستأذن لي عليه، قال: سأستأذن لك عليه، قال ابن عباس: فاستأذن الحر لعيينة فآذن له عمر، فلما دخل عليه قال: هي يا ابن الخطاب، فوالله ما تعطينا الجزل ولا تحكم

بیننا بالعدل. لفضب عمر حتی ہم به، لقال له الحر: یا امیر المؤمنین، ان الله تعالی قال لنبيه ﷺ: ﴿عَلِدِ الْعَفْوُ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ وإن هذا من الجاهلین، والله ما جاوزها عمر حين تلاها عليه وكان ولالا عند كتاب الله. [انظر: ۷۲۸۶] ۱۰

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ عیینہ بن حصن بن خذیفہ اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس آئے، حر بن قیس ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرنین میں سے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ اپنی قرین لوگوں میں صرف انہیں لوگوں کو شامل کرتے تھے جو عالم اور قاری ہوں، غرض ایسے ہی لوگ اس کی مجلس میں شامل ہوتے تھے، خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان ہوں (عمر کی کوئی پابندی نہ تھی)۔

عیینہ بن حصن نے اپنے بھتیجے سے کہا کہ تمہاری تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک رسائی ہے، دراصل مجھے بھی ان کے پاس لے چلو، حر بن قیس نے کہا اچھا میں آپ کے لئے اجازت طلب کروں گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حر نے عیینہ کے لئے اجازت طلب کی اور حضرت عمر نے ان کو اجازت حاصل کی، عیینہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ اے خطاب کے بیٹے! اللہ کی قسم! نہ تو تم ہمارے کو کچھ مال، اسباب دیتے ہو اور نہ تم ہمارے ساتھ عدل و انصاف کرتے ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت غصہ ہوئے اور قریب تھا کہ اسے ماریں، اس وقت حر نے کہا اے امیر المؤمنین! اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمایا ہے کہ ﴿عَلِدِ الْعَفْوُ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ اور بے شک یہ بھی جاہلوں سے ہے۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ) اللہ کی قسم! جس وقت حر نے یہ آیت تلاوت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذرا بھی زیادتی نہیں کی اور حضرت عمر کتاب اللہ کے حکم پر فوراً رک جاتے تھے۔

حدیث سے علم اور درگزر کا سبق

عیینہ بن حصن یہ وہی شخص تھا جو غلیظ قسم کا تھا اور تالیف قلب کیلئے اس کو بہت پیسے دیئے گئے تھے، مگر اس کی آخر تک اصلاح نہ ہو سکی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ”قدم عیینہ بن حصن بن خذیفہ، فنزل علی ابن اخیه“ عیینہ بن حصن مدینہ آیا، اپنے بھتیجے ابن قیس کے پاس اترا، ”کان من النفر“ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریب رکھتے تھے۔

”وكان القراء“ اور جو قراء تھے وہ حضرت عمرؓ کے مجالس والے اور ان کے اہل مشورہ تھے، چاہے ادھیڑ عمر ہوں یا جوان ہوں۔ حضرت عمرؓ اس کو مقدم رکھتے تھے جس کے پاس علم زیادہ ہو۔

تو عیینہ نے اپنے بھائی کے بیٹے سے کہا کہ ”لک وجه عند هذا الأمير فاستاذن لی علیہ“ اے میرے بھتیجے! امیر المؤمنین یعنی حضرت عمرؓ کے پاس تمہاری بڑی اچھی وجاہت ہے اور اثر و رسوخ ہے، میرے لئے ان سے ملاقات کی اجازت لے لو، تو ابن قیس نے کہا کہ ”استاذن لک علیہ“ میں آپ کے لئے ان سے ملاقات کی اجازت لے لوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”استاذن الحر لعینہ فاذن له عمر“ جب حر بن قیس نے عیینہ کیلئے اجازت چاہی تو حضرت عمرؓ نے ملاقات کی اجازت دے دی۔

”فلما دخل علیہ“ جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ ”فلو الله ما عطينا الجزل ولا تحکم بیننا بالعدل“ اے خطاب کے بیٹے! اللہ کی قسم! نہ تو تم ہمارے کو کچھ مال و اسباب دینے ہو اور نہ تم ہمارے درمیان عدل و انصاف کا معاملہ کرتے ہو۔

”فغضب عمر حتی هم به“ عیینہ کی یہ بات سن کر حضرت عمرؓ کو بہت غصہ آیا اور قریب تھا کہ اسے ماریں، اس وقت حرنے کہا اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ سے فرماتا ہے کہ ﴿غَدِ الْعَفْوُ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ اور بے شک یہ (عیینہ) بھی جاہلوں سے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرماتے ہیں کہ ”والله ما جاوزها عمر حين تلاها علیہ“ اللہ کی قسم! جس وقت حر بن قیس نے یہ آیت تلاوت کی تو حضرت عمرؓ نے ذرا بھی زیادتی نہیں کی، ”وكان ولما عند كتاب الله“ اور حضرت عمرؓ کتاب اللہ کے حکم پر فوراً رک جاتے تھے۔

اس شخص کی گفتگو کا انداز دیکھیں کہ بالکل بازاری انداز میں بات کر رہا تھا جس پر حضرت عمرؓ کو شدید غصہ آ گیا تھا لیکن جیسے ہی یہ آیت سنی اور وہیں ٹھنڈے پڑ گئے۔

یہ چیزیں سیکھنے کی ہوتی ہیں کہ آدمی اپنے جذبات میں کبھی بھی اتنا مغلوب نہ ہو۔ جب جذبات و عقل کے اوپر شریعت کا حکم آ جائے تو آدمی اپنے جذبات سے نکل کر اس شریعت اور عقل سلیم کی پیروی کرے، یہ نہیں کہ وہ مغلوب الغضب ہو جائے۔ علم کو حلم سے زینت ملتی ہے، بغیر حلم کے علم زینت والا نہیں۔ وہ ویسے ہی نگاہ ہے، تو آدمی کو اس بات کی تربیت دینی چاہئے کہ آدمی اپنے جذبات کو عقل سلیم اور شریعت کے تابع بنادے۔

طبیعت پر ہمیشہ عقل کو اور عقل پر شریعت کو غالب رکھو، دل یہ چاہ رہا ہے طبیعت یہ چاہ رہی ہے لیکن شریعت کچھ اور چاہ رہی ہے، عقل کچھ اور چاہ رہی ہے، تو طبیعت کو مارو اور عقل سلیم پر کرو۔

تو یہ جو فرما رہے ہیں اللہ ﷻ کے کتاب کے آگے ٹھہر جانے والے تھے کہ اتنا غصہ آیا ہوا تھا کہ اس کو

رنے والے تھے لیکن جب یہ آیت پڑھی تو ٹھنڈے پڑ گئے، اس کی عادت ڈالو تب علم کا نور حاصل ہوگا۔ ان احادیث کا منشا صرف تلاوت کرنا نہیں ہے، بلکہ ان احادیث کے اوپر عمل کرنا اور اپنی زندگی کا وظیفہ بنانا ہے۔

۴۶۴۳۔ حدیثی یحییٰ: حدثنا وکیع، عن هشام، عن أبیه، عن عبد اللہ بن الزبیر ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ قال: ما نزل الله الا في اخلاق الناس. [أنظر: ۴۶۴۳] ۱۱

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ کو اخلاق انسانی کے لئے نازل فرمایا ہے۔

۴۶۴۴۔ وقال عبد الله بن براء: حدثنا أبو أسامة: قال هشام، عن أبیه، عن عبد الله ابن الزبیر قال: أمر الله نبيه ﷺ أن يأخذ العفو من اخلاق الناس، أو كما قال. [راجع: ۴۶۴۳]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اور تمام انسانوں کو درستی اخلاق کیلئے، عفو و درگزر کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، یا کچھ اس قسم کی کوئی اور بات فرمائی۔

عفو اور درگزر کا حکم

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اس آیت کو ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ اخلاق انسانی کے لئے نازل فرمایا ہے۔

اللہ ﷻ نے اپنے نبی کو اور تمام انسانوں کو درستی اخلاق کیلئے عفو کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۸) سورة الأنفال

سورة انفال کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

شان نزول

علامہ عینی رحمہ اللہ مسند احمد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے روایت ہے کہ جب غزوہ بدر کا واقعہ پیش آیا اور اس غزوہ میں میرے بھائی عمیر شہید ہو گئے، میں نے ان کے بالقابل مشرکین میں سے سعید بن العاص کو قتل کر کے اس کی تلوار لے لی اور تلوار لے کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور اقدس ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو مال غنیمت میں جمع کر دو۔

حضرت سعد ؓ کا بیان ہے کہ میں واپس ہوا، حالانکہ میرے دل میں بھائی عمیر کے قتل اور سامان کی ضبطی کا جو صدمہ مجھ کو تھا وہ صرف خدا ہی کو معلوم، یعنی میرا دل چاہتا تھا کہ یہ تلوار مجھ کو مل جائے، لیکن میں حکم ماننے پر مجبور تھا، اس لئے تعمیل حکم کیلئے اموال غنیمت میں جمع کرنے کے لئے چلا مگر ابھی دوڑ نہیں گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر سورہ انفال کی یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے مجھے بلوا کر یہ تلوار مجھے عنایت فرمائی۔ ۱۔
یہ سورت مدنی ہے، جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔

مکہ مکرمہ کی سیزدہ (۱۳) سالہ زندگی میں مشرکین نے جو دردناک اور ہوشربا مظالم مٹھی بھر مسلمانوں پر روا رکھے اور مظلوم مسلمانوں نے جس صبر و استقلال اور معجزہ نما استقامت و للہیت سے مسلسل تیرہ برس تک ان ہولناک مصائب و نوائب کا تحمل کیا، وہ دنیا کی تاریخ کا بے مثال واقعہ ہے، مشرکین قریش اور ان کے حامیوں نے کوئی صورت ظلم و ستم کی اٹھا کر نہ رکھی، تاہم مسلمانوں کو اللہ ﷻ نے ان وحشی ظالموں کے مقابلہ میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔

صبر و تحمل کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمان مقدس وطن، عزیز و اقارب، اہل و عیال مال و دولت سب چیزوں

۱۔ مسند احمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، مسند باقی العشرة المبشرين بالجنة، مسند ابی اسحاق سعد بن

کو خیر باد کہہ کر خالص خدا اور رسول کی خوشنودی کا راستہ طے کرنے کیلئے گھروں سے نکل پڑے، جب مشرکین کا ظلم و تکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت، بے بسی حد سے گذر گئی۔

ادھر اہل ایمان کے قلوب وطن و قوم، زن و فرزند، مال و دولت غرض ہر ایک ماسوی اللہ ﷻ کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا اور رسول کی محبت اور دولت تو حید و اخلاص سے ایسے بھرپور ہو گئے گویا غیر اللہ کی ان میں کوئی گنجائش ہی نہ رہی، تب ان مظلوموں کو جو تیرہ برس سے برابر کفار کے ہر قسم کے حملے سہہ رہے تھے اور وطن چھوڑنے پر بھی امن حاصل نہ کر سکتے تھے، ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی:

﴿إِذْ لِلَّذِينَ يُقَالُونَ بَاتِلُونَ بَاتِلُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ
نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۚ الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ حَقًّا لَا
أَنَّ يَقُولُوا رَبَّنَا اللَّهُ﴾ [الحج: ۶]

مکہ کا ادب مانع تھا کہ مسلمان ابتداء وہاں چڑھ جائیں اس لئے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک لائحہ عمل یہ رہا کہ مشرکین ”مکہ“ کے تجارتی سلسلوں کو جو شام و یمن وغیرہ سے قائم تھے، شکست دے کر ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔

ہجرت کے پہلے سال ”ابواء، بواط و عثیرہ“ وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا جن کی تفصیل کتب احادیث و سیر میں ہے، اسی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے۔

۲ھ ہجری میں آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے، ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم ﷺ کو خبر پہنچی، تو صحیح مسلم کی ایک روایت کے موافق آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے، طبری کے بیان کے موافق بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے پہلوتہی کی، کیونکہ انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا جس کیلئے بڑا اجتماع و اہتمام کیا جائے۔

دوسرے انصار کی نسبت عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نصرت و حمایت کا معاہدہ صرف اس صورت میں کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپ پر حملہ آوار ہو، ابتداء اقام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو، ان کے معاہدہ میں شامل نہ تھا۔

مجمع کا رنگ دیکھ کر ابو بکر و عمر اور رئیس انصار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حوصلہ افزاء تقریریں کیں، آخر حضور اقدس ﷺ تین سو کچھ آدمیوں کی جمعیت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے، چونکہ کسی بڑے لشکر سے مدد بھڑھونے کی توقع نہ تھی، اس لئے جمعیت اور سامان اسلحہ وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا، فی الوقت جو لوگ اکٹھے ہو گئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے۔

اسی لئے روایت میں حضرت کعب بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ ”جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا، کیونکہ حضور ؐ صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے، اتفاقاً اللہ ﷻ نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرمادی۔“

ابوسفیان کو آپ ؐ کے ارادے کا پتہ چل گیا، اس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا، وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے، پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضور اقدس ؐ مقام صفراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ ابو جہل وغیرہ بڑے بڑے ائمہ الکفر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس غیر متوقع صورت پیش آ جانے پر آپ ؐ نے صحابہ کرام ؓ کو اطلاع کی کہ اس وقت دو جماعتیں تمہارے سامنے ہیں، تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر، خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا، تم بتلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟

چونکہ اس لشکر کے مقابلے میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لئے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے، مگر حضور ؐ اس رائے سے خوش نہ تھے، ابو بکر صدیق و عمر فاروق اور مقداد بن الاسود ؓ نے ولولہ انگیز جوابات دئے اور اخیر میں حضرت سعد بن معاذ ؓ کی تقریر کے بعد یہ ہی فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلہ پر جو ہر شجاعت دکھلائے جائیں۔ چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑکنیں اللہ ﷻ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت فرمائی، کافروں کے ستر (۷۰) بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر (۷۰) قید ہوئے، اس طرح کفر کا زور ٹوٹا۔

اس سورۃ میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء و تعلقات کا بیان ہوا ہے۔ ح

(۱) باب قولہ: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللَّهَ

وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ [۱]

باب: ”(اے پیغمبر!) لوگ تم سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ مال غنیمت (کے بارے میں فیصلے) کا اختیار اللہ اور رسول کو حاصل ہے۔ لہذا تم ڈرو، اور آپس کے تعلقات درست کر لو۔“

مال غنیمت میں اللہ اور رسول کو اختیار

جنگ بدر کے موقع پر جب دشمن کو شکست ہو گئی تو صحابہ کرام تین حصوں میں تقسیم ہو گئے:

ایک حصہ آنحضرت ﷺ کی حفاظت کے لئے آپ کے ساتھ رہا۔

دوسرا حصہ دشمن کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

تیسرا حصہ دشمن کے چھوڑے ہوئے مال غنیمت کو جمع کرنے میں مشغول ہو گیا۔

یہ چونکہ پہلی جنگ تھی اور مال غنیمت کے بارے میں مفصل ہدایات نہیں آئی تھیں، اس لئے اس تیسرے حصے نے یہ سمجھا کہ جو مال انہوں نے اکٹھا کیا ہے وہ انہی کا ہے (اور شاید زمانہ جاہلیت میں معمول ایسا ہی رہا ہوگا)۔

لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد پہلے دو گروہوں کو یہ خیال ہوا کہ وہ بھی جنگ میں برابر کے شریک تھے، بلکہ مال غنیمت اکٹھا ہونے کے وقت زیادہ اہم خدمات انجام دے رہے تھے، اس لئے ان کو بھی اس مال میں حصہ دار ہونا چاہئے۔ یہ ایک فطری تقاضا تھا جس کی بنا پر ان حضرات کے درمیان بحث کی نوبت آئی۔ جب معاملہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں بتا دیا گیا کہ مال غنیمت کے بارے میں فیصلے کا مکمل اختیار اللہ اور اس کے رسول کو ہے۔

چنانچہ بعد میں اسی سورت میں مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں مفصل احکام آ گئے۔

ترجمہ الباب میں مذکور آیت نے ہدایت دی کہ اگر مسلمانوں کے درمیان رنجش ہوئی ہے تو اس کی وضاحت کر کے اسے دور کر کے باہمی تعلقات درست کر لینے چاہئیں۔

قال ابن عباس: ﴿الْأَنْفَالُ﴾: الْمَغَانِمُ. قَالَ: لِقَاعَةُ: ﴿رَبِّحْتُمْ﴾ [۴۶]: الْحَرْبُ،

يَقَالُ: نَافِلَةٌ: عَطِيَّةٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "الْأَنْفَالُ" سے غنیمت کا مال مراد ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "رَبِّحْتُمْ" سے لڑائی و جنگ مراد ہے۔ "نَافِلَةٌ" کے معنی عطیہ۔

۴۶۴۵۔ حدثني محمد بن عبد الرحيم: حدثنا سعيد بن سليمان: أخبرنا هشيم:

أخبرنا أبو بشر، عن سعيد بن جبير قال: قلت لابن عباس رضي الله عنهما: سورة الأنفال؟

قال: نزلت فی بدر. [راجع: ۴۰۲۹]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ سورۃ الانفال کے متعلق پوچھا کہ اس کا شان نزول کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا یہ سورت جنگ بدر میں نازل ہوئی تھی۔
﴿الشُّوْكَةِ﴾: الحد. ﴿مُزِدِّينَ﴾: فوجا بعد فوج، رد فنی و ارد فنی: جاء بعدی.
﴿ذُو قُوَا﴾: باضروا و جربوا، وليس هذا من ذوق الفم.
﴿فَيَرْكُمَهُ﴾: يجمعه. ﴿هَرْدٌ﴾: لرق. ﴿وَإِنْ جَنَحُوا﴾: طلبوا. ﴿السَّلْمُ﴾
والسلم والسلام واحد. ﴿يَنْفِخُنْ﴾: يغلِب.
وقال مجاهد: ﴿مُكَّاءٌ﴾ ادخال أصابعهم في الفواهم. ﴿وَتَضِدَّةٌ﴾: الصفير.
﴿يَنْفِخُوكَ﴾: ليحسبوك.

ترجمہ و تشریح

”الشُّوْكَةُ“ کے معنی ہیں تیز دھارا۔
”مُزِدِّينَ“ غول کے غول، فوج در فوج۔
”رد فنی و ارد فنی“ کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد آیا۔
”ذُو قُوَا“ بمعنی ”باضروا و جربوا“ یعنی خود اٹھاؤ اور آزماؤ، اور یہ ”ذوق الفم“ منہ سے چکھنا۔ سے مشتق نہیں ہے۔
”فَيَرْكُمَهُ“ کے معنی ہیں جمع کر دے، ڈھیر کر دے۔
”هَرْدٌ“ کا مطلب جدا کر دے، منتشر کر دے۔
”وَإِنْ جَنَحُوا“ کا معنی ہیں طلب کریں۔
”السَّلْمُ، وَالسَّلَامُ“ ان تینوں الفاظ کے معنی ایک ہیں یعنی امن و امان، صلح و سلامتی۔
”يَنْفِخُنْ“ کے معنی ہیں غلبہ حاصل کرنا۔
حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”مُكَّاءٌ“ کے معنی ہیں اپنی انگلیوں کو اپنے منہ میں داخل کرنا یعنی منہ سے سیٹی بجانا۔

”وَتَضِدَّةٌ“ کے معنی ہیں تالیاں بجانا۔
”يَنْفِخُوكَ“ کے معنی ہیں کہ آپ قید کر لیں، مجبوس کر لیں۔

باب: ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يُعْقِلُونَ﴾ [۲۳]

باب: ”یقین رکھو کہ اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گوئلے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔“

جانوروں سے بدتر لوگ

کافر لوگ کانوں سے تو سننے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لحاظ سے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ بے زبان جانور اگر کسی کی بات کو نہ سمجھیں تو اتنی بُری بات ہے۔ اُن میں یہ صلاحیت پیدا ہی نہیں کی گئی، اور نہ اُن سے یہ مطالبہ ہے۔ لیکن انسانوں میں تو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی گئی ہے، اور اُن سے یہ مطالبہ بھی ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی راستہ اپنائیں۔ اگر وہ سمجھنے کی کوشش نہ کریں تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ ج

۴۶۴۶۔ حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا ورقاء، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد،

عن ابن عباس ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يُعْقِلُونَ﴾ قَالَ: هُم لَفَرَمَن بَنِي عَبْدِ الدَّارِ. هـ

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اس آیت ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يُعْقِلُونَ﴾ کو اللہ تعالیٰ نے بنی عبد الدار کے ایک گروہ کے بارے میں اتارا۔

آیت سے مراد

آیت میں قبیلہ بنی عبد الدار کے افراد مراد ہیں، جو کہتے تھے کہ محمد جو چیز لے کر آئے ہیں ہم اس کے سننے سے بہرے، اقرار کرنے سے گوئلے اور دیکھنے سے ناپسند ہیں۔

ان میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہوئے، مصعب بن عمیر اور سوط بن حرمہ رضی اللہ عنہما۔
جنگ احد میں باقی سب مارے گئے، لشکر کے علم بردار یہی تھے یعنی مکہ مکرمہ کے قریش لوگوں میں جنگوں کے اندر جھنڈے والے ہوا کرتے تھے۔ جب انکے سامنے قرآن شریف پڑھا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ ہم تو ”ضم“ اور ”نکم“ میں خود کہتے تھے کہ ہم نے اپنے آپ کو بہرہ بنالیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ ۱

(۲) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ، وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُخْشَرُونَ﴾ [۲۴]
باب: ”اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب رسول تمہیں اُس بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔ اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اُس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے، اور یہ کہ تم سب کو اسی کی طرف اکٹھا کر کے لے جایا جائے۔“

﴿اسْتَجِيبُوا﴾: اجیبوا۔ ﴿لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾: لما یصلحکم۔
ترجمہ: ”اسْتَجِيبُوا“ بمعنی ”اجیبوا“ ہے یعنی قبول کرو، بجالایا کرو، لبیک کہو۔
”لِمَا يُحْيِيكُمْ“ کے معنی ”یصلحکم“ یعنی تمہاری اصلاح کرے گا۔

۴۶۴۷۔ حدثني اسحاق قال: أخبرنا روح: حدثنا شعبه، عن خبيب بن عبد الرحمن، سمعت حفص بن عاصم يحدثك عن أبي سعيد بن المعلى ؓ قال: كنت أصلي فمر بهي رسول الله ﷺ لدعائي فلم آله حتى صليت ثم أتته فقال: ((ما منعك أن تأتي؟ ألم يقل الله: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ ثم قال: ((لأعلمك أعظم سورة في القرآن قبل أن أخرج))، فذهب رسول الله ﷺ ليخرج فذكرت له.

وقال معاذ: حدثنا شعبه، عن خبيب بن عبد الرحمن: سمع حفصاً: سمع أبا سعيد رجلاً من أصحاب النبي ﷺ بهذا وقال: ((هي الحمد لله رب العالمين، السبع المثاني)). [راجع: ۴۴۷۴]

ترجمہ: حضرت ابوسعید بن معلیؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نماز ادا کر رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے اور مجھ کو پکارا، لیکن میں فوراً نہیں آسکا، یہاں تک کہ میں نماز سے فارغ ہوا اور پھر میں آپ خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو میرے پاس آنے سے کس چیز نے روک رکھا تھا؟ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تم کو معلوم نہیں ہے؟ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تم کو قرآن کریم کی عظیم ترین سورت بتاؤں گا، پھر جب آپ ﷺ مسجد سے باہر جانے لگے تو میں نے عرض کیا اور یاد دلایا۔

معاذ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے شعبہ بیان کیا اور انہوں نے ضعیب بن عبد الرحمن سے روایت کی وہ کہتے ہیں میں حفص سے سنا اور انہوں نے حضرت ابوسعیدؓ سے، جو کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں، اس حدیث کو سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا وہ سورت ”الحمد لله رب العالمین“ ہے اور اسکو سبع مثانی بھی کہا جاتا ہے۔

مسئلہ

بعض علماء کا قول ہے کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹی۔ بعض علماء کے نزدیک اگر کسی فوری کام کیلئے رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی ہو تو اس کی تعمیل کیلئے نماز توڑ دینا لازم ہے۔ پہلا قول زیادہ قوی ہے ورنہ ہر دینی ضروری کام کیلئے جو تاخیر کرنے سے فوت ہو رہا ہو نماز توڑ دینا جائز ہے، مثلاً کوئی نابینا کنویں میں گر رہا ہو اور کوئی نمازی نماز پڑھ رہا ہو اور خیال ہو کہ اگر نماز نہ توڑے گا تو اندھا کنویں میں گر پڑے گا تو نماز توڑ کر اس کو راستہ بتانا اور بچا دینا جائز ہے۔ ے

(۳) باب قوله: ﴿وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ

فَاَنْظِرْ﴾ [۹۱:۳۲]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”(اور ایک وقت وہ تھا) جب انہوں نے کہا تھا کہ: ”یا اللہ! اگر یہ (قرآن) ہی وہ حق جو تیری طرف سے آیا ہے تو بارش (عذاب) برسا دے۔“

قال ابن عیینہ: ماسمى الله مطراً في القرآن الاعداها وتسميه العرب الغيث وهو

قوله تعالى: ﴿وَهُوَ الَّذِي يُنْزِلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا﴾ [الشورى: ۲۸].

ترجمہ: حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں ”مطر“ کا لفظ جہاں بھی آیا ہے عذاب کے لئے آیا ہے اور اہل عرب بارش کیلئے ”غیث“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَهُوَ الَّذِي يُنْزِلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا﴾۔

۴۶۴۸۔ حدثني أحمد: حدثنا عبيد الله بن معاذ: حدثنا أبي: حدثنا شعبة، عن عبد الحميد صاحب الزيادة: سمع ألس بن مالك رضي الله عنه: قال أبو جهل: اللهم ان كان هذا هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة من السماء أو ائتنا بعذاب أليم. فنزلت ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ لَهُمْ وَ مَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ وَمَالَهُمْ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ الآية. [أنظر: ۴۶۴۹] ۵

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ جب ابو جہل نے یہ کہا کہ اے اللہ اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے، یا ہمیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے، تو اس وقت یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ لَهُمْ الْخ﴾۔

مشرکین قریش پر اللہ کا عذاب

اس آیت میں مشرکین مکہ کے انتہائی جہل اور شقاوت و عناد کا اظہار ہے، یعنی وہ کہتے تھے کہ خداوند اگر واقعی یہ ہی دین حق ہے جس کی ہم اتنی دیر اور اس قدر شد و مد سے تکذیب کر رہے ہیں تو پھر دیر کیوں ہے؟ گزشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا مینہ کیوں نہیں برس دیا جاتا، یا اسی طرح کسی دوسرے عذاب میں مبتلا کر کے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا؟

کہتے ہیں کہ یہ دعا ابو جہل نے مکہ سے نکلنے وقت کعبہ کے سامنے کی، آخر جو کچھ مانگا تھا اس کا نمونہ بدر میں دیکھ لیا، وہ خود مع ۶۹ سرداروں کے کنز و اور بے سرو سامان نپتے مسلمان کے ہاتھوں سے مارا گیا، ستر (۷۰) سردار اسیری کی ذلت میں گرفتار ہوئے، اس طرح خدا نے ان کی جڑ کاٹ دی۔

بے شک قوم لوط کی طرح ان پر آسمان سے پتھر نہیں برسا، لیکن ایک مٹھی سنگریزے جو اللہ ﷻ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے پھینکے تھے وہ آسمانی سنگباری کا چھوٹا سا نمونہ تھا۔

۵۔ وفي صحيح مسلم، كتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب في قوله: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ لَهُمْ الْخ﴾، رقم: ۲۷۹۶

﴿لَمَّا تَفْتَلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ

رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى﴾ [الأنفال: ۱۷]

ترجمہ: چنانچہ (مسلمانو! حقیقت میں) تم نے ان (کافروں کو) قتل نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا تھا، اور (اے پیغمبر!) جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

سہ اللہ یہ ہے کہ جب کسی قوم پر تکذیب انبیاء کی وجہ سے عذاب نازل کرتے ہیں تو اپنے پیغمبر کو ان سے علیحدہ کر لیتے ہیں، اللہ ﷻ نے جب حضرت محمد ﷺ کو مکہ سے علیحدہ کر لیا تب مکہ والے عذاب میں پکڑے گئے۔ نزول عذاب سے دو چیزیں مانع ہیں: ایک ان کے درمیان پیغمبر کا موجود رہنا۔

دوسرے استغفار یعنی مکہ میں حضور اکرم ﷺ کے قدم سے عذاب اٹک رہا تھا، اب ان پر عذاب آیا، اسی طرح جب تک گناہ گار نادم رہے اور توبہ کرتا رہے تو پکڑا نہیں جاتا، اگرچہ بڑے سے بڑا گناہ ہو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا گناہ گاروں کی پناہ دو چیزیں ہیں، ایک میرا وجود، دوسرے استغفار۔ ۹

(۵) باب: ﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ النَّارِ﴾ [۳۹]

باب: ”اور (مسلمانو!) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔“

فتنہ اور دین کی تفسیر

اس آیت میں دو لفظ قابل غور ہیں، ایک لفظ فتنہ، دوسرا دین۔ یہ دونوں لفظ عربی لغت کے اعتبار سے کئی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ ائمہ تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین رحمہم اللہ اجمعین سے اس جگہ دو معنی منقول ہیں۔

ایک تفسیر یہ کہ فتنہ سے مراد کفر و شرک اور دین سے مراد دین اسلام لیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر منقول ہے، اس تفسیر پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ مسلمانوں کو کفار سے قتال اُس وقت تک جاری رکھنا چاہئے جب تک کہ کفر مٹ کر اُس کی جگہ اسلام آجائے، اسلام کے سوا کوئی دین و مذہب باقی نہ رہے۔

اس صورت میں حکم صرف اہل مکہ اور اہل عرب کیلئے مخصوص ہوگا، کیونکہ جزیرۃ العرب اسلام کا گھر اور قلعہ ہے اس میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین رہے تو دین اسلام کیلئے خطرہ ہے۔ باقی ساری دنیا میں دوسرے ادیان و مذاہب کو قائم رکھا جاسکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایات حدیث اس پر شاہد ہیں۔ دوسری تفسیر جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے منقول ہے، وہ یہ ہے کہ فتنہ سے مراد اس جگہ وہ ایذا اور عذاب و مصیبت ہے جس کا سلسلہ کفار مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر ہمیشہ جاری رہا تھا، جب تک وہ مکہ میں تھے تو ہر وقت ان کے زخموں میں پھنسنے ہوئے طرح طرح کی ایذائیں سہتے رہے پھر جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو ایک ایک مسلمان کا تعاقب کر کے قتل و غارتگری کرتے رہے۔ مدینہ میں پہنچنے کے بعد بھی پورے مدینہ پر حملوں کی صورت میں ان کا غیظ و غضب ظاہر ہوتا رہا۔

اور اس کے مقابل دین کے معنی قہر و غلبہ کے ہیں اس صورت میں آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ مسلمانوں کو کفار سے اُس وقت تک قتال کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ مسلمان ان کے مظالم سے محفوظ نہ ہو جائیں اور دین اسلام کا غلبہ نہ ہو جائے کہ وہ غیروں کے مظالم سے مسلمانوں کی حفاظت کر سکے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک واقعہ سے بھی اسی تفسیر کی تائید ہوتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ جب امیر مکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں حجاج بن یوسف نے فوج کشی کی اور دونوں طرف مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ پر چل رہی تھیں تو دو شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ اس وقت جس بلاء میں مسلمان مبتلا ہیں آپ دیکھ رہے ہیں، حالانکہ آپ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں جو کسی طرح ایسے فتنوں کو برداشت کرنے والے نہ تھے۔ کیا سبب ہے کہ آپ اس فتنہ کو رفع کرنے کیلئے میدان میں نہیں آتے؟

تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کا خون بہانا حرام قرار دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ کیا آپ نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھتے ﴿وَلَا يَلُوْهُمْ حَتٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةً﴾؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بیشک میں یہ آیت پڑھتا ہوں اور اس پر عمل بھی کرتا ہوں، ہم نے اس آیت کے مطابق کفار سے قتال جاری رکھا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور غلبہ دین اسلام ہو گیا اور تم لوگ یہ

چاہتے ہو کہ اب باہم قتال کر کے پھر فتنہ پیدا کرو اور غلبہ غیر اللہ کا دین حق کے خلاف ہو جائے۔ ۱۰
مطلب یہ تھا کہ جہاد و قتال کا حکم فتنہ کفر اور مظالم کفار کے مقابلہ میں تھا وہ ہم کر چکے اور برابر کرتے
رہے یہاں تک کہ یہ فتنہ فرو ہو گیا۔

مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں بلکہ مسلمانوں کے باہمی مقاتلہ کے وقت تو
رسول اللہ ﷺ کی ہدایات یہ ہیں کہ اس میں بیٹھا رہنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہے۔ ۱۱
خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اعداء اسلام کے خلاف جہاد و قتال اُس وقت تک واجب ہے
جب تک مسلمانوں پر اُن کے مظالم کا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اسلام کو سب ادیان باطلہ پر غلبہ نہ ہو جائے اور یہ
صورت صرف قرب قیامت میں ہوگی اس لیے جہاد کا حکم قیامت تک جاری اور باقی ہے۔ ۱۲

۴۶۵۰۔ حدثنا الحسن بن عبد العزيز: حدثنا عبد الله بن يحيى: حدثنا حيوة، عن
بكر بن عمرو، عن بكير، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رجلا جاءه فقال: يا
أبا عبد الرحمن، ألا تسمع ما ذكر الله في كتابه؟ ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا﴾ إلى
آخر الآية، لما يمنعك أن لا تقاتل كما ذكر الله في كتابه؟ فقال: يا ابن أخي، أعمّر بهذه
الآية ولا أقاتل أحب إلى من أن أعمّر بهذه الآية البى يقول الله تعالى: ﴿وَمَنْ يُقْتَلْ مُؤْمِنًا
مُتَعَمِّدًا﴾ إلى آخرها، قال: فإن الله يقول: ﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ
الْأُتَى﴾ قال: يا ابن عمر، ما قولك في علي وعثمان؟ أما عثمان فكان الله قد
عفا عنه فكرهتم أن تعفوا عنه. وأما علي فابن عم رسول الله ﷺ وخنثه، وأشار بيده وهذه
ابنته، أوبنته حيث ترون. [راجع: ۳۱۳۰]

۱۰ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، رقم الحديث: ۴۵۱۳

۱۱ ان سعد بن ابی وقاص قال عند فتنة عثمان بن عفان: اشهد ان رسول الله ﷺ قال: ((إنها ستكون فتنة القاعد فيها
خير من القائم، والقائم خير من الماشي، والماشي خير من الساعي)). سنن الترمذی، أبواب الفتن، باب ما جاء تكون
فتنة القاعد فيها خير من القائم، رقم: ۲۱۹۳

۱۲ معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۲۳۳، ۲۳۴۔ ((ان الجهاد مع كل امام الى يوم القيامة)). سنن الترمذی، أبواب الجهاد،

باب ما جاء في فضل العيل، رقم: ۱۶۹۳، وعمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۱۵۵، رقم: ۴۵۱۳، و ص: ۳۵۸، رقم: ۴۶۵۰

حدیث کا ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اے ابو عبد الرحمن! کیا آپ نے اللہ ﷻ کا یہ فرمان نہیں سنا جو اس نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے کہ ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا﴾ تو پھر آپ کو کون سی چیز مانع ہے، جو آپ جہاد نہیں کرتے ہیں؟ اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اے بھتیجے! اگر میں اس حکم میں تاویل کر کے مسلمانوں سے نہ لڑوں تو یہ مجھ کو اچھا لگتا ہے، اس بات سے کہ میں ﴿وَمَنْ يُقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا﴾ کی تاویل کروں۔ پھر اس آدمی نے کہا اللہ تعالیٰ ارشاد ہے کہ ﴿وَلَا يُلَاحِظُهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً﴾ یعنی پھر آپ اس آیت کو کیا کریں گے؟

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ کام تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کر چکے ہیں، حالانکہ اس وقت اسلام بہت قلیل تھا اور آدمی اپنے دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا کر دیا جاتا تھا، یا تو لوگ اس کو قتل کر ڈالتے تھے، یا تو اس کو سخت تکالیف اور اذیت پہنچاتے، یہاں تک کہ اسلام بڑھ چکا، اس لئے اب وہ فتنہ ختم ہو گیا۔

جب اس آدمی نے دیکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کی رائے کے موافق نہیں بیان کر رہے تو کہنے لگا کہ علی و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق آپ کیا خیال رکھتے ہیں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جہاں تک بات ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی، تو ان کو تو اللہ ﷻ نے معافی دیدی، مگر تم ان کے معاف کئے جانے کو برا سمجھتے ہو، رہ گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ داماد رسول اور رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں۔

(راوی کا بیان ہے اتنا کہہ کر) پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا دیکھو یہ ان کی بیٹی ہے یا (شک راوی) فرمایا کہ یہ ان کا گھر ہے جیسا کہ تم مکان سامنے دیکھ رہے ہو۔
 ”اعْبَرُ بِهَذِهِ الْأَمَةِ“ اگر میں اس آیت سے غفلت کروں اور قتال نہ کروں تو یہ مجھے پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں غفلت کروں دوسری آیت سے جو اللہ ﷻ فرماتے ہیں ”وَمَنْ يُقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا“ تو اس آیت سے غفلت کرنا مجھے زیادہ گراں ہے۔

یہ تفصیل ہوگی اس سے کہ جب اس لفظ کو ”غرة“ سے نکالیں یعنی ”غرة“ کے معنی غفلت کے آتے ہیں اور اگر ”غرود“ سے نکالیں کہ میں دھوکے میں پڑوں اس آیت سے اور قتال نہ کرو۔ اور دھوکے میں پڑنے

کا معنی ”تاویل کرنا“ کہ اس آیت میں تاویل کروں یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں دوسری آیت میں تاویل کروں۔ کہ اس میں وعید بڑی سخت ہے۔

۳۶۵۱۔ حدثنا أحمد بن یونس: حدثنا زهير: حدثنا بيان: أن وبرة حدثه قال: حدثني سعيد بن جبیر قال: خرج علينا أوالہنا ابن عمر فقال رجل: كيف ترى فی قتال الفتنة؟ فقال: وهل تدري ما الفتنة كان محمد ﷺ يقاتل المشركين وكان الدخول عليهم فتنة وليس كقتالكم على الملك. [راجع: ۳۱۳۰]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے پاس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو ایک آدمی نے کہا کہ اس فتنہ و فساد کی لڑائی کے متعلق کیا کہتے ہیں آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ تم کیا جانو فتنہ کس کو کہتے ہیں! حضرت محمد ﷺ مشرکین سے لڑتے تھے اور ان میں داخل ہو جاتے تھے، یہ اصل فتنہ تھا، نہ کہ تم لوگوں جیسی لڑائیاں جنگیں جو صرف حصول اقتدار کی خاطر ہو بلکہ وہ صرف دین کے لئے لڑتے تھے۔

(۶) باب: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ خَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ [۶۵]

باب: ”اے نبی! مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔“

۳۶۵۲۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان، عن عمرو، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما: لما نزلت ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ﴾ فكتب عليهم أن لا يفر واحد من عشرة، فقال سفیان غیر مرة: أن لا يفر عشرون من مائتين، ثم نزلت ﴿وَالآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ﴾ الآية. فكتب أن لا يفر مائة من مائتين. وزاد سفیان مرة نزلت: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ خَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ﴾. قال سفیان: وقال ابن شبرمة: وأرى الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر مثل هذا. [أنظر: ۳۶۵۳] ۱۳

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ﴾ تو پھر اس وقت یہ بات لازم کر دی گئی کہ اگر ایک مسلمان ہو تو

دس کافروں کے مقابلے سے راہ فرار اختیار مت کرے، اور سفیان نے کئی مرتبہ یہ بھی کہا کہ اگر میں مسلمان ہوں تو دوسو کافروں سے مقابلہ کرنے سے نہ بھاگیں، پھر اس کے بعد یہ آیت اتری کہ ﴿أَلَا نَخَفُّ اللَّهَ عَنْكُمْ﴾ اس کے بعد یہ بات لازم قرار دی گئی کہ ایک سو مسلمان، دوسو کافروں کا مقابلہ کرنے سے نہ بھاگیں۔ اور سفیان نے ایک مرتبہ اس زیادتی کے ساتھ روایت بیان کی کہ یہ آیت نازل ہوئی ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ خَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ﴾۔ سفیان کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن شبرمہ کہتے تھے کہ میرا خیال ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بھی یہی حکم پایا جاتا ہے۔

دعوت و تبلیغ میں اسلوب و انداز

سفیان کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن شبرمہ رحمہ اللہ جو کوفہ کے قاضی تھے، کہتے تھے کہ میرا خیال ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بھی یہی حکم پایا جاتا ہے۔ یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں بھی یہی قاعدہ ہے کہ اگر نہی عن المنکر میں اپنے سے دوہرے آدمی ہو تب بھی نہی عن المنکر کرنی چاہئے اور ان کی مار پٹائی سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ اور اگر دوسے زیادہ ہوں تو پھر یعنی معذوری ہے۔

لیکن دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب آدمی اپنے آپ کو ضرر سے بچاتے ہوئے آدمی یہ کام کر لے اور جب ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو، دوہرے کیا تہرے آدمی ہوں لیکن یہ معلوم ہو کہ یہ دھینکا مشتی کرائے گا اور میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا تو پھر اس معنی کا امر بالمعروف فرض نہیں ہے۔ ۱۴

آیت کی تشریح و مراد

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ خَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ

يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَفْلِتُوا مِائَتِينَ﴾

ترجمہ: اے نبی! مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔ اگر تمہارے

میں آدمی ایسے ہوں گے جو ثابت قدم رہنے والے ہوں تو

وہ دوسو پر غالب آجائیں گے۔

یہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی کہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں خدا کی رحمت سے دس گئے دشمن پر غالب آئیں گے، سبب یہ ہے کہ مسلمان کی لڑائی محض خدا کیلئے ہے، وہ خدا کو اور اس کی مرضی کو پہچان کر اور یہ سمجھ کر میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے کہ خدا کے راستہ میں مرنا اصلی زندگی ہے اس کو یقین ہے کہ میری تمام قربانیوں کا ثمرہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے خواہ میں غالب ہوں یا مغلوب اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جو تکلیف میں اٹھاتا ہوں وہ فی الحقیقت مجھ کو دائمی خوشی اور ابدی مسرت سے ہمکنار کرنے والی ہے۔

مسلمان جب یہ سمجھ کر جنگ کرتا ہے تو تائید ایزدی مددگار ہوتی ہے اور موت سے وحشت نہیں رہتی، اسی لئے پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے، کافر چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا، اس لئے محض حقیر اور فانی اغراض کیسے بہائم کی طرح لڑتا ہے اور قوت قلبی اور امداد غیبی سے محروم رہتا ہے۔

بشارت کے رنگ میں حکم دیا گیا کہ مومنین کو اپنے سے دس گئے دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے لڑنا چاہیئے، اگر مسلمان بیس ہوں تو دو سو کے مقابلہ سے نہ ہٹیں اور سو ہوں تو ہزار کو پیٹھ نہ دکھلائیں۔ ۱۵

(۷) باب: ﴿الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا﴾ الآية [۶۶]

باب: ”لَوَابِ اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا، اور اُس کے علم میں ہے کہ تمہاری اندر کچھ کمزوری ہے۔“

۳۶۵۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ السُّلَمِيُّ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ: أَخْبَرَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي الزُّبَيْرُ بْنُ الْخُرَيْمِ، عَنْ عِكْرَمَةَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾ شَقَّ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ حِينَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يَفِرَ وَاحِدٌ مِنْ عَشْرَةٍ لِحِجَاءِ الْعُضْفِ فَقَالَ ﴿الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا﴾ فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ قَالَ: فَلَمَّا خَفَّفَ اللَّهُ عَنْهُمْ مِنَ الْعِدَّةِ نَقَضَ مِنَ الصَّبْرِ بِقَدَرِ مَا خَفَّفَ عَنْهُمْ. [راجع: ۳۶۵۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾ تو مسلمانوں پر یہ بات بہت بھاری ہوئی کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلے سے نہ بھاگے، تو اللہ ﷻ نے اس آیت کے حکم میں تخفیف فرمائی،

پھر یہ آیت پڑھی ﴿الْآن خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا لَّأَن يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب اللہ ﷻ نے تعداد کے حوالے سے تخفیف کر دی تو اس سے مسلمانوں کے استقلال میں بھی تھوڑا سا فرق آ گیا۔

تخفیف کا حکم؛ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر

”لَمَّا خَفَّفَ اللَّهُ عَنْهُمْ مِنَ الْعِدَّةِ لِقُضِّ مِنَ الصَّبْرِ بِقَدَرٍ مَا خَفَّفَ عَنْهُمْ“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حکم میں تخفیف کے بعد کا حال بیان فرماتے ہیں کہ جب اللہ ﷻ نے تعداد کم کر دی تو صبر میں بھی کمی کر دی یعنی جتنا صبر پہلے لوگوں کو حاصل تھا، استقامت حاصل تھی اور ثابت قدمی حاصل تھی اب وہ نہیں رہی۔ اب یہ بات کہنا عام آدمی کیلئے تو مشکل ہے اگر ایسا آدمی کہہ رہا ہے تو کہہ رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ گزشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا، جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری:

﴿الْآن خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا لَّأَن

يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾

ترجمہ: اللہ نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر

پہلا حکم اٹھالیا، اب صرف اپنے سے دو گنی تعداد کے مقابلہ

میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے۔

یہ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوئی، اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں:

ابتدائے ہجرت میں گئے چنے مسلمان تھے جن کی قوت و جلالت معلوم تھی، کچھ مدت بعد ان کے بہت سے افراد بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور جو نئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین و انصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم و تقویٰ نہ تھی، اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور ”توکل علی اللہ“ میں قدرے کمی ہوئی ہوگی۔

ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل زیادہ ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے، لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں تنہا تو اس کا ذمہ دار نہیں، اسی قدر جوش، حرارت اور ہمت میں کمی ہو جاتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے، ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنے کافروں پر جہاد کریں، پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے، تب یہی حکم ہوا کہ دو گنا پر جہاد کریں، یہی حکم اب بھی باقی ہے لیکن اگر دو سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے، ”غزوہ موتہ“ میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے، اس طرح کے واقعات سے اسلام کی تاریخ محمد اللہ بھری پڑی ہے۔ ۱۶

۱۶ آسان ترجمہ قرآن، سورۃ الانفال، ۶۶، تفسیر عثمانی، سورۃ انفال، ۶۶، فائدہ: ۵، معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۲۷۹، - وعملہ القاری، ج: ۱۸، ص: ۳۶۱، ولہم: ۳۶۵۳

(۹) سورۃ براءۃ

سورۃ براءۃ / توبہ کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام براءت اس لئے ہوا کہ اس سورت میں کفار سے براءت کا ذکر ہے، اور توبہ اس لئے کہا جاتا ہے اس میں مسلمانوں کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے۔

سورۃ براءۃ کے مضامین کا حاصل

سورۃ انفال اوائل ہجرت میں اور یہ سورۃ براءۃ آخر ہجرت میں نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی عادت تھی کہ جو آیات قرآنی نازل ہوتیں فرمادیتے کہ ان کو فلاں سورت میں فلاں موقع پر رکھو، ان آیات کے متعلق جنہیں ”سورۃ براءۃ“ یا ”سورۃ توبہ“ کہا جاتا ہے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں درج کی جائیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستقل سورت ہے کسی دوسری سورت کا جز نہیں۔ لیکن عام قاعدہ یہ تھا کہ جب نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کیلئے ”بسم اللہ“ آتی تھی، سورۃ توبہ کے شروع میں ”بسم اللہ“ نہ آئی، جو مشعر ہے کہ یہ جدا گانہ سورت نہیں، ان وجوہ پر نظر کر کے مصاحف عثمانیہ میں اس کے شروع میں ”بسم اللہ“ نہیں لکھی گئی لیکن کتابت میں اس کے اور انفال کے درمیان فصل کر دیا گیا کہ نہ پوری طرح اس کا استقلال ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جز ہوتا، باقی انفال کے بعد متصل رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ انفال نزول میں مقدم ہے بلا خاص وجہ کے مؤخر کیوں کی جاتی اور دونوں کے مضامین باہم اس قدر مرتبط و منسق واقع ہوئے ہیں کہ گویا براءۃ کو ”انفال“ کا تتمہ اور تکملہ کہا جاسکتا ہے۔

”سورۃ الانفال“ تمام تر غزوہ بدر اور اسکے متعلقات پر مشتمل ہے۔

یوم بدر کو قرآن نے ”یوم الفرقان“ کہا، کیونکہ اس نے حق و باطل، اسلام و کفر اور موحدین و مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا جدا کرے دکھلا دیا، بدر کا معرکہ فی الحقیقت نہ صرف اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کی

تعمیر کاسنگ بنیاد اور حکومت الہی کا تاسیس کا دیباچہ تھا۔

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِغَضُوبِهِمْ أُولَٰئِكَ فِي عَذَابٍ﴾ [الانعام: ۷۳] کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف ”سورہ انفال“ کے ذمہ پر ﴿لَا تَقْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةً لِّبِی الْأَرْضِ وَلَسَآءَ عَذَابُ﴾ [الانعام: ۷۴] کہہ کر توجہ دلائی ہے اس کا صریح اقتضاء ہے کہ اس عالمگیر برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز حسی طور پر بھی دنیا میں قائم ہو، جو ظاہر ہے جزیرۃ العرب کے سوا نہیں ہو سکتا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے۔

”سورہ انفال“ کے اخیر میں یہ بھی جتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں، دارالاسلام کے آزاد مسلمانوں پر ان کی ولایت و رفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں ﴿مَالِكُمْ مِنْ وَلَا يَتِيهِمْ مَنْ ضَلَّ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا﴾ [الانعام: ۷۵]۔

ہاں حسب استطاعت ان کیلئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہئے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرکز اسلام میں موالات و اخوت اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کیلئے دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہئے یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آجائیں، اسلامی برادری میں بے روک ٹوک شامل ہوں اور یا آزاد مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہوا، کر دیں کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے، یعنی تقریباً سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن جائے جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی برادری کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہو سکے۔

یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز بروز کے فتنہ و فساد کی بیخ کنی، دسکتی تھی، اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک و صاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستم رانیوں سے پورا مامون و مطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا۔

اسی اعلیٰ اور پاک مقصد کے لئے مسلمانوں نے ۲ھ ہجری میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھایا تھا، جو آخر کار ۸ھ ہجری میں مکہ معظمہ کی فتح عظیم پر منتہی ہوا جو فتنے اشاعت یا حفاظت اسلام کی راہ میں مہم ہوئے رہتے تھے فتح مکہ نے ان کی جڑوں پر تیشہ لگایا۔

لیکن ضرورت تھی کہ ﴿وَلَا يَلْبُوهُمْ حَتَّىٰ لَا يَكُونُ فِتْنَةً﴾ - [الانعام: ۳۹] کے اقتضائے اسلامی برادری کے مرکز اور حکومت الہیہ کے مستقر یعنی جزیرۃ العرب کو فتنہ کے جرائم سے بالکل صاف کر دیا جائے تاکہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت تقریباً سارا جزیرۃ العرب یک جان و یک زبان ہو اور کوئی اندرونی کمزوری یا خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل کر اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔

پس جزیرۃ العرب کو ہر قسم کی کمزوریوں اور فتنوں سے پاک کرنے اور عالمگیر دعوت اسلامی کے بلند

ترین مقام پر کھڑا کرنے کے لئے لازم ہوا کہ دعوت اسلام کا مرکز خالص اسلامیہ :- کے رنگ میں رنگین ہو، اس کے قلب و جگر سے صدائے حق کے سوا کوئی دوسری آواز نکل کر دنیا کے کانوں میں نہ پہنچے، پورا جزیرہ سارے جہان کا معلم اور ہادی بنے اور ایمان و کفر کی کشمکش کا ہمیشہ کے لئے یہاں سے خاتمہ ہو جائے۔

سورہ براءۃ کے مضامین کا یہی حاصل ہے۔

چنانچہ چند روز میں خدا کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر طرح کے دسائے کفر و شرک سے پاک ہو گیا اور سارا عرب متحد ہو کر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور عالمگیر اسلامی اخوت پھیلانے کا تکفیل و ضامن بنا۔ **فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِكَ**۔

الغرض ”سورہ انفال“ میں جس چیز کی ابتداء تھی، سورہ توبہ میں اس کی انتہاء ہے، اسی لئے ”اول باخر نسبہ دارد“ کے موافق ”براءۃ“ کو ”انفال“ کے ساتھ بطور مکملہ ملحق کر دیا گیا، اور بھی مناسبات ہیں جن کو علماء نے تفاسیر میں بیان کیا ہے۔ ۱۔

﴿مَرْصَدٌ﴾ طریق **﴿إِلَّا﴾**: الإل: القرابة و﴿الذمة﴾ والعهد. **﴿وَلِئِنَّ﴾**: کل شیء ادخلته فی شیء. **﴿الشُّقَّةُ﴾**: السفر. **﴿الْخَبَالُ﴾**: الفساد، والخبال الموت. **﴿وَلَا تَفْتَنِّي﴾**: لا توبخنی. **﴿كُذِّمًا﴾** و **﴿كُذِّمًا﴾** واحد. **﴿مُدْخَلًا﴾**: یدخلون فیہ. **﴿مُدْخَلًا﴾**: یدخلون فیہ. **﴿يَجْمَعُونَ﴾**: یسرعون. **﴿وَالْمُؤْتَفِكَاتِ﴾**: التکفت: انقلبت بہا الارض.

﴿أَفْوًى﴾: ألقاه فی ہوة. **﴿عَدَنٍ﴾**: خلد. عدلت بأرض: آی أقيمت، ومنہ معدن. ويقال: فی معدن صدق: فی منبت صدق.

﴿الْخَوَالِفِ﴾ الخالف الذی خلفنی فلقعد بعدی ومہ یخلفہ فی الغاہرین. ویجوز أن یکون النساء من الخالفة، وان کان جمع الذکور فہ لم یوجد علی تقدیر جمعة الاحرفان فارس وفوارس، وھالک وھوالک.

﴿الْخَبْرَاتِ﴾: واحدا خیرة وھی الفواضل. **﴿مُرْجُونَ﴾**: مؤخرون. **﴿الشَّفَا﴾**: شفیر وھو حده. **﴿الْجُرُفِ﴾**: ماتجرّف من السیول والأودية.

۱۔ معارف القرآن، ج ۳، ص ۳۱۳ تا ۳۰۳، آسان ترجمہ قرآن، سورہ التوبہ، ج ۱، ص ۵۵۶ تا ۵۶۰، تفسیر عثمانی، سورہ توبہ، ۱، فائدہ ۶، مسند

احمد، مسند المکثورین من الصحابة، مسند جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، رقم: ۱۳۷۱۶، وعمدة القاری، ج ۱۸،

﴿هَارٍ﴾: هالٍ۔ ﴿لَاؤَاكُفُ﴾: شققا و لرقا۔ وقال الشاعر:
إذا قمت أرحلها بليل - تأوه آهه الرجل الحزين

ترجمہ و تشریح

”مَوَّصِدٌ“ سے گھات لگانے کی جگہ سے مراد ہے طریقہ یا راستہ۔

”إِلَا“ سے مراد قرابت داری و رشتہ داری۔

”الدِّمَّةُ“ سے عہد مراد ہے۔

”وَلِیْنَجَةِ“ کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا۔

”الشُّقَّةُ“ سے مراد سفر ہے۔ ”الْخَبَالُ“ کے معنی فساد اور موت دونوں آتے ہیں۔

”وَلَا تَفْتَنُنِي“ مطلب ہے کہ مت جھڑک مجھ کو۔

”كُرْهَا وَكُرْهَا“ یعنی زبردستی رنا خوش دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔

”مُدَّخَلًا“ کا مطلب داخل ہونے کی جگہ۔

”يَهْجُمُخُونَ“ بمعنی دوڑتے جائیں۔

”وَالْمُؤْتَفِكَاتُ“ یہ لفظ مأخوذ ہے ”الْقَلْبُ بِهَا الْأَرْضُ“ سے، یعنی وہ بستیاں جو عذاب کی وجہ سے الٹ دی گئیں۔

”أَهْوَى“ کے معنی ہیں اس کو گڑھے میں دھکیل دیا۔

”عَدَنُ“ بمعنی ”عِلْدُ“ ہمیشہ کی جگہ یعنی جنت جسے بہشت بھی کہتے ہیں۔

”عَدَلْتُ بِأَرْضِ“ یعنی میں نے اقامت اختیار کی، لفظ ”مَعْدَنُ“ اسی سے نکلا ہے، جس کا معنی ہے

سونے، چاندی وغیرہ کی کان۔

اور اہل عرب کا مقولہ ہے ”فَلَسِ مَعْدَنُ صَدَقٍ“ یعنی فلاں شخص جو سچائی کی کان ہے، یہاں

پر ”مَعْدَنُ“ سے ”لَبْتُ“ مراد لیتے ہیں، یعنی وہ جگہ جہاں سے سچائی آگئی ہے۔

”الْغَوَالِفُ“ جمع ”الْغَالِفُ“۔ کا معنی یہ ہے، جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کسی کا جانشین

ہو گیا یا کسی کے پیچھے رہے۔

”الَّذِي خَلَفَنِي“ اسی سے ”يَخْلَفُهُ فِي الْعَاهِرِينَ“ نکلا ہے۔ جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے

شوہر ابو مسلم کا انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی ”اللَّهُمَّ اطْفِئْ لِي أَيْ سَلْمَةَ وَأَخْلَفْ بِالْعَاهِرِينَ“

یعنی اے اللہ! ان کی مغفرت فرما اور ان کا خلیفہ بن جا یعنی ان کی جگہ ان کے پیچھے رہ جانے والوں کیلئے شفقت کرنے والا بن جا۔ ”أخلف بالغاہرین“ سے اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

یہ بھی بہ دیا ”يجوز أن يكون النساء“ مرد اور عورت ہوں دونوں کیلئے ”خالف“ کہیں گے۔ اگرچہ یہاں پر یہ ذکر کی جمع ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ ”فاعل“ کی جمع ”فواعل“ صرف چند لفظوں میں آتی ہے، ان میں ایک ”خالف“ کی جمع ”خوالف“ ہے، جیسا کہ ”فارس“ کی جمع ”فوارس“ ہے اور ”هالك“ کی جمع ”هوالک“ آتی ہے، ورنہ عام طور پر ”فواعل“ جو ہے وہ ”فاعلہ“ مؤنث کی جمع ہوتی ہے، نہ کہ مذکر کی۔

”الخَيْرَاتُ“ اسکا واحد ”خيرة“ آتا ہے اور اسکا مطلب ہے فضائل، نیکیاں۔
 ”مُؤَجَّوْنُ“ مہلت دیئے گئے، جیسے ”مؤخرون“ تاخیر میں ڈالے گئے ملتوی کئے گئے۔
 ”الشفاء“ کے معنی ”شفا“ کے ہیں، یعنی کنارہ۔
 ”الجُرُفُ“ وہ کنارہ جوندی، نالوں کی وجہ سے کھد گیا اور گرنے کے قریب ہو، اس سے مراد پانی کی نالیاں ہیں۔

”هادر“ یہ اصل میں ”هائر“ ہے یعنی گرنے والی۔
 ”لَاوَاةٌ“ نرم دل ہونا، خوف خدا سے ڈرنے والا، آہ وزاری کرنے والا۔
 إِذَا قَمِيتَ أَرْحَلْهَا بِلِيلٍ - تَاوَهُ آهَةُ الرَّجُلِ الْحَزِينِ
 ناقد راونہی کے بارے میں شاعر کہہ رہا ہے کہ
 جب میں رات کے وقت کھڑے ہو کر اس پر کجاوہ کستا ہوں،
 تو غمگین مرد کی طرح وہ آہ بھرتی ہے کہ اب مصیبت آنے والی ہے۔

(۱) باب قوله: ﴿بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [۱]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”(مسلمانو!) یہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے دستبرداری کا اعلان ہے اُن مشرکین کے خلاف جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے۔“

﴿أَذَانٌ﴾: اعلام۔ وقال ابن عباس: ﴿أَذْنٌ﴾ بصدق ﴿تَطَهَّرْتُمْ وَتَزَكَّيْتُمْ بِهَا﴾
 ولبوها كثير.

﴿وَالزُّكَاةُ﴾: الطاعة والاخلاص، ﴿لَا يُؤْتُونَ الزُّكَاةَ﴾: لَا يَشْهَدُونَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. ﴿يُضَاهُونَ﴾: يشبهون.

ترجمہ و تشریح

”أَذَانٌ“ بمعنی ”اعلام“ یعنی اعلام کرنا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ ”أَذْنٌ“ کے معنی میں ہے، یعنی کسی کی بات سن کر تصدیق کرنے والا۔

”تُطَهَّرُهُمْ“ اور ”وَنُزَّغِيهِمْ بِهَا“ دونوں ایک ہی معنی میں ہیں، ”وَلَحَوْهَا كَثِيرٌ“ یعنی قرآن میں ایسا بکثرت ہوا ہے کہ ایک ہی معنی کیلئے دو لفظ تاکید الائے گئے ہیں۔

”الزُّكَاةُ“ کے ایک معنی اطاعت اور اخلاص کے بھی آتے ہیں۔

چنانچہ ﴿لَا يُؤْتُونَ الزُّكَاةَ﴾ کی تفسیر بعض حضرات نے یہ کی ہے ”لَا يَشْهَدُونَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ شہادتین سے انکار کرنا۔

عام طور سے تو یہ مشہور ہے کہ زکوٰۃ نہیں دیتے لیکن چونکہ مشرکین کا ذکر ہو رہا ہے تو مشرکین کے ذکر میں زکوٰۃ نہ دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ یہاں پر ”لَا يُؤْتُونَ الزُّكَاةَ“ کے معنی یہ ہے کہ اپنی اطاعت اور اخلاص کے لئے نہیں کرتے اور شہادت نہیں پڑھتے۔

اگرچہ دوسرے لوگوں نے معروف معنی بیان کیا ہے۔

”يُضَاهُونَ“ کے معنی ہیں ”یشبهون“ یعنی مشابہت کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگلے کافروں بت پرستوں جیسی بات کرتے ہیں۔

۴۶۵۳۔ حدثنا أبو وليد: حدثنا شعبه، عن أبي إسحاق قال: سمعت البراء

يقول آخر آية نزلت ﴿يَسْتَغْفِرُونَكَ كُلَّ يَوْمٍ يَفْعِلُكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ [النساء: ۱۷۶] وآخر سورة نزلت براءة. [راجع: ۴۳۶۳]

ترجمہ: ابواسحاق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازب ؓ سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی تھی ﴿يَسْتَغْفِرُونَكَ كُلَّ يَوْمٍ يَفْعِلُكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ یعنی (اے پیغمبر!) لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم بتاتا ہے۔ اور سب سے آخر میں سورہ براءت نازل ہوئی تھی۔

(۲) باب قوله: ﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُفْعَلٍ فِي

اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزٍ الْكَافِرِينَ﴾ [۲]

ارشاد کا بیان کہ: ”لہذا (اے مشرکوا) تمہیں چار مہینے تک اجازت ہے کہ تم (عرب کی) سرزمین میں آزادی سے گھومو پھرو، اور یہ بات جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور یہ بات بھی کہ اب کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔“

معاہدہ ختم - دو ٹوک اعلان

سن ۶ ہجری میں بمقام حدیبیہ جب نبی کریم ﷺ اور قریش کے درمیان معاہدہ صلح ہو چکا تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے۔ بنی بکر نے معاہدہ کی پرواہ نہ کر کے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ظالم حملہ آوروں کی مدد کی، اس طرح قریش اور ان کے حلیف دونوں معاہدہ حدیبیہ پر قائم نہ رہے جس کے جواب میں سن ۸ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے اچانک حملہ کر کے مکہ معظمہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا۔ ان قبائل کے سوا دوسرے قبائل عرب سے مسلمانوں کا میعاد یا غیر میعاد معاہدہ تھا، جن میں سے بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے، بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔

اس سورۃ میں مختلف قبائل کے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ شروع میں ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا مگر میعاد نہ تھا، انکو اطلاع کر دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے، چار ماہ کی مہلت تم کو دی جاتی ہے کہ اس مدت کے اندر اسلام میں داخل ہو جاؤ یا وطن چھوڑ کر مرکز ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دو اور یا جنگی مقابلہ کیلئے تیار ہو جاؤ، لیکن یہ خوب سمجھ لینا کہ تم خدا کی مشیت کو روک نہیں سکتے، اگر اسلام نہ لائے تو وہ تم کو دنیا و آخرت میں رسوا کرنے والا ہے، تم اپنی تدبیروں اور حیلہ بازیوں سے اسے عاجز نہ کر سکو گے۔

باقی جن قبائل سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا، انہیں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی ہو یعنی جن مشرکین کے ساتھ مسلمانوں نے جنگ بندی کا کوئی معاہدہ نہیں کیا ہوا تھا، ایسے مشرکین کو چار مہینے کی مہلت دی گئی کہ ان چار مہینوں میں اگر وہ اسلام لانا چاہیں تو اسلام لے آئیں، اور اگر جزیرۃ العرب سے باہر کہیں جانا چاہیں تو اس کا انتظام کر لیں۔ اگر یہ دونوں کام نہ کر سکیں تو ان کے خلاف ابھی سے اعلان کر دیا گیا ہے کہ ان کو جنگ کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور اس کے بعد کی آیتوں کا اعلان عام سن ۹ ہجری میں حج کے موقع پر تمام قبائل عرب کے سامنے حضرت علی

کرم اللہ وجہہ نے کیا، جس کا ذکر آگے حدیث میں ہے۔ ۲

﴿فَسَيُنْخِوُا﴾: سیروا۔

”فَسَيُنْخِوُا“ کا مطلب یہ ہے کہ چلو، پھرو۔

۴۶۵۵۔ حدثنا سعيد بن عفير قال: حدثني الليث: عن عقيل، عن ابن شهاب:

وأخبرني حميد بن عبد الرحمن: أن أبا هريرة رضي الله عنه قال: قال بعثني أبو بكر في تلك الحجة لي مؤذنين بعثهم يوم نحر يؤذن بمعنى أن لا يحج بعد العام مشرك، ولا يطوف بالبيت عريان. قال حميد بن عبد الرحمن: ثم أرفد رسول الله صلى الله عليه وسلم بعلي بن أبي طالب وأمره أن يؤذن ببراءة. قال أبو هريرة: فأذن معن علي يوم النحر في أهل منى براءة، وأن يحج بعد العام مشرك، ولا يطوف بالبيت عريان. [راجع: ۳۶۹]

سالارِ حج اور مشرکین کو اعلانِ آگاہی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس حج کے موقع پر (جس میں ان سالارِ حج بنایا گیا تھا) مجھے بھی اعلان کرنے والوں میں رکھا تھا، جنہیں آپ نے اس بات پر مقرر کیا تھا کہ یومِ نحر میں اس امر کا اعلان کریں کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور اسی طرح کوئی شخص بھی کعبہ کا ننگا طواف نہیں کرے گا۔ راوی حمید بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلى الله عليه وسلم نے پیچھے سے حضرت علی رضي الله عنه کو روانہ فرمایا اور ان کو سورہ براءت کے احکامات کا اعلان کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه نے بیان کیا کہ چنانچہ وہ بھی ہمارے ہمراہ منیٰ میں موجود تھے، اور سورہ براءت کا اعلان کر رہے تھے اور اس بات کا اعلان کہ کوئی مشرک اب نہ حج کر سکتا ہے اور نہ برہنہ ہو کر طواف کر سکتا ہے۔

(۳) باب قولہ: ﴿وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ الی قولہ: ﴿الْمُشْرِكِينَ﴾

اس ارشاد کا بیان: ”اللہ اور اس کے رسول کی طرف تمام انسانوں کیلئے یہ اعلان کیا جاتا ہے۔“

آذہم: أعلمہم۔

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں ”أَذْلِهِمْ“ بمعنی ”أَعْلَمَهُمْ“ یعنی ان کو علم ہو جائے، اعلان کی غرض یہ ہے کہ لوگوں کو اچھی طرح آگاہ کر دیا جائے۔

۳۶۵۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَوْسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَقِيلٌ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِي حَمِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ ﷺ فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ فِي الْمُؤَذِّلِينَ، بَعَثَهُمْ يَوْمَ النَّحْرِ يُؤْذِنُ بِمَعْنَى: أَنْ لَا يَحْجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عَرِيَانٌ. قَالَ حَمِيدٌ: ثُمَّ أُرْدِفَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَأَمَرَهُ أَنْ يُؤْذِنَ بِبَرَاءَةِ. قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَأُذِنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِي أَهْلِ مَنْى يَقُمُ النَّحْرَ بِبَرَاءَةِ. وَأَنْ لَا يَحْجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عَرِيَانٌ. [راجع: ۳۶۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے اُس حج کے موقع پر مجھے بھی اعلان کرنے والوں میں رکھا تھا، جنہیں قربانی کے دن منیٰ میں اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا (ہم یہ اعلان کریں) کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ توجج کرے گا، اور نہ ہی برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرے گا۔ راوی حمید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے حضرت علی ؓ کو بھی روانہ فرمایا اور ان کو سورہ براءت کا اعلان کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علی ؓ نے بھی ہمارے ساتھ ہی یوم النحر میں سورہ براءت کا یہ اعلان فرمایا کہ اس سال کے بعد نہ تو کوئی مشرک حج کرے گا، اور نہ ہی برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کر سکے گا۔

جزیرۃ العرب کی تطہیر اور میعادِ معاہدہ ختم ہونے کا اعلان

﴿وَإِذَا نَ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ یہ اعلان ان قبائل سے متعلق تھا جنہوں نے میعادِ معاہدہ کیا، پھر خود ہی عہد شکنی کی مثلاً بنی بکر، قریش وغیرہ یعنی ایسے لوگوں سے اب کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا، اگر یہ سب لوگ کفر و شرک سے توبہ کر لیں تو انکی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی، نہیں تو خدا کا جو کچھ ارادہ ہے یعنی تطہیرِ جزیرۃ العرب کا وہ پورا ہو کر رہے گا، کوئی طاقت اور تدبیر اسے مغلوب نہیں کر سکتی اور کافروں کو کفر اور بد عہدی کی سزاں رہے گی۔ ان قبائل کی عہد شکنی اگرچہ فتح مکہ سن ۸ ہجری سے پہلے ہو چکی تھی، بلکہ اسی کے جواب میں مکہ فتح ہوا۔ تاہم سن ۹ ہجری کے حج کے موقع پر اس کا بھی دوبارہ اعلان عام کرایا گیا تاکہ ۱۰ ح ہو جائے کہ اس قسم کے جتنے لوگ ہیں ان سے کسی قسم کا معاہدہ باقی نہیں رہا۔

”بعثنی ابو بکر ﷺ فی تِلْكَ الْحَجَّةِ فی الْمُؤَذِّلِينَ، بَعَثَهُمْ یَوْمَ النَّحْرِ یُؤْذِنُ بِمَعْنَى“ یہاں پر

جن اعلان کرنے والوں کی ذمہ داری لگائی گئی تھی اس سے یہی اعلان کروانا مراد ہے۔

(۴) باب: ﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ [۳]

باب: ”البتہ (مسلمانو!) جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا“۔

۴۶۵۷۔ حدثنی اسحاق: حدثننا یعقوب بن ابراہیم: حدثننا ابی، عن صالح، عن ابن شہاب: ان حمید بن عبد الرحمن أخبره: ان ابا هريرة أخبره: ان ابا بكر ﷺ بعثه في الحجة التي أقره رسول الله ﷺ عليها قبل حجة الوداع في رهط يؤذن في الناس أن لا يحجوا بعد العام مشرك ولا يطوف بالبيت عريان. فكان حميد يقول: يوم النحر يوم الحج الأكبر، من أجل حديث أبي هريرة. [راجع: ۳۶۹]

ترجمہ: حمید بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اُس حج کے موقع پر، جس کا انہیں رسول اللہ ﷺ نے حجة الوداع سے پہلے والے حج میں امیر بنا کر بھیجا تھا، انہیں (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو) بھی اعلان کرنے والوں میں رکھا تھا، (جنہیں آپ نے اس بات کا اعلان کرنے کے واسطے بھیجا تھا کہ) اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ توج کو آئے گا، اور نہ ہی بیت اللہ کا طواف کوئی شخص برہنہ ہو کر کر سکے گا۔ راوی حمید بن عبد الرحمن کہا کرتے تھے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یوم النحر حج اکبر کا دن ہے۔

دو ٹوک آگاہی کا اعلان، لیکن معاہدہ کا احترام

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ یہ استثناء ان قبائل کیلئے ہے جن کا معاہدہ میعاد کی تھا، پھر وہ اس پر برابر قائم رہے کچھ کوتاہی ایفاء عہد میں نہیں کی، نہ بذات خود کوئی کارروائی خلاف عہد کی اور نہ دوسرے بدعہدوں کو مدد پہنچائی۔

مثلاً بنی ضمرہ، بنی مدلج ان کے متعلق اعلان کر دیا گیا کہ میعاد معاہدہ منقضی ہونے تک مسلمان بھی برابر معاہدہ کا احترام کریں گے میعاد ختم ہونے کے بعد کوئی جدید معاہدہ نہیں، اس وقت ان کیلئے بھی وہی راستہ ہے جو اوروں کے لئے تھا۔

”یوم النحر، یوم الحج الاکبر“ حج کو اکبر اس لئے کہا جاتا ہے کہ ”عمرہ“ حج اصغر ہے اور ”یوم

الحج الاکبر“ سے دسویں تاریخ ”عید الاضحیٰ کا دن یا نویں تاریخ ”عرفہ“ کا دن مراد ہے۔ ج

(۵) باب قوله تعالى: ﴿لَقَابِلُواْ اِيْمَةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَا اِيْمَانَ لَهُمْ﴾ [۱۲]

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان کہ: ”تو ایسے کفر کے سربراہوں سے اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آجائیں، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں۔“

آیت کا خلاصہ

آیت میں اس کا بیان ہے کہ پیش گوئی کے مطابق جب یہ لوگ عہد شکنی کر ہی ڈالیں تو پھر ان کے ساتھ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟

یعنی اگر یہ لوگ اپنے معاہدہ اور قسموں کو توڑ ڈالیں اور مسلمان بھی نہ ہوں بلکہ بدستور تمہارے دین اسلام پر طعن و تشنیع کرتے رہیں تو ان کفر کے پیشواؤں کے ساتھ مقابلہ کرو۔ کیونکہ ان کا کوئی قول و قسم اور عہد و پیمان باقی نہیں رہا ممکن ہے تمہارے ہاتھوں سے کچھ سزا پا کر اپنی شرارت و سرکشی سے باز آئیں۔

۴۶۵۸ - حدثنا محمد بن المثنی: حدثنا يحيى: حدثنا اسماعيل: حدثنا زيد بن

وهب قال: كنا عند حذيفة لقال: ما بقى من اصحاب هذه الآية الا ثلاثة، ولامن المنافقين الا اربعة. فقال اعرابي: انكم اصحاب محمد ﷺ تسخرونا فلاندرى فما بال هؤلاء الدين يبقرون بيوتنا ويسرقون اعلالنا؟ قال: اولئك الفساق، اجل لم يبق منهم الا اربعة احدهم شيخ كبير لو شرب الماء البارد لما وجد برده. ج

ترجمہ: زید بن وہب کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت حذیفہ بن یمان ؓ کے پاس بیٹھے تھے، تو حضرت حذیفہ ؓ نے فرمایا کہ اس آیت (ترجمہ الباب میں ذکر کی کئی آیت) سے تعلق رکھنے والے یعنی منافقین میں صرف تین مسلمان اور چار منافق زندہ ہیں۔ اتنے میں یک دیکھتی نے کہا کہ آپ سب حضرت محمد ﷺ کے صحابی ہیں، ہمیں ان لوگوں کا حال بتائیے جو کہ ہمارے گمروں میں نقب لگا کر اچھی اچھی چیزیں چُرا لیتے ہیں، کیونکہ ہم

ان کا حال نہیں جانتے۔ حضرت حذیفہ ؓ نے فرمایا، وہ سب فاسق و بدکار ہیں، ہاں البتہ ان میں (یعنی منافقین میں سے) سے چار آدمی اب بھی زندہ ہیں، اور ان میں سے ایک تو اس قدر بوڑھا ہو چکا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی پیتا ہے تو اس پانی کی ٹھنڈک کا بھی اسے احساس نہیں ہوتا ہے (یعنی بوڑھا پے کی وجہ سے اس کی عقل ماری گئی ہے)۔

”ائمۃ الکفر“ کی تفسیر

آیت ﴿لَقَالُوا اَئِمَّةُ الْکُفْرِ﴾ کی تفسیر میں ابن وہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم صحابی رسول حضرت حذیفہ بن یمان ؓ کے پاس تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کے اصحاب میں سے باقی نہیں رہے مگر تین آدمی اور منافقین میں سے کوئی باقی نہیں رہا سوائے چار آدمیوں کے، یعنی جن لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ان میں صرف تین آدمی کفار میں سے باقی رہ گئے ہیں اور چار آدمی منافقین میں سے۔

حضرت حذیفہ بن یمان ؓ کو حضور اکرم ﷺ نے منافقین کی فہرست بتائی ہوئی تھی، اس لئے انہوں نے کہا تو ایک اعرابی نے کہا کہ ”انکم اصحاب محمد ﷺ“ آپ لوگ نبی کریم ﷺ کے صحابہ ہیں، ہمیں ذرا بتائیں ہمیں پتہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کا کیا حکم ہے جو ہمارے گھروں پر نقب زنی کرتے ہیں اور ہمارا نفیس مال چوری کر کے لے جاتے ہیں۔

”اعلاق“ جمع ”علق“ کی ہے، نفیس مال کو کہتے ہیں، اس کے کہنے کا منشا یہ تھا کہ یہ لوگ ہمارے گھروں پر جو چوری اور ڈاکے ڈال رہے ہیں تو کیا یہ بھی ائمۃ الکفر میں داخل ہیں کہ نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا یعنی حضرت حذیفہ بن یمان ؓ نے ”اولئک“ کہ وہ کافر نہیں ہیں، ایسے لوگ فساق ہیں۔ ”اجل لم یبق منهم الا اربعۃ“ جن کا ذکر میں کر رہا تھا ان میں سے صرف چار باقی رہ گئے ہیں۔ ”احدهم شیخ کبیر“ ان میں سے ایک بہت بوڑھا آدمی ہے یعنی بوڑھا ہونے کی وجہ سے اس کا احساس اتنا ختم ہو گیا ہے کہ ٹھنڈا پانی بھی پئے تو اس کو محسوس تک نہ ہو۔

اب یہ تین آدمی کفار کے بیان کئے ہیں، بعض روایتوں میں عتبہ بن ربیعہ اور ابو جہل کا بھی ذکر ہے تو اس کا کوئی ٹک سمجھ میں نہیں آتا، اس واسطے کہ ابو جہل اور عتبہ بن ربیعہ تو بدر میں مارے گئے تھے، اس لئے یا تو روایت میں کسی راوی کو وہم ہوا ہے کہ جس میں ناموں کی تعین کی تو ابو جہل وغیرہ کا نام بھی لے لیا یا مقصد یہ ہے کہ جس وقت آیت نازل ہوئی تھی اس وقت ائمۃ الکفر میں یہ بھی داخل تھے، یہ مراد یہ نہیں کہ اب بھی زندہ ہیں۔ ۵

(۶) باب قوله: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [۳۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُن کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو“۔

۴۶۵۹۔ حدثنا الحكم بن نافع: أخبرنا شعيب: حدثنا أبو الزناد أن عبد الرحمن

الأعرج حدثه أنه قال: حدثني أبو هريرة ؓ أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: ((يكون كنز أحدكم يوم القيامة شجاعا أقرع)). [راجع: ۱۲۰۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے روز تم میں سے کسی کا خزانہ (جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جاتی ہو، وہ خزانہ) گنجا سانپ (جس سانپ کے سر کے بال گر جائیں، اس کے زہر میں بہت تیزی پیدا ہو جاتی ہے) بن جائے گا۔

۴۶۶۰۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا جريز، عن حصين، عن زيد بن وهب قال:

مررت على أبي ذر بالربذة فقلت: ما أنزلت بهذه الأرض؟ قال: كنا بالشام فقرات ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾. قال معاوية: ما هذه لبناء، ما هذه إلا في أهل الكتاب. قال: قلت: إنها لبناء وفيهم. [راجع: ۱۲۰۶]

ترجمہ: زید بن وہب نے بیان کیا کہ میں مقام ربذہ میں حضرت ابو ذر غفاری ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے پوچھا کہ آپ یہاں جنگل میں کس لئے آکر قیام کئے ہوئے ہیں؟ فرمانے لگے کہ ہم لوگ ملک شام میں تھے، میں نے یہ آیت پڑھی ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ لَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ حضرت معاویہ ؓ کہنے لگے، یہ آیت ہمارے حق میں نہیں ہے، بلکہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کیلئے نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابو ذر غفاری ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ ہمارے لئے بھی ہے اور ان کیلئے بھی ہے (اس لئے میں یہاں آ گیا)۔

حضرت ابو ذر غفاری ؓ کا تقویٰ اور احتیاط

زید بن وہب رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے مقام ربذہ میں حضرت ابو ذر غفاری ؓ سے پوچھا کہ

آپ یہاں جنگل میں کس لئے آکر پڑے ہوئے ہیں؟

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ملک شام میں تھا اور میرا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہو گیا، لہذا میں نے یہ آیت پڑھی ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے یہ آیت ہمارے حق میں نہیں ہے بلکہ یہود و نصاریٰ کیلئے نازل ہوئی ہے، میں نے کہا نہیں، یہ سب کے لئے ہے، چنانچہ میں اس جھگڑے کی وجہ سے سب کچھ چھوڑ کر یہاں چلا آیا ہوں۔ ۱

مسئلہ

جمہور فقہاء اہل ائمہ کا یہی مسلک ہے کہ جب کسی شخص کے پاس سونا اور چاندی تھوڑا تھوڑا موجود ہو تو اعتبار چاندی کا کیا جائے گا، سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز میں داخل نہیں ہے۔ ۲ جس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد جو مال باقی رہے اس کا جمع رکھنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ ۳

(۷) باب قوله عز وجل: ﴿يَوْمَ يُخْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوَىٰ بِهَا﴾ [۳۵]
اللہ عز وجل کے اس ارشاد کا بیان: ”جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اُس سے ان لوگوں کو دغا جائے گا۔“

بخیل کے بخل کی سزا

بخیل دولت مند سے جب خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کو کہا جائے تو اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں زیادہ کہو تو اعراض کر کے ادھر سے پہلو بدل لیتا ہے، اگر اس پر بھی جان نہ بچی تو پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے۔

۱۔ حر یہ تفصیل تشریح کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۵، ص: ۴۷، کتاب الزکاة، رقم: ۱۴۰۶

۲۔ عن ام سلمة، قالت: كنت البس ارجاحا من ذهب، فقلت: يا رسول الله، أكنز هو؟ فقال: ((ما بلغ ان تؤدى زكاته،

فزكي للبس بكنز)). سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو؟ وزكاة الحلى، رقم: ۱۵۶۳

۳۔ معارف القرآن، ج: ۴، ص: ۳۶۷

اس لئے سونا چاندی تپا کر ان ہی تین موقعوں (پیشانی) پہلو، پیٹھ پر داغ دیئے جائیں گے، تاکہ اس کے جمع کرنے اور گاڑنے کا مزہ چکھ لے۔

۳۶۶۱۔ وقال أحمد بن حنبل بن سعيد: حدثنا أبي، عن يونس، عن ابن شهاب، عن خالد بن أسلم قال: خرجنا مع عبد الله بن عمر فقال: هذا قبل أن تنزل الزكاة، فلما أنزلت جعلها الله طهراً للأموال. [راجع: ۱۴۰۳]

ترجمہ: خالد بن اسلم کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ اٹکے، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حکم زکوٰۃ سے پہلے کا ہے، پھر جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس زکوٰۃ کو مال کی پاکیزگی کا سبب بنا دیا۔

(۸) باب قوله: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ [۳۶]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے، جو اللہ کی (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق اُس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ یہی دین (کا) کا سیدھا سادہ (نفاذ) ہے، لہذا ان مہینوں کے معاملے میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔“

﴿الْقَيِّمُ﴾: هو القائم.

ترجمہ: ”الْقَيِّمُ“ کے معنی ہیں ”قائم“ یعنی مستقیم اور درست۔

۳۶۶۲۔ حدثنا عبد الله بن عبد الوهاب: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن محمد، عن ابن أبي بكرة عن أبي بكرة، عن النبي ﷺ قال: ((ان الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السموات والأرض، السنة اثنا عشر شهراً، منها أربعة حرم، ثلاث متواليات: ذو القعدة، وذو الحجة، والمحرم، ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان)). [راجع:

ترجمہ: محمد بن ابی بکرہ اپنے والد حضرت ابی بکرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (جذہ الوداع کے موقع پر) ارشاد فرمایا دیکھو! زمانہ پھر اسی نقشہ ربیت پر آگیا ہے، جس دن اللہ ﷻ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا، ایک سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں جن میں تین مہینے تو مسلسل ہیں، یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک رجب کا مہینہ ہے جو کہ جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔

جاہلیت کے زمانے مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کی رسم

اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت و جہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال و قتال میں بعض بعض قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو ”نسیء“ کی رسم نکالی۔ ”نسیء“۔ یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ ماہ محرم میں جنگ کرنے کا ہو تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ اس سال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا ہے، پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور قدیم محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔

اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن تحقیقی کے موافق ”نسیء“ (مہینے آگے پیچھے کرنے) کی رسم صرف محرم و صفر میں ہوتی تھی۔

امام مغازی محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی قلمس کنانی تھا، پھر اس کی اولاد دور اولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا، آخر میں اسی کی نسل سے ابو ثمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کرتا کہ اس سال محرم اشہر حرم داخل رہے گا یا صفر، اسی طرح محرم و صفر میں سے ہر مہینہ کبھی حلال اور کبھی حرام کیا جاتا تھا اور عام طور پر لوگ اسی کو قبول کر لیتے تھے۔ ۱

مہینوں کی ترتیب و تعیین آسمانی ہے

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ﴾

اس کے رد کی تمہید ہے، یعنی آج سے نہیں جب سے آسمان و زمین پیدا کئے خدا کے نزدیک بہت سے احکام شرعیہ جاری کرنے کیلئے سال کے بارہ مہینے رکھے گئے ہیں، جن میں سے چار اشہر حرم یعنی ادب کے مہینے ہیں جن میں گناہ و ظلم سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

﴿ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِ أَنْفُسَكُمْ﴾ یہی سیدھا دین ابراہیم علیہ السلام کا ہے، سو ان میں ظلم مت کرو۔ ۱۱

امام بھصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں فرمایا ہے کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور بُرے کاموں سے بچالے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو ان تمام برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، اس لئے ان مہینوں میں فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔ ۱۲

تاریخ و سال کا حساب چاند و سورج دونوں سے

مہینوں کی جو ترتیب اور ان مہینوں کے جو نام اسلام میں معروف ہیں وہ انسانوں کی بنائی ہوئی اصطلاح نہیں، بلکہ رب العالمین نے جس دن جس دن آسمان وزمین پیدا کئے اسی دن یہ ترتیب اور یہ نام اور ان کے ساتھ خاص خاص احکام متعین فرمادیئے تھے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے، اسی قمری حساب پر تمام احکام شرعیہ، روزہ، حج زکوٰۃ وغیرہ دائر ہیں، لیکن قرآن حکیم نے تاریخ و سال معلوم کرنے کے لئے جیسے قمر کو علامت قرار دیا ہے، اسی طرح آفتاب کو بھی اس کی علامت قرار دیا ہے۔

﴿لَتَعْلَمُوا عَدَّةَ السِّنِّينَ وَالْحِسَابَ﴾ اس لئے تاریخ و سال کا حساب چاند اور سورج دونوں سے جائز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے لئے چاند کے حساب کو پسند فرمایا اور احکام شرعیہ اس پر دائر فرمائے ہیں۔ اس لئے قمری حساب کا محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔

اگر ساری امت قمری حساب کو ترک کر کے اس کو بھلا دے تو سب گناہگار ہوں گے، اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے، لیکن سنت اللہ اور سنت سلف کے خلاف ضرر ہے اس لئے بلا ضرورت اس کو اختیار کرنا اچھا نہیں ہے۔ ۱۳

۱۱ عمدة القاری، ج: ۱۸، ص: ۳۸۰، رقم: ۴۶۶۲، وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۳۲۳

۱۲ معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۳۷۲، واحکام القرآن للجصاص، ج: ۳، ص: ۱۳۳

۱۳ معارف القرآن، ج: ۳، ص: ۳۷۳

(۹) باب قوله: ﴿ثَلَاثِي الثَّنِينَ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَخْزَنْ إِنَّ

اللَّهُ مَعَنَا﴾ [۳۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ: غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

سفر، ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کا اطمینان

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا واقعہ پیش کر کے یہ بتلادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول کسی انسان کی نصرت و امداد کا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو براہ راست غیب سے امداد پہنچا سکتے ہیں۔ جیسا کہ ہجرت کے وقت پیش آیا، جب آپ ﷺ کو آپ کی برادری اور اہل وطن نے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا، سفر میں آپ کا رفیق بھی ایک صدیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہ تھا، دشمنوں کے پیادے اور سوار تعاقب کر رہے تھے۔

آپ ﷺ کی جائے پناہ بھی کوئی مستحکم قلعہ نہ تھا بلکہ ایک غار تھا، جس کے کنارے تک تلاش کرنے والے دشمن پہنچ چکے تھے اور رفیق غار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کا تو کوئی غم نہ تھا، مگر اس لئے سہم رہے تھے کہ یہ دشمن سردار دو عالم ﷺ پر حملہ آور ہو جائیں گے، مگر رسول اللہ ﷺ کو وہ ثبات بنے ہوئے نہ صرف خود مطمئن تھے، بلکہ اپنے رفیق صدیق کو فرما رہے تھے کہ ﴿لَا تَخْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ تم غمگین نہ ہو کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ بات کہنے کو تو دو لفظ ہیں جن کا بولنا کچھ مشکل نہیں، مگر سننے والے حالات کا پورا نقشہ سامنے رکھ کر دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں کہ محض مادیات پر نظر رکھنے والے سے یہ اطمینان ممکن ہی نہیں ہے۔ ۳۲

﴿مَعَنَا﴾: ناصرونا۔ ﴿السَّكِينَةُ﴾: لعلیلة من السكون۔

ترجمہ: ”مَعَنَا“ کا مطلب ہے ہمارا مددگار۔

”السَّكِينَةُ“ لعلیلة کے وزن پر ہے اور سکون سے مشتق ہے۔

۳۶۶۳ - حدثنا عبد الله بن محمد: حدثنا حبان: حدثنا همام: حدثنا ثابت: حدثنا

انس قال: حدثنی ابو بکر ؓ قال: كنت مع النبی ﷺ فی الغار فرأیت آثار المشركین قلت: یا رسول اللہ، لو أن أحدهم رفع قدمه رأنا، قال: ((ما ظنک ہائین اللہ ثالثہما)). [راجع: ۳۶۵۳]

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق ؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ غار ثور میں تھا، تو میں نے مشرکین کے قدموں کو دیکھا، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنا قدم اٹھالیا تو ہمیں دیکھ لیگا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُن دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تبارک و تعالیٰ ہو؟

۳۶۶۳۔ حدثنا عبد اللہ بن محمد: حدثنا ابن عیینہ، عن ابن جریج عن ابن ابی ملیکۃ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ قال حین وقع بینہ وبين ابن الزبیر، قلت: ابوہ الزبیر، وأمه اسماء، وخالته عائشۃ، وجده ابو بکر، وجده صفیۃ. فقلت لسفیان: اسنادہ؟ فقال: حدثنا. فشفله انسان، ولم یقل: ابن جریج. [انظر: ۳۶۶۵، ۳۶۶۶] ۱۲

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب میرے اور عبد اللہ بن زبیر کے درمیان اختلاف ہوا تو میں نے کہا ان کے والد حضرت زبیر بن عوام ؓ ہیں، ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہیں، ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور ان کے نانا حضرت ابو بکر ؓ ہیں، اور ان کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ راوی عبد اللہ بن محمد جنہوں نے سفیان (بن عیینہ) رحمہ اللہ سے اس روایت کی اسناد کیا ہے؟ تو انہوں نے ابھی ”حدثنا“ کہا تھا کہ کسی شخص نے ان کو مشغول کر لیا اور وہ ”ابن جریج“ نہ کہہ سکے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فضائل

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”حین وقع بینہ وبين ابن الزبیر“ جب ان کے اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ رنجش ہوئی۔

رنجش اس معنی میں کہ جب عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حجاز و دیگر مقامات پر خلافت قائم ہوئی تو وہ چاہتے تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ شریک ہوں اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے ساتھ نہیں ملے، نہ اہل شام کا ساتھ دیا تھا۔

اس انکار کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان تھوڑی سی رنجش پیدا ہو گئی تھی، اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ بات کہہ رہے ہیں کہ میں نے کہا کہ ان کے یعنی عبداللہ بن زبیر کے والد حضرت زبیر بن عوام ؓ ہیں، حضرت زبیر بن عوام ؓ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان کے نانا حضرت ابو بکر صدیق ؓ ہیں، جو نبی کریم ﷺ کے رفیق خاص ہیں، انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین انسان ہیں، ان کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں جو نبی کریم ﷺ کی سگی پھوپھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بات کرنے کا مقصد تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اتنے فضائل حاصل ہیں، تو اتنے فضائل ہونے کی وجہ سے میرا رجحان یہ تھا کہ میں انکے ساتھ رہوں، لیکن انہوں نے خود ایسے حالات پیدا کر دیئے جس کی وجہ سے میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اگلے روایت میں تفصیل آرہی ہے۔

راوی حدیث عبداللہ بن محمد رحمہ اللہ جنہوں نے حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے اس روایت کو نقل کیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ اس روایت کی سند کیا ہے؟ انہوں نے ابھی ”حدثنا“ کہا ہی تھا کہ کسی دوسرے شخص نے ان کو مشغول کر لیا اور وہ ”ابن جریر“ نہ کہہ سکے۔ یعنی وہ ”حدثنا ابن جریر“ کہنا چاہ رہے تھے ابھی ”حدثنا“ ہی کہہ پائے تھے کہ کوئی آدمی آیا اور بات شروع کر دی تو ”ابن جریر“ کا لفظ انہوں نے نہیں کہا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کا پتہ کیسے چلا کہ ابن جریر رحمہ اللہ سے روایت کی ہے؟ تو دوسری روایتوں سے پتہ لگتا ہے کہ ابن جریر سے روایت کرتے تھے۔

۳۶۶۵۔ حدثنی عبد اللہ بن محمد قال: حدثنی یحییٰ ابن معین: حدثنا حجاج:

قال ابن جریر، قال ابن ابی ملیکۃ: وکان بہنہما شیء ففقدت علی ابن عباس فقلت: انہ ید أن تغال ابن الزبیر فتحل ما حرم اللہ؟ فقال: معاذ اللہ، ان اللہ، کعب ابن الزبیر وبنی أمیہ محلین، والی واللہ لا أحله أبداً، قال: قال الناس: بايع لابن الزبیر، فقلت: وأین بهذا الأمر عنہ؟ أما أبوه فحواری النبی ﷺ، یرید الزبیر، وما جدہ فصاحب الغار، یرید أبابکر، وما أمہ فذات النطاق، یرید أسماء، وأما خالہ فأم المؤمنین، یرید عائشہ، وأما عمہ، فزوج النبی ﷺ، یرید خدیجہ، وأما عمة النبی ﷺ فجدتہ، یرید صفیہ، ثم عقیف فی الاسلام، قاری للقرآن. واللہ ان وصلونی وصلونی من قریب، وان رہونی رہونی اکفاء کرام. فائر علی العویفات والاسامات والحمدات، یرید أبطننا من بنی أسد: ابن تویہ،

وبنی اسامہ، وبنی اسد، ان ابن ابی العاص ہرزیمشی القدمیہ، یعنی عبدالملک بن مروان، وانہ لوی ذلہ، یعنی ابن الزہر۔ [راجع: ۲۶۶۳]

ترجمہ: ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ جب ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان کچھ (اختلاف) ہوا تو میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صبح کے وقت ملاقات کی اور عرض کیا کہ کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جنگ کریں؟ اور (اس طرح) کیا آپ اللہ کے حرم کی توہین چاہتے ہیں؟ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ! یہ کام تو اللہ نے ابن زبیر اور بنی امیہ ہی کے حصہ میں لکھ دیا ہے کہ وہ حرم کی بے حرمتی کریں اور میں تو اللہ کی قسم! میں تو کبھی یہ کام نہیں کروں گا کہ اس کی بے حرمتی کروں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب لوگوں نے مجھے کہا تھا کہ آپ ابن زبیر سے بیعت کر لیجئے، تو میں نے لوگوں سے کہا کہ اس میں کیا مضائقہ ہے؟ وہ اس قابل ہیں، کیونکہ ان کے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے حواری تھے، اور ان کے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے یار غار تھے، اور ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ذات الطاقین ہونے کا شرف حاصل ہے، اور ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المؤمنین ہیں، اور جہاں تک بات ہے ان کی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تو وہ آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں، ان کی دادی حضرت صفیہ (بنت عبدالمطلب) رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی ہیں۔ پھر وہ خود بھی ہمیشہ پاک دامن رہے ہیں، اور قرآن کے قاری ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر وہ (بنو امیہ) ہم سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور ان کو کرنا ہی چاہئے کہ وہ ہمارے نزدیک رشتہ دار ہیں، اور اگر وہ ہم پر حاکم ہوں، تو ہمارے برابر ہیں، مگر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو بنی اسد، بنی تویت اور بنی اسامہ کو ہم سے زیادہ اپنا مقرب اور نزدیک بنا لیا ہے، اور عبدالملک نے اپنی چال میں غرور پیدا کر لیا ہے (یعنی مستحکم ہو رہا ہے)، مگر ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی ذمہ داری ہے (یعنی شکست کھا رہے ہیں)۔

ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے مابین رنجش کی وجہ

اس میں پچھلی روایت کی تھوڑی سی تفصیل گزری ہے، اس روایت میں مزید تفصیل ہے۔

حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان بیعت کے معاملے میں کچھ رنجش تھی، میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ "الرمید ان لقاتل ابن الزہر" کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سے جنگ کریں ران سے لڑائی کریں؟ **فعلعل ما حرم اللہ؟** اور کیا اس طرح اللہ کے حرم کی توہین چاہتے ہیں؟ لڑنے کے معنی یہ ہیں کہ چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ میں موجود ہیں تو ان سے لڑنے کیلئے مکہ مکرمہ پر حملہ کرنا ہوگا، حرم مکی کی بے حرمتی کرنی ہوگی اور حرم کے اندر قتال کرنا ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ”معاذ اللہ“ حرم میں لڑنے سے میں اللہ ﷻ کی پناہ مانگتا ہوں ”ان اللہ، کتب ابن الزبیر وبنی امیہ محلین“ یہ کام تو اللہ ﷻ نے ابن زبیر اور بنو امیہ کے مقدر میں لکھا ہے کہ وہ حرم کو حلال کر رہے ہیں یعنی ان کے درمیان جو لڑائی ہو رہی ہے تو وہ حرم میں ہو رہی ہے تو اللہ ﷻ نے ان کے مقدر میں لکھا تھا کہ وہ یہ کام کریں۔

”والی واللہ لا احلہ ابدًا“ اللہ کی قسم! میں تو کبھی بھی یہ کام نہیں کروں گا کہ حرم مکی میں قتال کو حلال سمجھوں اور اس کی بے حرمتی کروں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ”قال الناس: بايع لابن زبیر“ جب لوگوں نے مجھے کہا تھا کہ آپ ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے۔

تو میں نے لوگوں سے کہا کہ ”واين بهذا الامر عنه“ یہ خلافت کا معاملہ کچھ اس سے دور تو نہیں۔ ”ایمن عنه“ یعنی اس معاملے سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو کتنا قاصد ہے؟ یعنی خلافت کو کتنا قاصد ہے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے یہ کوئی بعید بات نہیں تھی، اس میں کوئی مضا لقعہ نہیں تھا کہ ہم عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔

”اما ابوه فحواری النبی ﷺ“ کیونکہ ان کے والد حضرت زبیر بن عوام ؓ نبی کریم ﷺ کے حواری و معاون تھے، ”وما جدہ فصاحب الغار“ اور ان کے نانا حضرت ابوبکر صدیق ؓ حضور اقدس ﷺ کے صاحب الغار یعنی یار غار تھے، ”وما امہ فلذات النطاق“ اور ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کو ذات النطاقین ہونے کا شرف حاصل ہے، ”واما محالہ فام المؤمنین“ اور ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین ہیں، ”واما عمه، فزوج النبی ﷺ“ اور جہاں تک بات ہے ان کی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تو وہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں، ”واما عمۃ النبی ﷺ فجده“ ان کی دادی حضرت صفیہ (بنت عبدالمطلب) رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کی نسبی خصوصیات کو بیان کرنے بعد ان ذاتی صفات کو بیان کر رہے ہیں کہ ”لم علف فی الاسلام: قاری للقرآن“ پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما خود بھی اسلام میں ہمیشہ سے پاک دامن رہے ہیں، اور قرآن کے قاری و عالم ہیں۔

یعنی صرف اتنی بات نہیں کہ نسب کے اعتبار سے رشتے میں ان کو اتنی نسبتیں حاصل ہیں دینی اور ذاتی

صفات میں بھی باکمال شخص ہیں، تو یہ ان کی یعنی ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی صفات ہیں۔
آگے بنو امیہ کی صفات کو بتایا جو ان کے مقابلے میں تھے۔

”واللہ ان وصلونی وصلونی من قریب“ اللہ کی قسم! اگر بنو امیہ کے لوگ میرے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں، اچھا برتاؤ کرتے ہیں، تو صلہ رحمی قرابت کی وجہ سے کرتے ہیں کہ میری ان سے بنو امیہ سے قرابت ہے۔ ”وان رسولی رسولی اکفاء کرام“ اور اگر وہ میرے پر حاکم ہوں تو میرے برابر کے لوگ مجھ پر حاکم ہیں یعنی بنو امیہ کے لوگ مجھ پر حکمران بننے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

”اکفاء“ جمع ہے ”کفو“ کی، جو کسی چیز کا اہل ہو اس کو ”کفو“ کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ان لوگوں کی صلہ رحمی کی مجھے توقع تھی کہ میرے ساتھ یہ صلہ رحمی قرابت کی وجہ سے کریں گے، لیکن اس کے باوجود عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ان فضائل کی وجہ سے جو میں نے ابھی ذکر کئے، میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر تیار تھا، بنو امیہ میرے ساتھ زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے، پھر بھی میں عبداللہ بن زبیر کے ساتھ فی الجملہ بیعت کرنے پر تیار تھا۔
لیکن! ہوا کیا؟ وہ وجہ بیان فرما رہے ہیں۔

”لأثر علی العربیات والاسامات والحمدات“ مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے مجھ پر توثیات، اسامات اور حمیدات کو ترجیح دی، یعنی ان کو اپنا مقرب اور نزدیک بنا لیا اور میرے ساتھ بے اعتنائی کا معاملہ کیا۔
”ہرمید أبطننا من بنی اسد: ابن تویت، وبنی اسامة، وبنی اسد“ آپ کی مراد مختلف قبائل تھے یعنی بنی اسد، بنی تویت اور بنی اسامہ وغیرہ، تویت ایک شخص کا نام تھا جس کے نام پر قریش کا ایک قبیلہ ہے۔
پھر آگے فرمایا ”ان ابن ابی العاص ہرز یمشی القدمیة“ اور ابن ابی العاص یعنی عبدالملک بن مروان، جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلے پر تھا، وہ پیش قدمی کی چال چلتا ہوا آگے نکل آیا ہے یعنی اس نے بہت سے علاقوں پر فتح پالی ہے۔

”والہ لوی ذلہ، یعنی ابن الزہیر“ اور انہوں نے یعنی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی ذمہ داری ہے۔ یہ محاورہ ہے، مراد ہے کہ شکست کھا رہے ہیں اور اپنے مقاصد میں ناکام ہو رہے ہیں۔
اب نتیجہ یہ ہو رہا ہے اور عبدالملک بن مروان بنو امیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پیچھے ہٹتے جا رہے ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے غلط لوگوں کو اپنے قریب کر لیا اور جو ان کے فضائل کو جاننے والے تھے ان کو پیچھے رکھا، ان کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ ۱۵

۴۶۶۶ - حدثنا محمد بن عبيد بن ميمون: حدثنا عيسى بن يونس، عن عمر بن سعيد. قال: أخبرني ابن مليكة: دخلنا على ابن عباس فقال: ألا تعجبون لابن الزبير قام لي أمره هذا؟ فقلت: لأحاسبن نفسي له، ما حاسبها لأبي بكر ولا لعمر، ولهما كانا أولى بكل خير منه. وقلت: ابن عمه النبي ﷺ، وابن الزبير، وابن أبي بكر، وابن أبي خديجة، وابن اخت عائشة، فإذا هو يتعلی عنی ولا یرید ذلك. فقلت: ما كنت أظن انی أعرض هذا من نفسي ليدعه وما أراه یرید خیرا وان كان لا بد لأن یربني بنو عمی أحب الی من أن یربني غیرهم. [راجع: ۴۶۶۴]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آئے تو وہ کہنے لگے کیا تمہیں ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر حیرت نہیں ہوتی کہ وہ خلافت کے لئے کھڑے ہوئے ہیں؟ میں نے سوچ لیا ہے کہ میں اس معاملہ میں غور کروں گا (کہ آیا وہ اس کے مستحق ہیں یا نہیں)، میں نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کے معاملہ میں کبھی کچھ غور نہیں کیا، کیونکہ وہ ہر طرح اس کے لائق تھے۔ اور پھر میں نے لوگوں کو کہا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی کے بیٹے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن کے بیٹے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ خود کو مجھ سے افضل خیال کرتے ہیں، اور اس بات کی کوشش نہیں کرتے کہ میں ان سے مقرب بن جاؤں۔ میں نے اپنے دل میں بھی یہ گمان نہیں کیا تھا میں ان کے لئے کبھی ایسے اعراض کروں گا، مگر ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری طرف توجہ نہیں کرتے، اور میرا نہیں خیال کہ وہ اس میں کچھ بھلائی پاتے ہوں، لیکن میں اب اپنے چچا کے بیٹے کی بیعت کر لوں گا، کیونکہ غیر کے حاکم ہونے سے یہ بہتر ہے کہ ہمارے عزیز حاکم ہوں۔

تشریح

یہاں پر بھی یہی روایت ہے الفاظ ذرا مختلف ہیں۔

”فقلت: لأحاسبن نفسي له“ یعنی میں نے دل میں یہ سوچا تھا کہ میں نے سوچ لیا ہے کہ میں اس معاملہ میں غور کروں گا کہ آیا وہ اس کے مستحق ہیں یا نہیں، اپنے نفس سے حساب لوں گا۔

”ما حاسبها لأبي بكر ولا لعمر“ حضرت صدیق اکبر اور عمر رضی اللہ عنہما کیلئے یعنی ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے میں نے کبھی کچھ غور نہیں کیا، ”ولهما كانا أولى بكل خير منه“ اور وہ دونوں

حضرات ان کے مقابلے میں بیعت کے ہر طرح سے زیادہ مستحق تھے۔

”قللت: ما كنت أظن أني أعرض هذا من نفسي فبدعه“ کہہ رہے ہیں کہ میرا گمان یہ نہیں تھا کہ میں اپنے نفس کی طرف سے عبد اللہ بن زبیر کو اس بات کی پیشکش کروں گا کہ میں تمہاری اطاعت کروں گا یعنی اس حد تک ان کیلئے عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کروں گا، اور وہ چھوڑ دیں گے یعنی وہ میری حمایت کی کوئی پرواہ بھی نہیں کریں گے، ”وما أراه يريد خيرا“ میرا نہیں گمان کہ وہ کوئی بھلائی کا ارادہ کر رہے ہیں۔

”وان كان لا بد“ اور اگر ان کو یہی اعراض ہی کرنا ہے، ”لان يرمي بنو عمي أحب الي من ان يرمي همهم“ تو اگر میرے پرورش کریں میرے چچا زاد بھائی یعنی بنو امیہ تو مجھے یہ زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ کوئی دوسرا پرورش کرے یعنی پھر میں ان کے ساتھ جا کر مل جاؤں، کیونکہ بنو امیہ بنو ہاشم سے بنسبت بنو اسد کے زیادہ قریب تھے۔

(۱۰) باب قوله: ﴿وَالْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ وَلِي الرِّقَابِ﴾ [۶۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور ان کا جن کی دلداری مقصود ہے، نیز انہیں غلاموں کو آزاد کرنے میں۔“

رسول اللہ ﷺ کے بعد مؤلفۃ قلوبہم - کا حکم

محققین، محدثین و فقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ کسی کا فر کسی وقت بھی نہیں دیا گیا، نہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اور نہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں، اور جن غیر مسلموں کو دینا ثابت ہے، وہ مد صدقات و زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمس غنیمت میں سے دیا گیا ہے، جس سے ہر حاجت مند مسلم و غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے، تو مؤلفۃ القلوب صرف مسلم رہ گئے، اور ان میں جو فقراء ہیں ان کا حصہ بدستور باقی ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔

اختلاف صرف اس صورت میں رہ گیا کہ یہ لوگ غنی صاحب نصاب ہوں تو امام شافعی، امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک چونکہ تمام مصارف زکوٰۃ میں فقر و حاجت مندی شرط نہیں، اس لئے وہ مؤلفۃ القلوب میں ایسے لوگوں کو بھی داخل کرتے ہیں جو غنی اور صاحب نصاب ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک عالمین صدقہ کے علاوہ باقی تمام مصارف فقر و حاجت مندی شرط ہے، اس لئے مؤلفۃ القلوب حصہ بھی ان کو اسی شرط پر دیا جائے گا کہ وہ فقیر و محتاج ہوں جیسے غارمین اور رقاب، ابن سبیل وغیرہ سب میں اسی شرط کے ساتھ ان کو زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ وہ اس جگہ

جا جتندوں ہوں، گو وہ اپنے مقام پر مال دار ہوں۔

اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ ائمہ اربعہ کے نزدیک منسوخ نہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بعض حضرات نے فقراء و مساکین کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں فقر و حاجت مندی کے ساتھ مشروط نہیں کیا، اور بعض نے یہ شرط رکھی ہے کہ مؤلفۃ القلوب میں بھی صرف انہی لوگوں کو دیتے ہیں جو جائتند اور غریب ہوں، بہر حال یہ حصہ قائم اور باقی ہے۔ ۱۶

فی الرقاب - سے مراد اور اس میں اختلاف

”فی الرقاب“ یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے یا خرید کر آزاد کیا جائے یا اسیروں کا فدیہ دے کر رہا کرایا جائے۔

فقہائے کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہاں رقاب سے کیا مراد ہے؟
جمہور فقہاء و محدثین کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے کوئی مقدار مال کی متعین کر کے کہہ دیا ہے کہ اتنا مال کما کر ہمیں دید و تو تم آزاد ہو، جس کو قرآن و سنت کی اصطلاح میں ”مکاتب“ کہا جاتا ہے ایسے شخص کو آقا اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ تجارت یا مزدوری کے ذریعے مال کمائے اور آقا کو لا کر دے، آیت میں رقاب سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کو رقم زکوٰۃ میں حصہ دے کر اسکی گلو خلاصی میں امداد کی جائے۔
یہ قسم غلاموں کی باتفاق مفسرین و فقہاء لفظ ”و فی الرقاب“ کی مراد ہے کہ رقم زکوٰۃ ان کو دے کر ان کی گلو خلاصی میں امداد کی جائے۔

ان کے علاوہ دوسرے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا یا ان کے آقاؤں کو رقم زکوٰۃ دے کر یہ معاہدہ کر لینا کہ وہ ان کو آزاد کر دیں گے، اس میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے۔

جمہور ائمہ ابو حنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل وغیرہ رحمہم اللہ اجماعاً اس کو جائز نہیں سمجھتے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ بھی ایک روایت میں جمہور کے ساتھ متفق ہیں کہ فی الرقاب کو صرف مکاتب کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں، اور ایک دوسری روایت میں امام مالک رحمہ اللہ سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ فی الرقاب میں عام غلاموں کو داخل کر کے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ رقم زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کئے جائیں۔ ۱۷

۱۶ معارف القرآن، ج: ۴، ص: ۴۰۴

۱۷ احکام القرآن لابن العربی، ج: ۲، ص: ۵۳۱ - ۵۴۰

جمہور ائمہ و فقہاء جو اس کو جائز نہیں سمجھتے ہیں، ان کے پیش نظر ایک فقہی اشکال ہے کہ اگر رقم زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کیا گیا تو اس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہیں آتی، کیونکہ صدقہ وہ مال ہے کو کسی مستحق کو بلا معاوضہ دیا جائے۔

رقم زکوٰۃ اگر آقا کو دی جائے تو ظاہر ہے کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے ہی نہیں اور نہ اس کو یہ رقم بلا معاوضہ دی جا رہی ہے، اور غلام جو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو یہ رقم دی نہیں گئی، یہ الگ بات ہے کہ اس رقم کے دینے کا فائدہ غلام پہنچ گیا کہ اس نے خرید کر آزاد کر دیا، مگر آزاد کرنا صدقہ کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا اور حقیقی معنی کو بلا وجہ چھوڑ کر صدقہ کے مجازی معنی یعنی عام مراد لینے کا بلا ضرورت کوئی جواز نہیں۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ میں مصارف صدقات کے بیان کئے جا رہے ہیں، اس لئے فی الرقاب کا مصداق کوئی ایسی چیز نہیں بن سکتی جس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہ آئے۔ اور اگر یہ رقم زکوٰۃ خود غلام کو دی جائے تو غلام کی کوئی ملک نہیں ہوتی وہ خود بخود آقا کا مال بن جائے گا، پھر آزاد کرنا نہ کرنا بھی اس کے اختیار میں رہے گا۔

اس فقہی اختلاف کی وجہ سے جمہور ائمہ و فقہاء رحمہم اللہ اجماعاً نے فرمایا ہے کہ ”فی الرقاب“ سے مراد صرف غلام مکاتب ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صدقہ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی مستحق کو مالک بنا کر اس کے قبضے میں دیدیا جائے، جب تک مستحق کا مالکانہ قبضہ اس پر نہیں ہوگا زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ ۱۸

قال مجاهد: يعالٰفهم بالعطية.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ عطیہ رتخائف دیکر لوگوں کی دل جوئی فرماتے تھے۔

۴۶۶۷۔ حدثنا محمد بن کثیر: أخبرنا سفیان، عن أبيه، عن أبي نعم، عن أبي

سعيد قال: بعث الى النبي ﷺ بشيء فلقسمه بين أربعة وقال: ((أنا لفهم))، فقل رجل:

ما عدلت، فقال: ((يخرج من ضنّضى هذا قوم يمرقون من الدين)). [راجع: ۳۳۴۳]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ مال آیا، تو آپ نے اسے چار آدمیوں کے درمیان میں تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ میں ان لوگوں کی دلجوئی کرتا ہوں۔ اس پر ایک شخص نے بولا کہ آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین سے خارج ہو جائیں گے۔

(۱۱) باب قوله: ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ﴾ [۷۹]
اس ارشاد کا بیان: ”(یہ منافق وہی ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والوں کو بھی طعن دیتے ہیں۔“

منافقین کے مخلص مسلمانوں کو طعن

نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو صدقات نکالنے کی ترغیب دی تو ہر مخلص مسلمان نے اپنی استطاعت کے مطابق صدقہ لا کر پیش کیا، منافقین خود تو اس اس کارِ خیر میں کیا حصہ لیتے، مسلمانوں کو طعن دیتے رہتے تھے۔
اگر کوئی شخص زیادہ مال لے کر آتا تو کہتے کہ یہ تو دکھا دے کے لئے صدقہ کر رہا ہے، اور اگر کوئی غریب مزدور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے کچھ تھوڑا صدقہ لے کر آتا تو منافقین اس کا مذاق اڑاتے اور کہتے یہ کیا چیز اٹھا کر لایا ہے؟ اللہ اس سے بے نیاز ہے۔

روایات میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں، لیکن اس جگہ غالباً غزوہ تبوک کے موقع پر جب چندہ جمع کرنے کی ترغیب دی گئی اس کا ذکر ہے۔ و

﴿يَلْمِزُونَ﴾: يعيبون. ﴿جَهْدَهُمْ﴾: وَجْهَهُمْ: طاقتهم.

ترجمہ: ”یَلْمِزُونَ“ کے معنی ہیں کہ وہ لوگ طعن کرتے ہیں، عیب لگاتے ہیں۔

”جَهْدَهُمْ“ ضمہ کے ساتھ اور ”جَهْدَهُمْ“ فتح کے ساتھ، ان دونوں کا ایک ہی مطلب ہے طاقت۔

۴۶۶۸ - حدیثی بشر بن خالد ابو محمد: أخبرنا محمد بن جعفر، عن شعبة، عن

سليمان، عن أبي وال، عن أبي مسعود قال: لما أمرنا بالصدقة كنا نحامل فجاء أبو عقيل بن نصف صاع وجاء النسان بأكثر منه فقال المنافقون: ان الله لغني عن صدقة هذا وما فعل هذا الآخر الا رياء، فنزلت ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ الآية. [راجع: ۱۴۱۵]

ترجمہ: حضرت ابی مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ہمیں صدقہ رخیرات کرنے کا حکم آیا تو ہم مزدوری پر بوجھ اٹھایا کرتے تھے، ایک دن ابو عقیل رضی اللہ عنہ آدھا صاع لیکر آئے، اور ایک صحابی بہت زیادہ مال لے کر آئے، تو منافق کہنے لگے، اللہ اس (ابو عقیل رضی اللہ عنہ کے) حقیر صدقہ سے بے پرواہ ہے، اور یہ دوسرا تو صرف زیادہ مال

دکھانے کیلئے لایا ہے، تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ﴾۔

صدقہ سے مال بڑھتا ہے

”نصاحل“ کے معنی ہم سامان اٹھا کر مزدوری کیا کرتے تھے اور اس مزدوری پر جو تھوڑی بہت اجرت ہمیں مل جایا کرتی تھی۔

تو اب جب صدقہ کا حکم ہوا تو حضرت ابو عقیل ؓ آدھا صاع لے کر آئے، کوئی دوسرا آدمی اس سے تھوڑا زیادہ لے کر آیا تو منافقین نے مذاق اڑایا اور یہ کہا کہ اللہ ﷻ ان کے صدقے سے غنی ہے، تو یہ جو کر رہے ہیں صرف دکھاوے کیلئے کر رہے ہیں، ورنہ آدھا صاع صدقہ کرنے سے کیا فائدہ، ان کا یہ مطلب ہے۔

۴۶۶۹۔ حدثني اسحاق بن ابراهيم قال: قلت لأبي أسامة: أحدلكم زائدة، عن سليمان، عن شقيق، عن أبي مسعود الأنصاري قال: كان رسول الله ﷺ يأمر بالصدقة ليتحال أحدنا حتى يجيء بالمد وأن لأحدكم اليوم مائة ألف، كانه يعرض بنفسه. [راجع: ۱۴۱۵]

ترجمہ: حضرت ابی مسعود انصاری ؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ہم کو صدقہ کا حکم دیتے تو ہم میں سے بعض نہایت محنت مزدوری کرنے کے بعد ایک مد لاتے تھے، مگر آج ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ایک لاکھ موجود ہے ہیں، غالباً حضرت ابی مسعود انصاری ؓ کا اپنی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا۔

صدقہ کی برکات

حضرت ابی مسعود انصاری ؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ نے صدقہ کا حکم دیا ”ليتحال أحدنا حتى يجيء بالمد“ تو ہم میں سے بعض لوگ بہت مشکل سے رحمت مزدوری کرنے کے بعد ایک مد صدقہ لے آتا تھا، اس وقت یہ حالت تھی۔

”وان لأحد اليوم مائة ألف“ جبکہ آج یہ حالات ہے کہ اسی آدمی کے پاس ایک لاکھ کے قریب مال

موجود ہے۔

”كانه يعرض بنفسه“ گویا میرے پاس، اپنے نفس کی طرف اشارہ کر کے، کہ ایک لاکھ کا مال ہے اور اس وقت ایک مد کا بھی صدقہ کرنا بھاری ہوتا تھا۔

(۱۲) باب قوله: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ

مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ [۸۰]

اس ارشاد کا بیان: ”(اے نبی!) تم ان کیلئے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کیلئے ستر مرتبہ

استغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔“

۲۶۷۰۔ حدثني عبيد بن اسماعيل، عن أبي اسامة، عن عبيد الله عن نافع، عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: لما توفي عبد الله بن أبي جاء ابنه عبد الله بن عبد الله الى رسول الله ﷺ فسأله أن يعطيه قميصه يكفن فيه أباه، فأعطاه ثم سأله أن يصلي عليه فقام رسول الله ﷺ ليصلي عليه، فقام عمر فأخذ بثوب رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله، أتصلي عليه وقد لهاك ربك أتصلي عليه؟ فقال رسول الله ﷺ: ((الما خير لي الله فقال: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ وسأريده (على السبعين)). قال: انه منافق، قال: فصلى عليه رسول الله ﷺ فأنزل الله تعالى ﴿وَلَا تَصَلَّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾ [۸۳]. ۲۰

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی منافق کا انتقال ہوا تو ان کے بچے عبد اللہ بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ اپنی قمیصرے والد کے کفن طور پر عنایت فرمادیں، پھر انہوں نے درخواست کی کہ آپ ان کی نماز جنازہ بھی پڑھادیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہو گئے تو حضرت عمرؓ اٹھے اور آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا آپ اسکی نماز جنازہ پڑھائیں گے، حالانکہ آپ کو اسکی نماز

۲۰۔ فی صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمرؓ، رقم: ۲۴۰۰، وکتاب فضائل المنافقين واحکامها، رقم: ۲۷۷۳، وسنن الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة التوبة، رقم: ۳۰۹۷، ۳۰۹۸، وسنن النسائی، کتاب الجنائز، القميص فی الکفن، رقم: ۱۹۹۰، والصلاة علی المنافقين، رقم: ۱۹۶۶، وسنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب فی الصلاة علی اهل القبلة، رقم: ۱۵۲۳، ومسند أحمد، مسند الخلفاء الراشدين، أول مسند عمر بن الخطابؓ، رقم: ۹۵، ومسند المکثرين من الصحابة، مسند عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، رقم: ۴۶۸۰

جنازہ پڑھانے سے آپ کے رب نے منع فرمادیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ﴿إِمْتَعِنَا لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾، اور میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا (شاید کہ اللہ ﷻ ان کو معاف کر دے)، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یہ تو ایک منافق شخص ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد اللہ ﷻ نے یہ حکم نازل فرمایا ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾۔

۴۶۷۱۔ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، وقال غيره: حدثني الليث: حدثني عقيل، عن ابن شهاب قال: أخبرني عبيد الله بن عبد الله، عن ابن عباس، عن عمر بن الخطاب ؓ أنه قال: لما مات عبد الله بن أبي بن سلول دعى له رسول الله ﷺ ليصلي عليه، فلما قام رسول الله ﷺ وثبت إليه فقلت: يا رسول الله، أتصلي على ابن أبي وقد قال يوم كذا، كذا وكذا؟ قال: أعدد عليه قوله، فتبسم رسول الله ﷺ وقال: ((آخر عني يا عمر))، فلما أكثرت عليه قال: ((إني خيرت لما عذرت، لو أعلم أني أنزدت على السبعين يغفر له لزدت عليها)). قال: فصلي عليه رسول الله ﷺ ثم الصرف فلم يمكث إلا يسيراً حتى نزلت الآية من براءة ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا﴾ إلى قوله: ﴿وَهُمْ لَا يَسْقُونَ﴾ قال: فعجبت بعد من جرائي على رسول الله ﷺ، والله ورسوله أعلم. [راجع: ۱۳۶۶]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی مرثد رسول اللہ ﷺ کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے بلایا گیا، جب آپ ﷺ نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں تیزی آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اس کی نماز پڑھائیں گے؟ حالانکہ اس شخص نے فلاں دن، اس طرح کی باتیں کہی تھیں، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اس کی ہوائی ایک ایک بات آپ کے سامنے پیش کرنے لگا، تو رسول اللہ ﷺ قدرے مسکرائے، اور ارشاد فرمایا کہ اے عمر! مجھ سے پیچھے ہو جاؤ۔ جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا ہے تو میں نے اس بات کو اختیار کیا ہے، گر میں یہ سمجھوں کہ کوئی ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے بخش دیا جائے گا تو میں اس کے لئے ستر سے زیادہ بار استغفار کروں گا۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، اور واپس تشریف لائے، ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ سورۃ براءۃ کی دو آیات نازل ہوئیں ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا﴾ سے لیکر ﴿وَهُمْ لَا يَسْقُونَ﴾ تک۔ حضرت

عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ بعد میں مجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس حد تک جرأت کرنے حیرانگی ہوتی تھی، اور اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

احسان کا ازالہ بھی، قبول اسلام کا امالہ بھی

عبداللہ بن ابی ایک ایسا منافق تھا جس کا نفاق مختلف اوقات میں ظاہر بھی ہو چکا تھا اور سب منافقوں کا سردار مانا جاتا تھا اس کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کا یہ امتیازی سلوک کیسے ہوا کہ اس کے کفن کے لئے اپنا کرۂ مبارک عطا فرمایا دیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت سابقہ سے خود آنحضرت ﷺ کو یقین ہو گیا تھا کہ ہمارے کسی عمل سے اس منافق کی مغفرت نہیں ہوگی، مگر چونکہ ظاہری الفاظ آیات میں آپ کو اختیار دیا گیا تھا اور کسی دوسری آیت سے بھی اس کی ممانعت اب تک نہیں آئی تھی۔

دوسری طرف ایک کافر کے احسان سے دنیا میں نجات حاصل کرنے کا فائدہ بھی تھا اور اس معاملہ میں دوسرے کافروں کے مسلمان ہونے کی توقع تھی، اسی لئے آپ ﷺ نے نماز پڑھانے کو ترجیح دی۔ [۸۴]

(۱۳) باب قولہ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَأْتِيكَ بِهِ وَلَا تُقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ﴾ [۸۴]

اس ارشاد کا بیان: ”اور (اے پیغمبر!) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مر جائے، تو تم اس پر نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہونا۔“

۲۶۷۲۔ حدیثی ابراہیم بن المنذر: حدثنا ألس بن عیاض، عن عبید اللہ، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنه قال: لما تولى عبد اللہ بن ابی جاء ابنه عبد اللہ بن عبد اللہ الی رسول اللہ ﷺ فأعطاه قميصه وأمره أن يكفنه فيه، ثم قام يصلي عليه فأخذ عمر بن الخطاب يدوبه فقال: تصلي عليه وهو منافق وقد نهاك الله أن تستغفر لهم؟ قال: ((الما خير لي الله، أو أخير لي الله فقال: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ فقال: سأزبده على سبعين)). قال: فصلى عليه رسول الله

﴿وَصَلَبْنَا مَعَهُ لَمْ أَنْزَلِ اللَّهُ عَلَيْهِ ﴿وَلَا تَصَلَّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ﴾﴾۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب عبداللہ بن ابی منافق کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیت و آپ اپنی قمیص ان کو عطاء فرمائی اور حکم دیا کہ اس قمیص کو اس کا کفن بنایا جائے، پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے؟ حالانکہ یہ منافق ہے اور اللہ ﷻ ان کیلئے استغفار سے آپ کو منع فرما چکے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے مجھے اختیار دیا ہے یا یہ فرمایا کہ اللہ ﷻ مجھے خبر دے چکے ہیں اور فرمایا ہے کہ ﴿إِسْتَعْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ الْخ﴾، پھر فرمایا کہ میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا (شاید کہ اللہ ﷻ ان کو معاف کر دے)۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی، اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی اسکے بعد اللہ ﷻ نے یہ حکم نازل فرمایا ﴿وَلَا تَصَلَّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ﴾۔

(۱۴) باب قولہ: ﴿سَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ﴾ الآية [۱۵]

اس ارشاد کا بیان: ”جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان سے درگزر کرو“۔

۴۶۷۳ - حدثنا يحيى: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن عبد الرحمن

بن عبد الله: أن عبد الله بن كعب بن مالك قال: سمعت كعب بن مالك حين تخلف عن نبوك: والله ما أكرم الله على من نعمة بعد إذ هداني أعظم من صدقي رسول الله ﷺ أن لا أكون كذبتة فاهلك كما هلك الدين كذبوا حين أنزل الوحي ﴿سَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ﴾ إلى قوله: ﴿الْفَاسِقِينَ﴾. [راجع: ۲۷۵۷]

ترجمہ: عبداللہ بن کعب بن مالک نے بیان کیا کہ میں نے (اپنے والد) حضرت کعب بن مالکؓ سے غزوہ تبوک میں ان کے شریک نہ ہونے سکے کا واقعہ ان سے سنا، انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! سیدھے راستے (اسلام) پر چلنے کی ہدایت کے بعد اللہ ﷻ نے مجھ پر اتنا بڑا کوئی اور انعام نہیں کیا جتنا رسول اللہ ﷺ سے سچ

بولنے کے بعد ظاہر ہوا کہ میں جھوٹ بولنے سے محفوظ رہا ورنہ میں بھی اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح دوسرے لوگ جھوٹی معذرتیں بیان کرنے والے ہلاک ہوئے تھے، جس وقت وحی نازل ہوئی تھی ﴿سَمِعِلْقُونُ بِأَلْفٍ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ﴾ اس آیت سے لیکر ﴿الْقَابِضِينَ﴾ تک۔

(۱۵) باب قولہ: ﴿وَأَخْرُوزًا غَتَوْفُوا بِذُنُوبِهِمْ﴾ الآية [۱۰۲]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر لیا ہے۔“

آیت کا شان نزول

منافقین اپنی منافقت کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شامل نہیں ہوئے، اور اب تک انہی کا ذکر ہوتا رہا ہے لیکن مخلص مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو سستی کی وجہ سے جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق یہ کل دس افراد تھے۔

ان میں سے سات کو اپنی اس سستی پر اتنی سخت شرمندگی ہوئی کہ ابھی آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس بھی نہیں پہنچے تھے کہ یہ خود اپنے آپ کو سزا دینے کیلئے مسجد نبوی پہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کو ستونوں سے باندھ لیا اور کہا کہ جب تک آپ ﷺ خود ہمیں معاف کر کے نہیں کھولیں گے، ہم انہی ستونوں سے بندھے رہیں گے۔

آپ ﷺ کی واپسی کا وقت قریب تھا، اور جب آپ تشریف لائے اور انہیں بندھا ہوا دیکھا تو پوچھا کیا معاملہ ہے؟ اس پر آپ کو علم ہوا کہ انہوں نے اس لئے اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب میں بھی اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ خود انہیں کھولنے کا حکم نہ دیدے۔

اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اُن کی توبہ قبول کر لی گئی اور انہیں کھول دیا گیا۔ ان سات حضرات میں حضرت ابولبابہؓ بھی تھے، جن کے نام سے ایک ستون اب بھی مسجد نبوی میں موجود ہے اور اُسے اُسٹوانہ التوبہ بھی کہا جاتا ہے۔

ایک روایات میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس ستون سے اپنے آپ کو اُس وقت باندھا تھا جب بنو قریظہ کے معاملے میں اُن سے ایک غلطی ہو گئی تھی، لیکن حافظ ابن جریر رحمہ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ واقعہ تبوک کے متعلق ہے، اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ۲۲

باقی تین حضرات کعب بن مالک، ہلال بن میہ اور مرارہ بن الربیع رضی اللہ عنہ جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے ان کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

اپنے گناہوں پر اظہارِ ندامت

اس آیت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ ہو جائے تو اُسے مایوس ہونے کے بجائے توبہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

اور غلطی کی تاویل میں کرنے کے بجائے ہر ممکن طریقے سے اپنی غلطی پر اظہارِ ندامت کرنا چاہئے۔ ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ اُمید دلائی ہے کہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ ۲۳

۴۶۷۴۔ حدیثی مؤمل: حدثنا اسمعیل بن ابراہیم: حدثنا عوف: حدثنا أبو رجاء: حدثنا سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ لنا: ((أنا في الليلة آيتان فابتعثاني فالتهمنا الى مدينة مبنية بلبن ذهب ولبن فضة فطلقنا رجال، شطر من خلقهم كأحسن ما أنت راء، وشر كأقبح ما أنت راء، قالوا لهم: اذهبوا فلقوا في ذلك النهر، فوقعوا فيه ثم رجعوا اليها قد ذهب ذلك السوء عنهم فصاروا في احسن صورة. قالوا لي: هذه جنة عدن وهذاك منزلك. قالوا: اما القوم الذين كالوا شطر منهم حسن وشر منهم قبيح فالتهم غلطوا عملا صالحا وآخر سيئا، تجاوز الله عنهم)). [راجع: ۸۴۵]

ترجمہ: حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا رات کو میرے پاس دو فرشتے آئے اور مجھے ایسے شہر میں لے گئے جو سونے اور چاندی کے اینٹوں سے بنایا گیا تھا، وہاں ہمیں ایسے لوگ ملے جن کا آدھا بدن نہایت خوبصورت تھا کہ کسی دیکھنے والے نے ایسا حسن نہ دیکھا ہوگا اور بدن کا دوسرا حصہ نہایت بد صورت تھا کہ کسی نے بھی ایسی بد صورتی نہ دیکھی ہوگی، دونوں فرشتوں نے ان سے کہا کہ جاؤ اور اس نہر میں غوطہ لگاؤ، چنانچہ وہ لوگ اس نہر میں غوطہ لگایا، پھر جب وہ دوبارہ ہمارے پاس آئے تو ان کی وہ بد صورتی چلی گئی اور اب وہ نہایت حسین و خوبصورت ہو گئے، پھر دونوں فرشتوں نے مجھ سے کہا یہ جنت عدن ہے اور یہی آپ کی منزل ہے، دونوں فرشتوں نے بتایا کہ جن لوگوں کو ابھی آپ نے دیکھا کہ جسم کا آدھا حصہ خوبصورت تھا اور آدھا بد صورت، تو یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نیک اعمال کے ساتھ کچھ برے اعمال بھی کئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا تھا۔

(۱۶) باب قوله: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ [۱۱۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہ بات نہ تو نبی کو زیب دیتی ہے، اور نہ دوسرے مؤمنوں کو کہ وہ مشرکین کیلئے مغفرت کی دعا کریں۔“

مشرکین کیلئے دعاء مغفرت کی ممانعت

اس آیت کا شان نزول یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب نے اگرچہ آپ کی بڑی مدد کی تھی، لیکن انہوں نے آخر وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب اُن کی وفات کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے انہیں ترغیب دی کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں، مگر اُسی وقت ابو جہل وغیرہ نے مخالفت کی اور وہ مسلمان نہ ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ میں آپ کیلئے اُس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس آیت نے آپ کو ان کیلئے استغفار سے منع فرما دیا۔

اس کے علاوہ تفسیر ابن جریر وغیرہ میں روایت ہے کہ بعض مسلمانوں نے اپنے مشرک باپ دادوں کے لئے استغفار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کیلئے استغفار کی تھی، اس لئے ہم بھی کر سکتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ۲۳

۴۶۷۵۔ حدثنا اسحاق بن ابراهيم: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن سعيد بن المسيب، عن أبيه قال: لما حضرت أبا طالب الوفاة دخل النبي ﷺ وعنده أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية فقال النبي ﷺ: ((أى عم، قل: لا إله إلا الله، أحاج لك بها عند الله)). فقال أبو جهل وعبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبي ﷺ: ((لا تغفرون لك ما لم آله عنك))، فنزلت ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ لِرَأْيِ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ أَصْحَابَ الْجَحِيمِ﴾ [۱۱۳]. ۲۵

۲۳ تفسیر الطبری - جامع البیان عن تاویل آیہ القرآن، ج: ۱۲، ص: ۱۹، وآسان ترجمہ قرآن، ج: ۱، ص: ۶۱۱

۲۵ ولی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اول الایمان لقوله لا إله إلا الله، رقم: ۲۳۰، وسنن النسائی، کتاب الجنائز، النهی عن الاستغفار للمشرکین، رقم: ۲۰۳۵، ومسند أحمد، احادیث رجال من اصحاب النبي ﷺ، حدیث المسیب بن حزم، رقم: ۲۳۶۷۳

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ اپنے والد حضرت مسیب بن حزن ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوطالب کی وفات کے وقت نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، اس وقت ابوطالب کے پاس ابوجہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ابوطالب سے فرمایا اے چچا! آپ ایک بار زبان سے کہ یہ کلمہ ادا کر دیں ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ میں اس کلمہ کو آپ کی نجات کیلئے اللہ جلّ جلالہ کی بارگاہ میں پیش کر دوں گا۔ اس پر ابوجہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کہنے لگے ابوطالب! کیا تم عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں آپ کیلئے برابر مغفرت کی دعا مانگتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے روک نہ دیا جائے تو یہ آیت نازل ہوئی ﴿مَّا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾۔

(۱۷) باب قوله: ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ﴾ [۱۷]
اس ارشاد کا بیان: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر اور ان مہاجرین اور انصار پر“۔

کٹھن حالات میں شریک جہاد ہونے پر اللہ کی رحمت

منافقین کی مذمت اور سستی سے رہ جانے والے مسلمانوں کی معافی کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کی اس کی اکثریت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاباش دی جا رہی ہے جنہوں نے انتہائی کٹھن حالات میں خندہ پیشانی کے ساتھ جوک کی مہم میں حصہ لیا۔ ان میں اکثریت تو انہی کی تھی جن کے دل میں جہاد اور تعمیل حکم کا جذبہ اتنا مضبوط تھا کہ وہ ان مشکل حالات کو خاطر میں نہیں لائے۔

البتہ کچھ حضرات ایسے بھی تھے کہ شروع میں ان مشکلات کی وجہ سے انکے دل میں دوسوے آئے، لیکن آخر کار انہوں نے دل و جان سے مہم میں حصہ لیا۔ انہی مسلمانوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ۶۱

۴۶۷۶۔ حدثنا أحمد بن صالح قال: حدثني ابن وهب قال: أخبرني يونس بن قال

أحمد: وحدثنا عيسى: حدثنا يونس، عن ابن شهاب قال: أخبرني عبد الرحمن بن كعب قال: أخبرني عبد الله بن كعب وكان قائد كعب من بني حنينة عمي قال: سمعت كعب بن

مالک لی حدیثہ ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِقُوا﴾ قال لی آخر حدیثہ: ان من توبتی ان
انخلع من مالی صدقة الی اللہ ورسول اللہ، فقال النبی ﷺ: ((امسک بعض مالک فهو
خیر لک)). [راجع: ۲۷۵۷]

ترجمہ: عبداللہ بن کعب رحمہ اللہ کا بیان ہے اور جس وقت حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ توبہ فرماتے تھے تو
ان کے بیٹوں میں یہی عبداللہ بن کعب ان کو راستہ میں لے کر چلتے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت
کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان سے اس واقعہ کے بارے میں سنا جس کے بارے میں آیت ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ
الَّذِينَ خُلِقُوا﴾ نازل ہوئی تھی، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے آخر میں سے عرض کیا تھا کہ اپنی توبہ کے قبول
ہونے کی خوشی میں اپنا تمام مال اللہ عزوجل اور اس کے رسول کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں لیکن نبی کریم ﷺ نے
فرمایا کہ اپنا کچھ تھوڑا سا مال اپنے پاس ہی رہنے دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

صداقت کی برکت سے جوش طاعت میں اضافہ

یہاں پر حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے آخری حصہ کو نقل کیا ہے کہ جب توبہ قبول ہونے کا اعلان ہوا اور
میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں اپنی توبہ قبول ہونے کی
خوشی میں اپنا سب مال و متاع اللہ اور اس کے رسول کے راستے میں صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں
کچھ مال اپنی ضروریات کیلئے اپنے پاس ہی رہنے دو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

تفصیلی روایت میں ہے کہ پھر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ
کے رسول! مجھے اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی ہے اس لئے میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں کبھی
سچ کے سوا کوئی کلمہ نہیں بولوں گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سچ بولنے کا عہد کیا تھا
الحمد للہ اس کے بعد آج تک کوئی جھوٹ کلمہ میری زبان پر نہیں آیا، اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی
مجھے اس سے محفوظ رکھیں گے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اسلام کے بعد اس سے بڑی نعمت مجھے نہیں ملی کہ
میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولا، جھوٹ سے پرہیز کیا، کیونکہ اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاکت میں
پڑ جاتا جس طرح دوسرے جھوٹی قسمیں کھانچنے والے ہلاک ہوئے۔

(۱۸) باب: ﴿وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا

رَحَبَتْ﴾ الآية [۱۸]

باب: ”اور اُن تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں

تک کہ جب اُن پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی۔“

۳۶۷۷ - حدیثی محمد: حدیثنا أحمد بن ابی شعیب: حدیثنا موسیٰ بن أعین:

حدیثنا اسحاق بن راشد: أن الزهري حدثه قال: أخبرني عبد الرحمن بن عبد الله بن كعب بن مالك، عن أبيه قال: سمعت أبي كعب بن مالك وهو أحد الثلاثة الذين تيب عليهم أنه لم يتخلف عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة غزاها قط غير غزوتين: غزوة العسرة، وغزوة بدر. قال: فاجمعت صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى وكان قلما يقدم من سفر سافره الاضحى، وكان يبدأ بالمسجد فيركع ركعتين ونهى النبي صلى الله عليه وسلم عن كلامي وكلام صاحبي ولم ينه عن كلام أحد من المتخلفين غيرنا. فاجتنب الناس كلامنا فلبثت كذلك حتى طال على الأمر وما من شيء أهم الي من أن أموت فلا يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، أو يموت رسول الله فأكون من الناس بعلك المنزلة فلا يكلمني أحد منهم ولا يصلي علي، فأنزل الله توبتنا على نبيه صلى الله عليه وسلم حين بقى الفلت الآخر من الليل ورسول الله صلى الله عليه وسلم عند أم سلمة، وكانت أم سلمة محسنة لي شائي، معنية لي أمري. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((يا أم سلمة، تيب على كعب)) قالت: أفلا أرسل اليه فأبشره؟ قال: ((إذا بظمكم الناس فيمنعونكم النوم سائر الليلة))، حتى إذا صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الفجر آذن بتوبة الله علينا، وكان إذا استبشر استنار وجهه حتى كأنه قطعة من القمر، وكنا أيها الثلاثة الذين خلفوا عن الأمر الذي قبل من هؤلاء الذين اعتذروا حين أنزل الله لنا التوبة. فلما ذكر الدين كذبوا رسول الله صلى الله عليه وسلم من المتخلفين واعتذروا بالباطل ذكروا بشرما ذكر به أحد، قال الله سبحانه: ﴿يَقْعَدُونَ إِلَهُكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ لَوْلَا تَقْعَدُونَ لَكُنْ تَوَمِّنَ لَكُمْ قَدْ نَبَأْنَا اللَّهُ مِنْ أَنْبَارِكُمْ وَسَمِعَ اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ﴾ الآية

[۹۳]، ۲۸

ترجمہ: عبدالرحمن بن عبداللہ بن کعب بن مالک اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت کعب بن مالک ؓ سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ ان تین صحابہ میں سے تھے جن کی توبہ قبول کی گئی، وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی بھی غزوہ میں جانے سے کبھی پیچھے نہیں رہے، مگر سوائے دو غزوات کے، ایک غزوہ عسره یعنی غزوہ تبوک اور دوسرا غزوہ بدر۔

حضرت کعب بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ (جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک سے واپسی پر مدینہ تشریف لائے) تو چاشت کے وقت میں رسول اللہ ﷺ سے (بہانہ کرنے کے بجائے) سچ کہنے کا بخیر ارادہ کر چکا تھا، آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب بھی سفر سے واپس تشریف لاتے تو اکثر چاشت کے وقت تشریف لایا کرتے تھے، اور پہلے مسجد تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے۔

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو میرے اور میرے دونوں ساتھیوں کے ساتھ بات کرنے سے روک دیا تھا، مگر ہمارے دوسرے رہ جانے والوں سے بات کرنے سے نہیں روکا تھا، چنانچہ لوگ ہم تینوں سے بات کرنے سے اجتناب کرتے (اور ہم سے الگ رہتے)، میں اسی حالت میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ معاملہ طویل ہو گیا اور مجھے اس بات کا بہت غم تھا کہ کہیں میں اسی حال میں مرنہ جاؤں، نبی کریم ﷺ مجھ پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھیں

۲۸ وفی صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب الركعتين في المسجد لمن قدم من سفر أول قدمه، رقم: ۷۱۶، وکتاب العوبة، باب حديث ثوبه كعب بن مالك وصاحبه، رقم: ۲۷۶۹، وسنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فيما عني به الطلاق والنيات، رقم: ۲۲۰۲، وکتاب الجهاد، باب في أي يوم يستحب السفر، رقم: ۲۶۰۰۵، وباب الماكر في الحرب، رقم: ۲۶۳۷، وسنن النسائي، کتاب المساجد، الرخصة في الجلوس فيه والخروج منه بغير صلاة، رقم: ۷۳۱، وکتاب الطلاق، باب الحلق باهلك، رقم: ۳۳۲۲، ۳۳۲۳، ۳۳۲۴، ۳۳۲۵، ۵۳۲۶، وکتاب الايمان والندوة، اذا التزم المسلم قبل أن يفتي، رقم: ۳۸۲۳، ۳۸۲۴، ۳۸۲۵، ۳۸۲۶، وسنن ابن ماجه، کتاب القامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في الصلاة والسجدة عند الشكر، رقم: ۱۳۹۳، ومسند احمد، مسند المكيين، بقية حديث كعب بن مالك الأنصاري، رقم: ۱۵۷۷۰، ۱۵۷۷۱، ۱۵۷۷۲، ۱۵۷۷۳، ۱۵۷۷۴، ۱۵۷۷۵، ۱۵۷۷۶، ۱۵۷۷۷، ۲۷۱۷۸، ۲۷۱۷۹، ۲۷۱۸۰، ۲۷۱۸۱، ۲۷۱۸۲، ۲۷۱۸۳، ۲۷۱۸۴، ۲۷۱۸۵، ۲۷۱۸۶، ۲۷۱۸۷، ۲۷۱۸۸، ۲۷۱۸۹، ۲۷۱۹۰، ۲۷۱۹۱، ۲۷۱۹۲، ۲۷۱۹۳، ۲۷۱۹۴، ۲۷۱۹۵، ۲۷۱۹۶، ۲۷۱۹۷، ۲۷۱۹۸، ۲۷۱۹۹، ۲۷۲۰۰، ۲۷۲۰۱، ۲۷۲۰۲، ۲۷۲۰۳، ۲۷۲۰۴، ۲۷۲۰۵، ۲۷۲۰۶، ۲۷۲۰۷، ۲۷۲۰۸، ۲۷۲۰۹، ۲۷۲۱۰، ۲۷۲۱۱، ۲۷۲۱۲، ۲۷۲۱۳، ۲۷۲۱۴، ۲۷۲۱۵، ۲۷۲۱۶، ۲۷۲۱۷، ۲۷۲۱۸، ۲۷۲۱۹، ۲۷۲۲۰، ۲۷۲۲۱، ۲۷۲۲۲، ۲۷۲۲۳، ۲۷۲۲۴، ۲۷۲۲۵، ۲۷۲۲۶، ۲۷۲۲۷، ۲۷۲۲۸، ۲۷۲۲۹، ۲۷۲۳۰، ۲۷۲۳۱، ۲۷۲۳۲، ۲۷۲۳۳، ۲۷۲۳۴، ۲۷۲۳۵، ۲۷۲۳۶، ۲۷۲۳۷، ۲۷۲۳۸، ۲۷۲۳۹، ۲۷۲۴۰، ۲۷۲۴۱، ۲۷۲۴۲، ۲۷۲۴۳، ۲۷۲۴۴، ۲۷۲۴۵، ۲۷۲۴۶، ۲۷۲۴۷، ۲۷۲۴۸، ۲۷۲۴۹، ۲۷۲۵۰، ۲۷۲۵۱، ۲۷۲۵۲، ۲۷۲۵۳، ۲۷۲۵۴، ۲۷۲۵۵، ۲۷۲۵۶، ۲۷۲۵۷، ۲۷۲۵۸، ۲۷۲۵۹، ۲۷۲۶۰، ۲۷۲۶۱، ۲۷۲۶۲، ۲۷۲۶۳، ۲۷۲۶۴، ۲۷۲۶۵، ۲۷۲۶۶، ۲۷۲۶۷، ۲۷۲۶۸، ۲۷۲۶۹، ۲۷۲۷۰، ۲۷۲۷۱، ۲۷۲۷۲، ۲۷۲۷۳، ۲۷۲۷۴، ۲۷۲۷۵، ۲۷۲۷۶، ۲۷۲۷۷، ۲۷۲۷۸، ۲۷۲۷۹، ۲۷۲۸۰، ۲۷۲۸۱، ۲۷۲۸۲، ۲۷۲۸۳، ۲۷۲۸۴، ۲۷۲۸۵، ۲۷۲۸۶، ۲۷۲۸۷، ۲۷۲۸۸، ۲۷۲۸۹، ۲۷۲۹۰، ۲۷۲۹۱، ۲۷۲۹۲، ۲۷۲۹۳، ۲۷۲۹۴، ۲۷۲۹۵، ۲۷۲۹۶، ۲۷۲۹۷، ۲۷۲۹۸، ۲۷۲۹۹، ۲۷۳۰۰، ۲۷۳۰۱، ۲۷۳۰۲، ۲۷۳۰۳، ۲۷۳۰۴، ۲۷۳۰۵، ۲۷۳۰۶، ۲۷۳۰۷، ۲۷۳۰۸، ۲۷۳۰۹، ۲۷۳۱۰، ۲۷۳۱۱، ۲۷۳۱۲، ۲۷۳۱۳، ۲۷۳۱۴، ۲۷۳۱۵، ۲۷۳۱۶، ۲۷۳۱۷، ۲۷۳۱۸، ۲۷۳۱۹، ۲۷۳۲۰، ۲۷۳۲۱، ۲۷۳۲۲، ۲۷۳۲۳، ۲۷۳۲۴، ۲۷۳۲۵، ۲۷۳۲۶، ۲۷۳۲۷، ۲۷۳۲۸، ۲۷۳۲۹، ۲۷۳۳۰، ۲۷۳۳۱، ۲۷۳۳۲، ۲۷۳۳۳، ۲۷۳۳۴، ۲۷۳۳۵، ۲۷۳۳۶، ۲۷۳۳۷، ۲۷۳۳۸، ۲۷۳۳۹، ۲۷۳۴۰، ۲۷۳۴۱، ۲۷۳۴۲، ۲۷۳۴۳، ۲۷۳۴۴، ۲۷۳۴۵، ۲۷۳۴۶، ۲۷۳۴۷، ۲۷۳۴۸، ۲۷۳۴۹، ۲۷۳۵۰، ۲۷۳۵۱، ۲۷۳۵۲، ۲۷۳۵۳، ۲۷۳۵۴، ۲۷۳۵۵، ۲۷۳۵۶، ۲۷۳۵۷، ۲۷۳۵۸، ۲۷۳۵۹، ۲۷۳۶۰، ۲۷۳۶۱، ۲۷۳۶۲، ۲۷۳۶۳، ۲۷۳۶۴، ۲۷۳۶۵، ۲۷۳۶۶، ۲۷۳۶۷، ۲۷۳۶۸، ۲۷۳۶۹، ۲۷۳۷۰، ۲۷۳۷۱، ۲۷۳۷۲، ۲۷۳۷۳، ۲۷۳۷۴، ۲۷۳۷۵، ۲۷۳۷۶، ۲۷۳۷۷، ۲۷۳۷۸، ۲۷۳۷۹، ۲۷۳۸۰، ۲۷۳۸۱، ۲۷۳۸۲، ۲۷۳۸۳، ۲۷۳۸۴، ۲۷۳۸۵، ۲۷۳۸۶، ۲۷۳۸۷، ۲۷۳۸۸، ۲۷۳۸۹، ۲۷۳۹۰، ۲۷۳۹۱، ۲۷۳۹۲، ۲۷۳۹۳، ۲۷۳۹۴، ۲۷۳۹۵، ۲۷۳۹۶، ۲۷۳۹۷، ۲۷۳۹۸، ۲۷۳۹۹، ۲۷۴۰۰، ۲۷۴۰۱، ۲۷۴۰۲، ۲۷۴۰۳، ۲۷۴۰۴، ۲۷۴۰۵، ۲۷۴۰۶، ۲۷۴۰۷، ۲۷۴۰۸، ۲۷۴۰۹، ۲۷۴۱۰، ۲۷۴۱۱، ۲۷۴۱۲، ۲۷۴۱۳، ۲۷۴۱۴، ۲۷۴۱۵، ۲۷۴۱۶، ۲۷۴۱۷، ۲۷۴۱۸، ۲۷۴۱۹، ۲۷۴۲۰، ۲۷۴۲۱، ۲۷۴۲۲، ۲۷۴۲۳، ۲۷۴۲۴، ۲۷۴۲۵، ۲۷۴۲۶، ۲۷۴۲۷، ۲۷۴۲۸، ۲۷۴۲۹، ۲۷۴۳۰، ۲۷۴۳۱، ۲۷۴۳۲، ۲۷۴۳۳، ۲۷۴۳۴، ۲۷۴۳۵، ۲۷۴۳۶، ۲۷۴۳۷، ۲۷۴۳۸، ۲۷۴۳۹، ۲۷۴۴۰، ۲۷۴۴۱، ۲۷۴۴۲، ۲۷۴۴۳، ۲۷۴۴۴، ۲۷۴۴۵، ۲۷۴۴۶، ۲۷۴۴۷، ۲۷۴۴۸، ۲۷۴۴۹، ۲۷۴۵۰، ۲۷۴۵۱، ۲۷۴۵۲، ۲۷۴۵۳، ۲۷۴۵۴، ۲۷۴۵۵، ۲۷۴۵۶، ۲۷۴۵۷، ۲۷۴۵۸، ۲۷۴۵۹، ۲۷۴۶۰، ۲۷۴۶۱، ۲۷۴۶۲، ۲۷۴۶۳، ۲۷۴۶۴، ۲۷۴۶۵، ۲۷۴۶۶، ۲۷۴۶۷، ۲۷۴۶۸، ۲۷۴۶۹، ۲۷۴۷۰، ۲۷۴۷۱، ۲۷۴۷۲، ۲۷۴۷۳، ۲۷۴۷۴، ۲۷۴۷۵، ۲۷۴۷۶، ۲۷۴۷۷، ۲۷۴۷۸، ۲۷۴۷۹، ۲۷۴۸۰، ۲۷۴۸۱، ۲۷۴۸۲، ۲۷۴۸۳، ۲۷۴۸۴، ۲۷۴۸۵، ۲۷۴۸۶، ۲۷۴۸۷، ۲۷۴۸۸، ۲۷۴۸۹، ۲۷۴۹۰، ۲۷۴۹۱، ۲۷۴۹۲، ۲۷۴۹۳، ۲۷۴۹۴، ۲۷۴۹۵، ۲۷۴۹۶، ۲۷۴۹۷، ۲۷۴۹۸، ۲۷۴۹۹، ۲۷۵۰۰، ۲۷۵۰۱، ۲۷۵۰۲، ۲۷۵۰۳، ۲۷۵۰۴، ۲۷۵۰۵، ۲۷۵۰۶، ۲۷۵۰۷، ۲۷۵۰۸، ۲۷۵۰۹، ۲۷۵۱۰، ۲۷۵۱۱، ۲۷۵۱۲، ۲۷۵۱۳، ۲۷۵۱۴، ۲۷۵۱۵، ۲۷۵۱۶، ۲۷۵۱۷، ۲۷۵۱۸، ۲۷۵۱۹، ۲۷۵۲۰، ۲۷۵۲۱، ۲۷۵۲۲، ۲۷۵۲۳، ۲۷۵۲۴، ۲۷۵۲۵، ۲۷۵۲۶، ۲۷۵۲۷، ۲۷۵۲۸، ۲۷۵۲۹، ۲۷۵۳۰، ۲۷۵۳۱، ۲۷۵۳۲، ۲۷۵۳۳، ۲۷۵۳۴، ۲۷۵۳۵، ۲۷۵۳۶، ۲۷۵۳۷، ۲۷۵۳۸، ۲۷۵۳۹، ۲۷۵۴۰، ۲۷۵۴۱، ۲۷۵۴۲، ۲۷۵۴۳، ۲۷۵۴۴، ۲۷۵۴۵، ۲۷۵۴۶، ۲۷۵۴۷، ۲۷۵۴۸، ۲۷۵۴۹، ۲۷۵۵۰، ۲۷۵۵۱، ۲۷۵۵۲، ۲۷۵۵۳، ۲۷۵۵۴، ۲۷۵۵۵، ۲۷۵۵۶، ۲۷۵۵۷، ۲۷۵۵۸، ۲۷۵۵۹، ۲۷۵۶۰، ۲۷۵۶۱، ۲۷۵۶۲، ۲۷۵۶۳، ۲۷۵۶۴، ۲۷۵۶۵، ۲۷۵۶۶، ۲۷۵۶۷، ۲۷۵۶۸، ۲۷۵۶۹، ۲۷۵۷۰، ۲۷۵۷۱، ۲۷۵۷۲، ۲۷۵۷۳، ۲۷۵۷۴، ۲۷۵۷۵، ۲۷۵۷۶، ۲۷۵۷۷، ۲۷۵۷۸، ۲۷۵۷۹، ۲۷۵۸۰، ۲۷۵۸۱، ۲۷۵۸۲، ۲۷۵۸۳، ۲۷۵۸۴، ۲۷۵۸۵، ۲۷۵۸۶، ۲۷۵۸۷، ۲۷۵۸۸، ۲۷۵۸۹، ۲۷۵۹۰، ۲۷۵۹۱، ۲۷۵۹۲، ۲۷۵۹۳، ۲۷۵۹۴، ۲۷۵۹۵، ۲۷۵۹۶، ۲۷۵۹۷، ۲۷۵۹۸، ۲۷۵۹۹، ۲۷۶۰۰، ۲۷۶۰۱، ۲۷۶۰۲، ۲۷۶۰۳، ۲۷۶۰۴، ۲۷۶۰۵، ۲۷۶۰۶، ۲۷۶۰۷، ۲۷۶۰۸، ۲۷۶۰۹، ۲۷۶۱۰، ۲۷۶۱۱، ۲۷۶۱۲، ۲۷۶۱۳، ۲۷۶۱۴، ۲۷۶۱۵، ۲۷۶۱۶، ۲۷۶۱۷، ۲۷۶۱۸، ۲۷۶۱۹، ۲۷۶۲۰، ۲۷۶۲۱، ۲۷۶۲۲، ۲۷۶۲۳، ۲۷۶۲۴، ۲۷۶۲۵، ۲۷۶۲۶، ۲۷۶۲۷، ۲۷۶۲۸، ۲۷۶۲۹، ۲۷۶۳۰، ۲۷۶۳۱، ۲۷۶۳۲، ۲۷۶۳۳، ۲۷۶۳۴، ۲۷۶۳۵، ۲۷۶۳۶، ۲۷۶۳۷، ۲۷۶۳۸، ۲۷۶۳۹، ۲۷۶۴۰، ۲۷۶۴۱، ۲۷۶۴۲، ۲۷۶۴۳، ۲۷۶۴۴، ۲۷۶۴۵، ۲۷۶۴۶، ۲۷۶۴۷، ۲۷۶۴۸، ۲۷۶۴۹، ۲۷۶۵۰، ۲۷۶۵۱، ۲۷۶۵۲، ۲۷۶۵۳، ۲۷۶۵۴، ۲۷۶۵۵، ۲۷۶۵۶، ۲۷۶۵۷، ۲۷۶۵۸، ۲۷۶۵۹، ۲۷۶۶۰، ۲۷۶۶۱، ۲۷۶۶۲، ۲۷۶۶۳، ۲۷۶۶۴، ۲۷۶۶۵، ۲۷۶۶۶، ۲۷۶۶۷، ۲۷۶۶۸، ۲۷۶۶۹، ۲۷۶۷۰، ۲۷۶۷۱، ۲۷۶۷۲، ۲۷۶۷۳، ۲۷۶۷۴، ۲۷۶۷۵، ۲۷۶۷۶، ۲۷۶۷۷، ۲۷۶۷۸، ۲۷۶۷۹، ۲۷۶۸۰، ۲۷۶۸۱، ۲۷۶۸۲، ۲۷۶۸۳، ۲۷۶۸۴، ۲۷۶۸۵، ۲۷۶۸۶، ۲۷۶۸۷، ۲۷۶۸۸، ۲۷۶۸۹، ۲۷۶۹۰، ۲۷۶۹۱، ۲۷۶۹۲، ۲۷۶۹۳، ۲۷۶۹۴، ۲۷۶۹۵، ۲۷۶۹۶، ۲۷۶۹۷، ۲۷۶۹۸، ۲۷۶۹۹، ۲۷۷۰۰، ۲۷۷۰۱، ۲۷۷۰۲، ۲۷۷۰۳، ۲۷۷۰۴، ۲۷۷۰۵، ۲۷۷۰۶، ۲۷۷۰۷، ۲۷۷۰۸، ۲۷۷۰۹، ۲۷۷۱۰، ۲۷۷۱۱، ۲۷۷۱۲، ۲۷۷۱۳، ۲۷۷۱۴، ۲۷۷۱۵، ۲۷۷۱۶، ۲۷۷۱۷، ۲۷۷۱۸، ۲۷۷۱۹، ۲۷۷۲۰، ۲۷۷۲۱، ۲۷۷۲۲، ۲۷۷۲۳، ۲۷۷۲۴، ۲۷۷۲۵، ۲۷۷۲۶، ۲۷۷۲۷، ۲۷۷۲۸، ۲۷۷۲۹، ۲۷۷۳۰، ۲۷۷۳۱، ۲۷۷۳۲، ۲۷۷۳۳، ۲۷۷۳۴، ۲۷۷۳۵، ۲۷۷۳۶، ۲۷۷۳۷، ۲۷۷۳۸، ۲۷۷۳۹، ۲۷۷۴۰، ۲۷۷۴۱، ۲۷۷۴۲، ۲۷۷۴۳، ۲۷۷۴۴، ۲۷۷۴۵، ۲۷۷۴۶، ۲۷۷۴۷، ۲۷۷۴۸، ۲۷۷۴۹، ۲۷۷۵۰، ۲۷۷۵۱، ۲۷۷۵۲، ۲۷۷۵۳، ۲۷۷۵۴، ۲۷۷۵۵، ۲۷۷۵۶، ۲۷۷۵۷، ۲۷۷۵۸، ۲۷۷۵۹، ۲۷۷۶۰، ۲۷۷۶۱، ۲۷۷۶۲، ۲۷۷۶۳، ۲۷۷۶۴، ۲۷۷۶۵، ۲۷۷۶۶، ۲۷۷۶۷، ۲۷۷۶۸، ۲۷۷۶۹، ۲۷۷۷۰، ۲۷۷۷۱، ۲۷۷۷۲، ۲۷۷۷۳، ۲۷۷۷۴، ۲۷۷۷۵، ۲۷۷۷۶، ۲۷۷۷۷، ۲۷۷۷۸، ۲۷۷۷۹، ۲۷۷۸۰، ۲۷۷۸۱، ۲۷۷۸۲، ۲۷۷۸۳، ۲۷۷۸۴، ۲۷۷۸۵، ۲۷۷۸۶، ۲۷۷۸۷، ۲۷۷۸۸، ۲۷۷۸۹، ۲۷۷۹۰، ۲۷۷۹۱، ۲۷۷۹۲، ۲۷۷۹۳، ۲۷۷۹۴، ۲۷۷۹۵، ۲۷۷۹۶، ۲۷۷۹۷، ۲۷۷۹۸، ۲۷۷۹۹، ۲۷۸۰۰، ۲۷۸۰۱، ۲۷۸۰۲، ۲۷۸۰۳، ۲۷۸۰۴، ۲۷۸۰۵، ۲۷۸۰۶، ۲۷۸۰۷، ۲۷۸۰۸، ۲۷۸۰۹، ۲۷۸۱۰، ۲۷۸۱۱، ۲۷۸۱۲، ۲۷۸۱۳، ۲۷۸۱۴، ۲۷۸۱۵، ۲۷۸۱۶، ۲۷۸۱۷، ۲۷۸۱۸، ۲۷۸۱۹، ۲۷۸۲۰، ۲۷۸۲۱، ۲۷۸۲۲، ۲۷۸۲۳، ۲۷۸۲۴، ۲۷۸۲۵، ۲۷۸۲۶، ۲۷۸۲۷، ۲۷۸۲۸، ۲۷۸۲۹، ۲۷۸۳۰، ۲۷۸۳۱، ۲۷۸۳۲، ۲۷۸۳۳، ۲۷۸۳۴، ۲۷۸۳۵، ۲۷۸۳۶، ۲۷۸۳۷، ۲۷۸۳۸، ۲۷۸۳۹، ۲۷۸۴۰، ۲۷۸۴۱، ۲۷۸۴۲، ۲۷۸۴۳، ۲۷۸۴۴، ۲۷۸۴۵، ۲۷۸۴۶، ۲۷۸۴۷، ۲۷۸۴۸، ۲۷۸۴۹، ۲۷۸۵۰، ۲۷۸۵۱، ۲۷۸۵۲، ۲۷۸۵۳، ۲۷۸۵۴، ۲۷۸۵۵، ۲۷۸۵۶، ۲۷۸۵۷، ۲۷۸۵۸، ۲۷۸۵۹، ۲۷۸۶۰، ۲۷۸۶۱، ۲۷۸۶۲، ۲۷۸۶۳، ۲۷۸۶۴، ۲۷۸۶۵، ۲۷۸۶۶، ۲۷۸۶۷، ۲۷۸۶۸، ۲۷۸۶۹، ۲۷۸۷۰، ۲۷۸۷۱، ۲۷۸۷۲، ۲۷۸۷۳، ۲۷۸۷۴، ۲۷۸۷۵، ۲۷۸۷۶، ۲۷۸۷۷، ۲۷۸۷۸، ۲۷۸۷۹، ۲۷۸۸۰، ۲۷۸۸۱، ۲۷۸۸۲، ۲۷۸۸۳، ۲۷۸۸۴، ۲۷۸۸۵، ۲۷۸۸۶، ۲۷۸۸۷، ۲۷۸۸۸، ۲۷۸۸۹، ۲۷۸۹۰، ۲۷۸۹۱، ۲۷۸۹۲، ۲۷۸۹۳، ۲۷۸۹۴، ۲۷۸۹۵، ۲۷۸۹۶، ۲۷۸۹۷، ۲۷۸۹۸، ۲۷۸۹۹، ۲۷۹۰۰، ۲۷۹۰۱، ۲۷۹۰۲، ۲۷۹۰۳، ۲۷۹۰۴، ۲۷۹۰۵، ۲۷۹۰۶، ۲۷۹۰۷، ۲۷۹۰۸، ۲۷۹۰۹، ۲۷۹۱۰، ۲۷۹۱۱، ۲۷۹۱۲، ۲۷۹۱۳، ۲۷۹۱۴، ۲۷۹۱۵، ۲۷۹۱۶، ۲۷۹۱۷، ۲۷۹۱۸، ۲۷۹۱۹، ۲۷۹۲۰، ۲۷۹۲۱، ۲۷۹۲۲، ۲۷۹۲۳، ۲۷۹۲۴، ۲۷۹۲۵، ۲۷۹۲۶، ۲۷۹۲۷، ۲۷۹۲۸، ۲۷۹۲۹، ۲۷۹۳۰، ۲۷۹۳۱، ۲۷۹۳۲، ۲۷۹۳۳، ۲۷۹۳۴، ۲۷۹۳۵، ۲۷۹۳۶، ۲۷۹۳۷، ۲۷۹۳۸، ۲۷۹۳۹، ۲۷۹۴۰، ۲۷۹۴۱، ۲۷۹۴۲، ۲۷۹۴۳، ۲۷۹۴۴، ۲۷۹۴۵، ۲۷۹۴۶، ۲۷۹۴۷، ۲۷۹۴۸، ۲۷۹۴۹، ۲۷۹۵۰، ۲۷۹۵۱، ۲۷۹۵۲، ۲۷۹۵۳، ۲۷۹۵۴، ۲۷۹۵۵، ۲۷۹۵۶، ۲۷۹۵۷، ۲۷۹۵۸، ۲۷۹۵۹، ۲۷۹۶۰، ۲۷۹۶۱، ۲۷۹۶۲، ۲۷۹۶۳، ۲۷۹۶۴، ۲۷۹۶۵، ۲۷۹۶۶، ۲۷۹۶۷، ۲۷۹۶۸، ۲۷۹۶۹، ۲۷۹۷۰، ۲۷۹۷۱، ۲۷۹۷۲، ۲۷۹۷۳، ۲۷۹۷۴، ۲۷۹۷۵، ۲۷۹۷۶، ۲۷۹۷۷، ۲۷۹۷۸، ۲۷۹۷۹، ۲۷۹۸۰، ۲۷۹۸۱، ۲۷۹۸۲، ۲۷۹۸۳، ۲۷۹۸۴، ۲۷۹۸۵، ۲۷۹۸۶، ۲۷۹۸۷، ۲۷۹۸۸، ۲۷۹۸۹، ۲۷۹۹۰، ۲۷۹۹۱، ۲۷۹۹۲، ۲۷۹۹۳، ۲۷۹۹۴، ۲۷۹۹۵، ۲۷۹۹۶، ۲۷۹۹۷، ۲۷۹۹۸، ۲۷۹۹۹، ۲۸۰۰۰، ۲۸۰۰۱، ۲۸۰۰۲، ۲۸۰۰۳، ۲۸۰۰۴، ۲۸۰۰۵، ۲۸۰۰۶، ۲۸۰۰۷، ۲۸۰۰۸، ۲۸۰۰۹، ۲۸۰۱۰، ۲۸۰۱۱، ۲۸۰۱۲، ۲۸۰۱۳، ۲۸۰۱۴، ۲۸۰۱۵، ۲۸۰۱۶، ۲۸۰۱۷، ۲۸۰۱۸، ۲۸۰۱۹، ۲۸۰۲۰، ۲۸۰۲۱، ۲۸۰۲۲، ۲۸۰۲۳، ۲۸۰۲۴، ۲۸۰۲۵، ۲۸۰۲۶، ۲۸۰۲۷، ۲۸۰۲۸، ۲۸۰۲۹، ۲۸۰۳۰، ۲۸۰۳۱، ۲۸۰۳۲، ۲۸۰۳۳، ۲۸۰۳۴، ۲۸۰۳۵، ۲۸۰۳۶، ۲۸۰۳۷، ۲۸۰۳۸، ۲۸۰۳۹، ۲۸۰۴۰، ۲۸۰۴۱، ۲۸۰۴۲، ۲۸۰۴۳، ۲۸۰۴۴، ۲۸۰۴۵، ۲۸۰۴۶، ۲۸۰۴۷، ۲۸۰۴۸، ۲۸۰۴۹، ۲۸۰۵۰، ۲۸۰۵۱، ۲۸۰۵۲، ۲۸۰۵۳، ۲۸۰۵۴، ۲۸۰۵۵، ۲۸۰۵۶، ۲۸۰۵۷، ۲۸۰۵۸، ۲۸۰۵۹، ۲۸۰۶۰، ۲۸۰۶۱، ۲۸۰۶۲، ۲۸۰۶۳، ۲۸۰۶۴، ۲۸۰۶۵، ۲۸۰۶۶، ۲۸۰۶۷، ۲۸۰۶۸، ۲۸۰۶۹، ۲۸۰۷۰، ۲۸۰۷۱، ۲۸۰۷۲، ۲۸۰۷۳، ۲۸۰۷۴، ۲۸۰۷۵، ۲۸۰۷۶، ۲۸۰۷۷، ۲۸۰۷۸، ۲۸۰۷۹، ۲۸۰۸۰، ۲۸۰۸۱، ۲۸۰۸۲، ۲۸۰۸۳، ۲۸۰۸۴، ۲۸۰۸۵، ۲۸۰۸۶، ۲۸۰۸۷، ۲۸۰۸۸، ۲۸۰۸۹، ۲۸۰۹۰، ۲۸۰۹۱، ۲۸۰۹۲، ۲۸۰۹۳، ۲۸۰۹۴، ۲۸۰۹۵، ۲۸۰۹۶، ۲۸۰۹۷، ۲۸۰۹۸، ۲۸۰۹۹، ۲۸۱۰۰، ۲۸۱۰۱، ۲۸۱۰۲، ۲۸۱۰۳، ۲۸۱۰۴، ۲۸۱۰۵، ۲

املائیہ اعتراف کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ منافقین کی طرف سے بظاہر اغماض کر کے ان کے بواطن کو خدا کے سپرد کر دیا گیا، ”اصحاب سواری“ یعنی جو مسجد کے ستونوں سے بندھے ہوئے تھے، ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔

لیکن ان تینوں حضرات کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع رحمہم اللہ کا فیصلہ تادیباً کچھ مدت کیلئے ملتوی رکھا گیا، پچاس دن گزرنے کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔

پیچھے رہ جانے کا یہ مطلب ہے جیسا کہ خود کعب بن مالک رحمہم اللہ سے منقول ہے۔

(۱۹) باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [۱۱۹]

باب: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔“

۴۶۷۸۔ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن عبد الرحمن بن عبد الله بن كعب بن مالك أن عبد الله بن كعب بن مالك وكان قائد كعب بن مالك قال: سمعت كعب بن مالك يحدث حين تخلف عن قصة تبوك: فوالله ما أعلم أحدا أبلاه الله في صدق الحديث أحسن مما أبلاني، ما تعددت منذ ذكرت ذلك لرسول الله ﷺ إلى يومى هذا كذبا، وأنزل الله عز وجل على رسوله ﷺ ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ﴾ إلى قوله: ﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [۱۱۹-۱۱۷]۔

ترجمہ: ابن شہاب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کعب بن مالک (حضرت کعب بن مالک رحمہم اللہ کے پوتے) روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن کعب بن مالک، یہ عبد اللہ وہی ہیں جو حضرت کعب بن مالک رحمہم اللہ کے نابینا ہونے کے بعد انکو اپنے ساتھ لے کر چلتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے والد) حضرت کعب بن مالک رحمہم اللہ سے سنا کہ، انہوں نے غزوہ تبوک سے اپنے پیچھے رہ جانے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کی قسم! شاید اللہ تعالیٰ نے کسی پر سچ بولنے کے صلہ میں اتنا بڑا انعام نہ کیا ہو، جتنا مجھ پر عنایت فرمایا ہے، جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا ٹھیک ٹھاک سبب بیان کر دیا ہے، تب سے لے کر آج تک جھوٹ بولنے کا قصد بھی نہیں کیا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیت ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ﴾ سے لیکر ﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ تک نازل فرمائی۔

سچائی میں برکت اور جھوٹ میں نحوست

”وكان قائد كعب بن مالك“ عبد اللہ بن كعب بن مالک نے بیان کیا اور یہ عبد اللہ اپنے والد حضرت کعب بن مالک ؓ کو ساتھ لے کر چلتے تھے، جب آخری عمر میں وہ نابینا ہو گئے تھے۔۔۔

عبد اللہ بن کعب کا بیان ہے کہ میں نے کعب بن مالک ؓ سے سنا غزوہ تبوک میں اپنی غیر حاضری کا قصہ بیان کر رہے تھے، فرمایا خدا کی قسم! سچ بولنے کا جتنا عمدہ پھل اللہ ﷻ نے مجھے دیا کسی اور کو دینا میرے علم میں نہیں جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس بارے میں سچی بات کہی تھی اس وقت سے آج تک میں نے کبھی جھوٹ کا ارادہ تک نہیں کیا۔

اور اللہ ﷻ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیت نازل کی تھی ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ﴾ بے شک اللہ نے نبی پر اور مہاجرین و انصار پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی کہ ان کی اس سچائی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نہ صرف توبہ قبول فرمائی، بلکہ سچے لوگوں کی حیثیت سے قیامت تک کیلئے ان کا تذکرہ قرآن کریم میں زندہ جاوید کر دیا گیا۔

اس آیت میں یہ تعلیم بھی ہے کہ انسان کو اپنی صحبت سچے لوگوں کے ساتھ رکھنی چاہئے، جو زبان کے بھی سچے ہوں اور عمل کے بھی سچے ہوں۔

(۲۰) باب قوله: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾

[۱۲۸]

اس ارشاد کا بیان: ”(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کی ذات؛ ہر ایک کیلئے رحمت

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کا پوری خلق خدا خصوصاً مسلمانوں پر بے حد مہربان و شفیق ہونا بیان فرمایا ہے۔ سورہ توبہ کے آخر میں یہ مضمون اس لئے لانا مناسب ہوا کہ اس پوری سورت میں کفار سے براءت، قطع

تعلق، قتال و جہاد کا ذکر تھا جو دعوت الی اللہ کی آخری صورت ہے جبکہ زبانی دعوت و تبلیغ سے اصلاح کی توقع نہ رہے، لیکن اصل کام انبیاء علیہم السلام کا یہی ہے کہ شفقت و رحمت اور ہمدردی و خیر خواہی کے جذبے سے خلق خدا کو خدا کی طرف آنے کی دعوت دیں، اور ان کی طرف سے اعراض یا کوئی تکلیف پیش آئے تو اس کو اللہ کے سپرد کر دیں اس پر توکل کریں، کیونکہ وہ رب العرش العظیم ہے۔ ۲۹

من الرأفة .

ترجمہ الباب میں بیان کی گئی آیت میں لفظ ”رؤف“ مشتق ہے ”الرأفة“ سے جسکے معنی ہیں مہربانی اور شفقت کے ہیں۔

۴۶۷۹ - حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعیب، عن الزہری قال: أخبرنی ابن السہالی:

أن زید بن ثابت الأنصاری ؓ وکان ممن یمکتب الوحی قال: أرسل الی أبو بکر مقلتل أهل البمامة وعنده عمر فقال أبو بکر: ان عمر أتانی فقال: ان القتل قد استعحر يوم القيامة بالناس، والی أخشی أن يستعحر القتل بالقراء فی المواطن فیهذهب کثیر من القرآن الا ان تجمعه. وانی لأری أن تجمع القرآن، قال أبو بکر: قلت لعمر: کیف أفعل شیئا لم یفعله رسول الله ﷺ؟ فقال عمر: هو والله خیر، فلم یزل عمر یراجعنی فیه حتی شرح الله لذلك صدري ورأیت الذی رای عمر. قال زید بن ثابت: وعمر عنده جالس لا یمکلم، فقال أبو بکر: انک رجل شاب عاقل ولا نهمک، کنت تکتب الوحی لرسول الله ﷺ فتجمع القرآن فاجمعه. فوالله لو کلفنی لقل جبل من الجبال ما کان أقل علی مما أمرنی به من جمع القرآن. قلت: کیف تفعلان شیئا لم یفعله النبی ﷺ؟ فقال أبو بکر: هو والله خیر، فلم أزل أراجعہ حتی شرح الله صدري للذی شرح الله له صدر أبی بکر وعمر. فقلت فتبعتم القرآن أجمعه من الرقاع والأکفاف والعسف وصدور الرجال حتی وجدت من سورة التوبة آیتین مع غزیمۃ الأنصاری لم أجدهما مع أحد غیره ﴿لَقَدْ جَاءَ کُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِکُمْ عَزِيزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْکُمْ﴾ الی آخرها. وکانت الصحف العی جمع فیها القرآن عند أبی بکر حتی توفاه الله، ثم عند عمر حتی توفاه الله، ثم عند حفصة بنت عمر.

تابعہ عثمان بن عمر، واللیث، عن یونس، عن ابن شہاب.

وقال اللیث: حدثنی عبدالرحمن بن خالد، عن ابن شہاب وقال: مع أبی عزیمة

الانصاری وقال موسى، عن ابراهيم: حدثنا ابن شهاب: مع ابي خزيمة. وتابعه يعقوب بن ابراهيم عن ابيه. وقال ابو ثابت: حدثنا ابراهيم، وقال: مع خزيمة، او ابي خزيمة. [راجع: ۲۸۰۷]

ترجمہ: حضرت زید بن انصاری رحمہ اللہ جو کاتب وحی تھے، انہوں نے بیان کیا کہ اہل یمامہ کی جنگ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رحمہ اللہ نے مجھ کو بلا بھیجا، اور حضرت عمر رحمہ اللہ بھی ان کے پاس موجود تھے، حضرت ابوبکر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عمر میرے پاس آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ میں مسلمانوں کا کافی تعداد میں شہید ہوئے ہیں (جن میں قرآن کے حافظ صحابہ بڑی تعداد میں تھے) اور مجھے اندیشہ ہے کہ مختلف مقامات میں بھی کفار کے ساتھ جنگ میں قرآن کے حافظ شہید ہوں گے، پھر قرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا، اس لئے آپ قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرادیں (تاکہ قرآن محفوظ ہو جائے) اور میرا خیال یہ ہے کہ آپ قرآن جمع کرادیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رحمہ اللہ نے فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے حضرت عمر رحمہ اللہ سے کہا کہ میں ایسا کام کس طرح کر سکتا ہوں جو خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا تھا؟ تو حضرت عمر رحمہ اللہ نے کہا اللہ کی قسم! یہ تو محض نیک کام ہے، چنانچہ حضرت عمر رحمہ اللہ اس معاملہ میں بار بار مجھ سے گفتگو کرتے رہے، آخر کار اللہ ﷻ نے اس کام کے لئے مجھے بھی شرح صدر عطا فرمایا اور میری بھی رائے وہی ہو گئی جو حضرت عمر رحمہ اللہ کی تھی۔

حضرت زید بن ثابت رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عمر رحمہ اللہ وہیں پر خاموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر ابوبکر صدیق رحمہ اللہ نے فرمایا تم جوان اور سمجھ دار آدمی ہو اور نہ ہمیں تم پر کسی قسم کا جھوٹ اور بھول کا شبہ ہے اور تم رسول اللہ ﷺ کی وحی بھی لکھا کرتے تھے اس لئے تم ہی قرآن مجید کو متفرق مخطوطات سے تلاش کر کے اسے جمع کر دو۔

(حضرت زید بن ثابت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) اللہ کی قسم! اگر حضرت ابوبکر صدیق رحمہ اللہ مجھے کسی پہاڑ کو اٹھا کر لے جانے کے متعلق کہتے تو یہ میرے لئے اتنا گراں نہیں تھا جتنا قرآن کی ترتیب و جمع کا حکم مجھ پر گراں تھا۔ پھر میں (یعنی حضرت زید بن ثابت رحمہ اللہ) نے عرض کیا کہ آپ دونوں حضرات یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ایسا کام کرنے پر کس طرح آمادہ ہو گئے جسے خود نبی کریم ﷺ نے نہیں کیا تھا؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ کی قسم! یہ تو ایک نیک کام ہے۔

پھر میں ان سے اس مسئلہ پر گفتگو کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے مجھے بھی شرح صدر فرمایا جس طرح حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو شرح صدر فرمایا تھا۔

چنانچہ میں اٹھا اور میں نے کھال، ہڈی اور کھجور کی شاخوں سے قرآن کو جمع کرنا شروع کیا، اور دوسرے لوگوں کے حافظہ سے بھی مدد لی، یہاں تک کہ سورہ توبہ کی دو آیتیں حضرت خزیمہ انصاری رحمہ اللہ کے پاس مجھے ملیں، جو ان کے علاوہ کسی کے پاس مجھے نہیں ملی تھیں (وہ آیتیں یہ تھیں)، ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ

عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ ﴿سورة کے آخر تک۔

پھر وہ مصحف جس میں قرآن مجید جمع کیا گیا تھا حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے پاس رہا، یہاں کہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی، پھر حضرت عمر ؓ کے پاس محفوظ رہا، یہاں کہ اللہ نے ان کو وفات دے دی، پھر اس کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا۔

اس روایت میں شعیب کی متابعت عثمان بن عمرو اور لیث بن سعد نے کی، ان دونوں بھی یونس سے روایت کی اور انہوں ابن شہاب زہری سے۔

لیث بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمن نے حدیث بیان کی اور انہوں نے ابن شہاب سے روایت نقل کی، اور کہتے ہیں سورة التوبہ کی آخری دو آیات ابو خزیمہ انصاری ؓ کے پاس تھیں، (نہ کہ خزیمہ انصاری ؓ کے پاس)۔ اور موسیٰ بن اسماعیل نے ابراہیم سے روایت کی، ہم سے ابن شہاب نے روایت بیان کی کہ ابو خزیمہ انصاری ؓ کے پاس تھیں۔ اور ان کی متابعت یعقوب بن ابراہیم نے بھی کی ہے، اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے۔ اور ابو ثابت کہتے ہیں کہ ہم سے ابراہیم نے روایت بیان کی اور خزیمہ ؓ یا ابو خزیمہ ؓ کہا (یعنی شک کے ساتھ)۔

(۱۰) سورۃ یونس

سورۃ یونس کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہ تسمیہ

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی، البتہ بعض مفسرین نے اس کی تین آیتوں کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن اس کا کوئی یقینی ثبوت موجود نہیں ہے۔
سورت کا نام حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے جن کا ذکر اس آیت میں ہے ﴿فَلَوْلَا مَنَّاتُ
لِرَبِّكَ آمَنَّا لَفَنَفَعْنَا إِيْمَانُهَا إِلَّا قَوْمٌ يُّنْسُ﴾ [۹۸: ۹۷]۔

سورت کا مرکزی مضمون

ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں سب سے اہم مسئلہ اسلام کے بنیادی عقائد کو ثابت کرنا تھا، اس لئے اکثر مکی سورتوں میں بنیادی زور توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر دیا گیا ہے۔ اس سورت کے بھی مرکزی موضوعات یہی ہیں۔

اس کے ساتھ اسلام پر مشرکین عرب کے اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں اور ان کے غلط طرز عمل کی مذمت کی گئی ہے اور انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر انہوں نے اپنی ضد جاری رکھی تو دنیا اور آخرت دونوں میں ان پر اللہ جلّ جلالہ کی طرف سے عذاب آسکتا ہے۔

اسی سلسلے میں پچھلے انبیاء کرام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کے نتیجے میں فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ اور حضرت نوح اور حضرت یونس علیہما السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان میں کافروں کیلئے تو یہ سبق ہے کہ انہوں نے پیغمبر کی مخالفت میں جو رویہ اختیار کیا ہوا ہے، اس کے نتیجے میں ان کا انجام بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کیلئے یہ تسلی کا سامان بھی ہے کہ ان ساری مخالفتوں کے باوجود آخری انجام ان شاء اللہ انہی کے حق میں ہوگا۔

(۱) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

وقال ابن عباس: ﴿فَاخْتَلَطَ﴾ [۲۳]: فَنَبَتُ بِالْمَاءِ مِنْ كُلِّ لَوْنٍ. وَ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ [۶۸]. وقال زيد بن اسلم: ﴿أَنَّ لَهُمْ لَدَمْ صِدْقٍ﴾ [۲] محمد ﷺ. وقال مجاهد: غير. يقال: ﴿بَلَكَ آثَاكُ﴾، بمعنى هذه أعلام القرآن. ومثله ﴿حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَّتْ بِهْمُ﴾ [۲۲] المعنى: بكم. ﴿دَعَوْاهُمْ﴾ [۱۰]: دَعَاؤُهُمْ. ﴿أَحْبَطَ بِهْمُ﴾ [۲۳]: دَلَا مِنْ الْهَلَكَةِ، ﴿أَحَاطَتْ بِهِ غَطِيَّتُهُ﴾ [البقرة: ۸۱]. ﴿فَاتَّبَعَهُمْ﴾ وَاتَّبَعَهُمْ وَاحِدٌ. ﴿عَدُوا﴾ [۹۰]: مِنَ الْعَدُوَانِ. وقال مجاهد: ﴿وَلَوْ يُعْجِلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَفْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ﴾. قول الإنسان لولده وماله إذا غضب: اللَّهُمَّ لَا تَبَارِكْ لَهُ وَالْعَنَةُ. ﴿لَقَدْ بَيَّسَ إِلَيْهِمْ أَجْلَهُمْ﴾ [۱۱]: لَا هَلَكَ مِنْ دَعَى عَلَيْهِ وَلَا مَانَةٌ. ﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى﴾ به مثلها حسنى. ﴿وَزِيَادَةٌ﴾ [۲۶]: غُفْرَةٌ وَرِضْوَانٌ. وقال غيره: النظر إلى وجهه. ﴿الْكِبْرِيَاءُ﴾ [۷۸]: الْمَلِكُ.

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "فَاخْتَلَطَ" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بارش کے بعد زمین پر اُگنے والے ہر قسم کے سبزہ اور ہریالی مراد ہے یہاں پر۔

﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾

ترجمہ: (کچھ) لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔

پاک ہے اُس کی ذات! وہ ہر چیز سے پاک ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بیوی بچوں سے پاک ہے، ساری کائنات اسکی مخلوق و مملوک ہے۔

حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ نے ﴿أَنَّ لَهُمْ لَدَمْ صِدْقٍ﴾ کی تفسیر کی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ تشریف

لائے ہیں یعنی اللہ ﷻ نے ان کو نبوت و رسالت سے نوازا ہے۔ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے اس کی یہ تفسیر بیان

کی ہے کہ ”غیر“ سے مراد ہے بھلائی، نیک عمل ہے۔

جبکہ عام مفسرین نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ ”قدم صدق“ کے معنی ہے سچائی کا مقام یعنی وہ لوگ جو ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے ان کو اللہ ﷻ اچھا مقام عطا فرمائیں گے۔

کہا گیا ہے کہ ”بَلَّغْ آيَاتِكَ“ کے معنی یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کی نشانیاں ہیں۔

اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہاں پر ”تِلْكَ“ جو غائب کی طرف اشارہ کرنے کیلئے بیان ہوتا ہے یہاں پر موجود کیلئے استعمال ہو رہا ہے۔ جیسے کہ اس آیت میں ہے کہ ۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ جب تک کشتیوں سوار ہوتے ہو، اور یہ کشتیاں تم لوگوں کو لے کر چلتی ہیں۔

یہاں پر ”بِهِمْ“ یعنی غائب کی ضمیر، ”ہمکم“ حاضر کیلئے استعمال ہوئی ہے۔

”ذَهَوَاهُمْ“ کا معنی ہیں ان کی دعائیں، ان کی پکار۔

”أُحْصِطَ بِهِمْ“ ان کو بڑی طرح گھیر لیا، یہ بمعنی ”دَنَا مِنَ الْهَلَاكِ“ یعنی ہلاکت و بربادی کے قریب پہنچے، جیسا سورۃ البقرہ کی آیت میں ہے کہ

﴿أَحَاطَ بِهُ خُطْبَتُهُ﴾

ترجمہ: اور انکے گناہ انہیں (ہر طرف سے) گھیر لیتے ہیں۔

”فَاتَّبَعَهُمْ“ کے معنی ہیں کہ وہ ان کے پیچھے چلا۔

”عَلَوْا“ کے معنی ہیں ظلم اور زیادتی کے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿وَلَوْ يُعْجِلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتَفْعَالَهُمْ بِالْغَيْرِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ انسان غصہ میں اپنی اولاد اور مال کو کوستا ہے کہ اے اللہ اس میں برکت نہ کر اور اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے، یعنی اس پر لعنت فرما۔

﴿لَقِطِيسٍ إِلَيْهِمْ أَجْلُهُمْ﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ﷻ شر کو بھی اتنا جلد لے آیا کریں جیسا کہ وہ

خیر کی طلب بھی جلدی کرتا ہے، تو پھر سب ہی کا کام تمام ہو جائے۔

اس کا شان نزول یہ ہے کہ ابو جہل نے کہا تھا کہ آپ سچے ہیں تو کیوں نہ ہمارے اوپر آسمان سے پتھر

برسیں اور ہمیں سخت عذاب میں ڈالا جائے۔ اس بات پر یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ اگر ان کی مرضی کے موافق جیسا

کہ خیر طلب کی جائے اور اللہ تعالیٰ جلدی خیر عطا فرما دیتے ہیں اگر شر کو طلب کرنے پر اس کو بھی ایسی ہی جلد پورا

کر دیا جائے تو پھر سب ہی کا کام تمام ہو جائے۔

تو یہ آیت کفار کے استعجاب عذاب کے بارے میں نازل ہوئی تھی، لیکن اس عموم کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ کوئی شخص بعض اوقات غصہ میں اپنے اولاد کے بارے میں بددعا دے دیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا کر دے یعنی اپنی اولاد کے بارے میں بددعا دیدے، تو اللہ ﷻ فوراً دعا کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ اگر اس بددعا کو قبول کر لیں تو سب کا کام تمام ہو جائے، تو یہ بھی عموم میں داخل ہے۔

﴿لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْخُسْنَىٰ﴾ مراد یہ ہے کہ جنہوں نے بھلائی کے کام کئے ان کیلئے بدلے میں بھی بھلائی (جنت) ہے۔

اور آگے اسی آیت میں ”وَزِيَادَةٌ“ کے بارے میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مطلب یہ ہے کہ مغفرت اور رضامندی ہے۔ انکے علاوہ یعنی حضرت ابوقحاد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”وَزِيَادَةٌ“ کے سے مراد اللہ ﷻ کا دیدار ہے، زیارت ہے۔
”الْكِبْرِيَاءُ“ سے مراد بندگی اور بادشاہت ہے۔

(۲) باب: ﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا حَتَّىٰ إِذَا أَذْرَكَهُ الْفَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ [۹۰]

باب: ”اور ہم نے بنو اسرائیل کو سمندر پار کرادیا، تو فرعون اور اُس کے لشکر نے بھی ظلم اور زیادتی کی نیت سے اُن کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب ڈوبنے کا انجام اُس کے سر پر آ پہنچا تو کہنے لگا: میں مان گیا کہ جس خدا پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں بھی فرماں برداروں میں شامل ہوتا ہوں۔“

﴿نُجْبِك﴾ کی تفسیر اور اس میں اقوال

﴿نُجْبِك﴾: للنجب علی نجوة من الأرض، وهو النشز، المكان المرتفع.
”نُجْبِك“ ہم تم کو نجات دیں گے، اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم تجھ کو زمین کے بلند حصے پر ڈالیں گے، ”نجوة“ ٹیلہ کو یا اونچے، بلند مقام کو کہتے ہیں۔

یہاں پر بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ ”تَنْجِيْكَ“ نجات سے نہیں نکلا بلکہ ”نَجْوَة“ سے نکلا ہے ”نَجْوَة“ بلند مقام کو کہتے ہیں، کوئی ٹیلہ وغیرہ تو معنی یہ ہوئے کہ ہم تمہاری لاش کو ٹیلے پر، یا زمین کے کسی ایسے حصے پر اونچا اور نمایاں جگہ پر لجا کر رکھ دیں گے، تاکہ تم اپنے آنے والوں کیلئے نشانہ عبرت بن جاؤ۔ بظاہر یہ تفسیر جو کی گئی ہے کہ ”نَجْوَة“ مراد ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ سمجھنا ذرا مشکل ہو رہا تھا کہ فرعون کا بدن کیسے محفوظ رہے گا۔ تو اس واسطے شاید یہ تفسیر کی گئی ہو۔

چنانچہ بعض روایتیں اسکے اندر یہ بھی مذکور ہیں اگرچہ اسرائیلی روایتیں ہیں، ہوا یہ تھا کہ جب فرعون غرق ہو گیا تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا کہ ہمارا تو نہیں خیال کہ وہ غرق ہوا ہو، ہمارا خیال ہے کہ وہ کہیں چھپ چھپا گیا اور پھر کسی وقت نکل آئے گا۔ اس قسم کی باتیں بنی اسرائیل نے کرنی شروع کر دیں۔ اسکے جواب میں اللہ ﷻ نے یہ کیا کہ فرعون کی لاش اوپر آگئی، تو اس وقت بنی اسرائیل نے دیکھا کہ واقعی غرق ہو گیا۔ تو ”تَنْجِيْكَ“ کے معنی یہ ہے اللہ ﷻ نے اس کو اوپر کر دیا۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ لاش کا اوپر آ جانا یہ فرعون سے ہی شروع ہوا یعنی اس سے پہلے اگر کوئی سمندر میں یا دریا میں مرجائے تو اس کی لاش اوپر نہیں آتی تھی اور فرعون کی لاش پہلی مرتبہ اوپر لائی گئی اور اس کے بعد ساری لاشیں اوپر آنی شروع ہو گئیں اور یہ روایت کچھ ایسی ویسی ہی لگتی ہے، لیکن بہر حال تفسیر کی کتابوں میں یہ روایت بھی لکھی ہوئی ہے۔

لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جن حضرات نے تفسیر یہ کی تھی کہ معنی یہ ہے کہ اللہ ﷻ ان کے بدن کو بعد میں آنے والوں کیلئے سالم رکھیں گے۔ اس وقت مفسرین نے جنہوں نے یہی تفسیر کی تھی ان کو پتہ بھی نہیں تھا کہ ان کا بدن کہیں ہے بھی یا نہیں۔ بعد میں اللہ ﷻ نے دکھلا دیا، آج ساری دنیا فرعون کی لاش دیکھ رہی ہے، جو آج تک محفوظ ہے اور قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ رکھی ہوئی ہے۔

فرعون کی لاش دیکھنا کیسا ہے؟

میں سب سے پہلے جب ۱۹۷۱ء/۱۹۷۲ء میں قاہرہ گیا تھا تو اس وقت وہ عجائب گھر جا کے دیکھا تھا، اس وقت وہ فرعون جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے زمانے کا فرعون مشہور ہے، اسکی لاش مرمت کیلئے پیرس گئی ہوئی تھی، اس وقت تو دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا لیکن اور فراعنہ کی لاشیں تھی اور ان فراعنہ میں جوان کی خواتین تھی ان کے بالوں کی مینڈھیاں تک صحیح سالم ہے۔ بعد میں جب گیا تو اس فرعون کی لاش دیکھنے کا بھی موقع ملا، تو دیکھا کہ نشانِ عبرت پڑا ہوا ہے کالا چہرہ، اور منہ کھلا ہوا ہے، تو قصہ مختصر اس کی لاش اب بھی موجود ہے۔

کسی وقت پہنچ نہیں تھا کہ فرعون کی لاش ہوگی، اب تو اللہ ﷻ نے اسکو یوں نشان عبرت بنا کر رکھا ہے۔ لیکن یہ بھی بس ایک گمان ہے، کیونکہ اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون تھا اس کا نام رامیس تھا، اور وہ یہی ہے جس کی لاش پہلے موجود نہیں تھی بعد میں دریافت ہوئی۔ دوسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ اس فرعون کا نام منفح تھا۔ بہر حال اب منفح کی لاش بھی محفوظ ہے اور رامیس کی لاش بھی محفوظ ہے۔

اصل میں فراعنہ کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب کوئی فرعون مرتا تھا تو اسکی لاش کو تابوت میں بند کر کے رکھتے تھے اور اس کے اوپر مصالحے وغیرہ لگایا کرتے تھے جس سے جسم محفوظ رہتا تھا اور اس کے ساتھ اس کے زیورات سونا چاندی وغیرہ بھی اس میں رکھا کرتے تھے۔ یہ اہرام جو بنے ہوئے ہیں یعنی اہرام مصر تو ان کے اندر فراعنہ کی لاش رکھی جاتی تھی، اس لئے دیگر فراعنہ کی لاشیں تو پہلے سے تھیں۔

لیکن اس کی لاش بعد میں دریافت ہوئی ہے، یہ فرعون چونکہ سمندر میں غرق ہو گیا تھا تو اس واسطے اس کی لاش بظاہر محفوظ نہ رہتی لیکن اللہ ﷻ نے غیب سے ایسا سامان پیدا کیا اور اب سے ڈیڑھ، دو سو سال پہلے اس کی لاش ملی اور جس وقت ملی ہے تو باہر کے کسی ٹیلے سے ملی ہے اور جو آثار قدیمہ کے ماہرین ہیں انہوں نے علامات سے یہ تعین کیا کہ یہ وہی فرعون ہے۔ واللہ اعلم۔

اب اس کو قطعی یقینی تو نہیں کہہ سکتے لیکن آثار قدیمہ کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ وہی فرعون ہے۔

سوال: فرعون کے پاس جانا کیسا ہے جب کہ مواضع عذاب سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟

جواب: مواضع عذاب سے حتی الامکان جلدی ٹکنا چاہئے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نکلے، البتہ جس کیلئے

قرآن نے خود کہا کہ ﴿لَنُكَوِّنَنَّ لَكَ أُمَّةً﴾ اگر عبرت کیلئے اس کو جا کر دیکھیں تو کوئی حرج نہیں۔

۴۶۸۰ - حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبه، عن أبي بشر، عن

سعيد بن جبیر، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قدم النبي ﷺ المدينة واليهود تصوم

عاشوراء فقالوا: هذا يوم ظهر فيه موسى على فرعون. فقال النبي ﷺ لأصحابه: ((أنتم أحق

بموسى منهم فصوموا)). [راجع: ۲۰۰۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو

یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، اور وہ لوگ کہتے تھے کہ یہ وہ دن ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ

حاصل ہوا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم لوگ ان یہود سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

مستحق ہو، اس لئے تم بھی روزہ رکھو۔

(۱۱) سورۃ ہود

سورۃ ہود کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورت میں عذاب الہی کے واقعات

یہ سورت بھی مکی ہے اور اس کے مضامین پچھلی سورت کے مضامین سے ملتے جلتے ہیں، البتہ سورۃ یونس میں جن پیغمبروں کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان ہوئے تھے، اس سورت میں انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ خاص طور پر حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات زیادہ تفصیل سے انتہائی بلیغ اور مؤثر اسلوب میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ ﷻ کی نافرمانی بڑی بڑی زور آور قوموں کو تباہ کر چکی ہے، اور جب انسان اسی نافرمانی کی وجہ سے اللہ ﷻ کے قہر اور عذاب کا مستحق ہو جائے تو چاہے وہ کتنے بڑے پیغمبر سے قریبی رشتہ رکھتا ہو، اُس کا یہ رشتہ اُسے عذاب الہی سے نہیں بچا سکتا، جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کو نہیں بچا سکا۔

اس سورت میں عذاب الہی کے واقعات اتنے مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورۃ ہود اور اُس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے یعنی ان سورتوں میں جو تنبیہ کی گئی ہے، اُس کی بنا پر آپ ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں بھی یہ خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ بھی اپنی نافرمانی کی وجہ سے اسی طرح کے کسی عذاب کا شکار نہ ہو جائے۔ ۱

قال ابن عباس: ﴿عَصِيبٌ﴾ شديد ﴿لاجرم﴾ بلی وقال غيره: ﴿وَحَاقٌ﴾ نزل بحقیق ينزل ﴿يُؤْسٌ﴾ لِعَوْلٍ مِنْ يَأْسٍ.

۱۔ حدثنا أبو كريب قال: حدثنا معاوية بن هشام، عن سليمان، عن أبي إسحاق، عن عكرمة، عن ابن عباس، قال: قال أبو

بكر: يا رسول الله قد ضيت، قال: ((ضيتي هود، والواقعة، والمرسلات، وعم يعسائلون، وإذا الشمس كورت)). سنن

الترمذی، أبواب تفسیر القرآن، رقم: ۳۲۹۷، ج: ۵، ص: ۴۰۲

قال مجاهد: ﴿تَبْتَئِسُ﴾ تحزن ﴿يَهْتُونَ ضُلُورَهُمْ﴾ شك وامترأة في الحق ﴿لَيْسْتَ خَلُوفًا مِنْهُ﴾ من الله ان استطاعوا. وقال أبو ميسرة: ﴿الْأَوَاةُ﴾: الرحيم بالحشة. وقال ابن عباس: ﴿بَادِي الرَّايِ﴾ [۲۷]، ما ظهر لنا. وقال مجاهد: ﴿الْجُودَى﴾ جبل بالجزيرة. وقال الحسن ﴿إِنَّكَ لَأَنْتَ الْجَلِيمُ﴾ [۸۷] يستهزون به. وقال ابن عباس: ﴿أَلِيلَى﴾ [۳۴]: أمسكى. ﴿عَصِيبٌ﴾ [۷۷]: شديد. ﴿لَا جُورَ﴾ [۲۲]: بلى. ﴿وَلَازَ النَّوْرُ﴾ [۳۰]: لبع الماء. وقال عكرمة: وجه الأرض.

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”عَصِيبٌ“ بمعنی شدید، سخت کے ہے۔ اور ”لَا جُورَ“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ”بلی“ کے معنی ہے، یعنی کیوں نہیں، ضرور ایسا ہی ہے۔ بعض نے کہا ہے یعنی حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ”وَحَاقٌ - يَحِيقُ“ بمعنی ”نزل - ينزل“ یعنی اُتر پڑا، اُتر پڑے گا۔

”يُؤْسُ“ فعول کے وزن پر ہے، اور یہ ”يُؤْسُ“ سے ماخوذ ہے یعنی ناامید ہونا۔ ”تَبْتَئِسُ“ کے بارے میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ”تَحْزَنُ“ کے معنی میں ہے غمگین ہونا۔ ”يَهْتُونَ ضُلُورَهُمْ“ سینوں کو ڈھرا کرتے ہیں، اس کے معنی ہیں کہ حق کے اندر شک کرتا۔ ”لَيْسْتَ خَلُوفًا مِنْهُ“ اگر ممکن ہو تو اللہ ﷻ سے چھپالیں۔ یعنی جو کھلی اور مجامعت کے وقت حیا کرتے تھے تو ان کے متعلق پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ حضرت ابو ميسرة رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”الْأَوَاةُ“ کے معنی جشی زبان میں مہربان کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”بَادِي الرَّايِ“ کے معنی جو ہمیں ظاہر ہوا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”الْجُودَى“ جزیرہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”إِنَّكَ لَأَنْتَ الْجَلِيمُ“ یہ جملہ بطور استہزاء کفار حضرت شعیب علیہ السلام سے کہتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”أَلِيلَى“ کا معنی ہیں رک جا، تھم جا۔ ”وَلَازَ النَّوْرُ“ کے معنی ہیں پانی جوش مارنے لگا، پانی پھوٹ پڑا۔

حضرت نکر مہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تنور سے سطح زمین مراد ہے۔

(۱) باب: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَنْتُونُ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ لِبَابَهُمْ

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ [۵]

باب: ”دیکھو، یہ لوگ اپنے سینوں کو اُس سے چھپنے کے لئے دُہرا کر لیتے ہیں۔ یاد رکھو جب یہ اپنے اوپر کپڑے لپیٹتے ہیں، اللہ اُن کی وہ باتیں بھی جانتا ہے جو یہ چھپاتے ہیں، اور وہ بھی جو یہ علی الاعلان کرتے ہیں۔“

آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال

﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَنْتُونُ صُدُورَهُمْ﴾ اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ یہ مشرکین اور منافقین جب حضور اکرم ﷺ کے دیکھتے ہیں تو اپنے اوپر کپڑا ڈال لیتے ہیں تاکہ آپ ﷺ سے چھپیں، انکا سامنا نہ کرنا پڑے تاکہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کی رسالت کے بارے میں اور قرآن کریم کے بارے میں جو شک کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ سے جودل میں عداوت اور مخالفت اپنے دلوں میں رکھتے اس کو چھپالیں، تو اس پر فرمایا کہ ممکن ہو تو یہ اللہ ﷻ سے بھی چھپالیں، لیکن یہ کسی طرح ممکن نہیں۔

لیکن اس کی ایک صحیح تفسیر وہ ہے جو آگے خود حدیث کے اندر آرہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ بعض مومن حیاء کے غلبہ کی وجہ سے استنجاء، جماع اور دیگر بشری ضروریات کے وقت بھی کشف عورت سے پرہیز کرتے تھے، یہاں انکا ذکر ہے۔

بہت سے مشرک لوگ آنحضرت ﷺ کا سامنا کرنے سے اپنے آپ کو بچاتے تھے، تاکہ آپ کی کوئی بات انکے کان میں نہ پڑے، چنانچہ کبھی آنحضرت ﷺ نظر آتے تو وہ اپنے سینوں کو دُہرا کر کے اور اپنے اوپر کپڑے لپیٹ کر وہاں سے کھسک جاتے تھے۔

اسی طرح بعض احمق جب کوئی گناہ کا کام کرتے تو اُس وقت بھی اپنے آپ کو چھپانے کے لئے دُہرے ہو جاتے، اور اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لیتے، اس طرح یہ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ گئے۔

اسی طرح یہ تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ اس آیت میں منافقین کے ایک گمانِ بد اور خیالِ فاسد کی تردید ہے کہ یہ لوگ اپنی عداوت اور رسول کریم ﷺ کی مخالفت کو اپنے نزدیک چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے سینوں میں جو حسد و بغض کی آگ بھری ہوئی ہے اس پر ہر طرح کے پردے ڈالتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اس طرح ہمارا اصل حال کسی کو معلوم نہ ہوگا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ کپڑوں کی تہ میں، پردوں کے پیچھے جو کچھ کرتے ہیں، اللہ پر سب کچھ روشن ہے، ﴿إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ کیونکہ وہ تو دلوں کے پوشیدہ اسرار کو بھی خوب جانتے ہیں۔ اس آیت کی ایک اور تفسیر بھی ہے جو درج ذیل حدیث میں آرہی ہے۔

۴۶۸۱ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ صَبَاحٍ: حَدَّثَنَا حُجَّاجٌ قَالَ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ:

أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عِبَادٍ بْنُ جَعْفَرٍ: أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ: **الْإِلَهَمُ تَشْنُونِي صَدُورَهُمْ**. قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنْهَا فَقَالَ: **أَنَاسٌ كَانُوا يَسْتَحْيُونَ أَنْ يَتَخَلَّوْا فَيَفْضُوا إِلَى السَّمَاءِ وَأَنْ يَجَامِعُوا نِسَاءَهُمْ فَيَفْضُوا إِلَى السَّمَاءِ. فَنَزَلَ ذَلِكَ فِيهِمْ.**

ترجمہ: ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن عباد بن جعفر نے بتایا کہ انہوں نے سنا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ ”**الْإِلَهَمُ تَشْنُونِي صَدُورَهُمْ**“ پڑھ رہے ہیں۔ کہتے ہیں میں اس آیت کے متعلق ان سے سوال کیا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کچھ لوگ اس بات میں شرم محسوس کرنے لگے کہ اپنا ستر کھول کر قضاے حاجت کریں، اور اس بات سے بھی شرم محسوس کرتے تھے کہ ستر کھول کر اپنی بیویوں سے جماع کریں، تو انہیں لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

۴۶۸۲ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، وَأَخْبَرَنِي

مُحَمَّدُ بْنُ عِبَادٍ بْنُ جَعْفَرٍ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَرَأَ: **الْإِلَهَمُ تَشْنُونِي صَدُورَهُمْ**. قُلْتُ: يَا أَبَا الْعَبَّاسِ، مَا تَشْنُونِي صَدُورَهُمْ؟ قَالَ: **كَانَ الرَّجُلُ يَجَامِعُ امْرَأَتَهُ فَيَسْتَحْيِي أَوْ يَتَخَلَّى فَيَسْتَحْيِي، فَنَزَلَتْ: (أَلَا إِلَهَمُ يَتَنَوَّنُ صَدُورَهُمْ).**

ترجمہ: محمد بن عباد بن جعفر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”**الْإِلَهَمُ تَشْنُونِي صَدُورَهُمْ**“ پڑھا تو میں نے عرض کیا اے ابوالعباس! ”ما تَشْنُونِي صَدُورَهُمْ“ اس کا مطلب کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کچھ لوگ اپنی عورتوں سے جماع کے وقت یا قضاے حاجت کے وقت برہنہ ہونے میں شرم کرتے تھے (انکا خیال تھا کہ ہمیں پروردگار دیکھ رہا ہے)۔ لہذا یہ آیت نازل اس وقت ہوئی۔

۴۶۸۳ - حَدَّثَنَا الْحَمِيدِيُّ: حَدَّثَنَا سَلْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو قَالَ: قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿أَلَا

إِنَّهُمْ يَفْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ ﴿۱﴾. وقال غيره، وعن ابن عباس: ﴿يَسْتَغْشُونَ﴾: يغطون رؤوسهم.

ترجمہ: عمرو (بن دینار) بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت ﴿أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ﴾ اسی طرح پڑھی۔ (عمرو بن دینار کے علاوہ) دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”يَسْتَغْشُونَ“ کا معنی بیان فرمایا کہ وہ لوگ اپنے سر ڈھانپ لیتے ہیں۔

سَيءٌ بِهِمْ: ساءَ ظَنُّهُ بقومه. ﴿وَضَاقَ بِهِمْ﴾ باضيا له.
﴿يَقْطَعُ مِنَ اللَّيْلِ﴾: بسواد. وقال مجاهد: ﴿أَيْبُ﴾: أرجع.

ترجمہ و تشریح

”سَيءٌ بِهِمْ“ کے معنی یہ ہے کہ اپنی قوم سے بدگمان ہوئے۔ ”وَضَاقَ بِهِمْ“ یعنی اپنے مہمان کو دیکھ کر رنجیدہ ہوئے، تنگ دل ہوئے۔

جب حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی حرکات کی وجہ سے ان سے بدگمان ہوئے اور مہمانوں (فرشتوں) کے آنے سے بہت تنگ دل ہوئے۔

”يَقْطَعُ مِنَ اللَّيْلِ“ کے معنی رات کی سیاہی۔
حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”أَيْبُ“ بمعنی ”أرجع“ یعنی میں رجوع کرتا ہوں۔

(۲) باب قوله: ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ [۷]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”جبکہ اُس کا عرش پانی پر تھا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ عرش اور پانی کی تخلیق زمین اور آسمانوں سے پہلے ہو چکی تھی۔

۴۶۸۴۔ حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعیب: حدثنا أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة ؓ أن رسول الله ﷺ قال: ((قال الله عز وجل: أَلْفَقُ أَلْفَقُ عَلَيْكَ، وقال: يد الله ملأى لا يغيثها نفقة سحاء الليل والنهار)). وقال: ((أراهم ما أَلْفَقُ منذ خلق السماء والأرض

فانه لم بغض ما فی یدہ وکان عرشہ علی الماء، ویدہ المیزان بخفض ویرفع))۔ ۵
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے تو مجھے دے، تو میں تجھے دوں گا، پھر فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے (یعنی اللہ ﷻ کا خزانہ بھرا ہوا ہے)، اگر دن رات خرچ کرتا رہے، تب بھی خالی نہیں ہوتا۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب سے اللہ نے زمین و آسمان کو بنایا ہے کس قدر خرچ کر دیا ہے، مگر پھر بھی اس کی کوئی خزانہ (نعمت) میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور اللہ ﷻ کا عرش پانی پر تھا، اس کے ہاتھ میں (رزق کا) ترازو ہے جس طرح چاہتا ہے جھکا دیتا ہے اور جس کے لئے مناسب خیال کرتا ہے اٹھا دیتا ہے۔

﴿اغْتَرَاكَ﴾، اِغْتَرَاكَ مِنْ عُرْوَةٍ اٰی اَصْبَتْهٖ. وَمِنْهُ يَعْرُوهُ وَاَعْتَرَا لِي.
﴿اٰخَذَ بِنَاصِيَتِهَا﴾ اٰی لِي مُلْكُهُ وَسُلْطَانُهُ. ﴿عَنِيْذٌ﴾ وَعَنُوْدٌ وَعَالِدٌ وَاَحَدٌ.
﴿اَسْتَغْمِرُكُمْ﴾: جَعَلَكُمْ عِمَارًا، اَعْمَرْتَهُ الدَّارَ لِهٰی عَمْرٰی: جَعَلْتُهَا لِهٖ.
﴿وَنَكِرَهُمْ﴾ وَاَنْكَرَهُمْ وَاَسْتَكَرَهُمْ وَاَحَدٌ.
﴿حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾: كَاَنَّهُ لَفَعِلٌ مِنْ مَّاجِدٍ، مَحْمُوْدٌ: مِنْ حَمِيْدٍ.
﴿يَسْجِلُ﴾: الشَّدِيْدُ الْكَبِيْرُ، سَجِيْلٌ وَسَجِيْنٌ الْاَمُّ وَاللَّامُ وَالنُّونُ اَخْتَانٌ، وَقَالَ
مِمْ بِنِ مَقْبَلِ:
وَرَجُلَةٌ يَضْرِبُوْنَ الْبَيْضَ ضَاحِيَةً - ضَرْبًا تَوَاصِي بِهِ الْاَطْفَالُ سَجِيْنًا۔

ترجمہ و تشریح

”اغْتَرَاكَ“ باب اِغْتَرَاكَ سے، لفظ ”عُرْوَةٌ“ سے ہے، یعنی تجھے میں نے مصیبت میں مبتلا کر دیا۔
اور اسی سے ”یَعْرُوهُ وَاَعْتَرَا لِي“ ہے، جس کے معنی ہیں اس پر چھا گیا۔

۵۔ ولفی صحیح مسلم، کتاب الکسوف، باب العث علی النفقة ولبشر المنطق بالخلف، رقم: ۹۹۳، وسنن الترمذی، ابواب التفسیر القرآن، باب ومن سورة العالدة، رقم: ۳۰۳۵، وسنن ابن ماجہ، المحتاح الكتاب فی الايمان وفضائل الصحابة والعلم، باب فیما اکررت الجہمة، رقم: ۱۹۷، وکتاب الکفارات، باب النهی عن النذر، رقم: ۲۱۲۳، ولسن احمد، مسند المکثرین من الصحابة، مسند ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رقم: ۷۲۹۸،

اس طرح "اغتراک" کے معنی ہوئے تجھ پر چھا گیا، تجھ کو مصیبت میں مبتلا کر دیا۔
 "أَخَذَ بِنَاصِيَتِهَا" یعنی اس کی حکومت اور قبضہ میں سے۔
 "عَنْبَدٌ، عَنُودٌ، عَالِدٌ" سب کے معنی ایک ہی ہیں یعنی سخت تکبر و سرکشی والا۔
 "اسْتَغْفَرَ نَحْمٌ" تم کو بسایا، تم کو عمارت بنا کر آباد ہونے کی قدرت دی۔ عرب کہتے ہیں یعنی یہ گھر میں
 نے اس کو تمام زندگی کے لئے دے ڈالا۔ پس وہ "عمری" ہے، میں نے اس کو دے دیا۔
 "نَكِرَهُمْ، وَأَنكَرَهُمْ وَاسْتَنَكَرَهُمْ" سب کے ایک ہی معنی ہیں۔
 "حَمِيدٌ مَّجِيدٌ" یہ فعل کے وزن پر ہے، "ماجد" سے اسم فاعل بمعنی کرم کرنے والا، بخشش کرنے
 والا، "حَمِيدٌ" بمعنی "محمود"۔ سراہا گیا، تعریف کیا ہوا۔
 "سَجِيلٌ" اور "سَجِينٌ" دونوں کے معنی شدید، اور بڑے کے آتے ہیں، "سَجِيلٌ" اور "سَجِينٌ"
 "سَجِينٌ" دونوں میں لام اور نون دونوں بہنیں ہیں یعنی حروف زائدہ ہیں۔
 عام طور پر اس کے معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ "سَجِيلٌ مُنْضُودٌ" گارے کی مٹی۔
 اور یہ اصل میں فارسی لفظ ہے "سنگ" اور "گل" سے ملا کر اس کو معرب کیا گیا "سَجِيلٌ" یہاں پر جو
 دوسری تفسیر کی گئی کہ "سَجِيلٌ" کے معنی شدید کے بھی آتے ہیں اور اس پر تمیم ابن مقبل کا ایک شعر بھی پیش کیا ہے۔
 وَرَجُلَةٌ بِضَرْبٍ بِنِ الْبَيْضِ ضَاحِيَةٌ
 ضَرْبًا تَوَاصَى بِهِ الْأَطْفَالُ سَجِينًا
 بہت سے پیادے ایسے ہیں جو کھلے میدان میں خود کے اوپر مارتے ہیں
 کہ بہادر لوگ ایک دوسرے کو اسکی وصیت کرتے ہیں۔
 "بَيْضٌ" جمع "بَيْضَةٌ"۔ تلواریں ضرب سے بچنے کیلئے سر پر پہننے والے خود کو کہتے ہیں، اور "ضاحية"
 کے معنی کھلے میدان کے بھی ہیں اور چاشت کے وقت کے بھی ہیں، اور "سَجِينًا" صفت ہے "ضَرْبًا" کی۔

(۳) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

﴿وَالِیْ مَدَیْنٍ أَخَاهُمْ حُفَیْنًا﴾: الی اہل مدین لان مدین بلد. ومثله، ﴿وَأَسَالِ الْقَرْیَةَ﴾، ﴿وَأَسَالِ الْقَمْرَ﴾، یعنی اہل القرية والقمر.

﴿وَرَاءَ كُمْ ظَهْرِي﴾: يقول: لم تلتفتوا اليه، ويقال اذا لم يقص الرجل حاجته: ظهرت بحاجتي وجعلتني ظهرياً. والظهري هاهنا: أن تأخذ معك دابة أو وعاء تستظهر به.

﴿أَرَادِلْنَا﴾: سقاطنا. ﴿إِجْرَامِي﴾: هو مصدر من أجمرت، وبعضهم يقول: جمرت. ﴿الْفُلُكُ﴾ والفلك واحد وهي الفينة والسفن.

﴿مُجْرَاهَا﴾: مَذْفَعُهَا، وهو مصدر أَجْرَيْتُ، وَأَزْسَيْتُ: حَبَسْتُ، وَيَقْرَأُ: وَمَجْرَاهَا: مَنْ جَرَّتْ هِيَ. مَرَسَاهَا، مَنْ رَسَتْ هِيَ، وَمُجْرِبُهَا: وَمُرْسِيهَا، مَنْ فَعَلَ بِهَا. الرَّاسِيَاتُ: لَاِبِتَاتُ.

ترجمہ و تشریح

﴿وَالِی مَدَیْنِ أَخَاهُمْ شُعَیْبًا﴾ یعنی مدین والوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہاں پر مضاف محذوف ہے۔

اسی کی دوسری مثال یہ ہے "وَأَسَال الْقَرْیَةَ" بستی سے پوچھیں اور یہ اصل میں "وَأَسَالِ الْعِیْرَ" کے معنی میں ہے کہ قافلہ والوں سے پوچھیں۔

"وَرَاءَ كُمْ ظَهْرِي" پس پشت ڈال دیا، یعنی اس کی طرف توجہ نہیں کی، جب کسی کا مقصد پورا نہ ہو تو اہل عرب کہتے ہیں کہ "ظہرت بحاجتی وجعلتني ظهرياً" اور میری ضرورت اور حاجت کو پس پشت ڈال دیا، نظر انداز کر دیا اور مجھ کو پیچھے کر دیا یعنی میری طرف متوجہ نہیں ہوا۔

اس جگہ "ظہری" سے وہ جانو۔ یا برتن مراد ہیں جو کام یا ضرورت کیلئے ساتھ رکھتے ہیں۔

"أَرَادِلْنَا" اس کے معنی ہیں بالکل گرے پڑے لوگ۔

"إِجْرَامِي" یہ "أَجْرَمْتُ" کا مصدر ہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ "جَرَمْتُ" سے ہے۔

"الْفُلُكُ" واحد اور جمع دونوں میں مستعمل ہے یعنی کشتی اور کشتیاں۔

"مُجْرَاهَا" میم کے ضمہ کے ساتھ بمعنی "مَذْفَعُهَا" یعنی کشتی کا چلنا یہ مصدر ہے "أَجْرَيْتُ" کا، اسی طرح "أَزْسَيْتُ" بمعنی "حَبَسْتُ" یعنی میں نے کشتی کو ٹنکر لگا دیا، روک دیا۔

بعض نے "مَجْرَاهَا" میم کے فتح کے ساتھ کہا ہے اور یہ ماخوذ ہے "مَنْ جَرَّتْ هِيَ" یعنی وہ کشتی چل پڑی۔ اور اسی طرح "مَرَسَاهَا" بفتح میم پڑھا ہے، اور یہ بھی ماخوذ ہے "وَمَسَتْ هِيَ" یعنی وہ کشتی رُک گئی۔

"مُجْرِبُهَا - مُرْسِيهَا" یعنی اس کشتی کا چلانے والا اور تھانے والا اللہ جل جلالہ ہے، اور یہ "فَعِلَ بِهَا"

یعنی مجہول سے ماخوذ ہے۔

”الرّٰسِیَات“ کے معنی ہیں لنگر انداز اور ”قَابِطَات“ کے معنی ٹھہری ہوئی جمی ہوئی۔

(۴) باب قوله: ﴿وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا﴾ [۱۸]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور وہ گواہی دینے والے کہیں گے کہ: یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹی باتیں لگائی تھیں۔“

گواہی دینے والوں میں وہ فرشتے بھی شامل ہیں جو انسانوں کے اعمال لکھنے پر مقرر ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام بھی جو اپنی اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے۔ ۲
واحد الأشهاد شاہد، مثل صاحب وأصحاب۔
ترجمہ: ”اشہاد“ کا واحد ”شاہد“ ہے، جیسے ”صاحب وأصحاب“۔

۴۶۸۵ - حدثنا مسدد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا سعيد وهشام قالا: حدثنا قتادة، عن صفوان بن محرز قال: بينا ابن عمر يطوف إذ عرض رجل لقال: أبا عبد الرحمن، أوقال: يا ابن عمر، هل سمعت النبي ﷺ في النجوى؟ فقال: سمعت النبي ﷺ يقول: ((يدلني المؤمن من ربه)). وقال هشام: ((يدلني المؤمن حتى يضع عليه كنفه فيقرّره بذنوبه. تعرف ذنب كذا يقول: أعرف رب، يقول: أعرف، - مرتين - فيقول: سترها في الدنيا واغفرها لك اليوم. ثم تطوى صحيفة حسنة. وأما الآخرون أو الكفار فينادى على رؤس الأشهاد: هؤلاء الذين كذبوا على ربهم)).

وقال شيبان، عن قتادة: حدثنا صفوان. [راجع: ۲۴۴۱]

ترجمہ: صفوان بن محرز روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس نے مخاطب ہو کر کہا اے ابا عبد الرحمن یا اے ابن عمر! کیا آپ نے نبی کریم ﷺ سے سرگوشی (جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے کریگا) کے بارے میں پچھ سنا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ مؤمن کو اپنے رب

کے قریب لایا جائے گا۔ اور ہشام کہتے ہیں کہ قیامت کے دن مؤمن اپنے رب کے قریب ہو جائے گا، اللہ ﷻ اپنا ایک طرف اس پر رکھے گا (سایہ رحمت مراد ہے) اور اسکے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔ بندہ عرض کرے گا کہ جی ہاں! میں اپنے گناہوں کا اقرار اور اعتراف کرتا ہوں، بے شک مجھ سے گناہ ہوئے ہیں، چنانچہ دو مرتبہ اسی طرح اقرار کرے گا، اسکے بعد اللہ ﷻ ارشاد فرمائے گا میں نے دنیا میں تمہارے گناہوں کو چھپایا تھا، آج بھی تم کو بخش دیتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا دفتر لپیٹ دیا جائے گا، مگر جہاں تک بات ہے دوسرے لوگوں کی یا کافروں کی، تو گواہوں کے سامنے ان کو آواز لگائی جائے گی اور فرمائے گا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھے تھے۔

اور شبان نے اس حدیث کو قنادہ سے روایت کیا کہ ہم سے صفوان نے روایت بیان کی۔

(۵) باب قوله: ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ

أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾ [۱۰۲]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور جو بستیاں ظالم ہوتی ہیں، تمہارا رب جب ان کو گرفت میں لیتا ہے تو اُس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ واقعی اُس کی پکڑ بڑی دردناک، بڑی سخت ہے۔“

﴿الرُّفْدُ الْمَرْفُودُ﴾: العون المعین، رُفدته: اعنته.

﴿تَرْكُنُوا﴾: تمبلوا. ﴿فَلَوْلَا كَانَ﴾: فہلا كان. ﴿أَتَرِلُوا﴾: اہلكوا.

وقال ابن عباس: ﴿زَلْفِيرٌ وَشَهِيْقٌ﴾: شديد وصوت ضعيف.

ترجمہ و تشریح

”الرُّفْدُ الْمَرْفُودُ“ بمعنی ”العون المعین“ یعنی مدد جو دی جائے، عربوں کا مقولہ ہے ”رُفدته“ میں نے اسکی مدد کی۔

”تَرْكُنُوا“ کا مطلب ہے جھکو، مائل ہو جاؤ۔

”فَلَوْلَا كَانَ“ بمعنی ”فہلا كان“ پھر کیوں نہ ہوئے۔

”أَتَرِلُوا“ بمعنی ”اہلكوا“ یعنی ہلاک کئے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”زَلْفِيرٌ“ کے معنی ہیں خطرناک آواز، ”شَهِيْقٌ“ کے معنی

ہیں ہلکی آواز۔

۴۶۸۶ - حدثنا صدقة بن الفضل: أخبرنا أبو معاوية: حدثنا يزيد بن أبي بردة، عن أبيه، عن أبي بردة، عن أبي موسى رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((إن الله ليملي للظالم حتى إذا أخذه لم يفلته))، قال: ثم قرأ ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾. ۵

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ﷻ ظالم کو مہلت دیتا ہے، مگر جب اس کی گرفت فرماتا ہے تو پھر اس کو نہیں چھوڑتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اسکے بعد آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾۔

(۶) باب قوله: ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلْفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ

يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ الآية [۱۱۳]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور (اے پیغمبر!) دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو۔“

اوقاتِ صلوٰۃ کا اجمالی بیان

یہاں رسول کریم ﷺ کو مخاطب کر کے آپ کو اور آپ کی پوری امت کو اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ علماء تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کا اس پر اتفاق ہے کہ ”صلوٰۃ“ سے مراد اس جگہ فرض نمازیں ہیں۔ ۱۔ ”صلوٰۃ کی اقامت“ سے مراد اسکی پوری پابندی اور مداومت ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ نماز کو اس کے تمام آداب کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے۔

۵۔ وفقی صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم، رقم: ۲۵۸۳، وسنن الترمذی، ابواب

تفسیر القرآن، باب ومن سورة هود، رقم: ۳۱۱۰، وسنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب العقوبات، رقم: ۴۰۱۸

۱۔ تفسیر القرطبی، ج: ۹، ص: ۱۰۹

بعض نے فرمایا کہ نماز کو اس کے افضل وقت میں ادا کرنا مراد ہے۔
یہ تینوں اقوال ”اَقِمِ الصَّلَاةَ“ کی تفسیر میں منقول ہیں اور درحقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں یہ بھی چیزیں
”اقامتِ صلوٰۃ“ کے مفہوم میں شامل ہیں۔

اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دینے کے بعد نماز کے اوقات کا اجمالی بیان یہ ہے کہ ”دن کے دونوں سروں یعنی
شروع اور آخر میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو“۔

دن کے دونوں سروں کی نماز کے متعلق اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ پہلے سرے کی نماز نمازِ فجر ہے،
آخری سرے کی نماز کو بعض حضرات نے مغرب کو قرار دیا ہے کہ دن کے بالکل ختم پر ہے اور بعض حضرات نے عصر
کی نماز کو دن کے آخری سرے کی نماز قرار دیا ہے، کیونکہ دن کی آخری نماز وہی ہے، مغرب کا وقت دن کا جز نہیں
بلکہ دن گزرنے کے بعد آتا ہے۔

”وَزُلْفَا مِنَ اللَّيْلِ“ یعنی رات کے حصوں کی نماز سے مراد جمہور مفسرین نے مغرب وعشاء کی نماز
کو قرار دیا ہے اور ایک حدیث سے اسکی تائید ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”ہما
زلفا الليل المغرب والعشاء“ یعنی رات کے بعض حصوں میں نماز سے مراد مغرب وعشاء کی نمازیں
ہیں۔ ۷

چنانچہ طرہی النہار - سے مراد صبح اور عصر کی نماز ہوئی اور زلفا من اللیل - سے مراد مغرب وعشاء
ہے، تو اس آیت میں چار نمازوں کے اوقات کا بیان آگیا صرف ظہر کی نماز کا بیان رہ گیا جو دوسری آیت ﴿اَلَمْ
يَكُنْ لِلشَّمْسِ الْغَسَقِ اللَّيْلُ﴾ [الاسراء: ۷۸] میں آیا ہے۔

عظیم فائدہ

اس آیت مذکورہ میں اقامتِ صلوٰۃ کے حکم کے بعد ان کا ایک عظیم فائدہ بھی بتایا گیا ہے کہ ﴿اِنَّ
الْحَسَنَاتِ يُلْهِنَنَّ السَّيِّئَاتِ﴾ یعنی نیک کام بُرے کاموں کو مٹا دیتے ہیں۔

حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ نیک کام سے تمام نیک کام مراد ہیں جن میں نماز، روزہ، زکوٰۃ،
صدقات، حسن خلق، حسن معاملہ وغیرہ سب داخل ہیں مگر نماز کو ان سب میں اولیت حاصل ہے۔

اسی طرح ”سَيِّئَاتِ“ کا لفظ تمام بُرے کاموں کو حاوی اور شامل ہے خواہ وہ گناہِ کبیرہ ہوں یا صغیرہ،

لیکن قرآن مجید کی ایک دوسری آیت نیز رسول اللہ ﷺ کے متعدد ارشادات نے اس کو صغیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے معنی یہ ہیں کہ نیک کام جن میں نماز سب سے افضل ہے، صغیرہ گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں اور ان کے گناہ کو مٹا دیتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے کہ

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ
سَيِّئَاتِكُمْ﴾

یعنی اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو تو ہم تمہارے
چھوٹے گناہوں کا خود کفارہ کر دیں گے۔ ۵

﴿وَزُلْفَى﴾ ساعات بعد ساعات. منه سميت المزدلفة. الزلف: منزلة بعد منزلة.

واما ﴿زُلْفَى﴾ لمصدر من القربى. اذ دلفوا: اجتمعوا. ﴿أَزْلَفْنَا﴾: جمعنا.

ترجمہ و تشریح

”وَزُلْفَى“ کے معنی ہیں ساعت بساعت اور اسی سے ”مزدلفہ“ نکلا ہے، کیونکہ مزدلفہ میں لوگ رات کے وقت میں آتے ہیں۔ ”زلف“ کے معنی ہیں منزل بمنزل۔
”زُلْفَى“ مصدر ہے اور اس کا مطلب ہے قریب۔
اور ”اَزْدَلَفُوا“ کے معنی ہیں جمع ہو گئے۔
”أَزْلَفْنَا“ کے معنی ہم نے جمع کیا اور یہ متعدی ہے۔

۴۶۸۷۔ حدثنا مسدد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا سليمان التيمي، عن أبي
عمران، عن ابن مسعود ؓ أن رجلاً أصاب من امرأة قبله فأتى رسول الله ﷺ فذكر ذلك
له فأنزلت عليه ﴿وَأَلِمَ الْمَلَائِكَةُ كُرْسِي النَّهَارِ وَزُلْفَىٰ مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ
السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلَّذِينَ كَانُوا لَا إِلَىٰ هَذِهِ قَالَ: ((لَمَنْ عَمِلَ بَهَا مِنْ
أَمْعَى)). [راجع: ۵۲۶]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک غیر عورت کا بوسہ لیا، اور پھر یہ

بات رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر بیان کر دی (اور معافی کی التجا کی)، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنْ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلَّذِينَ كَانُوا لَا يُدْرِكُونَ﴾ تو اس آدمی نے عرض کیا کہ کیا یہ حکم صرف میرے لئے ہے یا سب کیسے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میری امت میں سے جو بھی اس پر عمل سب کے لئے ہے۔

(۱۲) سورۃ یوسف

سورۃ یوسف کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔ یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔

کنویں سے بازارِ مصر تک

اسیری سے زعمیم سلطنت تک کا سفر

بعض روایات میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ سوال کروایا تھا کہ بنو اسرائیل کے لوگ جو فلسطین کے باشندے تھے، مصر میں جا کر کیوں آباد ہوئے؟ ان لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ﷺ کے پاس چونکہ بنو اسرائیل کی تاریخ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس لئے آپ اس سوال کا جواب نہیں دے پائیں گے اور اس طرح آپ ﷺ کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل جائیگا کہ آپ (معاذ اللہ) سچے نبی نہیں ہیں۔

اس سوال کے جواب میں اللہ ﷻ نے یہ پوری سورۃ یوسف نازل فرمادی جس میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔

دراصل بنو اسرائیل کے جد امجد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، انہی کا دوسرا نام اسرائیل بھی تھا۔ انکے بارہ صاحبزادے تھے، انہی کی نسل سے بنو اسرائیل کے بارہ قبیلے پیدا ہوئے۔ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے صاحبزادوں کے ساتھ فلسطین میں مقیم تھے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین بھی شامل تھے۔ ان دونوں کے سوتیلے بھائیوں نے سازش کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں ڈال دیا، جہاں سے ایک قافلے نے انہیں اٹھا کر مصر کے ایک سردار کے ہاتھ بیچ دیا، شروع میں وہ غلامی کی زندگی گزارتے رہے، لیکن اُس واقعے کے تحت جسکی تفصیل اس سورت میں آرہی ہے، اس سردار کی بیوی زلیخا نے

انہیں گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا۔

اللہ ﷻ کا کرنا ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ کے ایک خواب کی صحیح تعبیر دینے پر بادشاہ ان پر مہربان ہوا، اور انہیں نہ صرف جیل سے نکال کر باعزت بری کر دیا، بلکہ انہیں اپنا وزیر خزانہ مقرر کیا، اور بعد میں حکومت کے سارے اختیارات انہی کو سونپ دیئے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو فلسطین سے مصر بلوایا، اس طرح بنو اسرائیل فلسطین سے مصر منتقل ہو گئے۔

احسن القصص - نہایت حسین طرزِ بیان

سورہ یوسف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ ایک ہی تسلسل میں نہایت حسین اور بہترین طرزِ بیان کے ساتھ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جس کو قرآن کریم میں احسن القصص یعنی بہترین واقعہ کہا گیا ہے اور تقریباً پوری سورت اسی کیلئے وقف ہے، یہ واقعہ کسی اور سورت میں نہیں آیا۔

اس واقعے کو اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اللہ ﷻ نے ان کافروں پر ایک حجت قائم فرمادی ہے جو آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ یہ بات ان پر بھی واضح تھی کہ اس واقعے کا علم ہونے کا آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لہذا یہ تفصیل آپ کو وحی کے علاوہ کسی اور طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

اسکے علاوہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ ﷺ کو کفار مکہ کی طرف سے جن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اُن کے پیش نظر اس واقعے میں آپ کے لئے تسلی کا بھی بڑا سامان تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کی سازش کے نتیجے میں بڑے سخت حالات سے گزرے، لیکن آخر کار اللہ ﷻ نے انہی کو عزت، شوکت اور سر بلندی عطا فرمائی، جن لوگوں نے انہیں تکلیفوں کا نشانہ بنایا تھا، اُن سب کو اُنکے آگے جھکنا پڑا۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کو اگرچہ مکہ مکرمہ میں تکلیفیں اٹھانی پڑ رہی ہیں، لیکن آخر کار یہ سازشی لوگ آپ ہی کے سامنے جھکیں گے اور حق غالب ہو کر رہے گا۔ اس کے علاوہ بھی اس واقعے میں مسلمانوں کیلئے بہت سے سبق ہیں، شاید اسی لئے اللہ ﷻ نے اس کو بہترین قصہ قرار دیا ہے۔

وقال فضیل، عن حصین، عن مجاهد: ﴿مُعْتَكًا﴾: الا تخرج: بالحبشية متكا. وقال

ابن عبیدہ، عن رجل، عن مجاهد: مُعْتَكًا: كل شيء قطع بالسكين. وقال لقادة: ﴿لَدُوْ عَلِمَ﴾: عامل بما علم.

وقال سعيد بن جبیر: ﴿ضَوَاعٌ﴾: مكرک الفارسی الذى يلتقى طرفاه، كانت تشرب به الأعاجم. وقال ابن عباس: ﴿تُفَنَّدُونَ﴾: تجهلون.

وقال غيره: ﴿غَيَابَةُ الْجُبِّ﴾: كل شيء غيب عنك شيئا فهو غيابة. و﴿الْجُبِّ﴾ الركبة التى لم تطو. ﴿يُؤْمِنُونَ﴾: بمصدق. ﴿أَشْدُهُ﴾ قبل أن يأخذ فى النقصان يقال: بلغ أشده، وبلغوا أشدهم. وقال بعضهم: واحدا شدا.

والمتكا: ما اتكات عليه لشراب أو لحديث أو لطعام، وأبطل الذى قال: الأترج، وليس فى كلام العرب الأترج فلما احتج عليهم بأنه المتكا من نمارق فروا الى شرمته، فقالوا: الما هو المتك ساكنة التاء، وإنما المتك طرف البظر. ومن ذلك قيل لها: متكا وابن المتكا فان كان ثم أترج فانه بعد المتكا.

﴿شَفَفَهَا﴾: يقال: بلغ الى شفافها، وهو غلاف قلبها، وأما شفعها: فمن المشعوف. ﴿أَضْبُ إِلَيْهِنَّ﴾: أميل اليهن حبا. ﴿أَضْفَاتُ أَخْلَامٍ﴾: ما لا تاويل له. والضفث ملء اليد من حشيش وما أشبهه ومنه. ﴿وَتُخَذَ بِيَدِكَ ضِفْثًا﴾ [ص: ۴۳] لا من قوله: ﴿أَضْفَاتُ أَخْلَامٍ﴾ واحدا ضفث.

﴿نَجِيرٌ﴾: من الميرة. ﴿وَتَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ﴾: ما يحمل بعير. ﴿أَوَى إِلَيْهِ﴾: ضم اليه. ﴿السَّقَايَةُ﴾: مكيال.

﴿استياسوا﴾ يشسوا أو لا يياسوا من روح الله معناه الرجاء ﴿وَخَلَصُوا نَجِيًّا﴾ اعترفوا انجبا والجمع أنجية يعناجون، الواحد: نجى والاثنان والجمع بجى وأنجية ﴿تَلْفَعُوا﴾: لا تزال.

﴿حَرَضًا﴾ معرضاً: يديك الهم. ﴿تَحَسُّسًا﴾: تخبروا. ﴿مُزْجَاةٌ﴾: ليلية. ﴿غَاشِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ﴾: عامة المجلة.

ترجمہ و تشریح

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ، حصین سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”مُعَا“ بمعنی ”الأترج“ اور اسکی تفصیل بتا رہے ہیں کہ حبشی زبان میں ”معكا“ لیموں کو کہتے ہیں۔

اور حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ایک آدمی کے واسطے سے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ”مُنْكَأٌ“ ہر وہ چیز ہے جس کو چھری سے کاٹا جاتا ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”لَذُو عِلْمٍ“ کے معنی ہیں اپنے علم پر عمل کرنے والا۔
حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ، لفظ ”صَوَاعُ“ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فارس والوں یعنی اہل عراق کا ایک پیمانہ ہے جس کے دونوں طرف مل جاتے ہیں، اور عجم کے لوگ اس برتن سے پیتے تھے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ”تُفْلِدُونَ“ کے معنی ہیں ”تَجْهَلُونَ“ یعنی تم جاہل نہ کہو، نقصان عقل کی طرف منسوب نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ یعنی حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ”عِمَابَةُ الْجُبِّ“ کنویں کی تاریکی اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ چیز جو تم سے کسی چیز کو چھپا دے، غائب کر دے۔
”الْجُبِّ“ وہ کنواں ہے جس کی بندش نہ ہوئی ہو یعنی اوپر چاروں طرف دیوار نہ ہو۔
”بِمُؤْمِنٍ لَّنَا“ بمعنی ”بِمَصْدُقٍ“ یعنی ہماری تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

”أَشْدُّهُ“ سے مراد وہ عمر ہے جو نقصان و انحطاط سے پہلے ہو، یعنی تیس برس تک انسان کی نشوونما مکمل ہو جاتی ہے، چالیس برس کے بعد انسان کے جسم میں انحطاط و زوال شروع ہو جاتا ہے، تو اس درمیانی عرصے کو کہتے ہیں۔

بعض لوگ یعنی اہل عرب کہتے ہیں کہ ”بَلَغَ أَشْدُّهُ، وَبَلَغُوا أَشْدُّهُمْ“ یعنی اپنی قوت اور جوانی پر پہنچ گیا۔ اور بعض لوگ یعنی سیبویہ نے کہا کہ ”أَشْدُّ“ کا واحد ”شَدٌّ“ ہے۔

یہاں سے امام بخاری رحمہ اللہ دوبارہ لفظ ”مَعْكَ“ پر بحث شروع کر رہے ہیں۔

”مَعْكَ“ وہ چیز یعنی وہ مسند گاہ و ٹکیہ جس پر کھانے پینے یا بات کرنے کیلئے ٹیک لگائیں۔ اور غلط کہا ان لوگوں نے کہ جنہوں نے اس کا معنی ”الْأَتُوجُ“ بیان کیا۔ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کی تقلید میں کہتے ہیں کہ ”مَعْكَ“ کا معنی جو حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے ”الْأَتُوجُ“ یعنی لیموں کہا ہے وہ غلط ہے۔

کلام عرب میں ”الْأَتُوجُ“ نہیں ہے یعنی ”مَعْكَ“ کا معنی عربی میں ”الْأَتُوجُ“ بالکل نہیں آیا ہے۔

پھر جب ان کے خلاف دلیل پیش کی گئی کہ ”مَعْكَ“ کے معنی مسند اور ٹکیہ کے ہیں تو وہ اس سے بھی بدتر معنی جو عقلاً اور نقلاً بالکل غلط ہو بیان کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ لفظ ”مَعْكَ“ - نام کے سکون کے ساتھ یعنی بلا تشدید ہے اور یہ غلط اس لئے کہ ”مَعْكَ“ عورت کے شرم گاہ کا کنارہ ہے، جہاں سے عورت کا ختنہ کرتے ہیں تو ختنہ کے بعد جو حصہ باقی رہتا ہے اس کو ”مَعْكَ“ کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے عورت کو ”مَعْكَ“ اور اسکے بیٹے کو ”ابن

المعكاً" کہا جاتا ہے۔

پھر اگر وہاں زلیخا کی مجلس میں لیموں رہا ہوگا تو مسند تکبہ کے بعد ہی ہوگا۔

"خَفَّفَهَا" کے معنی ہیں اسکے شغاف تک جا پہنچا، اور "شغاف" دل کے غلاف پر دے کو کہتے ہیں۔

اور جہاں تک بات ہے "شعفها" سے کی تو یہ لفظ "مشعوف" سے مشتق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک قرأت عین مہملہ کے ساتھ ہے جو "مشعوف" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں فریفتہ شدہ یعنی یوسف نے اس کو فریفتہ کر دیا۔

"اضْبُ النَّيْهْنُ" بمعنی "اميل اليهن حبا" یعنی میں ان کی طرف محبت سے مائل ہو جاؤں گا۔

"اضْغَاثُ اخْلَامٍ" کے معنی وہ خواب جن کی کوئی تعبیر نہ ہو اور "الضفث" یعنی مفرد اس معنی میں ہوتا ہے کہ گھاس یا اس کی طرح کی کوئی چیز تنکے وغیرہ سے مٹھی کو بھر لینا۔

سورہ ص کی یہ آیت ﴿وَوُضِعَ يَدُكَ ضِفْثًا﴾ اسی معنی میں ہے۔ جبکہ یہاں سورہ یوسف میں جو ﴿اضْغَاثُ اخْلَامٍ﴾ آیا ہے وہ اس مفرد کے معنی میں نہیں ہے۔

"نَمِيرٌ" ماخوذ ہے "الميرة" سے جس کے معنی ہیں غلہ لانا۔

"وَنَزْدَاؤُكُمْ كَيْلٌ بَعِيرٌ" سے مراد یہ ہے کہ ایک اونٹ جو بوجھ اٹھا سکے۔

"أَوْى إِلَيْهِ" کے معنی ہیں "ضم اليه" انہیسا تھملا لیا، اپنے پاس جگہ دی۔

فرماتے ہیں "السَّقَايَةُ" کے معنی ہیں "مکمال"، یعنی پیانہ۔

"استمساوا" بمعنی نا امید ہو گئے اور یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو۔

"خَلَصُوا نَجِيًّا" بمعنی الگ ہو کر صلاح کرنے لگے۔

"تَفَعَّلُوا" بمعنی "لا تمزال" یعنی تو ہمیشہ رہے گا، برابر رہے گا۔

"حَرَضًا" بمعنی "محرَضًا" مصدر بمعنی اسم مفعول ہے، اسکے معنی ہیں مضطرب، بیمار پھر اسکی تفسیر بیان

کرتے ہیں "بَذْبِيكَ الْهَمَّ" یعنی غم آپ کو گھلا دے گا۔

"تَحَسَّنُوا" بمعنی "تخبروا" یعنی تم خبر لو، "تحسن" کے معنی ہے خبر لینا، تلاش کرنا، ٹوہ لگانا۔

"مُزْجَاةٌ" کے معنی قلیل و ناقص کے ہیں۔

"غَاسِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ" کے معنی ہوئے "عامۃ المجلة" یعنی ایسا عام و عالمگیر عذاب جو انکو محیط

ہو کسی کو نہ چھوڑے، ایسا عذاب جو جھل کے طرح ہو جائے۔

(۱) باب قوله: ﴿وَيُتِمُّ بِغَمْتِهِ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ﴾ الآية [۶]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور تم پر اور یعقوب کی اولاد پر اپنی نعمت اُسی طرح پوری کرے گا۔“

۴۶۸۸۔ حدثنا عبد الله بن محمد: حدثنا عبد الصمد، عن عبد الرحمن بن عبد الله بن دينار، عن أبيه، عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال: ((الكریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراهیم)). [راجع: ۳۳۸۲]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عزت والے، عزت والے کے بیٹے، عزت والے پوتے، عزت والے کے پڑپوتے، حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، ان کے والد یعقوب علیہ السلام، دادا اسحاق علیہ السلام، پردادا ابراہیم علیہ السلام (سب پیغمبر) تھے۔

(۲) باب قوله: ﴿لَقَدْ كَانَ لِي يُوسُفُ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلْمُتَلَبِّينَ﴾ [۷]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ (تم سے یہ واقعہ) پوچھ رہے ہیں، اُن کیلئے یوسف اور اُن کے بھائیوں (کے حالات میں) بڑی نشانیاں ہیں۔“

قصہ یوسف علیہ السلام میں عقل والوں کیلئے نشانیاں

اس آیت میں اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ اس سورۃ میں آنے والے قصہ یوسف علیہ السلام کو محض ایک قصہ نہ سمجھو، بلکہ اس میں سوال کرنے والوں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانیاں اور ہدایتیں ہیں۔

اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کی آزمائش کیلئے یہ قصہ آپ سے پوچھا تھا ان کیلئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔ روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ کی مکہ معظمہ میں بعثت ہوئی اور اس کی خبر یثرب (مدینہ منورہ) پہنچی تو وہاں کے یہودیوں نے اپنے چند آدمی اس کام کے لئے مکہ معظمہ بھیجے کہ وہ جا کر آنحضرت ﷺ کی آزمائش کریں، اس لئے یہ سوال ایک مبہم انداز میں اس طرح کیا گیا کہ اگر آپ خدا کے سچے نبی ہیں تو یہ بتائیے کہ وہ کونسا پیغمبر ہے جس کا ایک بیٹا ملک شام سے مصر لے جایا گیا اور باپ اس کے غم میں روتے

روتے تا پینا ہو گئے۔

یہ واقعہ یہودیوں نے اس لئے منتخب کیا تھا کہ نہ اس کی کوئی عام شہرت تھی، نہ مکہ میں کوئی اس واقعہ سے واقف تھا اور اس وقت مکہ میں اہل کتاب میں سے بھی کوئی نہ تھا جس سے بحوالہ تورات و انجیل اس قصہ کا کوئی جزء معلوم ہو سکتا، ان کے اس سوال پر ہی پوری سورہ یوسف نازل ہوئی جس میں حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کا پورا قصہ مذکور ہے اور اتنی تفصیل سے مذکور ہے کہ تورات و انجیل میں بھی اتنی تفصیل نہیں، اس لئے اس کا بیان کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا ہوا معجزہ تھا۔

اور اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قطع نظر سوال یہود کے خود یہ واقعہ ایسے امور پر مشتمل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانیاں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بڑی ہدایتیں اور احکام و مسائل موجود ہیں کہ جس بچے کو بھائیوں نے ہلاکت کے غار میں ڈال دیا تھا اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور کس طرح اس کی حفاظت کی، اپنے خاص بندوں کو اپنے احکام کی پابندی کا کس قدر گہرا رنگ عطا فرمایا کہ نوجوانی کے زمانے میں تعیش کا بہترین موقع ملتا ہے، مگر وہ خدا تعالیٰ کے خوف سے نفس کی خواہشات پر کیسا قابو پاتے ہیں کہ صاف اس بلا سے نکل جاتے ہیں اور یہ کہ جو شخص نیکی اور تقویٰ اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے مخالفین کے مقابلے میں کیسی عزت دیتے ہیں اور مخالفین کو اس کے قدموں میں لا ڈالتے ہیں۔

یہ سب عبرتیں اور نصیحتیں اور قدرت الہیہ کی عظیم نشانیاں ہیں جو ہر تحقیق کرنے والے اور غور کرنے والے کو معلوم ہو سکتی ہیں۔ ج

۴۶۸۹۔ حدیثی محمد: أخبرنا عبدة، عن عبدة الله، عن سعيد بن أبي سعيد، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: سئل رسول الله ﷺ: أي الناس أكرم؟ قال: ((أكرمهم عند الله أتقاهم))، قالوا: ليس عن هذا لسالك، قال: ((فأكرم الناس يوسف نبى الله ابن نبى الله ابن خليل الله)). قالوا: ليس عن هذا لسالك، قال: ((لعم معادن العرب تسألوني؟)) قالوا: نعم، قال: ((لخياركم فى الجاهلية خياركم فى الاسلام اذا فقهوا)).

تابعه أبو اسامة، عن عبدة الله. [راجع: ۳۳۵۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سب سے زیادہ عزت و شرافت والا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ جل جلالہ کے نزدیک سب سے عزت و شرافت والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہو۔ لوگوں نے عرض کیا، ہمارا سوال کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے؟

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو پھر سب سے زیادہ صاحب عزت و شرافت والے اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، جو اللہ کے نبی (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے بیٹے، اللہ کے نبی (حضرت اسحاق علیہ السلام) کے پوتے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پڑپوتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارا مطلب یہ بھی نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تو کیا تم لو مجھ سے عرب کے خاندانوں کے متعلق پوچھتے ہو؟ تو کہنے لگے جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو جاہلیت میں شریف تھے وہ اسلام میں بھی شریف ہیں، جب کہ دین کی سمجھ کو حاصل کریں یعنی صاحب علم ہوں۔ ابواسامہ نے اس میں (عبدہ) کی متابعت کی ہے، عبید اللہ سے روایت کرنے میں۔

(۳) باب قوله: ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرًا جَمِيلًا﴾ [۱۸]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اُن کے والد نے کہا: (حقیقت یہ نہیں ہے) بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے۔ اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔“

۴۶۹۰۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله: حدثنا ابراهيم بن سعد، عن صالح، عن ابن هباب. قال: وحدثنا الحجاج: حدثنا عبد الله بن عمر النُميري: حدثنا يونس ابن يزيد الأيلي قال: سمعت الزهري: سمعت عروة ابن الزبير، وسعيد بن المسيب، وعلقمة بن وقاص، وعبيد الله بن عبد الله، عن حديث عائشة زوج النبي ﷺ حين قال لها اهل الافك ما قالوا لبراهما الله. كل حدثني طائفة من الحديث. قال النبي ﷺ: ((ان كنت برينة فسيبرئك الله، وان كنت الممت بطلب فاستغفرى الله وتوبى اليه)). قلت: الى والله لا اجد مثلاً الا ابا يوسف ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ وانزل الله ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَاؤْا بِالْاِلٰكِ غَضَبٌ مِّنْكُمْ﴾ العشر الآيات. [راجع: ۲۵۹۳]

ترجمہ: امام زہری رحمہ اللہ نے بیان کیا میں نے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ رحمہم اللہ اجمعین سے نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ کے متعلق سنا جس میں تہمت لگانے والوں نے آپ پر تہمت لگائی تھی، پھر اللہ جلّ جلالہ نے ان کی پاکی ظاہر کر دی تھی۔ ان تمام حضرات (عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ رحمہم اللہ اجمعین) نے مجھ سے اس واقعہ کا ایک ایک حصہ بیان کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا کہ اگر تم اس سب سے بری ہو تو اللہ جلّ جلالہ عنقریب تمہارا ان سب تہمتوں سے بری ہونے کا اعلان فرما دے گا (یعنی تمہاری پاکی

ترجمہ: حضرت عمرؓ رحمہ اللہ نے کہا ”هَيْتَ لَكَ“ حورانی زبان میں بمعنی ”ہلم“ یعنی آ جاؤ اور حضرت سعید بن جبیرؓ رحمہ اللہ نے کہا کہ بمعنی ”تعالہ“ ہے یعنی آ جاؤ۔

۴۶۹۲ - حدثني أحمد بن سعيد: حدثنا بشر بن عمر: حدثنا شعبه، عن سليمان، عن أبي وائل، عن عبد الله بن مسعود: ﴿قَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾، وَالْمَا لِقُرُوءَهَا كَمَا عَلَّمْنَاهَا. ﴿مَفْوَاهُ﴾: مَقَامُهُ. ﴿وَالْقِيَاءُ﴾: وَجْدًا، ﴿الْفِرَآءَاءُ هُمْ﴾، ﴿الْفَيْنَا﴾. وعن ابن مسعود: ﴿هَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ﴾ [الصافات: ۱۲].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے (اس آیت کے بارے میں) روایت ہے کہ ﴿قَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾ بلاشبہ ہم اس کو پڑھتے ہیں جس طرح ہمیں اس کی تعلیم دی گئی یعنی آنحضرت ﷺ نے جیسے ہمیں سکھایا۔ ”مَفْوَاهُ“ بمعنی ”مقامہ“ یعنی اس کا ٹھکانہ، اور ”وَالْقِيَاءُ“ کسی چیز کو پانے رحاصل کرنے کے معنی میں ہے، یعنی دونوں نے پایا، ﴿الْفِرَآءَاءُ هُمْ﴾ انہوں نے اپنے باپ دادا کو پایا، اور ﴿الْفَيْنَا﴾ یعنی ہم نے پایا، یہ دونوں اسی معنی میں ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ﴿هَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ﴾ یہ آیت اس سورہ یعنی سورہ یوسف میں نہیں بلکہ یہ آیت سورہ صافات کی ہے۔

۴۶۹۳ - حدثنا الحميدى: حدثنا سفيان، عن الأعمش، عن مسلم، عن مسروق، عن عبد الله بن مسعود: ﴿أَنْ قَرِئْنَا لَمَّا أَبْطَرَا عَنْ النَّبِيِّ ﷺ بِالْإِسْلَامِ قَالَ: ((اللَّهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِسَبْعِ كَسْبِ يَوْسُفَ))، فَأَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَتْ كُلُّ شَيْءٍ حَتَّى أَكَلُوا الْعِظَامَ حَتَّى جَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ لَمَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا مِثْلُ الدِّخَانِ. قَالَ اللَّهُ: ﴿فَازْتَفِقْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ﴾ [الدخان: ۱۰] قَالَ اللَّهُ: ﴿إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابَ لَلَّيْلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ﴾ [الدخان: ۱۵]. أَلَمْ يَكْشِفْ عَنْهُمْ الْعَذَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ وَقَدْ مَضَى الدِّخَانُ وَمَضَتْ الْبُطْشَةُ. [راجع: ۱۰۰۷].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ قریش نے جب نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے میں تاخیر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات برس کا قحط پڑا تھا ان پر ایسا قحط بھیج۔ پھر ان لوگوں پر ایسا قحط آیا کہ ہر چیز کو ختم کر دیا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے ہڈیوں کو کھایا، جو شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اپنے درمیان اور آسمان کے درمیان دھواں سادیکھتا (یعنی شدت بھوک و کثرت فاقہ سے بیتائی بھی کمزور ہو گئی کہ جب اوپر دیکھتا تو دھواں سا نظر آتا)۔ اسی پر اللہ ﷻ نے فرمایا ﴿فَازْتَفِقْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ﴾ اب آپ ان کیلئے اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان ایک واضح دھواں لائے جو ان سب لوگوں پر عام ہو جائے، اور اللہ ﷻ نے فرمایا ﴿إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابَ لَلَّيْلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ﴾ ہم

تھوڑی مدت کیلئے اس عذاب کو ہٹا دیتے ہیں، مگر تم پھر اپنی اسی حالت کفر پر آ جاؤ گے۔ (حضرت ابن مسعود ؓ نے فرمایا کہ) کیا قیامت کے روز ان کافروں سے عذاب کو ہٹایا جائے گا؟ بلکہ یہ دھویں کا تو واقعہ گذر چکا اور ان کی پکڑ بھی ہو چکی۔

(۵) باب قولہ: ﴿فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ اَرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ﴾ اِلٰى قَوْلِهِ ﴿فَلَنْ

حَاشَ لِلّٰهِ﴾ [۵۱، ۵۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”چنانچہ جب اُن کے پاس ایچی پہنچا تو یوسف نے کہا: اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ، اور اُن سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا کیا قصہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ میرا پروردگار ان عورتوں کے مکر سے خوب واقف ہے۔ بادشاہ نے (اُن عورتوں کو بلا کر اُن سے) کہا: تمہارا کیا قصہ تھا جب تم نے یوسف کو ورغلائے کی کوشش کی تھی؟ ان سب عورتوں نے کہا کہ: حاشا للہ!“۔

یعنی حضرت یوسف ؑ نے قاصد سے کہا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا کر پہلے یہ دریافت کرو کہ آپ کے نزدیک ان عورتوں کا معاملہ کس طرح ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، کیا اس واقعہ میں وہ مجھے مشتبہ سمجھتے ہیں؟ میرا کوئی قصور قرار دیتے ہیں؟ یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اس وقت یوسف ؑ ان عورتوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے ہاتھ کاٹ لئے تھے، عزیز کی بیوی کا نام نہیں جو اصل سبب تھی، اس میں اس حق کی رعایت تھی جو عزیز کے گھر میں پرورش ہانے سے فطرۃ شریف انسان کے لئے قابل لحاظ ہوتا ہے۔

اور ایک بات یہ بھی کہ ہے کہ اصل مقصود اپنی برأت کا ثبوت تھا، وہ ان عورتوں سے بھی ہو سکتا تھا اور اس میں عورتوں کی بھی کوئی زیادہ رسوائی نہ تھی، اگر وہ سچی بات کا اقرار کر بھی لیتیں تو صرف مشورہ ہی کی مجرم ٹھہرتیں، بخلاف عزیز کی بیوی کے کہ اس کو تحقیقات کا ہدف بنایا جاتا، تو اس کی رسوائی زیادہ تھی۔ ج

اور اس کے ساتھ ہی حضرت یوسف ؑ نے فرمایا کہ ﴿اِنَّ رَبِّيْ بِكُنْهِنَّ عَلِيْمٌ﴾ یعنی میرا پروردگار تو ان کے جھوٹ اور مکر و فریب کو جانتا ہی ہے میں چاہتا ہوں کہ بادشاہ بھی حقیقت واقعہ سے واقف ہو جائیں، جس میں ایک لطیف انداز سے اپنی برأت کا اظہار بھی ہے۔

حاش و حاشا تنزیہ واستثناء۔ ﴿خَضَّحَصَ﴾: وضع۔

ترجمہ: ”حاش و حاشا“ کے معنی ہیں پاکی بیان کرنا، استثناء کرنا۔ ”خَضَّحَصَ“ کے معنی واضح ہونا۔

۴۶۹۳۔ حدثنا سعيد بن تلید: حدثنا عبدالرحمن بن القاسم، عن بكر بن مضر،

عن عمرو بن الحارث، عن يونس بن يزيد، عن ابن شهاب، عن سعيد بن المسيب وأبي

سلمة بن عبدالرحمن، عن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ((يرحم الله لوطا لقد

كان يأوي إلى ركن شديد، ولو لبثت في السجن ما لبث يوسف لأجبت الداعي. ولعن

أحد من إبراهيم إذا قال له: ﴿أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالِ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا﴾ [البقرة: ۲۶۰]).

[راجع: ۳۳۷۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت لوط ؑ پر

رحم فرمائے بے شک وہ مضبوط اور مستحکم پناہ حاصل کر رہے تھے، اور اگر میں اتنے دنوں تک قید خانہ میں رہتا

جتنے دنوں حضرت یوسف ؑ رہے تھے تو بلانے والے کی بات رد نہ کرتا۔ اور ہمارے کو بہ نسبت حضرت ابراہیم

ؑ کے (شک کرنے کے) زیادہ حقدار ہیں، جب اللہ ﷻ نے ان سے فرمایا ﴿أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالِ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ

لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا﴾۔

مقام عبدیت

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں حضرت یوسف ؑ کی جگہ ہوتا اتنے دن جتنے دن وہ رہے تو میں

بلانے والے کی دعوت کو قبول کر لیتا۔ تو بعض لوگوں نے تو معنی یہ کئے ہیں کہ گویا حضور اکرم ﷺ حضرت یوسف

ؑ کی عزیت کی تعریف فرما رہے ہیں کہ انہوں نے بڑی عزیت کا معاملہ کیا، میں ہوتا تو رخصت پر عمل کرتا۔

تو گویا بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت یوسف ؑ کی فضیلت جزئیہ ثابت کی جا رہی ہے لیکن مجھے یہ لگتا

ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ کہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ عبدیت کا تقاضا یہ تھا کہ اس دعوت کو قبول کر لیا جائے اور میں چونکہ

عبدیت کے تقاضے پر زیادہ عمل کرتا ہوں تو میں قبول کر لیتا۔

کیونکہ عبدیت کے معنی یہ ہے کہ انسان اللہ ﷻ کے سامنے اپنی احتیاج ظاہر کریں اور اللہ ﷻ کے

سامنے زیادہ بہادر بننا زیادہ اچھا نہیں، تو یہ بندگی کا زیادہ تقاضا تھا۔ تو حضور ﷺ کے اوپر شان عبدیت زیادہ

غالب تھی۔ اس واسطے آپ نے فرمایا کہ ”ما خیر رسول بین أمرین“ اللہ کے سامنے اپنی شکستگی کے اظہار

کے لئے اور اپنی بندگی کا اظہار کرنے کے لئے۔

(۶) باب قوله: ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَعْيَاسَ الرُّسُلُ﴾ [۱۱۰]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”یہاں تک کہ جب پیغمبر مایوس ہو گئے۔“

۳۶۹۵ - حدثنا عبدالعزيز بن عبد الله: حدثنا ابراهيم بن سعيد، عن صالح، عن ابن شهاب قال: اخبرني عروة بن الزبير، عن عائشة رضي الله عنها قالت له وهو يسأله عن قول الله تعالى: ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَعْيَاسَ الرُّسُلُ﴾ قال: قلت: أَكْذِبُوا أم كُذِّبُوا؟ قالت عائشة: كُذِّبُوا. قلت: فقد استعيقوا أن قومهم كُذِّبُوا؟ قال: نعم. قالت: أجل لعمرى لقد استعيقوا بذلك، فقلت لها: وظنوا أنهم قد كُذِّبُوا، قالت: معاذ الله، لم تكن الرسل تظن ذلك بربها، قلت فما هذه الآية؟ قالت: هم اتباع الرسل الذين آمنوا بربهم وصدقوهم فطال عليهم البلاء واستأخروا عنهم النصر حتى إذا استعياست الرسل ممن كذبهم من قومهم وظنت الرسل أن اتباعهم قد كذبوهم جاءهم نصر الله عند ذلك. [راجع: ۳۳۸۹]

ترجمہ: ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، جب وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس ارشاد باری تعالیٰ ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَعْيَاسَ الرُّسُلُ﴾ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ عروہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آیت کریمہ میں ”کُذِّبُوا“ بلا تشدید ہے یا ”کُذِّبُوا“ تشدید کے ساتھ ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تشدید کے ساتھ ”کُذِّبُوا“ ہے۔ تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ پیغمبروں کو تو یقین تھا کہ ان کی قوم انہیں جھٹلا رہی ہے، پھر ”ظن“ سے کیا مراد ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہاں! اپنی زندگی کی قسم پیغمبروں کو اس کا یقین تھا یعنی تم نے صحیح کہا۔ اسکے بعد میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ پھر کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ”لَقَدْ كُذِّبُوا“ بلا تشدید تخفیف ذال کی صورت میں یہ معنی ہوگا (ان (پیغمبروں) کو گمان تھا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اللہ کی پناہ ہو! پیغمبروں کو اپنے پروردگار کے ساتھ اس طرح کا کوئی گمان نہیں تھا۔ میں نے کہا پھر آیت کا مطلب کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مراد رسولوں کے متبعین ہیں جو اپنے رب پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی لیکن جب ان پر جب مصیبتیں اور پریشانیاں طویل ہو گئی اور مدد آنے پر دیر ہو گئی اتنی کہ پیغمبر اپنی قوم کے ان لوگوں سے مایوس ہو گئے، جنہوں نے ان کی تکذیب کی تھی، اور پیغمبروں اس بات سے ڈرنے لگے کہ کہیں

وہ لوگ انہیں نہ جھٹلا دیں جو ان کے ساتھ ہیں، تو اس وقت اللہ ﷻ کی مدد آن پہنچی۔

۴۶۹۶۔ حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعیب، عن الزہری قال: أخبرنی عروہ،

قللت: لعلہا کذبوا، مخلفة، قالت: معاذ اللہ نعوه. [راجع: ۳۳۸۹]

ترجمہ: حضرت عروہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ شاید آیت میں لفظ ”کذبوا“ یعنی ذال تخفیف کے ساتھ ہے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ معاذ اللہ! پھر وہی تفصیل جو پچھلی روایت میں بیان ہوئی۔

اشکال وجواب

یعنی تاخیر عذاب سے دھوکہ مت کھاؤ، پہلی قوموں کو بھی لمبی مہلتیں دی گئیں اور عذاب آنے میں اتنی دیر ہوئی کہ منکرین بالکل بے فکر ہو کر بیش از بیش شرارتیں کرنے لگیں۔

یہ حالات دیکھ کر پیغمبروں کو ان کے ایمان لانے کی کوئی امید نہ رہی، ادھر خدا کی طرف سے ان کو ڈھیل اس قدر دی گئی کہ مدت دراز تک عذاب کے کچھ آثار نہ نظر آتے تھے، غرض دونوں طرف کے حالات و آثار پیغمبروں کے لئے ”یاس انگیز“ تھے۔

یہ منظر دیکھ کر کفار نے یقینی طور پر یہ خیال کر لیا کہ انبیاء کرامؑ سے جو وعدے ان کی نصرت اور ہماری ہلاکت کے لئے کئے گئے تھے سب جھوٹی باتیں ہیں۔ عذاب وغیرہ ڈھکوسلہ صرف ڈرانے کے واسطے تھا۔ کچھ بعید نہیں کہ ایسی مایوس کن اضطراب انگیز حالت میں انبیاء کرامؑ کے قلوب میں بھی یہ خیالات آنے لگے ہوں کہ وعدہ عذاب کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا یا وساوس و خطرات کے درجہ میں بے اختیار یہ وہم گزرنے لگے ہوں کہ ہماری نصرت اور منکرین کی ہلاکت کے جو وعدے کئے گئے تھے کیا وہ پورے نہ کئے جائیں گے؟

جیسے دوسری جگہ فرمایا ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نَشَارُ لَهُ﴾

[بقرہ: رکوع ۲۶] جب مجرمین کی بے خونی اور انبیاء کرامؑ کی تشویش اس حد تک پہنچ گئی اس وقت ناگہاں آسانی مدد آئی، پھر جس کو خدا نے چاہا یعنی فرمانبردار مؤمنین کو محفوظ و مصون رکھا، اور مجرموں کی جڑ کاٹ دی۔ ۵

۵ اس آیت کی مکمل تفسیر، تفصیل اور وضاحت سورۃ البقرہ میں گزری ہے، ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری [کتاب التفسیر: حصہ اول]۔

ج: ۱۱، (۳۸) باب: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ الآية [۲۱۳]

(۱۳) سورة الرعد

سورة رعد کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں، یہ سورت بھی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔

قدرتِ کاملہ، وحدانیت، عقیدہ رسالت و آخرت

اس کا بنیادی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات اور ان پر عائد کئے جانے والے اعتراضات کا جواب ہے۔

پہلی سورت یعنی سورہ یوسف کے آخر (آیت نمبر ۵۰) میں اللہ ﷻ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ ﷻ کی قدرت کاملہ اور اسکی وحدانیت کی بہت سی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن کفار ان کی طرف دھیان دینے کے بجائے ان سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

اب اس سورت میں کائنات کی ان نشانیوں کی کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے جو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ جس قادر مطلق نے اس کائنات کا یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، اُسے اپنی خدائی قائم کرنے کیلئے کسی مددگار یا شریک کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس کائنات کا ہر ذرہ اللہ ﷻ کی توحید کی بھی گواہی دیتا ہے اور اس بات کی بھی کہ یہ سارا نظام اس نے بے مقصد پیدا نہیں کر دیا۔ اس کا یقیناً کوئی مقصد ہے اور وہ یہ کہ اس دنیوی زندگی میں کئے ہوئے ہر کام کا کسی دن حساب ہو اور اُس دن نیکیوں کا انعام اور برائیوں کی سزا دی جائے۔ اس سے خود بخود آخرت کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔

پھر نیکی اور برائی کا تعین کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے واضح ہدایات بندوں کو دی جائیں۔ ان ہدایات کا ذریعہ اللہ ﷻ کے پیغمبر ہیں جو وحی کے ذریعے اللہ ﷻ کے احکام معلوم کر کے دنیا والوں تک پہنچاتے ہیں۔ لہذا اسی سے رسالت کا عقیدہ بھی ثابت ہوتا ہے۔

کائنات کی جو نشانیاں اس سورت میں بیان کی گئی ہیں، ان میں بادلوں کی گرج چمک بھی ہے جس کا ذکر اس سورت (آیت نمبر ۳۱) میں آیا ہے۔

عربی میں گرج کو ”الرعد“ کہا جاتا ہے۔ اسی پر اس سورت کا نام ”رعد“ رکھا گیا ہے۔

وقال ابن عباس: ﴿كَبَّاسِطٌ كَفْنِهِ﴾ مثل المشرک الذی عبد مع اللہ إلہا غیرہ کمثل العطشان الذی ينظر الی ظل خیالہ فی الماء من بعد وهو یرید أن يتناوله ولا یقدر۔ وقال غیرہ: ﴿مُتَجَاوِرَاتٌ﴾: متدانیات۔ وقال غیرہ: ﴿الْمُثَلَّاتُ﴾: واحدھا مثله: وہی الاضواء والأمثال۔ وقال ﴿لَا يَمْلِكُ آتَاَمُ الَّذِينَ خَلَوْا﴾ [یونس: ۱۰۲]۔ ﴿بِمَقْدَارٍ﴾: بقدر۔ یقال ﴿مُعَقَّبَاتٌ﴾: ملائکة حفظة تعقب الأولى منها الأخرى۔ ومنه لیل: العقیب، ای: عقبیت فی الرہ۔ ﴿الْمُحَالِ﴾: العقوبة۔ ﴿رَابِيَا﴾: من رہا یرہوا۔

﴿أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ﴾ مثله، المتاع: ما تمتعت به۔ ﴿جُفَاءً﴾: یقال: أجفأت القدر: اذا غلت فعلاھا الزہد، ثم تسکن فیلذهب الزہد بلا منفعة فکذلک یمیز الحق من الباطل۔ ﴿الْمِجَاهُذُ﴾: الفراش۔ ﴿يَذَرُونُ﴾: یدفعون۔ درآہ عنی: دفعته۔ ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ﴾: ای یقولون: سلام علیکم، والمتاب الیہ: توبتی۔ ﴿أَفَلَمْ يَتَّبِعُوا﴾: أفلم یتمین۔ ﴿فَارِغَةٌ﴾: داهية۔ ﴿فَانفَلَتْ﴾: اطلت، من الملی والملاوة ومنه ملہا، ویقال اللوامع الطویل من الأرض: ملی۔ ﴿أَشَقُّ﴾: أشد، من المشقة۔ ﴿مُعَقَّبٌ﴾: مغیر۔ وقال المجاهد: ﴿مُتَجَاوِرَاتٌ﴾: طیبھا عذب وخبیثھا السباخ۔ ﴿صِنَوَانٌ﴾: النخلتان أو اکثر فی أصل واحد۔ ﴿وَاْخَرُ صِنَوَانٍ﴾: وحدها۔ ﴿السُّحَابِ الْقَطَالِ﴾: الذی لیہ الماء۔ ﴿كَبَّاسِطٌ كَفْنِهِ إِلَى الْمَاءِ﴾: یدعو الماء بلسانہ ویشیر الیہ بیدہ فلا یأتہ اهدأ۔ ﴿فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا﴾: تملأطن واد۔ ﴿زَبَدًا رَابِيًا﴾: الزہد السیل مثله زہد۔ خبث الحديد والحلبة۔

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿كَبَّاسِطٌ كَفْنِهِ﴾ یہ مشرک کی مثال ہے، جو اللہ جل جلالہ کے سوا دوسروں کی پوجا کرتا ہے، اس کی مثال اس پیاسے جیسی ہے جو پانی کا تصور کر کے دور سے اپنے ہاتھ کو

بڑھاتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو حاصل کرے، لیکن اس پر قدرت نہیں ہے یعنی نہیں لے سکتا۔

”مُعْجَاوِزَاتٌ“ بمعنی ”معجزات“ یعنی آپس میں قریب ہیں، ملے ہوئے ہیں۔

”الْمَفْلَاتُ“ جمع ہے، اس کا واحد ”مفلہ“ ہے اور اس کے معنی ہیں اشیاء و امثال کے جیسے سورہ یونس

میں اللہ ﷻ نے فرمایا ﴿إِلَّا مِثْلَ آيَاتِ الَّذِينَ خَلَوْا﴾ یعنی اب یہ لوگ صرف ان لوگوں کے مشابہ واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔

”بِمِقْدَارٍ“ بمعنی ”بقدر“ یعنی معین انداز، مقررہ اندازہ کرنا کہ نہ اس سے بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے۔

”مُعَقَّبَاتٌ“ سے مراد نگہبانی کرنے والے فرشتے ہیں، ان فرشتوں میں سے پہلی جماعت کے بعد

دوسری جماعت آتی ہے یعنی باری باری آنے والے فرشتوں کی جماعتیں اور اسی سے کہا گیا ”العقیب“ یعنی میں اسکے نشان قدم پر پیچھے پیچھے آیا، اس کی پیروی کی۔

”الْمِحَالُ“ بمعنی ”المقنونة“ یعنی عقوبت، سختی، عذاب۔

لفظ ”رَآبِئًا“ یہ ”رہا۔ ہو ہوا“ سے مشتق ہے جس کے معنی پھولنے اور چڑھنے کے ہیں۔

اس آیت ”أَوْ مَنَاعٍ ذَبَدٌ“ میں ”مناع“ کے معنی ہیں جس چیز سے فائدہ اٹھایا جائے۔

”جُفَاءً“ کا معنی جھاگ ہے، اور یہ ”أَجْفَاتُ الْقَدَرِ“ سے ماخوذ ہے، جب ہانڈی میں کوئی چیز پکائی

جاتی ہے وہ کوئی بھی چیز جوش مارتی ہے، جس سے جھاگ اوپر آتی ہے، پھر جب وہ ہانڈی یا وہ چیز جو اس میں پکائی

جاتی ہے وہ ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو اس میں سے بے فائدہ جھاگ ختم ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح باطل حق سے جدا

ہو جاتا ہے۔

”الْمِجَاهُذُ“ یعنی بچھونا، بستر، آرام گاہ۔

”يَذَرُونَ“ بمعنی ”يدفعون“ دور کیا جیسا کہ ”دراہ عنی“ کے معنی ہیں میں نے اس کو خود سے دور

کیا۔

”سَلَامٌ عَلَيْكُمْ“ یہاں پر ”يقولون“ فعل محذوف ہے۔

”الْمَعَابُ إِلَهِ“ بمعنی ”توبعی“ یعنی اسکی طرف میرا رجوع کرنا ہے۔ ”معاب“ بمعنی رجوع۔

”أَفَلَمْ يَنبَأْسِ“ کے معنی ہیں ”أفلم یعین“ یعنی کیا (ایمان والوں پر) یہ بات ظاہر نہیں ہوئی ہے؟

”لَارِئَةً“ کے معنی ہیں ”داحیہ“ یعنی مہلک، آفت، سخت مصیبت۔

”لَمَّا نَلَيْتُ“ بمعنی ”اطلعت“ یعنی میں نے مہلت دراز کردی، ڈھیل دیدی، یہ ”الْمَلِئِیُ

وَالْمِلَاوَةُ“ سے مشتق ہے اور اسی سے ماخوذ ہے ”ملیا“ یعنی حدیث جبرئیل علیہ السلام میں ”لبت ملیا“ نیز

ایک جگہ قرآن پاک میں ہے ”واہجرنی ملیا“ اور کشادہ و طویل زمین یعنی صحرا و بیابان کو ”ملا من

الارض" کہا جاتا ہے۔

"أَصْلُ" بمعنی "أصل" بہت سخت رشیدیہ، اور "المشقة" سے مشتق ہے یعنی اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔
 "مُعَقَّب" بمعنی "معمبر" یعنی بدلنے والا نہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے "مُعْجَاوِرَات" کی تفسیر بیان کی ہے کہ زمین کا بعض حصہ عمدہ ہے اور بعض کھاری ردی زمین ہے ویران ہے جس میں کوئی زراعت وغیرہ نہیں ہوتی ہو۔
 "صِنَوَانٍ" کا مفہوم ہے کہ ایک جڑ سے دو یا زیادہ شاخیں نکلے ہوں اور "وَعَمْرُ صِنَوَانٍ" سے مراد ہے کہ ایک جڑ سے ایک ہی تنہ اور پر تک چلا جاتا ہو۔

"السَّحَابُ الثَّقَالُ" سے مراد وہ بادل ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہو۔

"مُكَاسِبٌ كُفِّهِ إِلَى الْمَاءِ" یہ ان کافروں کی مثال ہے جو بتوں کو پکارتے ہیں، انکی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ہاتھ پھیلا کر زبان سے پانی کو بلاتا ہے اور ہاتھ سے اسکی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میرے پاس آؤ، سو پانی کبھی بھی اس کی طرف نہیں آئے گا، کیونکہ وہ نہ سنتا ہے، نہ سمجھتا ہے جیسے بت۔
 "فَسَأَلَتْ أَوْدِيَةً بِقُدْرِهَا" کا مفہوم ہے نالہ کا پیٹ یعنی اندرونی حصہ بھر جاتا ہے اپنی اپنی مقدار کے موافق یعنی چھوٹے نالے میں کم اور بڑے نالہ میں زیادہ پانی بھر کر بہنے لگتا ہے۔
 "وَبَدَأَ رَابِعًا" سے سیلاب کے اوپر آنے والی جھاگ مراد ہے۔ یہ اس مثال کی طرح ہے جب لوہے یا چاندی کو آگ پر گرم کرتے ہیں تو اس میں جو زنگ وغیرہ ہوتا ہے وہ جھاگ کی صورت میں آ جاتا ہے۔

(۱) باب قوله: ﴿اللَّهُ يَغْلُمُ مَا تَخِيلُ كُلُّ أَنْتَى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ﴾ [۸]

اس ارشاد کا بیان کہ: "جس کسی مادہ کو جو حمل ہوتا ہے، اللہ اُس کو بھی جانتا ہے، اور ماؤں کے رحم میں جو کوئی کمی بیشی ہوتی ہے، اُس کو بھی۔"

غیض: نُقِصَ،

ترجمہ: "غیض" بمعنی کمی بیشی۔

کُلُّ أَنْتَى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ - مذکر ہے یا مؤنث، پورا ہے یا ادھورا، اچھا ہے یا برا۔
 یعنی حاملہ کے پیٹ میں ایک بچہ ہے یا زیادہ، پورا بن چکا ہے یا نا تمام ہے، تھوڑی مدت میں پیدا ہو گا یا زیادہ میں، یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

غرض پیٹ کے گھٹنے بڑھنے کے تمام اسرار و اسباب اور اوقات و احوال کو پوری طرح جانتا ہے، اور اپنے علم محیط کے موافق ہر چیز کو ہر حالت میں اسکے اندازہ اور استعداد کے موافق رکھتا ہے۔

اسی طرح اس نے جو آیات حضرات انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے اتاری ہیں ان میں خاص اندازہ اور مصالح، حکم ملحوظ رہی ہیں، جس وقت جس قدر بنی آدم کی استعداد و صلاحیت کے مطابق نشانات کا ظاہر کرنا مصلحت تھا اس میں کمی نہیں ہوئی، باقی قبول کرنے اور منتفع ہونے کے لحاظ سے لوگوں کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسے حوامل کے پیٹ سے پیدا ہونے والوں کے احوال تفاوت استعداد و تربیت کی بناء پر مختلف ہوتے ہیں۔

۴۶۹۷ - حدیثی ابراہیم بن المنذر: حدثنا معن قال: حدیثی مالک، عن عبد اللہ ابن دینار، عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم: ان رسول اللہ ﷺ قال: ((مفاتیح الغیب خمس لا یعلمها الا اللہ: لا یعلم ما فی غد الا اللہ، ولا یعلم ما تفیض الارحام الا اللہ، ولا یعلم متى یأتی المطر احد الا اللہ، ولا تدري نفس باي ارض تموت، ولا یعلم متى تقوم الساعة الا اللہ)). [راجع: ۱۰۳۹]

ترجمہ: عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غیب کی پانچ باتیں یا کنجیاں ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ ماؤں کے رحموں میں کیا ہے؟ یہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بارش کب ہوگی؟ یہ اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ آدمی نہیں جانتا کہ کس جگہ اس کی موت آئے گی؟ کوئی نہیں جانتا قیامت کب آئے گی؟ سوائے اللہ کے۔

مفاتیح الغیب

ایک سائل نے حضور اقدس ﷺ سے ان پانچ چیزوں کے بارے میں دریافت کیا کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ ماؤں کے رحموں میں کیا ہے؟ بارش کب ہوگی؟ کس جگہ انسان کی موت آئے گی؟ قیامت کب آئے گی؟ اس پر سورہ لقمان کی آیت نازل ہوئی:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

ترجمہ: یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس
 سے، وہی بارش برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے
 پیٹ میں کیا ہے، اور کسی تنفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کل کیا
 کمائے گا، اور نہ ہی کسی تنفس کو یہ پتہ ہے کہ کونسی زمین میں
 اُسے موت آئے گی۔ بے شک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے
 والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔

اس آیت میں ان پانچوں کے علم کا اللہ ﷻ کے ساتھ مخصوص ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ ۱۔

۱۔ مزید تفصیل و وضاحت کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الہاری شرح صحیح البخاری، ج: ۱، ص: ۵۷۰، کتاب الایمان، رقم

(۱۴) سورۃ ابراہیم

سورۃ ابراہیم کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ ابراہیم مکی ہے اور اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں۔
دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور ان کا انکار کرنے کے خوفناک نتائج پر تنبیہ ہے۔

وجہ تسمیہ

چونکہ عرب کے مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے، اس لئے سورت کے آخر سے پہلے رکوع میں اُن کی وہ پراثر دعا نقل فرمائی گئی ہے جس میں انہوں نے شرک اور بت پرستی کی صاف صاف برائی بیان کرتے ہوئے اللہ جلّ جلالہ سے درخواست کی ہے کہ انہیں اور ان کے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃ ابراہیم ہے۔

قال ابن عباس: ﴿فَادِّ﴾: داع. وقال مجاهد: ﴿صَدِيدٌ﴾: قبح ودم. وقال ابن عباس: ﴿أَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾: إلهادي الله عندكم وإياه.

وقال مجاهد: ﴿مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ﴾: رغبتم إليه فيه. ﴿تَبْفُلْنَهَا عَوجًا﴾: تلتمسون لها عوجا.

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ﴾: أعلمكم، أذكركم. وذكروا إيديهم لى ألواهم: هذا مثل، كفوا عما أمروا به.

﴿مَقَامِي﴾: حيث بقيه الله بين يده. ﴿مِنْ وَرَائِهِ﴾: قدامه جهنم. ﴿لَكُمْ تَبَعًا﴾: واحدها تابع مثل غيب وغائب.

﴿بِمُضِرِّكُمْ﴾: استصرحني: استغاثني، ﴿بِمُتَصَرِّحَةٍ﴾: من الصراخ. ﴿وَلَا يَخْلَلُ﴾: مصدر خالعه خلا، ويجوز أيضا جمع حلة وخلال. ﴿أَجْتَنَّتْ﴾:

استوصلت۔

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”ہَادٍ“ بمعنی ”داع“ یعنی داعی اور دعوت دینے والے، ہدایت کرنے والے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”صَدِيدٌ“ کے معنی پیپ اور خون کے ہیں۔
حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿اَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ سے مراد اللہ ﷻ کی وہ نعمتیں جو تمہارے پاس ہیں اور ان ایام و واقعات کو یاد کرو جن میں اللہ ﷻ نے تم لوگوں کو فرعونوں سے نجات دی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ﴿مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ جن جن چیزوں کی طرف تم کو رغبت ہے تم کو دی، تم نے مانگا یا نہیں مانگا۔
﴿تَبْتَغُونَهَا حَوْجًا﴾ کے معنی ہیں ”تَلْعَمْسُونَ“ یعنی راہ خدا اور دین حق میں کجی تلاش کرتے ہیں۔
﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ﴾ اس آیت میں ”تَأَذَّنَ“ بمعنی ”أَعْلَمَ“ اور ”أَذَّنَ“، جس کے معنی اعلام اور اطلاع کے ہیں۔

”رَدُّوا أَبْدِيَهُمْ لِيْ أَلْفَاہِمُ“ یہ ایک اہل عرب کی ایک مثال ہے جو ”كَلُّوا عَمَّا أَمْرُوا بِهِ“ کے معنی میں ہے، یعنی جس (حق) بات کا ان لوگوں کو حکم دیا گیا، وہ اس سے باز رہے اس کو جھٹلا دیا۔
”مَقَامِي“ وہ مقام جہاں اللہ ﷻ اپنے سامنے کھڑا کرے گا، یعنی روز قیامت حساب و کتاب کیلئے۔
”مِنْ وَرَائِهِ“ یعنی اس کے سامنے اس کے آگے دوزخ ہے۔
”تَبَعًا“ جمع ہے اس کا واحد ”تَابِعٌ“ ہے جیسے ”غَمِبٌ وَطَالِبٌ“ ہیں۔

آیت کریمہ میں ﴿مَا أَنَا بِمُضِرِّ خِيكُم﴾ کے معنی ہیں ”مَا أَنَا بِمُفْسِدِكُمْ“ جس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارا مددگار نہیں بن سکتا ہوں۔

”بِمُضِرِّ خِيكُم“ کی تفسیر کی ہے ”استصر خنی“ سے جو بمعنی ”استعھانی“ کے ہے یعنی اس نے مجھ سے فریاد رسی طلب کی اور ”بِمُتَعَصِّرِ خُتْ“ ماخوذ ہے ”صراخ“ سے جس کے معنی ہیں فریاد، چیخ و پکار۔

”وَلَا يَجْلَلُ“ کا مصدر ہے ”يَجْلَلُ“ یعنی از باب مفاعله ”مَجْلَالٌ“ سے ہے، اس کے علاوہ ہو سکتا ہے کہ یہ ”خلة“ کی جمع ہو۔

”اُجْتُثْتُ“ بمعنی ”استوصلت“ یعنی جڑ سے اکھاڑ لیا جائے گا۔

(۱) باب قوله: ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَضَلُّهَا ثَابِتٌ﴾ الآية [۲۴]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جمی ہوئی ہے۔“

کلمۃ طیبۃ - ”سقمی بات“ میں کلمہ توحید، معرفت الہی کی باتیں، ایمان و ایمانیات، قرآن، حمد و ثناء، تسبیح و تہلیل، سچ بولنا سب داخل ہے۔

شجرۃ طیبۃ - اکثر روایات میں یہاں ”سقمی درخت“ کا مصداق کھجور کو قرار دیا ہے، گو دوسرے سقمی درخت بھی اسکے تحت میں مندرج ہو سکتے ہیں۔

۳۶۹۸ - حدثنی عبید بن اسماعیل، عن أبی اسامة، عن عبید اللہ، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: کنا عند رسول اللہ ﷺ فقال: ((أخبرونی بشجرۃ تشبه، أو کالرجل المسلم، لا یبتعات ورقها ولا... ولا... لا... توتی أکلها کل حین))، قال ابن عمر: فوقع فی نفسی أها النخلة، ورأیت أبا بکر وعمر لا یتکلمان فکرمھما أن أکلم. فلما لم یقولوا شینا قال رسول اللہ ﷺ: ((ھی النخلة)). فلما قلنا قلت لعمر: یا ابتاه، واللہ لقد کان وقع فی نفسی أها النخلة. فقال: ما منعک أن تکلم؟ قال: لم أراکم تکلمون فکرمھما أن أکلم أو أقول شینا. قال عمر: لأن تكون قللتها أحب الی من کذا وکذا. [راجع: ۶۱]

بولنا علم ہے تو کب بولنا یہ حکمت ہے!

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ مجھے ایسے درخت کے بارے میں بتاؤ جو مشابہ ہے (مسلمان کے)، یا مسلمان مرد کی مانند ہے، جس کے پتے نہیں گرتے اور ایسا نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ ایسا نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ ایسا نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ (یعنی اسکی تین صفات بیان فرمائیں) اور اپنا پھل ہر موسم میں دیتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن میں نے دیکھا

کہ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں خاموش ہیں تو میں نے ان کے سامنے بولنا مناسب نہیں سمجھا، پھر جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

جب ہم لوگ وہاں سے اٹھے تو میں نے (اپنے والد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابا جان اللہ کی قسم! میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم کو کس چیز نے بولنے سے روکا؟ انہوں نے کہا میں نے دیکھا آپ حضرات کچھ نہیں بول رہے ہیں تو میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ آگے بڑھ کر کچھ بات کروں یا کچھ بولوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تو نے بتا دیا ہوتا تو مجھ کو فلاں، فلاں چیز سے زیادہ خوشی ہوتی۔

(۲) باب: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ [۲۷]

باب: ”جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ ان کو اس مضبوط بات پر۔“

ایمان دنیا و آخرت میں ثابت قدمی کا سبب

یعنی حق تعالیٰ توحید و ایمان کی باتوں سے مؤمنین کو دنیا و آخرت میں مضبوط ثابت قدم رکھتا ہے، رہی قبر کی منزل جو دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر یا ادھر جس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں، چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔

غرض یہ کہ مؤمنین دنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے، دنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں، کتنا ہی سخت امتحان ہو، قبر میں منکر نکیر سے سوال و جواب کا مشکل مرحلہ ہو، محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو، ہر موقع پر یہی کلمہ توحید ان کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔

۴۶۹۹۔ حدثنا أبو الوليد: حدثنا شعبة قال: أخبرني علقمة بن مرثد قال: سمعت

سعد بن عبيدة، عن البراء بن عازب رضي الله عنهما أن رسول الله ﷺ قال: ((المسلم إذا مثل في القبر يشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله، لذلك قوله: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾)). [راجع: ۱۳۶۹]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان سے جب قبر

میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پس یہی مفہوم ہے اس ارشاد الہی کا ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾۔

(۳) باب: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ [۲۸]

باب: ”کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا۔“

﴿أَلَمْ تَرَ﴾ الم تعلم۔ کقولہ: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا﴾۔
﴿الْبُورِ﴾: الهلاک۔ بارہ بور، بوراً۔ ﴿لَوْ مَا بُوراً﴾: هالکین۔

ترجمہ و تشریح

”أَلَمْ تَرَ“ بمعنی کیا تم نہیں جانتے؟ کیا تم نے نہیں دیکھا؟ اسی طرح جیسا کہ ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا﴾ یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو نکالے گئے؟ ”البور“ بمعنی ہلاکت، یہ ”بارہ بور، بوراً“ سے ماخوذ ہے، اور مصدر ہے۔ اسی سے یہ ﴿لَوْ مَا بُوراً﴾ بمعنی ہلاک ہونے والے لوگ/قوم۔

۴۷۰۰۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان، عن عمرو، عن عطاء: سمع ابن عباس ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ قال: هم كفار أهل مكة. [راجع: ۳۹۷۷]

ترجمہ: عطاء بن رباح روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ سے مراد مکہ کے کافر ہیں۔

رؤسائے قریش اور کفرانِ نعمت

اس سے کفار و مشرکین کے سردار مراد ہیں، خصوصاً رؤساء قریش جن کے ہاتھ میں اس وقت عرب کی باگ دوڑ تھی، یعنی اللہ ﷻ نے ان پر کیسے احسان کئے، ان کی ہدایت کے لئے پیغمبر رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا،

قرآن نازل فرمایا، ان لوگوں کو اپنے مقدس حرم اور بیت اللہ کا مجاور بنایا، پورے عرب کی سرداری ان کو دی۔
﴿الَّذِينَ مَذَلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾۔ انہوں نے ان نعمتوں اور احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ خدا کی
 ناشکری پر کمر بستہ ہو گئے، اس کی باتوں کو جھٹلایا، اس کے پیغمبروں سے لڑائی کی، آخر "واحلوا قومهم
 دار البوار" یعنی اپنی قوم کو لے کر تباہی کے گڑھے میں جا گرے۔

(۱۵) تفسیر سورة الحجر سورة حجر کی تفسیر

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

کفار کی تردید، مسلمانوں کی تسلی اور مؤثر انداز میں تبلیغ کی تعلیم

اس سورت [کی آیت نمبر ۴۹] سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی، کیونکہ اس آیت میں پہلی بار آپ کو کھل کر اسلام کی عام تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ ۱۔
سورت کے شروع میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ قرآن کریم اللہ ﷻ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے اور جو لوگ اسکی مخالفت کر رہے ہیں، ایک وقت آئے گا جب وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ اسلام لے آتے۔
یہ لوگ آنحضرت ﷺ کو کبھی - معاذ اللہ - بخون کہتے اور کبھی کاہن قرار دیتے تھے۔ ان باتوں کی تردید کرتے ہوئے کہانت کی حقیقت [آیت نمبر ۱۷ اور ۸۱ میں] بیان فرمائی گئی ہے۔

ان لوگوں کے کفر کی اصل وجہ ان کا تکبر تھا، اس لئے ابلیس کا واقعہ [آیات نمبر ۶۲ تا ۷۴ میں] بیان کیا گیا ہے کہ اس کے تکبر نے کس طرح اُس کو اللہ ﷻ کی رحمت سے محروم کیا۔

کفار کی عبرت کیلئے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہم السلام کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کافروں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی محنت بیکار جا رہی ہے۔ اُن کا فریضہ اتنا ہے کہ وہ مؤثر انداز میں تبلیغ کریں، جو وہ بہترین طریقے پر انجام دے رہے ہیں۔ نتائج کی ذمہ داری اُن پر نہیں ہے۔

۱۔ وقال الطبری۔ رحمہ اللہ۔ : ہی مکة باجماع المسلمين، ورد عليه بقول الكلبي۔ رحمہ اللہ۔ : ان فيها آية مدنية.

سورت کی وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام قوم ثمود یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم، کی بستیوں کے نام پر رکھا گیا ہے جو ”حجر“ کہلاتی تھیں اور ان کا ذکر اس سورت [کی آیت نمبر: ۸۰] میں آیا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿صِرَاطٌ عَلٰی مُسْتَقِيمٍ﴾: الْحَقُّ يَرْجِعُ إِلَى اللَّهِ، وَعَلَيْهِ طَرِيقُهُ. ﴿لِيُؤْمِنُوا بِهِ﴾: عَلَى الطَّرِيقِ.

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَعَنُوكَ﴾: لَعِشَكَ. ﴿لَوْمْ مُنْكَرُونَ﴾: أَلَكْرَهُمْ لَوْطَ. ﴿كِتَابٌ مَّغْلُومٌ﴾: أَجَلٌ.

﴿لَوْ مَا تَأْتِينَا﴾: هَلَا تَأْتِينَا. ﴿فَمِيعَ﴾: أُمَمٌ وَلِلْأُولِيَاءِ أَيْضًا شَيْعٌ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿يُنْهَرُ غَوْنٌ﴾: مَسْرَعِينَ.

﴿لِلْمُعْتَسِمِينَ﴾: لِلنَّاطِرِينَ. ﴿شُكْرُثٌ﴾: غَشِيَتْ. ﴿يُرْزَأُ﴾: مَنَازِلُ لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ. ﴿لَوَالِحٌ﴾: مَلَاحٍ مَلْقَحَةٌ.

﴿حَمَاً﴾: جَمَاعَةٌ حِمَاةٌ، وَهُوَ الطِّينُ الْمَتْفِيرُ. وَالْمَسْنُونُ: الْمَصْرُوبُ. ﴿تَوَجَّلْ﴾: تَخَفَ. ﴿ذَابِرٌ﴾: آخِرٌ.

﴿لِيُؤْمِنُوا بِهِ﴾: الْإِمَامُ كُلُّ مَا اتَّعَمَّتْ وَاهْتَدَيْتَ بِهِ. ﴿الصَّنِيعَةُ﴾: الْهَلَكَةُ.

ترجمہ و تشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿صِرَاطٌ عَلٰی مُسْتَقِيمٍ﴾ کے معنی ہیں وہ حق جو اللہ ﷻ تک پہنچاتا ہے اور اسی راہ حق پر چل کر بندہ مؤمن اللہ ﷻ کا مقرب ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”لَعَنُوكَ“ بمعنی ”لَعِشَكَ“ یعنی آپ کی جان کی قسم! ”لَوْمْ مُنْكَرُونَ“ کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان فرشتوں کو اجنبی سمجھا۔

”كِتَابٌ مَّغْلُومٌ“ سے مراد ”أَجَلٌ“ یعنی مدت ہے، تو کتاب معلوم کے معنی ہوئے مقررہ مدت۔

”لَوْ مَا تَأْتِينَا“ بمعنی ”هَلَا تَأْتِينَا“ یعنی ”لو“ یہاں تخصیص کیلئے ہے۔

”فَمِيعَ“ کے معنی ہیں ”امم“ امت کی جمع ہے، ”وَلِلْأُولِيَاءِ“ نیز اولیاء پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”يُنْهَرُ غَوْنٌ“ کے معنی ”مَسْرَعِينَ“ کے ہیں یعنی تیز چلتے

ہوئے، دوڑتے ہوئے۔

”لِلْمُعَوِّضِينَ“ کے معنی ہیں ”لِلنَّاهِزِينَ“ یعنی دیکھنے والوں کیلئے۔

”مُكَرَّثٌ“ بمعنی ”غشیت“ یعنی پردہ ڈال دیا گیا، نظر بندی کر دی گئی۔

”هُزُوجًا“ سے مراد سورج اور چاند کی منزلیں ہیں۔

”لَوَالِحٌ“ معنی بارودار، وہ ہوائیں جو پانی سے بھرے ہوئے بادل کو بطور حمل کے اٹھاتی ہیں اور یہی معنی

ہے ”ملاح“ کا، جو ”ملقحة“ کی جمع ہے۔

”حَمًا“ جمع ہے ”حماة“ جس کے معنی ہیں متغیر مٹی، بدبودار کچھڑ۔

”المسنون“ کے معنی ہیں ”المصبوب“ یعنی قالب میں ڈھالی گئی۔

”تَوَجَّلَ“ بمعنی ”تخف“۔ یعنی آیت میں ﴿لَا تَوَجَّلْ﴾ کے معنی ہیں خائف نہ ہو، مت ڈرو۔

”ذَاهِرٌ“ کے معنی ”آخر“ کے ہیں، یعنی جڑ، بنیاد۔

آیت مبارکہ ﴿لِيَاْمَامٍ مِّبِينَ﴾ میں ”امام“ ہر وہ چیز ہے جس کی تم پیروی کرو اور جسکے ذریعے راہ پاؤ۔

”امام“ بروزن ”فعال“ اسم ہے بمعنی مقتداء، رہنما، ہر وہ چیز جس کی اقتداء اور پیروی کی جائے، قصد

کیا جائے۔

چونکہ راستہ بھی رہنما ہے اس لئے ایک معنی امام کے راستہ ہیں، ”مبیین“ کھلا ہوا، مطلب یہ ہے کہ قوم

لوط اور اصحاب ایک ایک کھلے راستے پر واقع ہیں جو حجاز سے شام کی طرف جاتا ہے۔

”الصُّنْحَةُ“ کے معنی ہیں ہلاکت۔

(۱) باب قوله: ﴿إِلَّا مَن اسْتَرْقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ﴾

اس ارشاد کا بیان: ”البتہ جو کوئی چوری سے کچھ سننے کی کوشش کرے تو ایک روشن شعلہ اُس کا

بیچھا کرتا ہے۔“

۴۷۰ - حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان، عن عمرو، عن عكرمة، عن أبي

هريرة يبلغ به النبي ﷺ قال: ((إذا قضى الله الأمر في السماء ضربت الملائكة بأجنحتها

خصصنا للقول كالسلسلة على صفوان - قال علي: وقال غيره: - صفوان بن وهب، ذلك

لأننا نزع عن قلوبهم قالوا: ماذا قال ربكم؟ قالوا للذي قال: الحق وهو على الكبر،

فیسمعھا مستعرقوا السمع ومستعرقوا السمع هكذا واحد فوق آخر)) ووصف سفیان بیدہ و فرج بین أصابع يده اليمنى، نصبها بعضها فوق بعض ((لربما ادرك الشهاب المستمع قبل أن يرمى بها إلى صاحبه فيحرقه، وربما لم يدركه حتى يرمى بها إلى الذي يليه إلى الذي هو أسفل منه حتى يلقوها إلى الأرض - وربما قال سفیان: - حتى تنتهي إلى الأرض، فتلقى على فم الساحر فيكذب معها مائة كذبة فيصدق فيقولون: ألم يخبرنا يوم كذا وكذا يكون كذا وكذا؟ فوجدناه حقا. للكلمة التي سمعت من السماء)).

حدثنا علي بن عبد الله: حدثنا سفیان: حدثنا عمرو، عن عكرمة، عن أبي هريرة: ((إذا قضى الله الأمر))، وزاد: ((الكاهن)). وحدثنا سفیان فقال: قال عمرو: سمعت عكرمة: حدثنا أبو هريرة قال: ((إذا قضى الله الأمر)) وقال: ((على فم الساحر))، قلت لسفیان: أنت سمعت عمر قال: سمعت عكرمة، قال: سمعت أبا هريرة؟ قال: قال: نعم. قلت لسفیان: إن إنسانا روى عنك، عن عمرو، عن عكرمة، عن أبي هريرة ويرفعه أنه قرأ ((فُزَع))، قال سفیان: هكذا قرأ عمرو فلا أدري سمعه هكذا أم لا؟

قال سفیان: وهي قرأتنا. [النظر: ۴۸۰، ۴۸۱] ح

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ ﷻ آسمانوں پر فرشتوں کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ عاجزی کے ساتھ اپنے پر مارنے لگتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ کے جیسے چکنے پتھر پر زنجیر کی آواز ہو۔ علی مدینی رحمہ اللہ (امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد) کہتے ہیں کہ (سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ) کے علاوہ دوسرے راویوں نے کہا کہ اللہ ﷻ اس حکم کو فرشتوں تک پہنچا دیتے ہیں، جب فرشتے حکم الہی کے خوف سے کچھ بے غم ہو جاتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے کیا حکم دیا ہے؟ تو دوسرے، جن سے پوچھا گیا تھا، وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ فرمایا وہ حق ہے اور اللہ ﷻ بڑا بلند و برتر ہے۔ پس چوری چھپے سننے والے (شیاطین) فرشتوں کی ہاتھیں پُرا لے آتے ہیں اور یہ شیطان ایک کے اوپر دوسرا یعنی اوپر تلے رہتے ہیں، اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اشارہ کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں کھول کر ایک پر ایک کر کے بتایا، پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتے خبر ہوتے ہی آگ کا شعلہ پھینکتے ہیں اور وہ شعلہ باتیں سننے والوں کو قبل اس سے کہ وہ

ح وفی سنن ابی داؤد، کتاب الحروف والقرآت، رقم: ۳۹۸۹، وسنن الترمذی، أبواب تفسیر القرآن، باب ومن

سورة ساء، رقم: ۳۲۲۳، وسنن ابن ماجہ، الفتاح کتاب الايمان وفصائل الصحابة والعلم، باب فيما انكرت الجهمية،

اپنے ساتھ والے کو بتلائے اس کو جلاؤں لے رہا ہے۔ اور کبھی اس شعلہ کے اس تک پہنچنے سے پہلے وہ اپنے ساتھی شیطان کو بتا دیتا ہے اور وہ اپنے نیچے والے کو یہاں تک کہ یہ بات زمین تک آ جاتی ہے۔ اور بعض دفعہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اس طرح کہتے تھے کہ یہاں تک کہ جب وہ باتیں زمین تک پہنچتیں تو پھر ان باتوں کو جادوگر کے منہ پر ڈالا جاتا ہے اور وہ ایک سچ بات میں سو جھوٹی باتیں ملا کر لوگوں سے بیان کرتا ہے، اگر کوئی کوئی بات اس جادوگر کی سچ نکل آئے، تو لوگ کہنے لگتے ہیں کہ یہ سچ ہے، اس نے فلاں فلاں دن ہم سے کہا تھا کہ ایسا ہوگا اور ایسا ہی ہوا، لہذا اس کی باتیں سچ نکلی۔ حالانکہ یہ وہی بات ہے جو آسمان سے پڑائی گئی تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم سے علی بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ عمر و کہتے ہیں کہ میں نے عمرہ سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب اللہ ﷻ فرشتوں کو کوئی حکم دیتا ہے اٹھ، اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ”کاهن“ نبوی کا اضافہ کیا۔

تشریح

قال: اذا قضی اللہ الامر فی السماء فرمایا کہ اللہ ﷻ آسمان میں جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتے ہیں تو ملائکہ اللہ ﷻ کے ارشاد کے آگے جھکتے ہوئے اپنے پر مارتے ہیں۔ اور پر اس طرح مارتے ہیں کہ اس کی آواز اس طرح ہوتی ہے جیسے چٹان کے اوپر زنجیر ماری جائے۔

”قال علی“ اس روایت میں **”صفوا ان“** سکون الفاء ہے، لیکن علی بن مدینی کہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں نے جو روایت کی ہے اس میں یہ فاء کے فتح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

”بفسلہم ذالک“ یعنی جو خبر ہے کہ اللہ ﷻ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے یہ ان سے نفوذ کر جاتی ہے یعنی ملائکہ تک، ایک سے دوسرے تک پہنچ جاتی ہے۔

”فاذا فزع عن قلوبہم“ جب ان کے دل سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے۔

”قالوا: ما ذا قال ربکم“ تو وہ کہتے ہیں کہ پروردگار نے کیا کہا، کیا حکم دیا ہے۔

”قالوا للہی قال: الحق“ کہ اللہ ﷻ نے جو حکم دیا ہے وہ حق بات کا حکم دیا ہے۔

تو اس طرح فرشتے جو پوچھنے والے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ کیا حکم دیا ہے، دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ حق

ہے اور ساتھ میں وہ حکم بتاتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے یہ کام کرنے کا حکم دیا ہے یا فلاں فیصلہ فرمایا ہے۔

چنانچہ اس طرح یہ جنات شیطین جو چوری چھپے سننے والے ہیں، یہ اس کو چوری چھپے سنتے ہیں کہ ملائکہ

آپس میں کیا بات کر رہے ہیں، کس بات کے فیصلے کا ایک دوسرے کو خبر دے رہے ہیں، تو یہ اوپر والا (شیطان)

آسمان کے قریب اس نے کان لگا کے سنا کہ فرشتوں کے درمیان یہ بات ہو رہی ہے، تو اس نے وہاں سے ابھی سنا کان لگا کر اور سوچتا ہے کہ یہ میں نیچے بتاؤں تو وہ اس سے نیچے والے کو دیں اور پھر یہ خبر اس کے نیچے والے کو دیدیں اور یہ خبر نیچے تک جائے، تو ابھی اس نے سنا ہے اور نیچے والے کو خبر نہیں دی۔

”فربما ادرک الشہاب“ تو بعض مرتبہ وہ شہاب ثاقب آکر اس کو لگ جاتا ہے تو یہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور مر جاتا ہے اور دوسرے تک خبر نہیں پہنچتی۔

”وربما لم یدرکہ“ بعض اوقات شہاب ثاقب آیا پر اس کو نہیں لگا اور اس نے دوسرے تک بات منتقل کر دیا، یہاں تک کہ وہ ہوتے ہوتے نیچے والے شیطان کے پاس خبر پہنچ جاتی ہے۔

”حعیٰ ہلقوہا“ اور نیچے والے اس خبر کو زمین تک پہنچا دیتے ہیں تو وہ جادوگر کے منہ پر لے جا کے ڈال دیتے ہیں کہ دیکھو یہ فیصلہ ہوا ہے اور وہ جادوگر اس میں سو جھوٹ ملاتے ہیں تو لوگ تصدیق کرنا شروع کرتے ہیں کہ فلاں دن اس نے خبر دی تھی۔

شہاب ثاقب اور فلاسفہ

آیت اور حدیث میں شہاب ثاقب کا ذکر ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہاب حفاظت وحی کے لئے شیاطین کو مارنے کے واسطے پیدا ہوتے ہیں ان کے ذریعے شیاطین کو دفع کیا جاتا ہے، تاکہ وہ فرشتوں کی باتیں نہ سن سکیں۔

اس میں ایک اشکال قوی یہ ہے کہ فضائے آسمانی میں شہابوں کا وجود کوئی نئی چیز نہیں، رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹنے کا مشاہدہ کیا جاتا تھا، اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے، تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ شہاب ثاقب شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں جو کہ عہد نبوی ﷺ کی خصوصیت ہے؟ اس سے تو بظاہر اسی بات کی تقویت ہوتی ہے جو فلاسفہ کا خیال ہے کہ شہاب ثاقب کی حقیقت اتنی ہی ہے کہ آفتاب کی تمازت سے جو بخارات زمین سے اٹھتے ہیں ان میں کچھ آتش گیر مادے بھی ہوتے ہیں، اوپر جا کر جب اُن کو آفتاب یا کسی دوسری وجہ سے مزید گرمی پہنچتی ہے تو وہ سُلگ اُٹھتے ہیں اور دیکھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی ستارا ٹوٹا ہے۔

اسی لئے محاورات میں اس کو ستارا ٹوٹنے ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس کے لئے ”القمض“ کو کب کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جو اسی کا ہم معنی ہے۔

جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض و اختلاف نہیں، زمین سے اُٹھنے والے بخارات

مشغول ہو جائیں یہ بھی ممکن ہے اور یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ کسی ستارے یا سیارے سے کوئی شعلہ نکل کر گرے، اور ایسا ہونا عام عادات کے مطابق ہمیشہ سے جاری ہو، مگر بعثت نبوی ﷺ سے پہلے ان شعلوں سے کوئی خاص کام نہیں لیا جاتا تھا، آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد ان شہابی شعلوں سے یہ کام لیا گیا کہ شیاطین جو فرشتوں کی باتیں چوری سے سننا چاہیں ان کو اس شعلے سے مارا جائے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ”روح المعانی“ میں یہی توجیہ بیان فرمائی ہے اور نقل کیا ہے کہ امام حدیث زہری رحمہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا رسول کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں!

پھر اس پر سوال کرنے والے نے یہ آیت ﴿وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَسْمَعِ الْآنَ يَجِدُ لَهُ فِيهَا نَبَاً وَصَدَاقًا﴾ [الجن: ۹] معارضہ کیلئے پیش کی، تو فرمایا کہ شہاب ثاقب تو پہلے بھی تھے، مگر بعثت نبوی ﷺ کے بعد جب شیاطین پر تشدد کیا گیا تو ان سے شیاطین کے دفع کرنے کا کام لے لیا گیا۔ ۳
خلاصہ کلام یہ ہے کہ شہاب ثاقب کے متعلق جو کچھ فلاسفہ نے کہا ہے وہ بھی قرآن کے منافی نہیں، اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ یہ شعلے براہ راست بعض ستاروں سے ٹوٹ کر گرائے جاتے ہیں، مقصد قرآن دونوں صورتوں میں ثابت اور واضح ہے۔ ۴

(۲) باب قولہ: ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [۸۰]

اس ارشاد کا بیان: ”اور حجر کے باشندوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔“

أصحاب الحجر - سے مراد قوم ثمود ہے، ان کے ملک کا نام ”حجر“ تھا جو مدینہ سے شمال کی طرف واقع ہے، ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے، ایک نبی کا جھٹلانا سب انبیاء کا جھٹلانا ہے۔ ۵

۳ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، ج: ۷، ص: ۲۷۱، ۲۷۰

۴ معارف القرآن، ج: ۵، ص: ۲۸۸، ۲۸۷

۵ ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ﴾ یعنی قوم ثمود ﴿الْمُؤْمِنِينَ﴾ جن کذبوا رسولہم صالحاً علیہ السلام، فإن من کذب واحداً من رسل اللہ سبحانه لکانما کذب الجميع لاتفاق کلمتهم علی العرید والاصول التي لا تختلف باختلاف الأمم والأعصار۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، ج: ۷، ص: ۳۱۸، وحمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۸

۳۷۰۲۔ حدثنا ابراهيم بن المنذر: حدثنا معن قال: حدثني مالك، عن عبدالله بن دينار، عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنهما: أن رسول الله ﷺ قال لأصحاب الحجر: لا تدخلوا على هؤلاء القوم إلا أن تكونوا باكين، فإن لم تكونوا باكين فلا تدخلوا عليهم أن يصيبكم مثل ما أصابهم. [راجع: ۳۳۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر والوں کے متعلق فرمایا کہ تم لوگ اس معذب قوم کی بستی میں مت داخل ہو، لیکن اگر گزرنا ہی پڑ گیا ہے تو اللہ کے خوف سے روتے ہوئے گزر جاؤ، کہیں تم پر عذاب آجائے جو ان پر آیا تھا۔

مقامات عذاب میں جانے کی ممانعت

”لا تدخلوا على هؤلاء القوم الخ“

نبی کریم ﷺ جو کہ جاتے ہوئے ”وادی حجر“ سے گزرے، آپ نے سر ڈھانپ لیا سواری کی رفتار تیز کر دی اور صحابہ کرام کو فرمایا کہ معذب قوم کی بستیوں پر مت داخل ہو، مگر خدا کے خوف سے روتے ہوئے اگر رونہ آئے تو رونے والوں کی صورت بنا لو، خدا نہ کرے وہ چیز تم کو پہنچے جو ان کو پہنچی تھی۔ یہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ادب سکھایا کہ آدمی اس قسم کے مقامات میں پہنچ کر عبرت حاصل کرے اور خدا کے خوف سے لرزاں و ترساں ہو، محض سیر و تماشہ نہ سمجھے۔

آج کل آثار قدیمہ کے محکمہ نے کچھ رہائشی عمارتیں ہوٹل وغیرہ بھی بنادیئے ہیں اور آخرت سے غافل مادہ پرست طبیعتوں نے آج کل اس کو ایک سیرگاہ بنایا ہوا ہے، لوگ تماشے کے طور پر اسے دیکھنے جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے اسی غفلت شعاری پر تنبیہ کے لئے آخر میں فرمایا ہے کہ

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

ترجمہ: بے شک یہ نشانیاں ہیں ایمان والوں کیلئے۔

یعنی درحقیقت تو یہ واقعات اور مقامات پر چشم بصیرت رکھنے والے کے لئے عبرت آموز ہیں، لیکن اس عبرت سے فائدہ اٹھانے والے مؤمنین ہی ہوتے ہیں، دوسرے لوگ ان مقامات کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ کر روانہ ہو جاتے ہیں۔ ۱

(۳) باب قوله: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ [۸۷]

اس ارشاد کا بیان کہ: ”اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں، اور عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔“

۴۷۰۳ — حدثني محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبه، عن خبيب بن عبد الرحمن، عن حفص بن عاصم، عن أبي سعيد بن المعلى قال: مر بي النبي ﷺ وأنا أصلي فدعاني فلم آتني حتى صليت. ثم آتيت فقال: ((ما منعك أن تأتي؟)) فقلت: كنت أصلي، فقال: ((ألم يقل الله: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ﴾؟)) ثم قال: ((ألا أعلمك أعظم سورة في القرآن قبل أن يخرج من المسجد؟)) فذهب النبي ﷺ ليخرج فذكرته فقال: ((الحمد لله رب العالمين، هي السبع المثاني والقرآن العظيم الذي أوليته)). [راجع: ۴۷۰۴]

ترجمہ: حفص بن عاصم رحمہ اللہ، حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے سامنے سے گزرے، میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ ﷺ نے مجھے بلایا میں نہیں گیا، نماز ڈھنسنے کے بعد جب میں گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے بلایا تھا تو کیوں نہیں آئے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ﴾؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسجد سے جانے سے پہلے میں تمہیں قرآن کی بڑی بزرگ و برتر سورۃ بتاؤں گا۔ پھر جب نبی کریم ﷺ مسجد سے باہر جانے لگے تو میں نے یاد دہانی کرائی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سورۃ ”الحمد لله رب العالمين“ ہے، اس میں سات آیات ہیں جو سبع مثانی ہیں اور قرآن عظیم جو مجھے دیا گیا ہے۔

۴۷۰۴ — حدثنا آدم حدثنا ابن أبي ذئب حدثنا سعيد المقبري عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ((أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ)).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ام القرآن (یعنی سورۃ فاتحہ) ہی سب سے بڑی اور قرآن عظیم ہے۔

قرآن کریم کا خلاصہ و متن

”سبع مثانی“ کے مصداق میں علمائے مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، صحیح اور رائج قول یہ ہی ہے کہ اس سے مراد سورۃ الفاتحہ کی سات آیتیں ہیں جو ہر نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں، اور جن کو بطور وظیفہ کے بار بار پڑھا جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور، قرآن کسی کتاب میں اسکا مثل نازل نہیں فرمایا۔ مذکورہ روایت میں بھی تصریح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورہ فاتحہ کو فرمایا ہے کہ یہی ”سبع مثانی“ اور قرآن عظیم ہے جو مجھ کو دیا گیا۔

اس چھوٹی سی سورت کو قرآن عظیم بڑا قرآن فرمانا درجہ کے اعتبار سے ہے۔

اس سورت کو ام القرآن بھی اسی لحاظ سے کہتے ہیں کہ گویا یہ ایک خلاصہ اور متن ہے، جس کی تفصیل و شرح پورے قرآن سے سمجھنا چاہئے، قرآن کے تمام علوم و مطالب کا اجمالی نقشہ تنہا اس سورت میں موجود ہے، یوں مثانی لفظ بعض حیثیات سے پورے قرآن پر بھی اطلاق کیا گیا ہے ﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ﴾ [الزمر: ۲۳]۔

اور ممکن ہے کہ دوسری سورتوں کو مختلف وجوہ سے ”مثانی“ کہہ دیا جائے، مگر اس جگہ ”سبع مثانی“ اور ”قرآن عظیم“ کا مصداق یہی سورت ”فاتحہ“ ہے۔ ۷

(۴) باب قوله عز وجل: ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾. [۹۱]

عز وجل کے ارشاد کا بیان: ”جنہوں نے (اپنی) پڑھی جانے والی کتاب کے حصے بخرے کر لئے تھے۔“

﴿الْمُفْتَسِمِينَ﴾: الذين حلفوا، ومنه ﴿لَا أَلِيمٌ﴾: أي أقسم وتقرأ: لا أقسم. ﴿قَامَسَهُمَا﴾: حلف لهما ولم يحلفا له. وقال مجاهد: تقاسموا: تحالفوا.

۷۔ حریہ تحصیل کیلئے ”انعام الباری شرح صحیح البخاری“ کی اسی جلد (کتاب التفسیر۔ حوالہ) میں ”باب ما جاء في فلاحه الكتاب، رقم الحديث: ۴۳۷۴“ ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ و تشریح

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”المُفْتَسِمِينَ“ سے مراد وہ کافر لوگ ہیں جنہوں نے قسم کھائی تھی یعنی اصحاب حجر۔

جبکہ اسی ”المُفْتَسِمِينَ“ سے ماخوذ ہے ”لَا أَلْسِمُ اِیْ اُلْسِمُ“ یعنی میں قسم کھاتا ہوں۔ اور ایک قرأت یعنی ابن کثیر رحمہ اللہ کی قرأت ”لا“ تانیہ نہیں ہے بلکہ ”لام“ تاکید ہے۔

جبکہ سورہ اعراف کی اس آیت ﴿وَلَقَسَمَهُمَا اِنِّي لَكُمَا لِمِنَ النَّاصِحِينَ﴾ میں ”لَقَسَمَهُمَا“ بمعنی ”حلف لہما ولم یحلفا لہ“ یعنی شیطان نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی اور آدم و حوا نے قسم نہیں کھائی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ”لم یحلفا لہ“ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں ”لَقَسَمَ“ باب مفاعلہ سے ہے۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت ”تَقَاسَمُوا“ کے معنی ہیں ”تَحَالَفُوا“ یعنی ان سب کافروں نے قسم کھائی۔

۳۷۰۵ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هَشِيمٌ: أَخْبَرَنَا اِبْنُ اَبُو بَشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جَبْرِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا: ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ قَالَ: هُمَ اَهْلُ الْكِتَابِ جَزَوْهُ اَجْزَاءً فَاَمَنُوا بِبَعْضِهِ وَكَفَرُوا بِبَعْضِهِ. ۱

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ سے مراد اہل کتاب یہود ہیں جنہوں نے قرآن شریف کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، یعنی تقسیم کر دیئے ہیں، کہ کچھ کو مانا اور کچھ کو جھٹلادیا۔

۳۷۰۶ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا: ﴿كَمَا أُنْزِلْنَا عَلَى الْمُفْتَسِمِينَ﴾، قَالَ: آمَنُوا بِبَعْضٍ وَكَفَرُوا بِبَعْضٍ، الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى. ۱

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ ﴿كَمَا أُنْزِلْنَا عَلَى الْمُفْتَسِمِينَ﴾ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، کچھ قرآن تو انہوں نے قبول کیا اور کچھ کو جھٹلادیا۔

”مُفْتَسِمِينَ“ کا مصداق

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿كَمَا أُنزِلْنَا عَلَى الْمُفْتَسِمِينَ﴾ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے قرآن کے کچھ حصے کو مانا اور کچھ کو نہ مانا۔ اس آیت کے معنی کئی طرح کئے گئے ہیں:

بعض نے کہا کہ ”مُفْتَسِمِينَ“ سے مراد آپ ﷺ کے زمانہ کے یہود و نصاریٰ وغیرہ ہیں، جنہوں نے قرآن کی تقسیم و تحلیل کر رکھی تھی یعنی جو مضمون قرآنی ان کی تحریفات یا آراء و اہواء کے موافق پڑ جائے اسکو مان لو، جو خلاف ہوا اسکو نہ مانو۔

مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو ”سبع مثالی“ اور ”قرآن عظیم“ دے کر بھیجا، جیسے ان لوگوں پر بھی پہلے کتابیں نازل کی تھیں، آپ پر کتاب اتارنا یا وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں، جسکا انکار کیا جائے۔ بعض نے ”مُفْتَسِمِينَ“ سے یہود و نصاریٰ مراد لے کر لفظ قرآن سے کتب سابقہ مراد لی ہیں یعنی انہوں نے تحریف کر کے اپنی کتابوں کو پارہ پارہ کر ڈالا۔

بعض نے کہا مشرکین مراد ہیں، جو بطور استہزاء و تمسخر قرآن کی تقسیم کرتے تھے، جب سورتوں کے نام سنتے تو ہنس کر آپس میں کہتے ”بقرة“ یا ”مائدہ“ میں لوں گا، ”عنکبوت“ تجھ کو دوں گا۔

ان لوگوں نے ایک اور طرح بھی قرآن کے متعلق خیالات تقسیم کر رکھے تھے کوئی اسے شاعری بتاتا، کوئی کہانت، کوئی جادو، کوئی مجنون کی بڑ، کوئی اساطیر الاولین، ان کو آگاہ کیا کہ میں سب کو عذاب سے ڈرانے والا ہوں جیسا عذاب یقیناً نازل ہونے والا ہے، ان ٹھٹھا کرنے والوں پر۔

اس وقت ”انزلنا“ کی تعبیر اس لحاظ سے ہوگی کہ ”معتقلین الوقوع“ اور ”قریب الوقوع“، مستقبل کو گویا ماضی فرض کر لیا گیا۔ ۱۰

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لفظ ”مفتسمین“ کے معنی قسم کھانے والوں کے کئے ہیں یعنی وہ گزشتہ قومیں جو انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و مخالفت کے حلف اٹھا چکی تھیں، جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتی تھیں اور انہوں نے کتب سناویہ کے کلڑے کلڑے کر دیئے تھے، پھر جیسا عذاب ہم نے ان اقوام پر اتارا تھا، اسی طرح کے عذاب سے یہ ”لذہر مہین“ تم کو ڈراتا ہے۔

”مفسمین“ کے اس معنی کی تائید میں ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذیل کی آیات پیش کی ہیں:

﴿تَقَاسَمُوا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ﴾ [نمل: ۴]

﴿وَالسَّمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَنْبَغُ لِلّٰهِ مَنْ يُّمُوتُ﴾ [نمل: ۵]

﴿أَوَلَمْ تَكُونُوا أَلسَّمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ﴾ [ابراہیم: ۷]

﴿أَهْلُولَاءِ الدِّينِ أَلَسَّمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ﴾ [اعراف: ۶] ۱۱

(۵) باب قولہ: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ [۹۱]

اس ارشاد کا بیان: ”اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔“

ذکر اللہ؛ قلب و ذہن کی راحت کا ساماں

یعنی اگر ان کی ہٹ دھرمی سے دل تنگ ہو تو آپ ان سے توجہ ہٹا کر ہمہ تن اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہئے، خدا کا ذکر، نماز، سجدہ، عبادت الہی وہ چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے قلب مطمئن و منشرح رہتا ہے اور فکر و غم دور ہوتے ہیں، اس لئے نبی کریم ﷺ کی عادت تھی کہ جب کوئی مہم بات کی فکر پیش آتی آپ نماز کی طرف جھپٹتے۔

قال سالم: ﴿الْيَقِينُ﴾ الموت.

ترجمہ: حضرت سالم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ”الْيَقِينُ“ بمعنی موت ہے۔

اندریں رہ مہراش و مہراش
تادم آخر دے فارغ مہراش

(۱۶) سورة النحل

سورت النحل کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سواٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

”نحل“ عربی میں شہد کی مکھی کو کہتے ہیں، اس سورت کی آیت نمبر ۸۶ میں اللہ ﷻ نے اپنے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے شہد کی مکھی کا حوالہ دیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ ﷻ کے حکم سے پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنے جھے بناتی اور شہد پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے سورت کا نام ”نحل“ رکھا گیا ہے۔

نعمتوں کا تذکرہ، قبول ایمان کی دعوت اور شرعی احکام پر مشتمل سورة

اس سورت کا بنیادی موضوع اللہ ﷻ کی ان نعمتوں کا مفصل بیان ہے جو اللہ ﷻ نے اس کائنات میں انسان کے فائدے کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ اسی لئے اس سورت کو ”سورة النعم“ یعنی نعمتوں کی سورت بھی کہا جاتا ہے۔

عرب کے مشرکین عام طور سے یہ بات مانتے تھے کہ ان میں سے بیشتر نعمتیں اللہ ﷻ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ اللہ ﷻ کی خدائی میں وہ بت بھی شریک ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ نعوذ باللہ۔ اس طرح اللہ ﷻ کی ان نعمتوں کا تذکرہ فرما کر انہیں توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اُن کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور ایمان نہ لانے کی صورت میں انہیں اللہ ﷻ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔

یہ سورت جس زمانے میں نازل ہوئی، اس وقت بہت سے مسلمان کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ آیت نمبر ۲۳ میں اُن کو تسلی دی گئی ہے کہ اُن کے مصائب و آلام کا دور ختم ہونے والا ہے اور انہیں دنیا میں بھی اچھا ٹھکانا عطا ہوگا اور آخرت میں بھی اُن کیلئے بڑا اجر و ثواب ہے،

بشرطیکہ وہ ممبر سے کام لیں، اور اللہ جلّ جلالہ پر بھروسہ رکھیں۔

سورت کے آخری حصے میں اسلامی شریعت کے کچھ اہم احکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں جو ایک مسلمان کے طرز عمل کی بنیاد ہونے چاہئیں۔

﴿رُوحُ الْقُدُسِ﴾: جبریل۔ ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ﴾۔ ﴿لَقَدْ صَدَّقَ﴾: یقال: امر ضیق و ضیق مثل هنن وهین، ولین ولین، منیت ومیت۔
وقال ابن عباس: ﴿تَنْفِيًا ظِلَالَهُ﴾ تعهيا. ﴿سُبُلَ رَبِّكَ ذُلَالًا﴾ لا يتوعر عليها مكان سلكته.

وقال ابن عباس: ﴿لَقَدْ صَدَّقَ﴾: اختلافهم. وقال مجاهد: ﴿تَمِيدَ﴾: تكفأ. ﴿مُفْرَطُونَ﴾: منسيون.

وقال نيرة: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾، هذا مقدم ومؤخر: وذلك أن لاستعاذة قبل القراءة ومعناها الاعتصام بالله.

وقال ابن عباس: ﴿تَسْمِيُونَ﴾ ترعون ﴿شَاكِلَتُهُ﴾ ناحيته ﴿قَضْدُ السَّبِيلِ﴾: البيان. الداء: ما استدقات به.

﴿تَرْيَحُونَ﴾: بالعشى، ﴿وَتَسْرَحُونَ﴾: بالهداة. ﴿بَشِقَ﴾: يعنى المشقة. ﴿عَلَى تَخَوُّفٍ﴾: تنقص.

﴿الْأَنْعَامُ لَعِبْرَةٌ﴾، وهى تؤت وتذكر، وكذلك النعم ﴿الْأَنْعَامُ﴾ جماعة النعم. ﴿أَكْنَانًا﴾ واحدها كن مثل حمل واحمال.

﴿سَرَابِيلَ﴾: لمص ﴿تَقِيَكُمْ الْحَرَّ﴾ وأما ﴿سَرَابِيلُ تَقِيَكُمْ بِأَسْكُمْ﴾ فانها الدروع.

﴿دَخَلْنَا بَيْنَكُمُ﴾: كل شيء لم يصح فهو دخل. قال ابن عباس: ﴿حَفْدَةٌ﴾: من ولد الرجل.

﴿السَّكْرُ﴾: ما حُرِّم من لمرتها، ﴿وَالرُّزْقُ الْحَسَنُ﴾: ما أحل الله.

وقال ابن عيينة، عن صدقة: ﴿أَكْنَانًا﴾: هى غرلاء كالت اذا ابرمت غزلها نقضته. الكأنا: هى غرلاء كالت اذا ابرمت.

وقال ابن مسعود: ﴿الْأَمَةُ﴾ معلم الخير. و﴿الْقَابِثُ﴾: المطيع.

ترجمہ و تشریح

”رُوحُ الْقُدُسِ“ سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ بطور تائید کے سورہ شعراء کی یہ آیت لائے ہیں ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ﴾۔
لفظ ”صَنِيْعِي“ میں دو لغت ہیں ”صَنِيعٌ“ یعنی بسکون الیاء بلا تشدید ”صَنِيعٌ“ بتشدید الیاء۔ اس میں دونوں لغتیں درست ہیں۔ پھر یہ تین مثالیں دی گئی ہیں ”هَيْنٌ وَهَيْنٌ، وَلَيْنٌ وَلَيْنٌ، مَيِّتٌ وَمَيِّتٌ“ ان سب میں دونوں لغتیں درست ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ آیت کریمہ میں ﴿فَلَيْ تَقْلِبِهِمْ﴾ بمعنی ”اختلافہم“ یعنی ان کے سفر و حضر میں ان کے رات اور دن میں اللہ جلّ جلالہ پکڑے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں ”تَمِيْدٌ“ بمعنی ”تَكْفَا“ یعنی لڑکھڑانے لگے، ڈگمگانے لگے۔ ”تَمِيْدٌ - مَادٌ، يَمِيْدٌ، مِيْدٌ“ کے معنی ہیں مضطرب ہونا، ادھر ادھر ہلنا۔

”مُفَرِّطُونَ“ بمعنی ”منسيون“ یعنی جہنم میں بھلا دیئے گئے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے علاوہ یعنی حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ آیت کریمہ ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آیت میں بظاہر تقدیم و تاخیر ہے، کیونکہ استعاذہ قرآن پڑھنے سے پہلے ہونا چاہئے نہ کہ بعد میں اور استعاذہ کے معنی ہیں اللہ جلّ جلالہ کو مضبوط پکڑنا، اللہ جلّ جلالہ کی مہربانی سے شیطان کے وساوس و شر سے محفوظ رہنا۔

”لُفْلُفُ السَّهْلِ“ کے معنی ہیں بیان یعنی ہدایت و ضلالت کا بیان کرنا اللہ ہی پر ہے۔

”الْدَفْءُ“ کے معنی ہیں ہر وہ چیز جس سے گرمی حاصل ہو یعنی جاڑے کا سامان۔

”تُرِيحُونَ“ کے معنی ہیں چرا کر شام کو لاتے ہو، ”وَتَسْرَحُونَ“ کے معنی صبح کو چرانے لے جاتے ہو۔

”بَشَقٍ“ سے مراد مشقت و محنت سے، تکلیف شدیداٹھا کر۔

”تَنَعُوْفٍ“ بمعنی ”تنقص“۔ جس کے معنی ہیں بتدریج گھٹانا، کم کرنا۔

یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے اور یہی تفسیر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے منقول ہے جیسا کہ ترجمہ ”گھٹاتے گھٹاتے“ سے ظاہر ہے۔

”الْأَنْعَامُ لِعِبْرَةٍ“ میں لفظ ”أَنْعَامُ“ مذکر بھی آتا ہے اور مؤنث بھی آتا ہے، اسی طرح ”النَّعْمُ“ بھی

مذکورہ نوٹ دونوں طرح آتا ہے اور "الانعام" یہ جمع ہے "النعم" کی۔

"سَٰرِہِیل" بمعنی "قمص" یعنی کرتے اور قمیص۔

اور اس "سَٰرِہِیل" جمع "سَٰرِہَال" قمیص، اور "قمیص" کی جمع "قمص" ہے۔ قمیص رکتہ وہ ہے "تَفِیْکُمُ الْحَرَّ" جو تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔

جہاں تک بات ہے "سَٰرِہِیل" کی تو وہ "تَفِیْکُم بِاسْکُم" جو لڑائی سے بچاتے ہیں یعنی زرہیں۔ مقصد یہ بتانا ہے کہ "سَٰرِہِیل" کا اطلاق ہر اس چیز پر آتا ہے جو بدن پر استعمال ہو، خواہ کرتہ، پاجامہ، یا زرہ یعنی جنگی لباس ہو۔

آیت کریمہ میں ﴿وَدَخَلُوا فِيْهَا﴾ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو درست نہ ہو۔

یہ تفسیر جو ابوبخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہے حضرت ابوعبیدہ رحمہ اللہ کی ہے، دراصل "دخُل" بدخل" کا مصدر ہے ہر وہ ملاوٹ جو فساد کے لئے ہو "دخُل" ہے، اسی لئے بعض حضرات نے اسکی تفسیر خیانت سے کی ہے، الغرض دغا، فساد، خیانت سب "دخُل" ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "حَفْدَةٌ" وہ شخص جو مرد کی اولاد ہے یعنی بیٹے، پوتے۔ "حَفْدَةٌ" جمع "حافد" جو اسم فاعل کا صیغہ ہے، ہر وہ شخص جو خوشی سے ددڑتے ہوئے خدمت کے لئے حاضر ہو، خواہ رشتہ دار ہو یا خادم "حافد" کہلاتا ہے، یہاں پوتے مراد ہیں۔

"السَّكْرُ" سے مراد ہر وہ چیز ہے جو انگوروں اور کھجوروں کے پھلوں سے حرام ہو یعنی نشہ آور چیز۔

اور "وَالرَّزْقِ الْحَسَنِ" وہ ہے جو اللہ جلّٰو نے حلال کیا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے صدقہ ابوالہذیل سے نقل کیا کہ "انکافا" کی تفسیر میں کہ اس میں ایک پاگل عورت کا ذکر ہے، جسکا نام خرقاء تھا، یہ عورت جب اپنے کاتے ہوئے سوت کو مضبوط کر لیتی تو پھر اس کو توڑ دیتی۔ یہاں آیت کریمہ میں اس شخص کی مثال بیان کی گئی ہے جو اپنا عہد توڑ ڈالے۔

"خرفاء" کے معنی یوانی، پنگی، مجنونہ، جس کو کام کا کوئی سلیقہ نہ ہو، اس کو "خرفاء" کہتے ہیں۔

اسی سے مثل عربی مشہور ہے کہ "خرفاء وجدت صوفاً" یعنی پنگی کے ہاتھ میں اون آگیا کہ اون فائدہ کی چیز ہے، لیکن وہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتی، جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ بندر کے ہاتھ میں ناریل آگیا۔ یہ ایسے وقت بولتے ہیں کہ جب نئی اچھی چیز غیر مستحق کے پاس چلی جائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت میں "الْأَمَّةُ" کا مفہوم ہے خیر کی تعلیم دینے والا، اچھی باتیں

سکھانے والا۔

"الْقَابِثُ" کے معنی ہیں مطیع یعنی فرمانبردار۔

(۱) باب قوله تعالى: ﴿وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أُولَٰئِكَ الْعُمُرِ﴾ [۷۰]
 اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان: ”اور تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو عمر کے سب سے
 ناکارہ حصے تک پہنچا دیا جاتا ہے۔“

انسان کی حیثیت!

قدرت کے بہت سے خارجی نشانیاں بیان فرما کر انسان کو متنبہ کرتے ہیں کہ خود اپنے اندرونی حالات
 میں غور کرے، وہ کچھ نہ تھا، خدا نے وجود بخشا پھر موت بھیجی اور دی ہوئی زندگی واپس لے لی یہ کچھ نہ کر سکا اور
 بعضوں کو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجہ میں پہنچا دیا کہ ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے، نہ ہاتھ پاؤں
 میں طاقت رہی، بالکل نکما ہو گیا، نہ کوئی بات سمجھتا ہے نہ سمجھی ہوئی یاد رکھ سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علم
 و قدرت اسی خالق و مالک کے خزانہ میں ہے، جب اور جس قدر چاہے دے اور جب چاہے واپس کر لے۔
 ”مَنْ يُرَدُّ“ کے لفظ سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ انسان پر پہلے بھی ایک ضعف اور کمزوری کا
 وقت گزر چکا ہے، یہ اس کے بچپن کا ابتدائی دور تھا جس میں یہ کسی سوچ بوجھ کا مالک نہ تھا، اس کے قوی بالکل
 ضعیف و ناتواں تھے، یہ اپنی بھوک پیاس کو دور کرنے اور اپنے اٹھنے بیٹھنے میں غیروں کا محتاج تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے
 اس کو جوانی عطاء کی یہ اس کی ترقی کا زمانہ ہے، پھر رفتہ رفتہ اس کو بڑھاپے کے ایسے درجے پر لوٹا دیا جاتا ہے جیسا
 کہ بچپن میں تھا۔

”أُولَٰئِكَ الْعُمُرِ“ اس سے مراد پیرانہ سالی کی وہ عمر ہے جس میں انسان کے تمام جسمانی اور دماغی قوی
 تحلیل ہو جاتے ہیں، نبی کریم ﷺ اس عمر سے پناہ مانگتے تھے، جس کا ذکر درج ذیل حدیث میں ہے۔

۴۷۰۷۔ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا هارون بن موسى أبو عبد الله الأعور،

وعن شعيب، عن انس بن مالك ؓ أن رسول الله ﷺ كان يدعو: ((أعوذ بك من البخل
 والكسل، وأرذل العمر، وعذاب القبر، وفتنة الدجال وفتنة المحيا والممات)).

[راجع: ۲۸۲۳]

دعائے مأثورہ

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کرتے تھے: ”أعوذ بك من البخل والكسل، وأرذل الذمير، وعذاب القبر، وفتنة الدجال وفتنة المحيا والممات“
اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخلی سے اور (نیک کام میں) سستی سے اور نکمی زندگی سے، اور قبر کے عذاب سے اور دجال کے فتنہ سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے۔

(۱۷) سورۃ بنی اسرائیل سورۃ بنی اسرائیل کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سورت میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

چونکہ سورت کے شروع میں بنو اسرائیل کے ساتھ پیش آنے والے دواہم واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس لئے سورت کا نام سورۃ بنی اسرائیل ہے اور اس کا دوسرا نام ”سورۃ الاسراء“ بھی ہے۔
اسراء سفر معراج کو اور خاص طور پر اس سفر کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضرت ﷺ کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک لے جایا گیا، سورت کا آغاز ہی چونکہ اس معجزانہ سفر کے تذکرے سے ہوا ہے، اس لئے اس کو ”سورۃ الاسراء“ بھی کہا جاتا ہے۔

رسالت کا ثبوت، معاندین کا انجام

اس سورت کی سب سے پہلی آیت ہی یہ بتا رہی ہے کہ اس کا نزول معراج مبارک کے واقعے کے بعد ہوا ہے۔ اگرچہ معراج کے واقعے کی ٹھیک ٹھیک تاریخ یقینی طور پر متعین کرنا مشکل ہے، لیکن زیادہ تر روایات کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ عظیم واقعہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے دس سال بعد اور ہجرت سے تین سال پہلے پیش آیا تھا۔ اس وقت تک اسلام کی دعوت کا پیغام نہ صرف عرب کے بت پرستوں تک، بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں تک بھی پہنچ چکا تھا۔ اس سورت میں معراج کے غیر معمولی واقعے کا حوالہ دیکر آنحضرت ﷺ کی رسالت کا ناقابل انکار ثبوت فراہم کر دیا گیا ہے۔

اس کے بعد بنو اسرائیل کے واقعے کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ کس طرح انہیں دوسرے نبیوں کی نافرمانی کی پاداش میں ذلت و رسوائی اور دشمن کے ہاتھوں بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔

اس طرح مشرکین عرب کو سبق دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی مخالفت سے باز آ جائیں، ورنہ انکو بھی اسی

قسم کے انجام سے سابقہ پیش آ سکتا ہے، کیونکہ اس وقت قرآن کریم ہی وہ واحد کتاب ہے جو اعتدال کے ساتھ سیدھے راستے کی طرف ہدایت کر رہی ہے۔

مسلمانوں کو دینی و معاشرتی اور اخلاقی طرز عمل کی ہدایات

پھر [آیت نمبر ۹ اور آیت نمبر ۲۲ سے ۸۳ تک] مسلمانوں کو ان کے دینی، معاشرتی اور اخلاقی طرز عمل کے بارے میں نہایت اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ اور مشرکین کے نامعقول اور معاندانہ طرز عمل کی مذمت کر کے ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ ﷻ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتے رہیں۔

(۱) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

۴۷۰۸۔ حدثنا آدم: حدثنا شعبه، عن أبي اسحاق قال: سمعت عبد الرحمن بن

يزيد قال: سمعت ابن مسعود ؓ قال قال لى بنى اسرائيل والكهف ومريم: انهن من العتاق الاول. وهن من تلادى.

﴿لَسَيَنْفِضُونَ إِلَيْكَ دُؤْمَهُمْ﴾، قال ابن عباس: يهزون. وقال غيره: نفضت

سك أى حركت. [الظر: ۴۷۳۹، ۴۹۹۴] ۱

ترجمہ: ابوالخلیف بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبد الرحمن بن یزید سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت

عبداللہ بن مسعود ؓ سے سنا کہ وہ سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف اور سورہ مریم کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ اول درجہ کی عمدہ سورتوں میں سے ہیں اور میری پرانی یاد کی ہوئی ہیں۔

﴿لَسَيَنْفِضُونَ إِلَيْكَ دُؤْمَهُمْ﴾ اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

کہ یہ ”یہزون“ کے معنی میں ہے یعنی وہ اپنے سروں کو ہلاتے ہیں۔ جبکہ ان کے علاوہ (حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ ”نفضت سک“ کے معنی ہیں ”حکومت“ یعنی تیرا دانت ہل گیا۔

(۲) باب :

یہ باب بلا عنوان ہے۔

﴿وَلَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ أَنُحْبِرْنَاهُمْ آلَهُمْ سِيفُودُنَ . وَالْقَضَاءُ عَلَىٰ وَجْهِهِ .
﴿وَلَقَضَىٰ رَبُّكَ﴾ : اَمْرٌ وَمِنْهُ الْحَكْمُ ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ﴾ وَمِنْهُ الْخَلْقُ ﴿فَلَقَضَاهُنَّ
سَبْعَ سَمَوَاتٍ﴾ خَلَقَهُنَّ .

﴿نَفِيرًا﴾ مِنْ يَنْفِرُ مَعَهُ . ﴿وَلْيَتَّبِعُوا﴾ : يَدْمُرُوا ﴿مَا عَلَّوْا﴾ . ﴿حَصِيرًا﴾ : مُحْصَا ،
مُحْصَرًا . ﴿حَقٌّ﴾ : وَجِبَ . ﴿مَنْشُورًا﴾ : لِينًا . ﴿خِطْنًا﴾ : الْمَاءُ وَهُوَ اسْمٌ مِنْ خَطْنَتْ .
وَالْخِطَاءُ مَفْتُوحٌ مَصْدَرُهُ مِنَ الْإِلْمِ . خَطِئْتُ بِمَعْنَى أَخْطَأْتُ .

﴿تَخْرِقُ﴾ : لَنْ تَقْطَعَ . ﴿وَإِذْ هُمْ نَجْوَى﴾ : مَصْدَرٌ مِنْ لَاجِئَاتٍ لَوْ صَفَّهِمْ بِهَا ،
وَالْمَعْنَى يَتَنَاجَوْنَ . ﴿رُفَاتًا﴾ : حَطَامًا . ﴿وَاسْتَفْزِرُوا﴾ : اسْتَخَفَّ ﴿بِخَيْلِكَ﴾ الْفَرَسَانِ .
وَالرَّجُلُ وَالرَّجَالُ وَالرَّجَالَةُ وَاحِدُهُمَا رَاجِلٌ مِثْلُ صَاحِبٍ وَصَحْبٍ وَتَاجِرٍ وَتَجَرٍ .

﴿حَاصِبًا﴾ : الرِّيحُ الْعَاصِفُ ، وَالْحَاصِبُ أَيْضًا مَا تَرْمِي بِهِ الرِّيحُ . وَمِنْهُ ﴿حَصْبُ
جَهَنَّمَ﴾ . يَرْمَى بِهِ لِي جَهَنَّمَ وَهِيَ حَصْبُهَا ، وَيُقَالُ : حَصَبٌ فِي الْأَرْضِ ذَهَبٌ . وَالْحَاصِبُ
مَشْتَقٌّ مِنَ الْحَصْبَاءِ وَالْحَجَارَةِ .

﴿تَارَةً﴾ مَرَّةً . وَجَمَاعَةُ تَبَرٍ وَتَارَاتٍ . ﴿لَا خِيَافَ﴾ : لَا اسْتِغَاثَةَ لَهُمْ . يُقَالُ : احْتَنَكَ
فُلَانٌ مَا عِنْدَ فُلَانٍ مِنْ عِلْمٍ : اسْتَقْصَاهُ . ﴿طَائِرَةٌ﴾ : حِطَّةٌ . قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : كُلُّ سُلْطَانٍ فِي
الْقُرْآنِ لَهُ وَحْجَةٌ . ﴿وَلِيٍّ مِنَ الدَّلِّ﴾ : لَمْ يَحَافِ أَحَدًا .

ترجمہ و تشریح

آیت کریمہ ﴿وَلَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ﴾ کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ ہم نے خبر دی
کہ وہ فساد کریں گے۔ لفظ "لقضا" کے کئی معنی آئے ہیں :

حکم دینا جیسے کہ اس آیت میں ہے ﴿وَلَقَضَىٰ رَبُّكَ﴾ یعنی تیرے رب نے حکم دیا، اسی سے ہے
فیصلہ کرنا، جیسے ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ﴾ یعنی تیرے رب نے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا اور اسی کا یہ مطلب

بھی ہے "الخلق" یعنی پیدا کرنے کے معنی میں جیسے ﴿لَقَضَّاهُنَّ سَبْعَ مَمَوَاتٍ﴾ پھر اس کے بعد ہم نے ساتوں آسمانوں کو پیدا کیا۔

ان معانی کے علاوہ بھی ہیں مثلاً بمعنی فراغت جیسے ﴿فَإِذَا قُضِيَتْ مَنَاسِكُكُمْ﴾ وغیرہ۔
 "تَفَيَّرُوا" کے معنی ہیں وہ لوگ جو آدمی کے ساتھ کوچ کرے یعنی دشمن کے مقابلے کیلئے نکلے۔
 "وَلْتَبَيَّرُوا" بمعنی "یہدمروا" یعنی ہلاک و ستیاناس کر دیں۔

"حَصِيرًا" کے معنی ہیں "محبس" یعنی روکنے کی جگہ، صیغہ ظرف از باب ضرب۔ "مَحْصَرًا" گھیرنے جگہ یعنی قید خانہ، جیل خانہ کہ ہمیشہ اسی جیل میں رہیں گے نکلنا ممکن نہ ہوگا، صیغہ ظرف از باب نصر۔

"حَقٌّ" بمعنی "وجوب" یعنی ثابت ہوا، تمام ہوا، بعض نے تفسیر کی ہے "وجوب علیہا العذاب"۔
 "مَمْسُورًا" بمعنی "لینا" یعنی نرم و ملائم۔

"خِطَاً" بمعنی "الما" یعنی گناہ۔ "خِطَاً"۔ بکسر الخاء۔ یہ اسم ہے "خَطِئْتُ" بروزن "سَمِعْتُ" کا۔ اور "خَطَاً"۔ بفتح الخاء۔ بمعنی "الائم" یعنی گناہ کرنا یہ مصدر ہے۔ "خَطِئْتُ" بمعنی "اَخْطَاْتُ" یعنی ثلاثی مجرد اور مزید دونوں ہم معنی ہیں۔

لن تقطع.

"تَخْرِقُ" بمعنی "لن تقطع" یعنی تو زمین کو قطع نہیں کر سکے گا، طے نہیں کر سکے گا۔

آیت مبارکہ ﴿وَإِذْهُمْ لَجَؤُی﴾ میں لفظ "لَجَؤُی" مصدر ہے "لاجئت" سے پس ان لوگوں یعنی مشرکین کی اس "لَجَؤُی" کے ساتھ صفت بیان کی اور معنی یہ ہے کہ باہم سرگوشی کرتے ہیں۔
 "رُفَاتًا" بمعنی "حطاماً" یعنی ٹکڑا ٹکڑا ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

"وَاسْتَغْفِرُوا" کے معنی ہیں "استغف" یعنی ہلکا کر دے، راہ راست کی استقامت سے ڈگمگا دے۔
 "بِخَيْلِكَ" کے معنی ہیں "الفرسان" یعنی شہسوار۔

"رجل، الرجال، رجالة" جمع ہے اسکا واحد "راجل" ہے جیسے "صاحب و صاحب" اور "تاجر و تاجر"۔ اسی طرح "راجل" کی جمع "رجل" ہے۔

"حَاصِبًا" کے معنی ہیں تیز چلنے والی ہوا، آندھی، اور "الحاصب" اس کنگر اور ریت کو بھی کہتے ہیں جس کو ہوا پھینکے، یعنی اڑا کر لائے یعنی سخت آندھی۔

اور اسی کے مفہوم سے ماخوذ ہے ﴿حَصْبُ جَهَنَّمَ﴾ دوزخ کا ایندھن، جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا، وہ دوزخ کا "حصب" یعنی ایندھن ہوں گے۔ اہل عرب کہتے ہیں "حصب فی الارض ذهب" یعنی زمین میں گھس گیا اور "حصب" شتق ہے "الحصاء والحجارة" سے، جس کے معنی ہیں سنگریزے، پتھر۔

واضح رہے کہ یہاں اشتقاق سے اصطلاحی اشتقاق مراد نہیں ہے جیسا کہ فعل کا اشتقاق مصدر سے ہوتا ہے، بلکہ یہاں صرف مناسبت مراد ہے۔

”قَارَءٌ“ بمعنی ”مروء“ یعنی دفعہ، مرتبہ، جیسے دوسری مرتبہ، دوسری دفعہ، اسکی جمع ”کثیر و قارات“ ہے۔
 ”لَا خَفِیْکُمْ“ بمعنی ”لَا مَعَاصِلَہُمْ“ یعنی استیصال کرنا، بیخ کنی کر دینا اس کی یہ ایک تفسیر ہے اور دوسری یہ ہے کہ قید کر دینا۔ ”حنک“ سے نکلا ہے کہ کسی کے جڑے میں لگام ڈال دینا۔ شیطان کہتا ہے کہ میں بنی آدم کے جڑے میں لگام ڈالوں گا۔

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ”احنک فلان ما عند فلان من علم“، بمعنی ”استقصاء“ یعنی فلاں آدمی کے پاس جتنا علم تھا وہ فلاں شاگرد نے سارا حاصل کر لیا، اس کی انتہا کو پہنچ کر اس کا احاطہ کر لیا۔
 ”طَائِرَةٌ“ بمعنی ”حظہ“ یعنی اسکا حصہ، اسکی قسمت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ”طَائِرَةٌ“ کی تفسیر ”عمل“ منقول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پورے قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی لفظ ”سلطان“ آیا ہے اس کے معنی حجت اور دلیل کے ہے۔ اس سورۃ میں ”سلطان“ کا لفظ تین جگہ آیا ہے۔
 ﴿وَلِیُّ مِنَ الدِّنِ﴾ کی تفسیر بیان کر رہے ہیں کہ ”لَمْ یُحَالِفْ أَحَدًا“ یعنی نہ اللہ ﷻ کی سلطنت میں کوئی شریک ہے، نہ کوئی اسکا ولی ہے جو اسکو ذلت سے بچائے کیونکہ اللہ ﷻ کے ہاں ذلت کا تصور ہی نہیں ہے، لہذا اسکے بچاؤ کیلئے اس کو کسی وکیل کی ضرورت نہیں۔

(۳) باب قوله: ﴿أَسْرٰی بِعَبْدِهِ لَیْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [۱]

اس ارشاد کا بیان: ”جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے“۔

مختصر واقعہ معراج

اس سے معراج کے واقعے کی طرف اشارہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، اور رات کے وقت انہیں ایک جانور پر سوار کیا، جس کا نام ”براق“ تھا، وہ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آپ کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک لے گیا۔
 یہ سفر معراج کا پہلا مرحلہ تھا جسے ”أَسْرٰی“ کہا جاتا ہے، أَسْرٰی اس آیت کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ پھر وہاں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کو ساتوں پر آسمانوں پر لے گئے، اس کا نام ”معراج“

ہے، اور معراج کا ذکر سورۃ النجم کی آیت میں ہے اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ ہر آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات پچھلے پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر سے ہوئی۔

اُس کے بعد جنت کے ایک درخت ”سدرۃ المنتھی“ پر تشریف لے گئے، اور آپ کو اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی کا شرف عطاء ہوا۔ اُسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمت پر اوّل پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا حکم ملا، پھر تخفیف کر کے پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں۔ اس سے تمام عبادات کے اندر نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ واپس بیت المقدس میں اُترے اور جن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختلف آسمانوں میں ملاقات ہوئی تھی وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اُترے، گویا آپ کو رخصت کرنے کے لئے بیت المقدس تک ساتھ آئے اس وقت آپ نے نماز کا وقت ہو جانے پر سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اسی دن صبح کی نماز ہو۔

یہ امامت انبیاء کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک آسمان پر جانے سے پہلے پیش آیا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ واقعہ واپسی کے بعد ہوا کیونکہ آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقات میں یہ منقول ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام سے حضرت جبرائیل امین ﷺ نے آپ کا تعارف کرایا۔

اگر امامت کا واقعہ پہلے ہو چکا ہوتا تو یہاں تعارف کی ضرورت نہ ہوتی اور یوں بھی ظاہر ہے کہ اس سفر کا اصل مقصد ملائعہ اعلیٰ میں جانے کا تھا، پہلے اسی کو پورا کرنا تھا اقرب معلوم ہوتا ہے۔ پھر جب اصل کام سے فراغت ہوئی تو انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کے ساتھ مشایعت (رخصت) کے لئے بیت المقدس تک آئے اور آنحضرت ﷺ کو حضرت جبرائیل امین ﷺ کے اشارہ سے سب کا امام بنا کر آپ کی سیادت اور سب پر فضیلت کا عملی ثبوت دیا گیا۔

اس کے بعد آپ بیت المقدس سے رخصت ہوئے اور براق پر سوار ہو کر رات ہی رات میں آپ واپس مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ ۲

اسری کے بعد ”بَعْبِدِہ“ کا ذکر فرما کر اپنے مقبولانِ بارگاہ کا اعزاز بڑھانا مقصود ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ کا عبدِ کامل بن جائے اس لئے کہ خصوصی اعزاز کے مقام پر آپ کی بہت سی صفاتِ کمال میں صفتِ عبدیت کو اختیار کیا گیا۔

اور اس لفظ سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی مقصود ہے کہ اس حیرت انگیز سفر جس میں اول سے آخر تک سب فوق العادت معجزات کے باوجود آنحضرت ﷺ اللہ کے بندے ہیں، خدا نہیں!!

دوسرا اشارہ لفظ ”عبد“ سے اس طرف ہے کہ اسراء و معراج کا تمام سفر صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی تھا، کیونکہ ”عبد“ صرف روحانی نہیں بلکہ جسم و روح دونوں کے مجموعہ کے نام ہے۔

اس کے بعد ”لیلہ“ - کا لفظ ہے، یہ لفظ یہاں پر نکرہ لائے ہیں، اس سے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس تمام واقعہ میں پوری رات بھی صرف نہیں ہوئی، بلکہ رات کا ایک حصہ صرف ہوا۔ ۳

۴۷۰۹ - حدثنا عبدان: حدثنا عبد الله: أخبرنا يونس

ح. وحدثنا أحمد بن صالح: حدثنا عنبسة: حدثنا يونس، عن ابن شهاب: قال ابن المسيب: قال أبو هريرة أني رسول الله ﷺ ليلة أسرى به بإيلياء بقدر حين من خمر ولبن. فنظر إليهما فاخذ اللبن، قال جبريل: الحمد لله الذي هداك للفطرة. لو أخذت الخمر غوت أمتك. [راجع: ۳۳۹۴]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ معراج را اسراء کی رات جب رسول اللہ ﷺ کو ایلایاء یعنی بیت المقدس لیجا یا گیا تو آپ کے سامنے دو پیالے پیش کئے گئے ایک شراب کا دوسرا دودھ کا، آنحضرت ﷺ نے دونوں کو دیکھا پھر دودھ کا پیالہ لے لیا، اس پر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ ﷻ کا شکر ہے جس نے آپ کو فطرت سلیمہ کی طرف ہدایت کی۔ اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

دودھ اور شراب پیش کرنے کی حکمت

”قال جبريل: الحمد لله الذي هداك للفطرة“

جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ ﷻ کا شکر ہے جس نے آپ کو فطرت سلیمہ کی طرف ہدایت کی۔

دودھ کا پیالہ پسند اور اختیار کرنے کو راہ فطرت یعنی نور ہدایت سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ اس عالم سفلی میں دودھ ایک ایسی چیز ہے جو پاک و صاف، خالص و لطیف اور سفید و شیریں ہونے کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور بچے کو سب سے پہلی پرورش اور سب سے پہلی غذا دودھ ہی سے ہوتی ہے۔

۳ معارف القرآن، ج: ۵، ص: ۴۳۹، ۴۳۸ - اسکے علاوہ مزید تفسیر و تخریج کیلئے ملاحظہ فرمائیں: تفسیر عثمانی، سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۱، قاعدہ: ۳،

انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب کیف لمحضت الصلاة فی الاسراء، ج: ۳، ص: ۶۷۰ - ۵۰

پس عالم بالا میں دودھ کی مثال ہدایت اور فطرت کو قرار دیا گیا، جس سے قوت و توانائی اور غذائے روحانی ملتی ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ عالم بالا میں اس دنیا کی چیزوں کی مثالیں اور صورتیں مقرر ہیں جن سے مناسب معافی اور اشارے اخذ کئے جاتے ہیں۔

”لو اخذت الخمر غوت امتک“

اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

یہ اس لئے کہا گیا کہ آنحضرت ﷺ اس وقت شراب کے پیالے کو اختیار کر لیتے تو آپ ﷺ کی امت کے لئے شراب حلال ہو جاتی اور اس طرح امت کے لوگوں میں شراب نوشی کی برائی اور اس کے مضرات داخل ہو جاتے۔

واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات پاک چونکہ کسی بھی برائی میں مبتلاء ہونے سے ازلی وابدی طور پر محفوظ تھی اور آپ ﷺ کا کسی بھی گمراہی میں پڑنا متصور ہی نہیں ہو سکتا، اس لئے آپ ﷺ سے یہ نہیں کہا گیا کہ اگر تم شراب پی لیتے تو تم گمراہ ہو جاتے، بلکہ ”گمراہی“ کی نسبت آپ ﷺ کی امت کے لوگوں کی طرف کی گئی۔

حدیث کے اس جملہ سے یہ نکتہ معلوم ہوا کہ رہبر و پیشوا خواہ نبی ہو یا عالم ہو یا کسی قوم و ملک کا بادشاہ و سربراہ ہو، اس کی استقامت و اولوالعزمی، اس کے پیروں اور اس کے ماننے والوں کی استقامت و اولوالعزمی کا ذریعہ و سبب ہے، کیونکہ اس کو وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو کسی جسم میں دوسرے اعضاء کی نسبت سے دل کو حاصل ہوتی ہے۔ ج

۴۷۱۰۔ حدثنا أحمد بن صالح: حدثنا ابن وهب قال: أخبرني يونس، عن ابن

شهاب: قال أبو سلمة: سمعت جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما قال: سمعت النبي ﷺ يقول: ((لَمَّا كَذَبْتَنِي قُرَيْشُ لَمْتُ فِي الْحَجَرِ فَجَلَى اللَّهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ لَطَفْتُ أَخْبَرَهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ)). زَادَ يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ: ((لَمَّا كَذَبْتَنِي قُرَيْشُ حِينَ أُسْرِيَ بِي إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ))، نحوه.

ج۔ قولہ: ((لِلْفُطْرَةِ)): ای للإسلام الذی هو مقتضى الطبيعة السليمة التي فطر الله الناس عليها. عمدة القاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: ﴿أَسْرَى بِعَثِيرٍ لِّئَلَّا يَمُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ﴾ ج: ۱۹، ص: ۳۶۔ قولہ: ((لِلْفُطْرَةِ)): ای: للإسلام والاستقامة. قولہ: ((وَلَوْ اخذت الخمر غوت امتک)) ای: خلت والهمكت في الشرب ولكن بلطف الله تعالى اختار اللبن لكونه مهلا طيبا طاهرا سالفا للشاربين سليم العاقبة. وفيه: استحباب حمد الله تعالى عند تجديد النعمة وحصول ما كان يتوقع حصوله. والدفاع ما كان يخاف وقوعه. عمدة القاری، کتاب الأثرية، ج: ۱۲، ص: ۱۶۳۔

﴿قاصصاً﴾: ربیع نقص کل شیء۔ [راجع: ۳۸۸۶]

ترجمہ: ابوسلمہ کہتے ہیں میں نے سنا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ جب قریش نے مجھ کو جھٹلایا تو میں مقام حجر (حطیم کعبہ) میں کھڑا ہوا تھا، پس اللہ ﷻ نے میرے لئے بیت المقدس کو ظاہر کر دیا میں اسے دیکھ دیکھ کر ان کے سامنے ایک علامت بیان کرنے لگا۔ یعقوب بن ابراہیم نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ ہم سے ابن شہاب کے بھتیجے نے اپنے چچا سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ جب قریش نے مجھ کو واقعہ معراج کے سلسلے میں جھٹلایا، پھر آگے یہی حدیث بیان کی۔

”قاصصاً“ اس تیز ہوا، آندھی کو کہتے ہیں جو ہر ایک چیز کو اکھاڑ پھینکے۔

قریش کے سوالات پر بیت المقدس آنحضرت ﷺ کے سامنے لانا

”لجلی اللہ لی بیت المقدس فطقت أعبرهم عن آياته وأنا أنظر إليه“

پس اللہ ﷻ نے میرے لئے بیت المقدس کو ظاہر کر دیا میں اسے دیکھ دیکھ کر ان کے سامنے ایک علامت بیان کرنے لگا۔

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب واقعہ معراج کے متعلق آپ ﷺ نے لوگوں کو بتایا تو کفار مکہ آپ کو جھٹلانے لگے اور آپ کا مذاق اڑانے لگے اور بیت المقدس کی عمارتوں اور ان کی نشانیوں کے بارے میں سوالات کر رہے تھے اور آپ ﷺ کے ذہن میں بیت المقدس کا پورا عمارتی نقشہ اور اس کی نشانیاں محفوظ نہ رہنے کے سبب میں ان عمارتوں کو دوبارہ دیکھے بغیر ان کے جوابات نہیں دے سکتے تھے۔

تو قادر مطلق نے یوں مدد فرمائی کہ نبی کریم ﷺ اور بیت المقدس کے درمیان کے سارے فاصلے سمیٹ دیئے اور آپ کی نگاہوں کے سامنے سے وہ ساری رکاوٹیں دور کر دیں جو آپ کے اور بیت المقدس کے درمیان حائل تھیں، اس طور سے پورا بیت المقدس آنحضرت ﷺ کے سامنے آگیا اور آپ بغیر کسی اشتباہ و احتمال کے اس کی ایک ایک چیز اچھی طرح دیکھ کر قریش مکہ کے ایک ایک سوال کا بالکل صحیح جواب دینے پر قادر ہو گئے۔

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ پورا بیت المقدس اٹھا کر لایا گیا ہو اور آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا ہو۔ جیسا کہ ایک روایت میں، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چنانچہ بیت المقدس اٹھا کر لائی گئی اور دار عقیل کے پاس رکھی گئی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ظہور معجزہ میں کامل ترین صورت بھی یہی ہے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں

ثابت ہے کہ ملکہ بلقیس کا تخت ایک لمحہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا تھا۔ ۵

(۴) باب قوله تعالى: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا بیان: ”اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے۔“

بنی آدم کی فضیلت کی وجہ

ترجمہ الباب میں بیان کی گئی اس آیت میں اولادِ آدم کی اکثر مخلوقات پر فوقیت اور افضلیت کا ذکر ہے، اس میں دو باتیں قابلِ غور ہیں:

پہلی یہ کہ یہ افضلیت کن صفات اور کن وجوہ کی بناء پر ہے؟

دوسری یہ کہ اس میں افضلیت اکثر مخلوقات پر دینا بیان فرمایا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟

پہلی بات کی تفصیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بنی آدم کو مختلف حیثیات سے ایسی خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو دوسری مخلوقات میں نہیں ہیں۔ مثلاً حسن صورت، اعتدالِ جسم، اعتدالِ مزاج، اعتدالِ قد و قامت جو انسان کو عطاء ہوا ہے کسی دوسرے حیوان میں نہیں۔

اس کے علاوہ عقل و شعور میں اس کو خاص امتیاز بخشا گیا ہے، جس کے ذریعے وہ تمام کائنات علویہ اور سفلیہ سے اپنا کام نکالتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدرت بخشی ہے کہ مخلوقات الہیہ سے ایسے مرکبات اور مصنوعات تیار کرے جو اسکے رہنے سہنے اور نقل و حرکت اور طعام و لباس میں اس کے مختلف کام آئیں۔ نطق و گویائی اور افہام و تفہیم کا جو ملکہ اس کو عطا ہوا ہے وہ کسی دوسرے حیوان میں نہیں۔

اشارات کے ذریعے اپنے دل کی بات دوسروں کو بتلا دینا، تحریر اور خط کے ذریعے دل کی بات دوسروں تک پہنچانا، یہ سب انسان ہی کی امتیازات ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں سے کھانا بھی انسان ہی کی صفت مخصوصہ ہے، اس کے علاوہ تمام جانور اپنے منہ سے کھاتے ہیں۔ اپنے کھانے کی چیزوں کو مختلف اشیاء سے مرکب کر کے لذیذ اور مفید بنانے کا کام بھی انسان ہی کرتا ہے۔

باقی سب جانور مفرد چیزیں کھاتے ہیں، کوئی کچا گوشت کھاتا ہے، کوئی گھاس، کوئی پھل وغیرہ۔ بہر حال سب مفردات کھاتے ہیں انسان ہی اپنی غذا کے لئے ان سب چیزوں کے مرکبات تیار کرتا ہے۔ اور سب سے بڑی فضیلت عقل و شعور کی ہے جس سے وہ اپنے خالق اور مالک کو پہچانے اور اس کی مرضی، نامرضی کو معلوم کر کے مرضیات کا اتباع کرے، نامرضیات سے پرہیز کرے اور عقل و شعور کے اعتبار سے مخلوقات کی تقسیم اس طرح ہے کہ عام جانوروں میں شہوات اور خواہشات ہیں، عقل و شعور نہیں۔ انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں عقل و شعور بھی ہے شہوات و خواہشات بھی ہیں، اسی وجہ سے جب وہ شہوات و خواہشات کو عقل و شعور کے ذریعہ مغلوب کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے تو اس کا مقام بہت سے فرشتوں سے بھی اونچا ہو جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اولادِ آدم کو اکثر مخلوقات پر فضیلت دینے کا کیا مطلب ہے، اس میں تو کسی کو اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں کہ دنیا کی تمام مخلوقات علویہ اور سفلیہ اور تمام جانوروں پر اولادِ آدم کو فضیلت حاصل ہے، اسی طرح جنات جو عقل و شعور میں انسان ہی کی طرح ہیں ان پر بھی انسان کا افضل ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔

اب معاملہ صرف فرشتوں کا رہ جاتا ہے کہ انسان اور فرشتہ میں کون افضل ہے؟

اس میں تحقیقی بات یہ ہے کہ انسان میں عام مومنین صالحین جیسے اولیاء اللہ وہ عام فرشتوں سے افضل ہیں، مگر خواص ملائکہ جیسے جبرائیل، میکائیل وغیرہ ان عام صالحین سے افضل ہیں اور خواص مومنین جیسے انبیاء علیہم السلام وہ خواص ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔

باقی رہے کفار و فجار انسان وہ ظاہر ہے کہ فرشتوں سے تو کیا افضل ہوتے وہ تو جانوروں سے بھی اصل مقصد فلاح و نجات میں افضل نہیں ہیں، ان کے متعلق تو قرآن کا فیصلہ ہے کہ ﴿أُولَٰئِكَ كَانُوا لَٰئِعَامٍ لِّہُمْ أَضَلُّ﴾ یعنی یہ تو جو پایہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ ۱

كُرْمَنَا وَاكْرَمْنَا وَاحِد. ﴿ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ﴾ عَذَابُ الْحَيَاةِ وَعَذَابُ الْمَمَاتِ. ﴿خِلَافِكَ﴾ وَخَلْفَكَ سَوَاء. ﴿وَنَائٍ﴾: تَبَاعَد.

﴿شَاكِكًا﴾: لَاحِظًا. وَهِيَ مِنْ شَكَلَةٍ. ﴿صَرَفْنَا﴾: وَجَّهْنَا. ﴿قَبِيلًا﴾: مَعَابِدَةٌ وَمُقَابَلَةٌ. وَقِيلَ: الْقَابِلَةُ لِأَنَّهَا مُقَابِلَتُهُمَا، وَقَبْلُ وَلَدُهَا.

﴿عَشِيَّةَ الْإِنْفَاقِ﴾، بِقَالَ أَلْفَقَ الرَّجُلُ أَمْلَقَ. وَنَفَقَ الشَّيْءُ ذَهَبَ. ﴿قَتُورًا﴾: مَقْتَرًا. ﴿لَا ذُلَّانِ﴾: مَجْتَمِعَ اللَّحْمَيْنِ، الْوَاحِدُ ذُلْنٌ.

وقال مجاهد: ﴿مَوْلُورًا﴾: والهر. ﴿تَبِيعًا﴾: لائرا، وقال ابن عباس: نصيرا.
 ﴿غَمَثٌ﴾: طفئت. وقال ابن عباس: ﴿لَا تُبْدَرُ﴾: لا تنفق في الباطل.
 ﴿إِنْتِفَاءَ رَحْمَةٍ﴾: رزق. ﴿مَبْثُورًا﴾: ملعونا. ﴿لَا تَقْفُ﴾: لا تقل. ﴿فَجَاسُوا﴾:
 تيمموا. يزجي الفلك: يجرى الفلك. ﴿يَخْرُونَ لِلْأَذْلَانِ﴾: للوجوه.

ترجمہ و تشریح

”کَرَّمْنَا وَاكْرَمْنَا وَاحِد“ دونوں کے معنی ایک ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ دونوں متعدی ہے اگرچہ
 ”کَرَّمْنَا“ میں مبالغہ زیادہ ہے بمقابلہ ”اکرمنا“ کے۔
 ”يُضِغُ الْحَيَاةَ“ کے معنی ہیں ”عذاب الحیاء“ اور ”وَضِغُ الْمَمَاتِ“ کے معنی ”عذاب
 الممات“۔

”يَخْلُفُكَ“ اور ”خَلْفُكَ“ دونوں برابر ہیں یعنی دو قرأتیں ہیں اور دونوں کے معنی ایک ہیں۔
 ”وَنَائٍ“ بمعنی ”تباعد“ یعنی دور ہوا، لیکن آیت میں چونکہ متعدی بالباء ہے اس لئے ترجمہ ہوگا اس
 نے اپنے پہلو کو دور کر لیا، کروٹ پھیر لی، پہلو پھیر لی۔
 ”هَاسِكَلَةٍ“ بمعنی ”ناحیہ“ یعنی راستہ، طریقہ، یہ ماخوذ ہے شکل سے جسکے معنی قصد و ارادہ، مثل و نظیر۔
 ”هَاسِكَلَةٍ“ کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مراد مذہب ہے جو اسکے مثل و مشابہ ہے ہدایت و ضلالت میں
 اور اس تفسیر کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آگے ارشاد باری ہے ﴿قَرَّبْنَاكُمْ أَهْلًا مِّنْ هَاسِكَلَةٍ﴾۔
 ”صَرَفْنَا“ بمعنی ”وجهنا“ یعنی ہم نے سامنے لایا ہے، ہم نے بیان کیا ہے۔

”قَبِيلًا“ کے معنی ہیں آنکھوں کے سامنے، رو برو، یہ حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کی تفسیر ہے، اور بعض
 دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ ”القابِلَةُ“ اس سے ماخوذ ہے یعنی دائی؛ بچہ جنم آنے والی دائی، کیونکہ بچہ جنم آنے
 وقت جنم والی عورت کے مقابل اور سامنے ہوتی ہے اور اسکے بچہ کی دائیہ گیری کرتی ہے، سنبھالتی ہے۔
 ”غَشْمَةُ الْإِنْفَاقِ“ کے معنی: فقر و افلاس۔ جب کوئی شخص تنگ، مفلس ہو جائے تو کہتے ہیں کہ ”انفق
 الرجل“ یعنی آدمی مفلس ہو گیا اور جب کوئی چیز ختم ہو جائے تو ”ولفق الشيء“ کہا جاتا ہے۔

”مَقْشُورًا“ جو صفت مشہ کا صیغہ ہے بمعنی اسم فاعل ”مَقْشُورًا“ یعنی بخیل، کنجوس، نان و نفقہ میں کوتاہی و کمی کرنا۔
 ”لِلْأَذْلَانِ“ کے معنی ہیں دونوں جڑے طے کی جگہ اور اس کا واحد ”أَذْلَانٌ“ جس کا معنی ہے ٹھوڑی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”مَوْلُورًا“ اسم مفعول بمعنی ”والهر“ اسم فاعل ہے، مطلب یہ ہے

کہ جیسے اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی اسم مفعول بمعنی اسم فاعل ہے۔

”تَبِعَا“ بمعنی ”تَابِعَا“ ہے یعنی بدلہ لینے والا۔

”تَابِعَا“ معنی آتا ہے خون کا بدلہ لینا، خون کا مطالبہ کرنا اور ہر اس شخص کو جو بدلہ کا طالب ہو اس کو ”تَبِيعَا“

اور ”تَابِعَا“ بمعنی پیچھا کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”تَبِيعَا“ بمعنی ”نَصِيرَا“ ہے، اس صورت میں معنی ہوگا

مددگار کیونکہ دیت طلب کرنے والا بھی ایک طرح سے مددگار ہوتا ہے۔

”عَبَثَ“ بمعنی ”طَلَعْتَ“ یعنی بجھنے لگے گی، آگ کا بجھنا، دھیمہ ہونا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”لَا تُبَدِّلُ“ کے معنی ہیں ”لَا تَنْفِقُ فِي الْبَاطِلِ“ یعنی بے

ہودہ جگہ، ناجائز کاموں میں مال کو مت خرچ کرو۔

﴿اِنْجَاءَ رَحْمَةٍ﴾ میں ”رَحْمَةٍ“ بمعنی رزق کے ہے۔

”مَبْثُورًا“ بمعنی ”مَلْعُونًا“ یعنی لعنت ملامت کیا ہوا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر ہے۔

”لَا تَقْفُ“ کے معنی ہیں ”لَا تَقْلُ“ یعنی اٹکل بات مت کہو جس کا تمہیں کو علم نہ ہو۔

اصل ”لَفَا - يَقْفُوا - لَفُوا“ کا معنی ہے پیچھے چلنا، پیروی کرنا، اندھی تقلید کرنا۔

”فَجَاسُوا“ بمعنی ”تَبِعُوا“ یعنی قصد کیا، مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے قتل و غارت گشت و خون کا

بخت لہر نے قصد کیا۔

”مِزَجِي“ بمعنی ”يَجْعَرِي“ جس کے معنی ہیں چلانا، جاری کرنا۔

”يَخْرُونَ لِلْأَذْقَانِ“ مراد یہ ہے کہ چہروں کے بل گرتے ہیں سجدہ میں۔

باب: ﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا﴾ الآية [۱۶]

باب: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس کے خوش حال لوگوں کو (ایمان

اور اطاعت کا) حکم دیتے ہیں۔“

عذاب الہی آنے کی علامت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و اختیار دیا اور عذاب و ثواب کے راستے متعین کر دیئے، جب کوئی اپنے

اختیار۔ یہ عذاب ہی کے کام کا عزم اور قصد کرے تو عادت اللہ یہ ہے کہ وہ اسی عذاب کے اسباب مہیا کر دیتے ہیں تو اصلی سبب عذاب کا خود ان کا عزم اور قصد ہے کفر و معصیت کا نہ کہ محض ارادہ اس لئے وہ معذور نہیں ہو سکتے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیجتے ہیں تو اس کی ابتدائی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس قوم میں خوش عیش سرمایہ دار لوگوں کی کثرت کر دی جاتی ہے اور وہ اپنے فسق و فجور کے ذریعے پوری قوم کو عذاب میں مبتلا کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عیش پسندوں کی حکومت یا ایسے لوگوں کی قوم میں کثرت کچھ خوشی کی چیز نہیں بلکہ عذاب الہی کی علامت ہے۔

حق تعالیٰ جب کسی قوم پر ناراض ہوتے ہیں اور اس کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ابتدائی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس قوم کے حاکم و رئیس ایسے لوگ بنادئے جاتے ہیں جو عیش پسند، عیاش ہوں یا حاکم نہ بھی بنیں تو اس قوم کے افراد میں ایسے لوگوں کی کثرت کر دی جاتی ہے۔

دونوں صورتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ شہوات و لذات میں مست ہو کر اللہ کی نافرمانیاں خود بھی کرتے ہیں، دوسروں کے لئے بھی اس کی راہ ہموار کرتے ہیں بالآخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جاتا ہے۔
۴۷۱۱۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان: أخبرنا منصور، عن ابی وال، عبد اللہ قال: کنا نقول لحنی إذا کثروا فی الجاهلیۃ: امر بنو فلان.

حدثنی الحمیدی: حدثنا سفیان وقال: وأمر. ۵

ترجمہ: ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ (بن مسعود) فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت جب کسی قبیلے کے لوگ بہت ہو جاتے تھے تو ہم کہتے تھے اُمّ بنو فلان۔ فلاں خاندان بہت بڑھ گیا۔
حمیدی نے بیان کیا کہ ہم سے سفیان بن عیینہ نے اس طرح بیان کیا ”اُمّ“۔

(۵) باب ﴿ذُرِّيَّةٌ مِّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ [۳]

باب: ”اے اُن لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا! وہ بڑے شکر گزار بندے تھے۔“

۳۷۱۲ - حدثنا محمد بن مقاتل: أخبرنا عبد الله: أخبرنا ابو حيان التميمي، عن ابي زرعة بن عمرو بن جرير، عن ابي هريرة رضي الله عنه قال: أتى رسول الله ﷺ بلحم فرفع اليه الذرع وكانت تعجبه، فنهس منها نهسة ثم قال: أنا سيد الناس يوم القيامة، وهل تدرون مم ذلك؟ يجمع الله الناس الأولين والآخرين في صعيد واحد، يسمعهم الداعي وينفذهم البصر، وتدلو الشمس فيبلغ الناس من الغم والكرب ما لا يطيقون ولا يحتملون. فيقول الناس: ألا ترون ما قد بلغكم؟ ألا تنظرون من يشفع لكم أي ربكم؟ فيقول بعض الناس لبعض: عليكم بآدم. فيأتون آدم عليه السلام فيقولون له: أنت أبو البشر، خلقك الله بيده ونفخ فيك من روحه، وأمر الملائكة فسجدوا لك، اشفع لنا إلى ربك، ألا ترى إلى ما نحن فيه؟ ألا ترى إلى ما قد بلغنا؟ فيقول آدم: إن ربي قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله، وإنه نهاني عن الشجرة فعصيته، نفسي نفسي نفسي، اذهبوا إلى غيري، اذهبوا إلى نوح. فيأتون نوحا فيقولون: يا نوح الك أنت أول الرسل إلى أهل الأرض وقد سماك الله عبدا شكورا، اشفع لنا إلى ربك، ألا ترى إلى ما نحن فيه؟ فيقول: إن ربي عز وجل قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله، وإنه قد كانت لي دعوة دعوتها على قومي، نفسي نفسي نفسي، اذهبوا إلى غيري، اذهبوا إبراهيم. فيأتون إبراهيم فيقولون: يا إبراهيم، أنت نبي الله وخليفه من أهل الأرض، اشفع لنا إلى ربك. ألا ترى إلى ما نحن فيه؟ فيقول لهم: إن ربي قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله. وإني قد كنت كذبت ثلاث كذبات - فذكرهن أبو حيان في الحديث - نفسي نفسي نفسي، اذهبوا إلى غيري، اذهبوا إلى موسى. فيأتون موسى، فيقولون: يا موسى، أنت رسول الله، فضلك الله برسالة وبكلامه على الناس، اشفع لنا إلى ربك ألا ترى إلى ما نحن فيه؟ فيقول: إن ربي قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله، وإني قتلت نفسا لم أؤمر بقتلها، نفسي نفسي نفسي، اذهبوا إلى غيري اذهبوا إلى عيسى. فيأتون عيسى فيقولون: أنت رسول الله وكلمته القاها إلى مريم وروح منه وكلمت الناس في المهد صبيا، اشفع لنا، ألا ترى إلى ما نحن فيه؟ فيقول عيسى: إن ربي قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله. ولم يذكر ذلما، نفسي نفسي نفسي، اذهبوا إلى غيري، اذهبوا إلى محمد ﷺ. فيأتون محمدا ﷺ فيقولون: يا محمد، أنت رسول الله ﷺ

وخاتم الألباء، وقد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر، اشفع لنا الى ربك، الا ترى الى ما نحن فيه؟ فانطلق فأتى تحت العرش، فاقع ساجدا لربى عز وجل. ثم يفتح الله على من محامده وحسن الفناء، عليه شينا لم يفتحه على أحد قبلى، ثم يقال: يا محمد، ارفع رأسك، سل تعطه، واشفع تشفع. فارفع رأسى فاقول: أمتى يارب، أمتى يارب. فيقال: يا محمد، أدخل من أمك من لا حساب عليهم من الباب الأيمن من أبواب الجنة، وهم شركاء الناس فيما سوى ذلك من الأبواب)). ثم قال: ((والذى نفسى بيده ان ما بين المصراعين من مصاريع الجنة كما بين مكة وحمير، او كما بين مكة وبصرى)). [راجع: ۳۳۳۰]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گوشت لایا گیا اور دست کا حصہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا جو آپ کو بہت مرغوب تھا، آپ نے اس دست کا گوشت دانت سے کاٹ کر تناول فرمایا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز میں لوگوں کا سردار ہوں گا، کیا تم جانتے ہو یہ کس وجہ سے ہوگا؟ سارے لوگ اگلے پچھلے ایک چٹیل میدان میں جمع کئے جائیں گے، وہاں پکارنے والا ان سب کو اپنی آواز سنا سکے گا اور اس کی نگاہ سب کو دیکھ سکے گی، سورج بالکل قریب ہو جائے گا، چنانچہ لوگوں کو رنج و غم پہنچے گا کہ طاقت سے باہر اور وہ برداشت نہ کر سکیں گے۔

آخر لوگ آپس میں کہیں گے تم دیکھتے نہیں کہ کیا نوبت پہنچی ہے؟ کیا تم نہیں دیکھو گے، ایسی ذات کو جو تمہارے رب کے پاس تمہاری سفارش کرے۔

پھر بعض لوگ بعض بعض سے کہیں گے کہ آدم ؑ کے پاس چلنا چاہئے۔ چنانچہ سب لوگ حضرت آدم ؑ کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے آپ سب انسانوں کے باپ ہیں اللہ ﷻ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور اپنی طرف سے خصوصیت کے ساتھ آپ میں روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا، چنانچہ انہوں نے آپ کو سجدہ کیا، اب آپ اپنے رب سے ہمارے لئے سفارش کیجئے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس تکلیف میں ہیں، اس حالت کو بھی دیکھ رہے ہیں جو ہمیں پہنچی ہے۔

اس پر حضرت آدم ؑ کہیں گے کہ میرا رب آج سخت غصے کی حالت میں ہے، اس سے پہلے اتنے غصے میں وہ کبھی نہیں ہوا تھا اور نہ آج کے بعد اتنا غضب ناک ہوگا، اور پروردگار نے مجھے بھی ایک درخت سے منع کیا تھا، لیکن میں نے اسکی نافرمانی کی، پھر کہیں گے کہ نفسی، نفسی، نفسی۔ یعنی مجھے خود اپنی فکر ہے، تم لوگ میرے علاوہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ، حضرت نوح ؑ کے پاس چلے جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے اے نوح! آپ اہل زمین کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے "عبد اشکور" شکر گزار بندہ کا خطاب دیا ہے، آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس تکلیف میں مبتلا ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام بھی کہیں گے کہ میرا رب اتنا غضب ناک ہوا ہے کہ اس سے پہلے اتنا غضب ناک وہ کبھی نہیں ہوا تھا اور نہ آج کے بعد اتنا غضب ناک ہوگا، اور مجھے ایک دعا کی قبولیت کا یقین دلا یا گیا تھا جو میں نے اپنی قوم کے خلاف کر لی نفسی، نفسی، نفسی - میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، اور عرض کریں گے اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور اللہ کے خلیل ہیں آپ پروردگار کے پاس ہماری سفارش کیجئے، آپ دیکھ رہے ہیں ہم لوگ کس تکلیف میں ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کہیں گے، آج میرا رب اتنا غضب ناک ہے کہ اس سے پہلے اتنا غضب ناک وہ کبھی نہیں ہوا تھا اور نہ آج کے بعد اتنا غضب ناک ہوگا، اور میں نے دنیا میں ایک خطا کی تھی تین جھوٹ بولے تھے۔ ابو حیان نے اپنی حدیث میں ان تینوں کا ذکر کیا ہے۔ نفسی، نفسی، نفسی - میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے رسالت اور اپنے کلام کے ذریعہ تمام لوگوں پر فضیلت دی، آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار کے پاس سفارش کیجئے، کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس تکلیف میں گرفتار ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے آج اللہ تعالیٰ بہت غضب ناک ہے، اتنا غضب ناک کہ نہ وہ پہلے ہوا تھا اور نہ آج کے بعد کبھی ہوگا، میں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے قتل کا حکم نہیں ملا تھا۔ نفسی، نفسی، نفسی - میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام پر ڈالا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح ہیں، آپ نے گود میں رہ کر بچپن میں لوگوں سے باتیں کی تھیں، اپنے رب کے پاس ہمارے لئے سفارش کیجئے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم لوگ کس تکلیف میں ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی کہیں گے کہ میرا رب اتنا غضب ناک ہے کہ نہ اس سے پہلے غضب ناک ہوا تھا اور نہ اس کے بعد ہوگا، اور اپنا کوئی تصور نہیں بیان کیا جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام نے لغزشیں بیان کیں۔

(لیکن دوسری ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے اللہ جلّ جلالہ کے سوا میں معبود ٹھہرایا گیا، مجھ کو لوگوں نے ابن اللہ کہا تھا اس لئے میں ڈرتا ہوں نفسی، نفسی، نفسی - میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ)۔

چنانچہ سب لوگ حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کریں گے اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ جلّ جلالہ نے آپ کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف کر دی ہیں آپ اپنے رب کے پاس ہمارے لئے سفارش کر دیجئے، آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ہم لوگ کس تکلیف میں ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں چلوں گا اور عرش کے سائے تلے پہنچ کر اپنے رب کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر اللہ جلّ جلالہ اپنی تعریف اور حسن ثناء کی وہ باتیں میرے دل میں ڈال دے گا کہ مجھ سے پہلے وہ حمد و ثناء کسی کو نہیں بتائی تھی۔

پھر کہا جائیگا اے محمد! اپنا سراٹھائیے، مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا، سفارش کیجئے آپ کی سفارش قبول کی جائیگی۔ تو میں اپنا سراٹھاؤں گا اور عرض کروں گا کہ میری امت، اے میرے رب، میری امت، اے میرے رب۔ پھر کہا جائے گا، اے محمد! اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں ہے جنت کے داہنے دروازے سے داخل کر لیجئے اور یہ لوگ اس کے سوا باقی دروازوں میں بھی لوگوں کے شریک ہیں (مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جس دروازہ سے چاہیں داخل ہو سکتے ہیں)۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے جنت کے دروازے کے دونوں کناروں میں یعنی جنت کے پھانک کے دونوں پٹوں میں اتنا فاصلہ ہے جیسے مکہ اور حمیر کے درمیان ہے یا جتنا مکہ اور بصری کے درمیان۔

(۶) باب قوله: ﴿وَأَتَيْنَا دَاوُدَ ذُبُورًا﴾ [۵۵]

اس ارشاد کا بیان: ”اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی تھی۔“

۴۷۱۳۔ حدثنا اسحاق بن نصر: حدثنا عبدالرزاق، عن معمر، عن همام بن منبه،

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: ((خفف على داود القرآن فكان يأمر بدابته لتسرج،

فكان يقرأ قبل أن يفرغ - يعني - القرآن)). [راجع: ۲۰۷۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر پڑھنا

یعنی زبور کی تلاوت آسان کر دیا گیا تھا، چنانچہ وہ اپنے جانور پر زین کسے کا حکم دیتے پھر زین کسے جانے سے پہلے پڑھ چکے یعنی زبور اللہ کی کتاب۔

(۷) باب: ﴿قُلِ ادْعُوا الدِّينَ زَعَمْتُمْ مِنْ ذُوهِ﴾ [۵۶]

باب: ”(جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کو مانتے ہیں، اُن سے) کہہ دو کہ: جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے، انہیں پکار کر دیکھو۔“

۳۷۱۵ - حدثني عمرو بن علي: حدثنا يحيى: حدثنا سفيان: حدثني سليمان، عن ابراهيم، عن ابي معمر، عن عبد الله ﴿إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ قال: كان لاس من الالاس بعدون لاسا من الجن، فاسلم الجن وتمسك هؤلاء بدينهم. زاد الاصحاحي، عن سفيان عن الأعمش ﴿قُلِ ادْعُوا الدِّينَ زَعَمْتُمْ مِنْ ذُوهِ﴾.

[أنظر: ۳۷۱۵] ۹

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ سے آیت ﴿إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ کی تفسیر کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ کچھ لوگ جنوں کی پرستش کیا کرتے تھے، پھر ایسا ہوا کہ وہ جن مسلمان ہو گیا اور لیکن یہ لوگ اس کے دین کو پکڑے رہے (یعنی شرک پر بدستور قائم رہے)۔

اصحاحی نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو سفيان ثوري سے روایت کیا اور انہوں نے اعمش سے روایت کی کہ انہوں نے اس آیت ﴿قُلِ ادْعُوا الدِّينَ زَعَمْتُمْ مِنْ ذُوهِ﴾ کے متعلق یہ روایت بیان کی۔

(۸) باب قوله: ﴿أُولَٰئِكَ الدِّينُ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ [۵۷]

اس ارشاد کا بیان: ”جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ تو خود اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔“

۴۷۱۵۔ حدثنا بشر بن خالد: أخبرنا محمد بن جعفر، عن شعبة، عن سليمان، عن ابراهيم، عن ابي معمر، عن عبد الله رضی اللہ عنہ في هذه الآية ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَنْتَفُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ قال: ناس من الجن يعبدون فاسلموا. [راجع: ۴۷۱۴]

ترجمہ: ابو معمر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَنْتَفُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ کے بارے میں فرمایا کہ کچھ جن ایسے تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی، پھر وہ جن مسلمان ہو گئے۔

تشریح

کچھ لوگ جاہلیت میں جنات کی عبادت کرتے تھے، وہ جن مسلمان ہو گئے اور یہ پوجنے والے اپنی جہالت پر قائم رہے۔ ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض کہتے ہیں کہ جن، ملائکہ، مسیح و عزیرو وغیرہ کے پوجنے والے سب اس میں شامل ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جن ہستیوں کو تم معبود و مستعان سمجھ کر پکارتے ہو، وہ خود اپنے رب کا بیش از بیش قرب تلاش کرتے ہیں، ان کی دوا و شرف اس لئے ہے کہ خدا کی نزدیکی حاصل کرنے میں کون آگے نکلتا ہے، ان میں جو زیادہ مقرب ہے وہ ہی زیادہ قرب الہی کے طالب رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی سب سے زیادہ مقرب بندہ کی دعاء وغیرہ کو حصول قرب کا وسیلہ بنائیں۔

پس جب تمہارے تجویز کئے ہوئے معبودوں کا اللہ کے سامنے یہ حال ہے تو اپنے تئیں خود فیصلہ کر لو کہ اللہ جل جلالہ کو خوش رکھنا کہاں تک ضروری ہے، غیر اللہ کی پرستش سے نہ خدا خوش ہوتا ہے نہ وہ جنہیں تم خوش رکھنا چاہتے ہو۔

تبصیہ: ”توسل“ اور ”تعبد“ میں فرق ظاہر ہے، پھر توسل بھی اسی حد تک مشروع ہے جہاں تک شریعت نے اجازت دی۔ یعنی باوجود غایت قرب کے انکی امیدیں محض اللہ جل جلالہ کی مہربانی سے وابستہ ہیں اور اسی کے عذاب سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ہر قسم کا نفع پہنچانا، یا ضرر کو روکنا ایک خدا کے قبضہ میں ہے۔

(۹) باب: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ [۶۰]

باب: ”اور ہم نے جو نظارہ تمہیں دکھایا ہے، اُس کو ہم نے (کافر) لوگوں کیلئے بس ایک فتنہ بنا دیا۔“

فتنہ میں ڈالنے سے مراد

اس آیت میں لفظ ”فتنة“ آیا ہے، عربی زبان میں یہ بہت سے معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔
اسکا ایک معنی ہے گمراہی کا۔

ایک معنی آزمائش کا بھی آتا ہے۔

ایک معنی کسی ہنگامہ و فساد کے برپا ہونے کے بھی آتا ہے۔

یہاں ان سب معانی کا احتمال ہو سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت معاذیہ ؓ اور حضرت حسن بصری، حضرت مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر رحمہم اللہ اجمعین نے اس جگہ فتنہ سے مراد یہی آخری معنی لئے ہیں اور فرمایا کہ یہ فتنہ ارتداد کا تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر جانے اور صبح سے پہلے واپس آنے کا ذکر کیا تو بہت سے نو مسلم لوگ جن میں ایمان راسخ نہ ہوا تھا اس کلام کی تکذیب کر کے مرتد ہو گئے۔

اسی واقعہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ لفظ ”رؤیا“ عربی زبان میں اگرچہ خواب کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن اس جگہ مراد خواب کا قصہ نہیں کیونکہ ایسا ہوتا تو لوگوں کے مرتد ہو جانے کی کوئی وجہ نہیں تھی، خواب تو ہر شخص ایسے دیکھ سکتا ہے، بلکہ اس جگہ مراد ”رؤیا“ سے ایک واقعہ عجیبہ کا بحالت بیداری براہ راست آنکھ سے دکھلانا مراد ہے۔

اور ”رؤیا“ کا یہ معنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے درج ذیل حدیث میں بھی منقول ہے۔

۴۷۱۶۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا سفیان، عمرو، عن عكرمة، عن ابن عباس

رضی اللہ عنہما ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ قال: هي رؤيا عين أريها

رسول اللہ ﷺ ليلة أسري به، ﴿وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَةُ﴾ قال: شجرة الزقوم. [راجع: ۳۸۸۸]

ترجمہ: حضرت عکرمہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ کے بارے میں فرمایا کہ آنکھ کا دیکھنا مراد ہے، جو

رسول اللہ ﷺ کو شب معراج میں دکھایا گیا، اور ﴿وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَةُ﴾ سے مراد ”شجرة الزقوم“ یعنی

تھوہر کا درخت ہے۔

”رؤیا“ کی تشریح

﴿الرُّؤْيَا الَّتِي أَرْبَنَّاكَ إِلَّا لِقْنَةً لِلنَّاسِ﴾۔ ”دکھا دے / نظر اے“ سے مراد شب معراج کا نظارہ ہے، جس کے بیان سے لوگ جانچے جائیں گے، بچوں نے سن کر مانا اور کچی لوگوں نے جھوٹ جانا۔

تھوہر کا درخت؛ دوزخیوں کی خوراک

﴿وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَةَ﴾۔ ”زقوم“ یعنی تھوہر کا درخت جس کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا کہ دوزخ والے کھائیں گے۔

اس بات پر ایمان والے یقین لائے اور مکروں نے کہا کہ دوزخ کی آگ میں سبز درخت کیونکر ہوگا؟ یہ بھی جانچنا مقصود تھا۔

ان دو مثالوں سے اندازہ کر لو کہ تصدیق خوارق کے باب میں انکی طبائع کا کیا حال ہے کہ آگ کے اندر درخت کا وجود انکی سمجھ میں نہ آیا حالانکہ کوئی محال بات نہیں کہ کسی درخت کا مزاج ہی اللہ تعالیٰ ایسا بنا دیں کہ وہ پانی کے بجائے آگ سے پرورش پائے اور شجرہ زقوم کے انکار کے ساتھ ساتھ یہ لوگ استہزاء بھی کرتے تھے۔

(۱۰) باب قوله: ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ [۷۸]

اس ارشاد کا بیان: ”یاد رکھو فجر کی تلاوت میں مجمع حاضر ہوتا ہے۔“

لال مجاہد: صلاة الفجر.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں فجر سے مراد فجر کی نماز ہے۔

۴۷۱۷۔ حدیثی عبد اللہ بن محمد: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري،

عن أبي سلمة وابن المسيب، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

((فضل الصلاة الجميع على صلاة الواحد خمس وعشرون درجة، وتجمع ملائكة الليل

وملائكة النهار في صلاة الصبح)). يقول أبو هريرة: قروا ان شئتم ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ

مَشْهُودًا﴾. [راجع: ۱۷۶]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہا نماز پڑھنے کے مقابلے

میں باجماعت نماز کی فضیلت پچیس گنا زیادہ ہے اور صبح کی نماز میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے ڈیوٹی بدلتے ہوئے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھو ﴿إِنَّ لِرَآنِ الْقَبْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾۔

فجر وعصر باجماعت پڑھنے کی خصوصی تاکید

”وَجَمْعٌ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ“۔

فجر اور عصر کے وقت دن اور رات کے فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے، لہذا ان دو وقتوں میں دن اور رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے، تو ہماری قرأت اور نماز اس کے رو برو ہوئی جو مزید برکت و سکینہ کا موجب ہے، اور اس وقت اوپر جانے والے فرشتے خدا کے ہاں شہادت دیں گے کہ جب گئے تب بھی ہم نے تیرے ان بندوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور جب واپس آئے تب بھی ان کو نماز پڑھتے دیکھا۔ اس کے علاوہ صبح کے وقت یوں بھی آدمی کا دل حاضر اور مجتمع ہوتا ہے۔

(۱۱) باب قوله: ﴿عَسَىٰ أَنْ يَتَغَفَّلَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ [۷۹]

اس ارشاد کا بیان: ”اُمید ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود تک پہنچائے گا۔“

مقام محمود کا وعدہ

رسول اللہ ﷺ سے اس آیت میں مقام محمود کا وعدہ کیا گیا ہے اور یہ مقام تمام انبیاء علیہم السلام میں آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔

اس کی تفسیر میں اقوال مختلف ہیں، مگر صحیح وہ ہے جو احادیث صحیحہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، یہ مقام شفاعت کبریٰ کا ہے کہ میدانِ حشر میں جس وقت تمام بنی آدم جمع ہوں گے اور ہر نبی و پیغمبر سے شفاعت کی درخواست کریں گے تو تمام انبیاء علیہم السلام عذر کر دیں گے، صرف رسول اللہ ﷺ کو یہ شرف عطاء ہوگا کہ تمام بنی آدم کی شفاعت فرمادیں گے، جیسا کہ پیچھے حدیث نمبر: ۳۷۱۳ میں تفصیل سے گزرا ہے۔

یعنی۔ مقام محمود۔ شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے، جب کوئی پیغمبر نہ بول سکے گا تب آنحضرت ﷺ اللہ ﷻ سے عرض کر کے خلقت کو تکلیف سے چھڑائیں گے، اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ ﷺ کی حمد

(تعریف) ہوگی اور اللہ ﷻ بھی آپ کی تعریف کرے گا، گویا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوگا۔

۴۷۱۸۔ حدثنا اسماعیل بن ابان: حدثنا أبو الأحوص، عن آدم بن علي قال سمعت ابن عمر رضي الله عنهما يقول: ان الناس يصيرون يوم القيامة جثاء، كل أمة تتبع لبيها، يقولون: يا فلان اشفع، حتى تنتهي الشفاعة الى النبي ﷺ، فذلك يوم يبعثه الله المقام المحمود. [راجع: ۱۴۷۵]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کے گردہ در گردہ ہو جائیں گے اور ہر گردہ اپنے نبی کے پیچھے لگ جائے گا اور سب کہیں گے اپنے نبی سے اے حضور! ہماری سفارش کیجئے، مگر سب معذرت کریں گے، یہاں تک کہ سفارش نبی کریم ﷺ تک پہنچے گی، پس یہی وہ دن ہے جس دن اللہ ﷻ حضور اقدس ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔

۴۷۱۹۔ حدثنا علي بن عياش: حدثنا شعيب بن أبي حمزة، عن محمد بن المنكدر، عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما: ان رسول الله ﷺ قال: ((من قال حين يسمع النداء: أَللّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ السَّاعَةُ النَّائِمَةُ وَالصَّلَاةُ الْقَائِمَةُ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ، حلت له شفاعتي يوم القيامة)).

رواہ حمزہ بن عبد اللہ، عن ابيہ عن النبی ﷺ. [راجع: ۶۱۴]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے:

”اے اللہ اس کامل پکار کے رب اور قائم ہونے والی نماز کے رب محمد کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور اس مقام محمود پر کھڑا کر جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے۔“

تو اس شخص کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔

(۱۲) باب: ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ [۸۱]

باب: ”اور کہو کہ: حق آن پہنچا، اور باطل مٹ گیا۔“

﴿يَزْهَقُ﴾: بھلک۔

ترجمہ: ”ہنّٰہُفّی“ بمعنی ہلاک ہونا۔

حق کی برتری اور باطل کا سرنگوں کا خدائی اعلان

یہ آیت ہجرت کے بعد فتح مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، درج ذیل حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساتھ بتوں کے مجسمے کھڑے ہوئے تھے۔

بعض علماء نے اس خاص تعداد کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مشرکین مکہ سال بھر کے دنوں میں ہر دن کا بت الگ رکھتے تھے اور اس دن میں اس کی پرستش کرتے تھے۔ ۱۱

جب آپ ﷺ وہاں پہنچے تو یہ آیت آپ کی زبان مبارک پر تھی اور آپ اپنی چھڑی سے ایک ایک بت کے سینے پر مارتے جاتے تھے، جب آنحضرت ﷺ کسی بت کے سینے پر اس کو مارتے تھے تو وہ الٹ کر گر جاتا تھا، یہاں تک کہ یہ سب بت گر گئے اور آپ ﷺ نے ان کے توڑنے کا حکم دیدیا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کسی بت کے سامنے سے تشریف لے جاتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے جس سے وہ خود ہی اوندھے منہ گر پڑتا یہاں تک کہ سارے بت گر گئے۔ ۱۲

شُرک و کفر اور باطل کی رسوم و نشانات کا مٹانا واجب ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین کے بت اور

۱۱ قال علماءنا: إنما كانت بهذا العدد لأنهم كانوا يعظمون في يوم صنما ويعصون أعظمها يومين. تفسیر القرطبی،

ج: ۱۰، ص: ۳۱۴

۱۲ قوله: ((بعود في يده ويقول: جاء الحق))، في حديث أبي هريرة عند مسلم ((حينه بسية القوس)) وفي حديث ابن

عمر عند الفاكهي وصححه ابن حبان ((فيلقط الصنم ولا يمسه))، وللفاكهي والطبرانی من حديث ابن عباس ((فلم

سقط ولن استقبله الا سقط لقاءه، مع أنها كانت تابعة بالأرض، ولقد قد لهم اهلهم أقدامها بالرمح))، وفعل النبي ﷺ

ذلك لإزالة الأصنام وعابديها، ولاظهار أنها لا تنفع ولا تضر، ولا تنفع من نفسها شيئا... عند ابن أبي شيبة من حديث

جابر بن عمر بن مسعود وفيه ((فاسر بها فكبت لوجوهها))، فتح الباری، ج: ۸، ص: ۱۷۰، وحمد القاری، ج: ۱،

دوسرے مشرکانہ نشانات کو مٹانا واجب ہے اور تمام وہ آلات جن کا مصرف صرف معصیت ہو ان کا مٹانا بھی اسی حکم میں ہے۔

ابن منذر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تصویریں اور مجسمے جو کڑی پیتل وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں وہ بھی بتوں ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پردے کو پھاڑ ڈالا جس پر تصویریں نقش و رنگ سے بنائی گئی تھیں۔ اس سے عام تصویر کا حکم معلوم ہو گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں تشریف لائیں گے تو صحیح حدیث کے مطابق صلیبوں کے توڑیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے۔

یہ سب امور اس کی دلیل ہیں کہ شرک و کفر اور باطل کے آلات کو توڑنا اور ضائع کرنا واجب ہے۔ ۳۷

۴۷۲۰۔ حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان، عن أبي جريح، عن مجاهد، عن أبي معمر،

عن عبد الله بن مسعود ؓ قال: دخل رسول الله ﷺ مكة وحول البيت ستون وثلاثمائة رصب فجعل يطعن بها بعدو لي يده ويقول: ((جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا)). جاء الحق وما يبدئ الباطل وما يعيد)). [راجع: ۷۸: ۲۳]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے اس وقت بیت اللہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے، آپ ﷺ ایک چھڑی سے، جو آپ کے دست مبارک میں تھی مارتے جاتے اور فرماتے جاتے ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو نہ کسی چیز کو شروع کر سکتا ہے اور بعد نہ لوٹا سکتا ہے۔

(۱۳) باب: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ﴾ [۸۵]

باب: ”اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے رُوح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔“

۳۱۔ في هذه الآية دليل على كسر نصب المشركين وجميع الأوثان إذا هلب عليهم، ويخل بالمعنى كسر آلة الباطل كله، وما لا يصلح إلا لمعصية الله كالطناير والميدان والمزامير التي لا معنى لها إلا اللهو بها عن ذكر الله تعالى. قال ابن المنذر: وفي معنى الأصنام الصور المتخذة من المدر والعشب وحشها، وكل ما يخله الناس مما لا منفعة فيه إلا اللهو المنهي عنه. ولا يجوز بيع شيء منه إلا الأصنام التي تكون من الذهب والفضة والحديد والرصاص، إذا هربت عما هي عليه وصارت نفرا أو طعاما في جوف بها والشراء بها. تفسير القرطبي، ج: ۱۰، ص: ۳۱۴، وجملة القاري، ج: ۱۹، ص: ۵۱

۴۷۲۱۔ حدثنا عمرو بن حفص بن غياث: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش قال: حدثني إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله بن مسعود قال: بينا أنا مع النبي ﷺ في حرث وهو يتكلم على عسيب الأمر اليهود فقال بعضهم لبعض: سلوه عن الروح، فقال: ما رأيكم اليه، وقال بعضهم: لا يستقبلكم بشئ تكرهونه، فقالوا: سلوه، فسأله عن الروح، فامسك النبي ﷺ فلم يرد عليهم شيئاً، فعلمت أنه يوحى إليه. فقلت مقامي، فلما نزل الوحي قال: ((وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا)) (راجع: ۱۵۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک کھیت میں تھا اور حضور اقدس ﷺ کھجور کی چھڑی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، کچھ یہود اس طرف سے گذرے ان میں سے ایک یہودی نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا کہ ان سے (نبی کریم ﷺ) روح کے متعلق پوچھو، اس پر ان میں سے کسی نے کہا تمہارا ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور بعض نے کہا ایسی بات نہ کہو کہ وہ پھر تمہارے سامنے ایسی باتیں لے آئیں جو تم کو ناگوار گزریں، پھر ان سب یہودیوں نے کہا کہ چلو پوچھو، چنانچہ ان لوگوں نے روح کے متعلق پوچھا۔ نبی کریم ﷺ کچھ دیر خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا، تو میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ چنانچہ میں اپنی جگہ کھڑا رہا، جب وحی نازل ہو چکی تو آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں علم تو تھوڑا ہی دیا گیا ہے۔“

روح کی حقیقت

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کا امتحان لینے کے لئے یہ سوال کیا تھا کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، اور جواب میں اتنی ہی بات بیان فرمائی گئی ہے جو انسان کی سمجھ میں آسکتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ روح کی پیدائش براہ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی ہے۔ انسان کے جسم اور دوسری مخلوقات میں تو یہ بات مشاہدے میں آجاتی ہے کہ انکی پیدائش میں کچھ ظاہری اسباب کا دخل ہوتا ہے مثلاً نرم مادہ کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن روح ایسی چیز ہے جس کی تخلیق کا کوئی عمل انسان کے مشاہدہ میں نہیں آتا۔ یہ براہ

راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آتی ہے۔

اس سے زیادہ روح کی حقیقت کو سمجھنا انسانی عقل کے بس میں نہیں ہے۔ اس لئے یہ فرما دیا کہ تمہیں بہت تھوڑا علم عطا کیا گیا ہے، اور یہ بہت سی چیزیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔

ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں

امام بصاص رحمہ اللہ نے اس جواب سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مفتی اور عالم کے ذمہ یہ ضروری نہیں ہے کہ سائل کے ہر سوال اور اس کی ہر شق کا جواب ضرور دے بلکہ دینی مصالح پر نظر رکھ کر جواب دینا چاہئے۔ جو جواب مخاطب کے فہم سے بالاتر ہو یا اس کے غلط فہمی میں پڑ جانے کا خطرہ ہو تو اس کا جواب نہیں دینا چاہئے۔ اسی طرح بے ضرورت یا لایعنی سوالات کا جواب بھی نہیں دینا چاہئے، البتہ جس شخص کو کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس کے متعلق اس کو کچھ عمل کرنا لازم ہے اور خود وہ عالم نہیں تو مفتی اور عالم کو اپنے علم کے مطابق اس کا جواب دینا ضروری ہے۔ ۳۱

(۱۴) باب: ﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَالِثُ بِهَا﴾ [۱۱۰]

باب: ”اور تم اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے پڑھو، اور نہ بہت پست آواز سے۔“

آیت کا شان نزول

جب مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ نماز میں بلند آواز سے تلاوت قرآن فرماتے تو مشرکین تسخروا استہزاء کرتے اور قرآن اور جبرائیل امین اور خود اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخانہ باتیں کہتے تھے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، جس میں آپ ﷺ کو جہر و اخفاء میں میانہ روی اختیار کرنے کی

۳۱۔ ولقد دلت هذه الآية على جواز ترك جواب السائل عن بعض ما يسئل عنه لما فيه من المصلحة في استعمال الفكر والتدبر والاستعراج وهذا في السائل الذي يكون من أهل النظر واستعراج المعاني لما إن كان مستطعاً قد يلي بحادثة احتاج إلى معرفة حكمها وليس من أهل النظر فعلى العالم بحكمها أن يجيبه عنها بما هو حكم الله هذه. أحكام القرآن للجصاص، ج: ۵، ص: ۳۳، وفيه بطلان أنه يجب على القاضى والمفتى والمدرس تقديم الأسبق لاستحاطة بالسبق. عمدة القارى، ج: ۲، ص: ۱۰، مزيد تفصيل كيلئے! احکام فرمائیں: انعام الہاری شرح صحیح البخاری، ج: ۲، ص: ۵۹، کتاب العلم، رقم: ۵۹

تقین فرمائی کہ ضرورت تو اس درمیانہ آواز سے پوری ہو جاتی ہے اور زیادہ بلند آواز سے جو مشرکین کو موقع ایذا رسائی کا ملتا تھا اس سے نجات ہو۔

۴۷۲۲۔ حدثنا يعقوب بن ابراهيم: حدثنا هشيم: أخبرنا أبو بشر، عن سعيد بن جبیر، عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله تعالى: ﴿وَلَا تُجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَالِفُ بِهَا﴾ قال: نزلت ورسول الله ﷺ مخفي بمكة، كان إذا صلى بأصحابه رفع صوته بالقرآن فإذا سمع المشركون سبوا القرآن ومن النزل ومن جاء به، فقال الله تعالى لنبيه ﷺ: ﴿وَلَا تُجْهَرُ بِصَلَاتِكَ﴾: بقراءتك ليسمع المشركون ليسبوا القرآن، ﴿وَلَا تُخَالِفُ بِهَا﴾ عن أصحابك فلا تسمعهم ﴿وَاتَّبِعْ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾. [انظر: ۷۵۲۵، ۷۵۲۶، ۷۵۳۷] ۱۵

قرأت میں میانہ روی کا حکم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے متعلق بیان کیا کہ یہ آیت ﴿وَلَا تُجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَالِفُ بِهَا﴾ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں چھپ کر رہتے تھے، جب آپ اپنے صحابہ کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے، مشرکین جب قرآن کی آواز سنتے تو قرآن کو، اس کے نازل کرنے والے کو اور جس پر اتارا جا رہا تھا، ان سب کو برا بھلا کہتے تھے۔

اس پر اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿وَلَا تُجْهَرُ بِصَلَاتِكَ﴾ یعنی آپ کی قراءت کی آواز اتنی زیادہ بلند نہ ہو کہ مشرکین سن سکیں اور پھر قرآن کے بارے میں بکو اس کرنے لگیں، ﴿وَلَا تُخَالِفُ بِهَا﴾ اور نہ اتنی آہستہ ہو کہ آپ کے ساتھی بھی نہ سن سکیں، ﴿وَاتَّبِعْ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ بلکہ قرأت درمیانی آواز میں ہونی چاہئے۔

۱۵۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب التوسط في القراءة في الصلاة الجهرية بن والاسرار، اذا خاف من الجهر مفسدة، رقم: ۴۴۲، وسنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب من رأى الجهر بسم الله الخ، رقم: ۲۴۵، وأبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة بني اسرائيل، رقم: ۳۱۴۵، ۳۱۴۹، وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، قوله عز وجل ﴿وَلَا تُجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَالِفُ بِهَا﴾، رقم: ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، أول مسند عمر بن الخطاب ؓ، رقم: ۱۰۵۵، ومن مسند بني هاشم، مسند عبد الله بن عباس بن عبد المطلب عن النبي ﷺ، رقم: ۱۸۵۳

(۱۸) سورة الكهف

سورة کہف کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

سورت کی وجہ تسمیہ اور مرکزی موضوعات

حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سورت کا شان نزول یہ نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ کے کچھ سرداروں نے دو آدمی مدینہ منورہ کے یہودی علماء کے پاس یہ معلوم کرنے کیلئے بھیجے کہ تورات اور انجیل کے یہ علماء آنحضرت ﷺ کے دعوائے نبوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ یہودی علماء نے ان سے کہا کہ آپ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے تین سوالات کیجئے، اگر وہ ان کا صحیح جواب دیدیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ واقعی اللہ ﷻ کے نبی ہیں اور اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا نبوت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ ان نوجوانوں کا وہ عجیب واقعہ بیان کریں جو کسی زمانے میں شرک سے بچنے کے لئے اپنے شہر سے نکل کر کسی غار میں چھپ گئے تھے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ اُس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دنیا کا سفر کیا تھا۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ ان سے پوچھیں کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟

چنانچہ یہ دونوں شخص مکہ مکرمہ واپس آئے اور اپنی برادری کے لوگوں کو ساتھ لیکر انہوں نے آپ ﷺ سے یہ تین سوال پوچھے۔ تیسرے سوال کا جواب تو پچھلی سورت (۵۸: ۷۱) میں آچکا ہے۔

اور پہلے دو سوالات کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں غار میں چھپنے والے نوجوانوں کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے، انہی کو ”اصحاب کہف“ کہا جاتا ہے۔

”کہف“ عربی میں غار کو کہتے ہیں، اصحاب کہف کے معنی ہوئے غار والے اور اسی غار کے نام پر

سورت کو ”سورة الکھف“ کہا جاتا ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں سورت کے آخر میں ذوالقرنین کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جنہوں نے مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا۔ اس کے علاوہ اسی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے جس میں وہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تھے اور کچھ عرصہ انکی معیت میں سفر کیا تھا۔ یہ تین واقعات تو اس سورت کا مرکزی موضوع ہیں۔ ان کے علاوہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو خدا کا بیٹا قرار دے رکھا تھا، اس کی تردید بھی ہے اور حق کا انکار کرنے والوں کو وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں اور حق کے ماننے والوں کو نیک انجام کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔ ۱

سورہ کہف کی خصوصیات اور فضائل

سورہ کہف کی تلاوت کے کئی فضائل احادیث میں آئے ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے سورہ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کر لیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ ۲

خاص طور پر احادیث میں جمعہ کے دن اس سورت کی تلاوت کی بڑی فضیلت آئی ہے، اور اسی لئے بزرگان دین کا معمول رہا ہے کہ وہ جمعہ کے دن اس کی تلاوت کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

وقال مجاهد: ﴿تَقْرِضُهُمْ﴾: تَرْكُهُمْ. ﴿وَكَانَ لَهُ قَمَرٌ﴾: ذَهَبٌ وَلُفْظَةٌ. وقال غيره: جماعة القَمَر. ﴿بَايَعُ﴾: مَهْلِكٌ. ﴿أَسْفَا﴾: لَدَمًا. ﴿الْكُهْفِ﴾: الْفَتْحُ فِي الْجَبَلِ. ﴿وَالرَّقِيمِ﴾: الْكِتَابُ. ﴿مَرْقُومٌ﴾: مَكْتُوبٌ مِنَ الرِّقْمِ. ﴿رَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾: الْهَمْنَاهُمْ صَبْرًا. ﴿لَوْلَا أَنْ رَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾. ﴿خَطَطًا﴾: الْهَرَاطَا.

الوصيد: الفناء، جمعه وصال ووصد. ويقال: الوصيد الباب، ﴿مَوْصِدَةً﴾ مطبقة، آصد الباب وأو صد. ﴿بَعَثْنَاهُمْ﴾: أَحْيَيْنَاهُمْ. ﴿أَزْكَى﴾: أَكْثَرُ، ويقال: أحل، ويقال: أكثر ريعا.

قال ابن عباس: ﴿أُكْلَهَا وَلَمْ تَظْلِمِ﴾: لَمْ تَنْقُصْ. وقال سعيد، عن ابن عباس: ﴿الرَّقِيمِ﴾: اللوح من رصاص. كتب عاملهم أسماء هم لم طرحه في خزانته.

۱ تفسیر الطبری، سورۃ الکہف، ج: ۱، ص: ۵۹۲، ۶۹۳

۲ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین ولفرها، باب فصل سورۃ الکہف وآیۃ الكرسی، رقم: ۲۵۷

﴿لَضَرَبَ اللَّهُ عَلَىٰ آذَانِهِمْ﴾ لناموا۔ وقال غیرہ: والت نثل: تنجو۔ ولال مجاہد:
﴿مَوْنًا﴾: محروا۔ ﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا﴾: لا يعلقون۔

ترجمہ و تشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”تَفَرُّضُهُمْ“ کے معنی ہیں ”تترکھم“ یعنی انکو چھوڑ دیتی ہے، ان سے کترا جاتی ہے۔

”وَكَانَ لَهُ قَمَرٌ“ کے معنی ہیں سونا اور چاندی یعنی مال اور مجاہد رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرے یعنی قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”قَمَرٌ“ ثاء و میم کے ضمہ کے ساتھ، یہ جمع ہے ”قَمَر“ کی، یعنی ثاء کے فتح کے ساتھ۔
حضرت مجاہد سے منقول ہے کہ ”قَمَرٌ“ بمعنی اموال، سونا چاندی اور ”قَمَرٌ“ بمعنی پھل ہے۔
”بَاخِعٌ“ یعنی ہلاک کرنے والا ہے۔

”أَسْفًا“ بمعنی ”ندما“ یعنی ندامت کے ہے، اور یہ تفسیر حضرت ابو عبید رحمہ اللہ کی ہے، لیکن حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ”أَسْفًا“ بمعنی ”حزنا“ یعنی غم کے ہے۔

”الْكَهْفِ“ کے معنی ہیں پہاڑ میں کھوہ، غار۔

”الرِّقِيمِ“ بمعنی ”الکتاب“ یعنی لکھا ہوا۔

”مَرْفُومٌ“ اسم مفعول ہے ”رَفَمَ“ سے، جس کے معنی ہیں لکھی ہوئی دستاویز لکھا ہوا دفتر۔

﴿رَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ﴾ کے معنی ہیں ہم نے ان پر صبر کا الہام کیا یعنی ان کے دلوں کو مضبوط کیا۔

﴿لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ﴾ سورہ قصص کی یہ آیت بھی اسی معنی میں ہے۔

”قَطَطًا“ کے معنی ہیں افراط یعنی حد سے تجاوز کرنا، بے جا اور غلط کہنا۔

”الرَّصِيدُ“ کے معنی ہیں ”الْفِئَاءُ“ گھر کا مہن، دہلیز، اس کی جمع ”وَصَائِلٌ“ اور ”وُصْدٌ“ ہے اور

”رُصِيدٌ“ دروازہ کو بھی کہا جاتا ہے۔

”مُؤَصَّدَةٌ“ کے معنی ہیں بند کیا ہوا دروازہ۔ ”أَصْدُ الْبَابِ“ اور ”أَوْصَدُ الْبَابِ“ کے معنی ہیں دروازہ

کو بند کر دیا۔ یہ سورہ ہمزہ میں ہے، مناسبت کی وجہ سے اس کو یہاں بیان کیا۔

”بَعَثْنَاهُمْ“ کے معنی ہیں ہم نے انکو زندہ کیا مراد یہ ہے کہ نیند سے اٹھایا، بیدار کیا۔

”أَزْكًى“ بمعنی ”أَكْثَرُ“ ہے یعنی جو شہروں والوں کی اکثر خوراک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے ”أَزْكًى“ کی تفسیر ”أَحْلَ“ منقول ہے یعنی

جو حلال ترکھانا ہو وہ لائے۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ ”ازکی“ کے معنی ہیں جو کھانا زیادہ سہرا ہو، خوب پک کر بڑھ گیا ہو۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”اُتْخَلَّهَا وَلَمْ تَغْلِمِ“ کے معنی ہیں اسکا پھل اور اس میں کچھ کمی نہیں کی، گھٹایا نہیں۔

آیت میں ”رَقِیمَ“ سے کیا مراد ہے؟

مفسرین کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ”الرَقِیمَ“ سیسے کی ایک ٹیچی ہے، جس پر ان کے حاکم ربادشاہ وقت نے اصحاب کہف کے نام لکھ کر اپنے خزانہ میں ڈال دیا تھا۔ اسی وجہ سے اصحاب کہف کو اصحاب الرقیم بھی کہا جاتا ہے۔

﴿فَضْرَبَ اللَّهُ عَلَى آذَانِهِمْ﴾ بمعنی ”لناموا“ کے معنی ہیں اللہ ﷻ نے ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا، پس وہ سو گئے دراصل غفلت کی نیند کو ان الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ نیند کے وقت سب سے پہلے آنکھ بند ہوتی ہے، مگر کان اپنے کام کرتے ہیں، آواز سنائی سنائی دیتی ہے، جب نیند مکمل اور غالب ہو جاتی ہے تو کان بھی اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسرے لوگوں نے ”مَوْیِلًا“ اسم ظرف کے بارے میں کہا کہ ”والت تئل“ از باب ”ضرب یضرب۔ وال تئل“ بمعنی ”تسجو“ یعنی نجات پانے کے ہے، پس ”موفل“ کے معنی ہوئے پناہ کی جگہ۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ”مَوْیِلًا“ بمعنی ”محورًا“ یعنی حفاظت کی جگہ، محفوظ مقام۔

﴿لَا يَسْتَعْطِفُونَ سَمْعًا﴾ کے معنی ہی عقل نہیں رکھتے ہیں کہ غور و فکر کر کے ایمان لے آئیں۔

یہ تفسیر باللازم ہے، کیونکہ عقل کے یہی دو آلے ہیں سمع و بصر، جب آنکھوں پر پردہ اور کان بہرے ہوں تو عقل کیا کام کرے گی؟ تو یوں سمجھا جائے کہ ”عینہم“ سے عقل مراد ہیں۔

(۱) باب قوله: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ [۵۳]

اس ارشاد کا بیان: ”اور انسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر چیز سے بڑھ گیا ہے۔“

۳۷۲۴۔ حدثنا علی بن عبد اللہ: حدثنا یعقوب بن ابراہیم بن سعد: حدثنا ابی عن

صالح، عن ابن شہاب قال: أخبرنی علی بن حسین أن حسین بن علی أخبره عن علی ؑ:

آن رسول اللہ ﷺ طرقہ وفاطمہ، قال: ((ألا تصلیان؟)) [راجع: ۱۱۲۷]
 ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس
 تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تم دونوں (تہجد کی) نماز نہیں پڑھتے؟
 آیت اور حدیث کی تشریح و ربط کی تفصیل ”کتاب الصلاة“ میں گزر چکی ہے۔ ج
 ﴿رَجَمًا بِالْقَيْبِ﴾: لم یستبن، یقال: ﴿فُرْطًا﴾: ندما۔ ﴿سُرَادِقُهَا﴾ مثل السرادق،
 والحجرة التي تطيف بالفساطيط۔ ﴿يُحَاوِرُهُ﴾ من المحاورۃ۔
 ﴿لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبُّنَا﴾ ای لکن انا هو اللہ ربی، لم حذف الالف وادغم احدى النولين
 فی الاخری۔ ﴿وَفَجَّرْنَا خِلَالَ لَهْمَانِهَرَا﴾ نقول بينهما نهرا۔ ﴿زَلْفًا﴾: لا یثبت لیه قدم۔
 ﴿مُنَالِكَ الْوَلَايَةِ﴾: مصدر الولی ولاء۔ ﴿عُقْبًا﴾: عاقبة، وعقبی وعقبۃ واحد
 وهی الآخرة۔ ﴿قَبْلًا﴾ قَبْلًا وَقَبْلًا: استینافا۔ ﴿لِيُدْحِضُوا﴾: لیزیلوا، الدحض: الزلق۔

ترجمہ و تشریح

﴿رَجَمًا بِالْقَيْبِ﴾ بمعنی ”لم یستبن“ یعنی حقیقت ظاہر نہیں ہوئی، ان کو کچھ علم نہیں کہ اصحاب کہف
 کتنے تھے، صرف بن دیکھے اٹکل چلاتے ہیں، صرف خیال و گمان پر بات پھینکتا ہے۔
 ”فُرْطًا“ کے معنی ہیں ”ندما“ یعنی ندامت، شرمندگی اور اس کے اصل معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا۔
 ”سُرَادِقُهَا“ اس کی مثال ایسی ہے جیسے چاروں طرف پردہ کی غرض سے قاتیں لگاتے ہیں یعنی
 شامیانہ کی طرح ہے، اور اسی طرح اس حجرہ کی طرح ہے جس کو چاروں طرف سے خیموں سے گھیر دے۔
 دراصل ”سرادق“ ہر وہ چیز جو کسی شئی کا احاطہ کئے ہوئے ہو خواہ چار دیواری ہو یا شامیانہ یا خیمہ وہ
 ”سرادق“ ہے جمع ”سرادقات“۔
 ”يُحَاوِرُهُ“ محاورہ سے مشتق ہے یعنی باتیں گفتگو کرنا۔
 ﴿لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبُّنَا﴾ یہ اصل میں ”لکن انا هو اللہ ربی“ تھا پھر ”انا“ کا ہمزہ حذف کر کے نون
 کو نون میں ادغام کر دیا ”لَكِنَّا“ ہو گیا۔

۳ عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۶۰ - ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۳، ص: ۳۰۳، کتاب التہجد، باب تعریض

النبی ﷺ علی قیام اللیل والنوافل من غیر اہتاج، رقم: ۱۱۲۷

﴿وَلَجَزْنَا خِلًا لَهُمَا نَهْرًا﴾ یعنی ان دونوں باغات کے درمیان نہر تھی۔

”زَلَقًا“ ایسا صاف چکنا کہ جس پر قدم نہ ٹھرے بلکہ پھسل جائے۔

﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ﴾ اس آیت میں ”ولایۃ“ کا مصدر ہے ”ولی“۔ جو دو نصرت کیلئے آتا ہے۔

”عُقْبًا“ بمعنی ”عاقبۃ“ اور یہ عاقبت کے معنی میں ہے، ان سب کا معنی ایک ہی ہے آخرت، انجام۔

”قُبْلًا“ اور ”قَبْلًا وَقَبْلًا“ تینوں کے معنی ایک ہی ہیں ”استینافا“ استقبال یعنی سامنے آنا، مقصد یہ

ہے کہ ہر قرأت پر معنی ایک ہیں۔

”لِيُدْحِضُوا“ بمعنی ”لِيزِيلُوا“ یعنی تاکہ زائل کر دیں، اس کا مادہ ”دحض“ ہے، جس کے معنی

باب فتح یفتح سے پھسلنے آتے ہیں اور باب افعال سے ”الزلق“ زائل کرنے کے معنی ہیں۔

(۲) باب قوله: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ

أَمْضِيَ حُقْبًا﴾ [۶۰]

اس ارشاد کا بیان: ”اور (اُس وقت کا ذکر سنو) جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا

تھا کہ: میں اُس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ

برسوں چلتا رہوں گا۔“

زمانا و جمعه احقاب۔

ترجمہ: ”حُقْبًا“ کے معنی طویل زمانہ، اور اسکی جمع ”احقاب“ آتی ہے۔

۴۷۲۵۔ حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان، حدثنا عمرو بن دینار قال: أخبرني

سعيد بن جبیر قال: قلت لابن عباس: ان لولا البکالی یزعم ان موسى صاحب الخضر

لیس هو موسى صاحب بنی اسرائیل، فقال ابن عباس: کذب عدو الله، حدثني ابي بن كعب

انه سمع رسول الله ﷺ يقول: ((ان موسى قام خطيبا في بنی اسرائیل، فسنل: أي الناس

أعلم؟ فقال: أنا، فعتب الله عليه اذ لم یرد العلم اليه. فأوحى الله اليه ان لی عبدا بمجمع

البحرین هو أعلم منك. قال موسى: یارب فکیف لی به؟ قال: تأخذ معک حوتا فتجعله

فی مکتل فحیثما فقدت الحوت فهو لم فأضرحوتا فجعله فی مکتل ثم الطلق والطلق معه

بفتاه یوشع بن نون حتی اذا اتینا الصخرة وضعا رؤوسهما فناما، واضطرب الحوت فی

المکمل فخرج منه فسقط فی البحر ﴿فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ وامسک الله عن الحوت جریة الماء فصار علیه مثل الطاق. فلما استيقظ لسی صاحبه أن یخبره بالحوت فالتفقا بقية يومهما وليلتهما حتى اذا كان من الغد قال موسى لفتهاه: ﴿آيِنَا غَدَاءٌ لَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا﴾ قال: ولم يجد موسى النصب حتى جاوزا المكان الذى امر الله به. فقال له لفتهاه: ﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِی الْبَحْرِ عَجَبًا﴾ قال: فكان للحوت سرها وللموسى ولفتهاه عجا. فقال موسى: ﴿ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي فَاذْتَدَا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ قال: رجعا بقصان آثارهما حتى انتهيا الى الصخرة فإذا رجل مسجى ثوبا، فسلم عليه موسى فقال الخضر: وألى بأرضك السلام؟ قال: أيا موسى، قال: موسى بنى اسرائيل؟ قال: نعم أيتك لتعلمنى مما علمت رشداً، قال: ﴿إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ يا موسى الى على علم من علم الله علمنه لاتعلمه أنت، وأنت على علم من علم الله علمك الله لا أعلمه، فقال موسى: ﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا﴾ فقال له الخضر: فان اتبعنى فلا تسألنى عن شىء حتى أحدث لك منه ذكرا. فالتفقا يمشيان على ساحل البحر. فمرت سفينة فكلموهم أن يحملوهم فعرفوا الخضر فحملوه بغير نول، فلما ركبا فى السفينة لم يفجا إلا والخضر قد قلع لوحا من ألواح السفينة بالقدوم. فقال له موسى: قوم حملونا بغير نول عمدت الى سفينتهم فخرقتها لتغرق أهلها لقد جئت شيئا امرا. قال: ﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ قال: ﴿لَا تُؤْخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ قال: وقال رسول الله ﷺ: ((وكانت الزولى من موسى لسيانا. قال: وجاء عصفور فوقع على حرف السفينة فنقر فى البحر نقرة. فقال له الخضر: ما علمى وعلمك من علم الله الامثل ما نقص هذا العصفور من هذا البحر، ثم خعجا من السفينة. فبينما هما يمشيان على الساحل إذ بصر الخضر غلاما يلعب من الغلمان، فآخذ الخضر رأسه بيده فالتعه بيده فقتله. فقال له موسى: ﴿أَقْبَلْتُ نَفْسًا زَكِيَّةً - بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتُ شَيْئًا تُكْرَهُ﴾ قال: ﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ قال: وهذا أشد من الأولى قال: ﴿إِنْ سَأَلْتَكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَذَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا﴾ فالتفقا حتى اذا أتيا أهل قرية استطعما أهلها فأبوا أن يضيفواهما فوجدا فيها جدارا يربد أن ينفض - قال: مائل - فقام الخضر فأقامه بيده، فقال موسى: قوم آتيناكم فلم يطعمونا ولم

بضیفونا لوشت لاتخذت علیه اجراء، قال: ﴿هَذَا لِإِثْنَيْ بَيْنِي وَبَيْنِكَ﴾ الی قوله: ﴿ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ فقال رسول الله ﷺ: ((وددنا أن موسى كان صبر حتى یقصر الله علينا من خبرهما)).

قال سعید بن جبیر: لکان ابن عباس یقرأ (وکان امامهم ملک یاخذ کل سفینة صالحة غصبا) وکان یقرأ (وأما العلام لکان کافرا وکان ابواه مؤمنین). [راجع: ۷۴]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف بکالی کہتے ہیں کہ جو موسیٰ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھی تھے، وہ نبی اسرائیل کے صاحب رسول نہ تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، مجھ سے صحابی رسول حضرت ابی بن کعب علیہ السلام نے بیان کیا کہ، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے وعظ کرنے کیلئے کھڑے ہوئے تو ان سے پوچھا گیا لوگوں میں بڑا عالم کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں بڑا عالم ہوں۔

اس پر اللہ ﷻ نے ان پر عتاب فرمایا، کیونکہ انہوں نے علم کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا (یعنی انہوں نے یوں نہیں کہا۔ اللہ اعلم) پھر اللہ ﷻ نے ان پر وحی بھیجی کہ میرا ایک بندہ ہے دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پر ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب! میں ان تک کیسے پہنچوں؟ فرمایا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی لے لو اور اسکو ایک تھیلے میں رکھ لو، پس جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ بندہ وہیں ملے گا۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مچھلی لی اور تھیلے میں رکھا اور روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ ایک نوجوان یوشع بن نون علیہ السلام بھی چلے، یہاں تک کہ جب یہ دونوں حضرات ایک چٹان کے پاس پہنچے تو دونوں سر رکھ کر سو گئے، اور اس جگہ مچھلی تھیلے میں پھڑ پھڑائی پھر نکل کر سمندر میں چلی گئی۔

﴿لَاتَخَذْ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾

پس اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنالیا۔

اور اللہ ﷻ نے پانی کی روانی کو روک دیا جہاں یہ مچھلی گئی تھی، چنانچہ وہ ایک طاق سا ہو گیا۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو ان کے ساتھی مچھلی کے متعلق ان کو بتانا بھول گئے، اس لئے دن اور رات کا جو حصہ باقی تھا دونوں چلتے رہے، یہاں تک کہ جب صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس نوجوان سے کہا:

﴿آتَيْنَا غَدَاءَنا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا﴾

ہمارا ناشتہ لاؤ، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس میں سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہو گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت تک نہیں تھکے تھے جب تک وہ اس مقام سے آگے نہ بڑھ گئے جس کا اللہ جل جلالہ نے حکم فرمایا دیا تھا۔ تو اب اس نوجوان (یوشع بن نون علیہ السلام) نے کہا:

﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوْنَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ
الْحُوتَ وَمَا أَنَسَيْنَاهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ
وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا﴾

بھلا بتائیے! (عجیب قصہ ہو گیا) جب ہم اُس چٹان پر
ٹھہرے تھے تو میں مچھلی (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔
اور شیطان کے سوا کوئی نہیں ہے جس نے مجھ سے اس کا
تذکرہ کرنا بھلایا ہو۔ اور اُس مچھلی نے تو بڑے عجیب
طریقے سے دریا میں اپنی راہ لی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا مچھلی نے تو اپنا راستہ لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کو یہ دیکھ کر تعجب
ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي لَازِلًا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا﴾
اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی۔ چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے
نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ دونوں حضرات اپنے قدموں کے نشانات کو ڈھونڈتے ہوئے واپس
لوٹے، یہاں تک کہ پھر اسی چٹان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی (حضرت خضر علیہ السلام) چادر اوڑھے ہوئے
موجود ہیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے اٹھ کر کہا میری سرزمین میں
سلام کہاں سے آگیا؟ (یعنی تم کون ہو؟) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا بنی
اسرائیل کے موسیٰ؟ آپ نے فرمایا جی ہاں، میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ جو ہدایت کا علم آپ کے
پاس ہے وہ مجھے بھی سکھا دیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

﴿إِنَّكَ لَنْ تَسْعِيَتَ مَعِيَ صَبْرًا﴾

مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے۔

اے موسیٰ! بات یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے مجھے ایک علم دیا ہے جو تمہارے کو نہیں دیا گیا ہے، اسی طرح آپ کو
اللہ جل جلالہ کی طرف سے ایک علم ملا ہے، جس کو میں نہیں جانتا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿مَسْجُلَيْنِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا﴾

ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اگر آپ میرے ساتھ چلیں تو کسی چیز کے متعلق سوال نہ کریں یہاں تک کہ میں خود آپ کو اس کے متعلق بتا دوں گا۔

اب دونوں روانہ ہوئے اور سمندر کے کنارے چلنے لگے، اتنے میں ایک کشتی گذری انہوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ انہیں بھی کشتی میں سوار کر لیں، تو کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور کسی کرایہ کے بغیر انہیں سوار کر لیا۔ جب دونوں حضرات کشتی میں بیٹھ گئے تو کچھ دیر نہ گذری تھی کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کلباڑے سے کشتی کا ایک تختہ نکال ڈالا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ ان لوگوں نے ہمیں بغیر کسی کرایہ کے سوار کر لیا اور آپ نے ان ہی کی کشتی چیر ڈالی تاکہ سارے کشتی والے ڈوب جائیں، بلاشبہ آپ نے یہ بڑا ناگوار کام کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی بات سن کر کہا:

﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾

کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُزِهِنِي مِنَ أَمْرِي غُرْبًا﴾

مجھ سے جو بھول ہوگئی، اس پر میری گرفت نہ کیجئے، اور میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنائیے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پہلی مرتبہ کا اعتراض حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھول کر ہی تھا۔ پھر فرمایا کہ اتنے میں ایک چڑیا آئی اور اس نے کشتی کے ایک کنارے بیٹھ کر سمندر میں ایک مرتبہ چونچ ماری تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا میرا علم اور آپ کا علم اللہ جل جلالہ کے علم کے سامنے بس اتنا ہی ہے جتنا اس چڑیا نے اس سمندر سے کم کیا ہے، پھر دونوں حضرات کشتی سے اتر گئے۔

ابھی وہ دونوں ساحل سمندر پر چل ہی رہے تھے کہ خضر علیہ السلام نے ایک بچہ کو دیکھا جو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے اس بچہ کا سراپہ ہاتھ سے پکڑا اور اسے اپنے ہاتھ سے اکھاڑ کر اس کی جان لے لی۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿أَفَلَيْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا

نُکْرَأُ

ارے کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو ہلاک کر دیا۔ جبکہ
اُس نے کسی کی جان نہیں لی تھی جس کا بدلے اُس سے لیا
جائے؟ یہ تو آپ نے بہت ہی بُرا کام کیا!

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

﴿أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾

کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہنے
پر صبر نہیں کر سکیں گے؟

(راوی سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ یہ پہلے کلام سے زیادہ سخت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ
بَلَغْتَ مِن لَّدُنِّي عُذْرًا﴾

اگر اب میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ مجھے اپنے
ساتھ نہ رکھئے، یقیناً آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ
گئے ہیں۔

پھر دونوں روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا مانگا تو ان لوگوں
نے مہمان بنانے سے انکار کیا، پھر دونوں نے دیکھا کہ اس گاؤں میں ایک دیوار ہے جو بس گرنے کی جانب مائل
تھی، حضرت خضر علیہ السلام کھڑے ہو گئے اور دیوار اپنے ہاتھ سے سیدھی کر دی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ لوگ
ایسے ہیں کہ ہم ان لوگوں کے پاس آئے مگر ان لوگوں نے نہ ہم کو کھانا کھلایا اور نہ ہماری ضیافت کی اگر آپ
چاہتے تو دیوار کے اس سیدھا کرنے پر اجرت لے سکتے تھے، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا:

﴿هَذَا لِإِثْقَانِي وَنَبِيكَ﴾

لیجئے میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا ہے۔

(مذکورہ آیت سے لیکر درج ذیل آیت تک۔)

﴿ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾

یہ تھا مقصد ان باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تو چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا ہوتا تاکہ اللہ تعالیٰ ان
کے واقعات ہم سے بیان کرتا۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب اس آیت کی تلاوت کرتے تھے (جس میں حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے کاموں کی وجہ بیان کی ہے کہ) ، تو یہ کہتے تھے کہ کشتی والوں کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر اچھی کشتی کو چھین لیا کرتا تھا، اور یہ بھی کہتے تھے کہ اور وہ غلام نو عمر لڑکا تو وہ کافر تھا اور اسکے والدین مومن تھے۔

(۳) باب قوله: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي

الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ [۶۱]

اس ارشاد کا بیان: ”چنانچہ جب وہ سنگم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنا لیا۔“

مذہب، سرب: ہسلک، ومنہ: ﴿وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾.

ترجمہ: ”سَرَبًا“، بمعنی ”مذہباً“ چلنے کی جگہ، راستہ۔ ”سرب: ہسلک“ وہ چلتا ہے، اور اسی سے سورۃ الرعد کی یہ آیت ہے ﴿وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾۔

۴۷۲۶۔ حدثنا ابراهيم بن موسى: اخبرنا هشام بن يوسف: ان ابن جريج اخبرهم قال: اخبرني يعلى بن مسلم وعمر بن دينار، عن سعيد بن جبیر، یزید أحدہما علی صاحبہ وغیرہما قد سمعته یحدثہ عن سعید قال: أنا لعند ابن عباس فی بیتہ. إذ قال: سلونی، قلت: ای ابا عباس جعلنی اللہ لذاء ک بالکوفة رجلاً قاصداً یقال له: نوف، یزعم أنه ليس بموسی بنی اسرائیل، أما عمرو فقال لی: قال: قد کذب عدو اللہ. وأما یعلی فقال لی: قال ابن عباس: حدثنی أبی بن کعب قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((موسی رسول اللہ ﷺ، قال ذکر الناس یوما حتی إذا فاضت العیون ورقت القلوب، ولی فادرکہ رجل فقال: ای رسول اللہ، هل فی الأرض أحد أعلم منک؟ قال: لا، فعتب علیہ اذ لم یرد العلم الی اللہ. قيل: بلی، قال: ای رب، فاین؟ قال: بمجمع البحرین، قال: ای رب اجعل لی علماً أعلم ذلک منه))، فقال لی عمرو: قال: ((حيث يفارک الحوت))، وقال لی یعلی: ((قال: خذ حوتاً ميتاً حيث ینفخ فیہ الروح، فخذ حوتاً فجعله فی مکمل فقال لفتاه: لا اکلفک الا أن تخبرنی بحیث يفارک الحوت، قال: ما کلفت کثیراً فذلک قولہ جل ذکرہ:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ﴾، يوشع بن نون، ليست عن سعيد قال: فبينما هو في ظل صخرة في مكان ثريان اذ تضرب الحوت وموسى نائم، فقال فتاه: لا أوقظه حتى اذا استيقظ لنسى أن يخبره وتضرب الحوت حتى دخل البحر فامسك الله عنه جربة البحر حتى كان الره حجر- قال لي عمرو- هكذا كان أثره في حجر وحلق بين ابهاميه والتي تليا لهما ﴿لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا﴾ قال: قد قطع الله عنك النصب- ليست هذه عن سعيد- آخره فرجعا فوجدا خضرا- قال لي عثمان بن أبي سليمان- على طنفسة خضراء على كبد البحر- قال سعيد بن جبیر-: مسجى بثوبه: قد جعل طرفه تحت رجله وطرفه تحت رأسه فسلم عليه موسى فكشف عن وجهه وقال: هل بارضى من سلام؟ من أنت؟ قال: أنا موسى، قال: موسى بنى اسرائيل؟ قال: نعم، قال: فما شأنك؟ قال: جئت لتعلمنى مما علمت رشدا، قال: أما يكفيك أن التوراة بيديك وأن الروحى يأتيك يا موسى؟ ان لي علما لا ينبغي لك أن تعلمه وان لك علما لا ينبغي لى أن أعلمه. فأخذ طائر بمنقاره من البحر، وقال: والله ما علمى وما علمك في جنب علم الله إلا كما أخذ هذا الطائر بمنقاره من البحر، حتى اذاركبا في السفينة وجدا معاه صغارا تحمل أهل هذا الساحل الى أهل هذا الساحل الآخر عرفوه، فقالوا: عبد الله الصالح- قال: قلنا لسعيد: خضر؟ قال: نعم- لا لحمله بأجر فخرها وولد فيها وولد، قال موسى: ﴿أَخْرَجْتُهَا لِتُفَرِّقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتُ شَيْئًا إِمْرًا﴾- قال مجاهد: منكر- قال: ﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ كانت الأولى لسيان، والوسطى شرطاء، والثالثة عمدا. قال: ﴿لَا تُؤْخَذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِى عُسْرًا﴾ لقيا غلاما فقتله- قال يعلى: قال سعيد-: وجد غلاما يلعبون فأخذ غلاما كافرا ظريفا فأصعبه ثم ذبحه بالسكين. قال: ﴿أَقْتُلْتُ نَفْسًا رَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ لم تعمل بالحنث- وابن عباس قراها: رَكِيَّةٌ رَاكِيَةٌ مسلمة كفراك: غلاما زكيا، فانطلقا فوجد جدرا يريد أن ينقض فالامه- قال سعيد بيده هكذا- ورفع يدي فاستقام- قال يعلى: حسبت أن سعيدا قال: فمسحه بيده فاستقام ﴿لَوْ شِئْتُ لَاتَّخَذْتُ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾- قال سعيد: أجرا ناكله- ﴿وَكَانَ وَرَاءَهُ مُلْكٌ﴾ وكان أمامهم- قراها ابن عباس: أمامهم ملك. يزعمون عن غير سعيد أنه هدد بن بدد الغلام المقتول: يزعمون اسمه حيسور- ﴿مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا﴾ فاردت اذا هي مرت به أن يدعها لعيها. فاذا جاوزوا أصلحواها فانتفعوا بها- ومنهم من يقول: سدوها بقارورة، ومنهم من يقول: بالقار- وكان

اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے جانے کی وجہ سے پانی کو روک دیا، اور پانی میں ایک خاص نشان سرنگ کی طرح بن گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار نے یہ کہا تھا کہ وہ مچھلی پانی میں ایک سوراخ بنا کر چھوڑتی چلی گئی، اور پھر عمرو نے اپنے دونوں انگلیوں اور پاس والی انگلیوں سے حلقہ بنا کر بتایا۔

اس کے بعد یہ دونوں حضرات آگے چلے گئے، کچھ دور جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے سفر کی تھکن معلوم ہوتی ہے، یوشع نے کہا کہ اللہ نے آپ کی تھکن کو دور کر دیا، اس کے بعد یوشع نے کہا کہ مچھلی تو فلاں جگہ گم ہوگئی، اور میں آپ سے کہنا بھول گیا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لوٹ کر چٹان کے قریب آئے تو دیکھا کہ خضر علیہ السلام کھڑے ہیں، ابن جریج نے کہا کہ عثمان بن ابی سلیمان کا بیان ہے کہ آپ نے خضر علیہ السلام کو دریا میں سبز بستر پر بیٹھے دیکھا، سعید کہتے ہیں کہ کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، اور کپڑے کا ایک کنارہ پیروں تلے دبایا ہوا تھا، اور دوسرا کنارہ سر پر تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا، خضر علیہ السلام نے کہا کہ میرے ملک میں سلام کا طریقہ نہیں ہے، تم کون ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں، خضر علیہ السلام نے کہا کیا بنی اسرائیل کے موسیٰ ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا جی ہاں!

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا پھر یہاں کس کام کے لئے آئے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اس لئے کہ آپ مجھے اپنا علم سکھائیں، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کیا تورات اور وحی آپ کو کافی نہیں؟ اے موسیٰ میرا علم تم نہیں سیکھ سکتے، اور تمہارا علم میں نہیں سیکھ سکتا، حضرت خضر علیہ السلام یہ کہہ رہے تھے کہ ایک چڑیا نے دریا سے ایک چونچ پانی لیا، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا اے موسیٰ ہمارا اور تمہارا علم اللہ کے سامنے ایسا ہے جیسا وہ پانی جو اس پرندہ نے چونچ میں بھرا۔

پھر وہ ایک چھوٹی سی ناؤ میں سوار ہوئے، جو لوگوں کو ادھر سے ادھر لے جاتی تھی، کشتی والوں نے ان کو پہچان لیا، اور بلا اجرت کشتی میں بٹھا لیا، حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے ایک تختہ کو توڑ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ تو تم نے بہت برا کیا، اس سے تو کشتی والے ڈوب جائیں گے، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا دیکھو میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔

درحقیقت یہ پہلا اعتراض موسیٰ علیہ السلام نے بھولے سے کیا تھا، اور دوسری بار خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرط لگائی کہ اگر پھر ایسا ہوا، تو مجھے ساتھ نہ رکھنا، اور تیسرا اعتراض عدا کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، میں بھول گیا ہوں، بھول پر معاف کرنا چاہئے، اس کے بعد آگے بڑھے، ایک بچہ ملا، حضرت خضر علیہ السلام نے اسے مار ڈالا، اور گلا کاٹ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ تو تم نے بلا وجہ ایک خون کر ڈالا، بے گناہ کو مار ڈالا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت ﴿اَفَلَمْ تَرَ كَيْفَ جَعَلْنَا لَكَ ذَاكِمَةً﴾ کو دونوں طرح پڑھتے ہیں، ”ذاکمہ“ کے معنی اچھانیک مسلمان، جیسے کہتے ہیں ”غلاما زکما“۔

اس کے بعد دونوں ایک بستی میں پہنچے، ایک دیوار جو گرنے والی تھی، اور ٹیڑھی ہو رہی تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو ہاتھ لگا کر سیدھا کر دیا، سعید نے ہاتھ کا اشارہ کر کے بتایا، کہ دیوار کو اس طرح سیدھا کیا تھا، یعلیٰ کہتے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ سعید نے اسی طرح کہا تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار پر ہاتھ پھیرا تو وہ سیدھی ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا، اور کہا کہ اگر تم چاہتے، تو اس کی مزدوری لے سکتے تھے، اور اس میں کھانا پینا ہو سکتا تھا۔

اور ”وکان وراءهم“ کے معنی ”امامہم“ کے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسی طرح پڑھا ہے۔

ابن جریج نے کہا کہ سعید کے سوا دوسرے راویوں نے بادشاہ بد دین و بد بیان کیا ہے، اور وہ لڑکا جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے مار ڈالا تھا، اس کا نام جیسور تھا، کشتی توڑنے کی وجہ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ بتائی کہ وہ بادشاہ جو کہ دریا سے پار تھا، ظالم تھا، اور بیگاں میں کشتیاں پکڑتا تھا، اسے بیکار سمجھ کر چھوڑ دے گا، کشتی والے اسے ٹھیک کر کے کام چلائیں گے، بعض نے کہا کہ سیدہ گلا کر کشتی جوڑی اور بعض نے کہا کہ راکھ اور روغن سے جوڑا۔

وہ لڑکا کافر تھا، اور اس کے ماں باپ مومن تھے، مجھے یہ خیال ہوا کہ اس کی محبت والدین کو تباہ نہ کر دے، لہذا میں نے اس کو اس لئے مار ڈالا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے ماں باپ کو نیک اولاد عنایت فرمادے، جو اس سے ہر حالت میں نیک اور اچھا ہو۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کوئی نیک لڑکی عنایت کر دے، چنانچہ داؤد بن عامر کہتے ہیں کہ لڑکی ہی مراد ہے۔

تشریح

”والله ما علمى وما علمك فى جنب علم الله الا كما اخذ هذا الطائر بمنقاره من البحر“

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملے، حضرت خضر علیہ السلام نے آنے کا سبب پوچھا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آنے کا سبب بتلایا، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ اے موسیٰ! بلاشبہ اللہ جل جلالہ نے تمہاری تربیت فرمائی بات یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے ایک علم جزئیات کو نبیہ کا مجھ کو ملا ہے جو اتنی بہتات سے مجھ کو نہیں دیا گیا۔

اس کے بعد ایک چیز یاد کھا کر جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی، کہا کہ میرا، تمہارا بلکہ کل مخلوقات کا سارا علم

اللہ جلّ کے علم میں سے اتنا ہے جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کے منہ کو لگ گیا ہے۔
یہ بھی محض تفہیم کے لئے تھا ورنہ متناہی کو غیر متناہی سے قطرہ اور دریا کی نسبت بھی نہیں۔ ج

(۴) باب قوله: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا

نَصَبًا﴾ الی قوله: ﴿قَصَصًا﴾ [۶۲-۶۳]

اس ارشاد کا بیان: ”پھر جب دونوں آگے نکل گئے، تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ: ہمارا ناشتہ لاؤ، جی بات یہ ہے کہ ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہو گئی ہے۔“

صنعا: عملاً. حولاً: تحولاً ﴿قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبِغُ فَاذْتَدَا عَلٰی آثَارِهِمَا قَصَصًا﴾

[۶۴]. نَكْرًا: داهية. يَنْقُضُ: ينقض كما ينقض السن. لتخذت واتخذت واحد. ه
رُحِمَا مِنَ الرَّحِمِ وَهِيَ أَشَدُّ مَبَالِغَةً مِنَ الرَّحْمَةِ وَيُظَنُّ أَنَّهُ مِنَ الرَّحِيمِ. وَتَدْعِي مَكَّةَ أُمَّ
رَحِمٍ أَيْ الرَّحْمَةَ تَنْزِلُ بِهَا.

ترجمہ و تشریح

”صنعا“ بمعنی ”عملاً“ یعنی اچھا کام کرنے کے معنی میں ہے۔

”حولاً“ بمعنی ”تحولاً“ یعنی پھر جانا، واپس لوٹنا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ ﴿قَالَ ذَلِكَ

مَا كُنَّا نَبِغُ فَاذْتَدَا عَلٰی آثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی، چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔

”نَكْرًا“ بمعنی ”داهية“ یعنی بڑا معاملہ، عجیب بات۔

”يَنْقُضُ“ و ”ينقض“ دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی گرنے کے معنی ہیں، جیسے کہتے ہیں ”ينقض

السن“ یعنی دانت گر رہا ہے۔

”لتخذت“ میں ایک قرأت ”لتخذت۔ تخذت“ اور ”اتخذت“ از باب سح و افعال دونوں

کے معنی ایک ہیں یعنی لینا۔

”رُحْمَا“ ماخوذ ہے، ”رُحْم“ سے بمعنی رحمت و شفقت اور اس میں رحمت سے زیادہ مبالغہ ہے، اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ”رحیم“ سے ماخوذ ہے۔ مکہ کو ”اُمّ رحمة“ اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر اللہ ﷻ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

(۵) باب قوله تعالى: ﴿قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوْنَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ﴾ الى آخره

اس ارشاد کا بیان: ”اُس نے کہا: بھلا بتائیے! عجیب قصہ ہو گیا) جب ہم اُس چٹان پر

ٹھہرے تھے تو میں پھل (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔“

۴۷۲۷ - حدیثی قتیبہ بن سعید قال: حدیثی سفیان بن عیینہ، عن عمرو بن دینار، عن سعید بن جبیر قال: قلت لابن عباس: ان لولیا البکالی یزعم ان موسی نبی اللہ لیس بموسى الخضر، فقال: کذب عدو اللہ، حدیثنا ابی بن کعب، عن رسول اللہ ﷺ قال: ((قام موسی خطیبا فی بنی اسرائیل فقلیل له: ای الناس أعلم؟ قال: أنا، فعجب اللہ علیہ اذ لم یرد العلم الیہ، واوحی الیہ: بلی عبد من عبادی بمجمع البحرین هو أعلم منك. قال: ای رب، کیف السبیل الیہ؟ قال: تأخذ حوتا فی مکمل فحیثما فقدت الحوت فاتبعه. قال: فخرج موسی ومعه لفتاه یوسف بن نون ومعهما الحوت حتی انتهیا الی الصخرة فنزلا عندها. قال: فوضع موسی رأسه فنام. - قال سفیان: ولی حدیث غیر عمرو قال: ولی اصل الصخرة عین یقال لها: الحیاة، لا یصیب من مالها شیء الا حیى. فأصاب الحوت من ماء تلك العین - قال: فتحرك والسل من المکمل فدخل البحر فلما استعقظ موسی ﴿قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا هَذَا نَا﴾ الآية. قال: ولم یجد النصب حتی جاوز ما أمر به. قال له لفتاه یوسف بن نون: ﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوْنَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي لَسَمْتُ الْحُوتَ﴾ الآية، قال: فرجعا یقصان فی آثارهما فوجدنا فی البحر کالطایق ممر الحوت. فكان لفتاه عجباً وللحوت سرّاً، قال: فلما انتهیا الی الصخرة اذ هما برجل مسجی یثوب فسلم علیہ موسی، قال: وأنی بأرضک السلام. فقال: أنا موسی، قال: له الخضر: یا موسی انک علی علم من علم اللہ علمک اللہ لا أعلمه، وأنا علی علم من علم اللہ علمنیہ اللہ لا تعلمه. قال: بل اتبعک، قال: فان التبعنی فلا تسألنی عن شیء حتی أحدث لک منه ذکراً. فانطلقا

بمشیان علی الساحل فمرت بهما سفینة لعرف الخضر فحملوهم فی سفینتھم بغیر لول
 - بقول: بغیر اجر - فركبا السفینة. قال: ووقع عصفور علی حرف السفینة فھمس منقارہ
 فی البحر فقال الخضر لموسی: ما علمک و علمی و علم الخلائق فی علم اللہ إلا مقدار
 ما ھمس هذا العصفور منقارہ. قال: فلم یفجا موسی إذ عمد الخضر الی قدوم فخرق
 السفینة، فقال له موسی: قوم حملونا بغیر لول عمدت الی سفینھم ﴿فَعَرَفْتَهَا لِتُفْرِقَ
 أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ﴾، الآية. فانطلقا اذ ھما بعلام یلعب مع الغلمان. فأخذ الخضر برأسه
 فقطعہ. قال له موسی: ﴿أَقْتَلْتَ نَفْسًا رَّكِبَتْ بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ خَمِئًا نُّكْرًا. قَالَ أَلَمْ أَقُلْ
 إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ الی قوله: ﴿فَأَبْهَأَ أَنْ يَضِفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ
 يَنْقُطَ﴾ فقال بیدہ هكذا فأقامہ، فقال له موسی: إنا دخلنا هذه القرية فلم یضیفونا ولم
 یطعمونا ﴿كَوْضِفَتْ لَهُمْ لَتَخْلُذَ عَلَيْهِ أَجْرًا، قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِمَا
 لَمْ تَسْتَطِعَ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ فقال رسول اللہ ﷺ: ((وددنا أن موسی صبر حتی یقص علينا من
 أمرھما)). قال: وكان ابن عباس یقرأ ﴿وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ﴾ صالحة
 ﴿غَضَبًا﴾ راما الغلام فكان كالرا. [راجع: ۷۴]

مجمع البحرین

”مجمع البحرین“ کے لفظی معنی ہر وہ جگہ جہاں دو دریا سمندر سے ملتے ہوں، اور یہ ظاہر ہے کہ
 ایسے مواقع دنیا میں بے شمار ہیں۔ اس جگہ ”مجمع البحرین“ سے کوئی جگہ مراد ہے؟
 کیونکہ قرآن وحدیث میں اس کو متعین طور پر نہیں بتلایا، اس لئے آثار و قرائن کے اعتبار سے مفسرین
 کے اقوال اس میں مختلف ہیں:

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بحر فارس وروم کے ملنے کی جگہ مراد ہے۔

حضرت ابن عطیہ رحمہ اللہ نے آذربائیجان کے قریب ایک جگہ کو کہا ہے۔

بعض نے بحر اردن اور بحر قلزم کے ملنے کی جگہ بتلائی ہے۔

بعض نے کہا یہ مقام طنجہ میں واقع ہے۔

حضرت ابی بن کعب ؓ سے منقول ہے کہ یہ افریقہ میں ہے۔

سدی نے آرمینہ میں بتلایا ہے۔

بعض نے بحر اندلس جہاں بحر محیط سے ملتا ہے، وہ موقع بتلایا ہے۔

اس میں سے بعض اقوال جغرافیائی حالات پر منطبق نہیں ہوتے۔

مثلاً بحر فارس اور بحر روم کہیں جا کر آپس میں ملتے ہی نہیں ہیں، لہذا وہاں ”مجمع البحرين“ کہنا

ممکن ہی نہیں ہے۔

اس میں صحیح اور محقق بات یہ ہے کہ ”مجمع البحرين“ خلیج عقبہ ہے جو مصر اور اردن کے درمیان

ہے، بحر احمر آگے جا کر بحر روم میں گر رہا ہے اور اس سے پہلے خلیج عقبہ آتی ہے تو خلیج عقبہ کا وہ حصہ جہاں آگے جا کر

خلیج بحر احمر کے ساتھ مل رہی ہے اس کو ”مجمع البحرین“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ۵

(۶) باب قولہ: ﴿لَنْ نُبْتَغِيَكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ [۱۰۳]

اس ارشاد کا بیان: ”کہہ دو کہ: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب

سے زیادہ ناکام ہیں؟“۔

غلط عقیدہ اور ریا کاری کے ہوتے ہوئے اعمال بیکار ہیں

یہ آیت اپنے مفہوم عام کے اعتبار سے ہر اس فرد کو یا جماعت کو شامل ہے جو کچھ اعمال کو نیک سمجھ کر اس میں جدوجہد اور محنت کر رہے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی محنت برباد اور عمل ضائع ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ صورت دو چیزوں سے پیدا ہوتی ہے:

ایک فساد اعتقاد۔

دوسرا ریا کاری۔

یعنی جس شخص کا عقیدہ اور ایمان درست نہ ہو وہ عمل کتنے ہی اچھے کرے اور کتنی ہی محنت اٹھائے وہ

آخرت میں بیکار اور ضائع ہے۔ اسی طرح جس کا عمل مخلوق کو خوش کرنے کے لئے ریا کاری سے ہو وہ بھی عمل کے

ثواب سے محروم ہے۔

اسی مفہوم عام کے اعتبار سے بعض حضرات صحابہ کرام ؓ نے اس کا مصداق خوارج کو قرار دیا ہے،

جیسے کہ درج ذیل حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کا قول ہے اور بعض مفسرین نے اس کا مصداق معتزلہ اور وافیض وغیرہ جیسے گمراہ فرقوں کو قرار دیا ہے۔

لیکن اگلی آیت میں یہ متعین کر دیا گیا ہے کہ اس جگہ مراد وہ کفار ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور قیامت و آخرت کے منکر ہیں۔ ۱

۴۷۲۸۔ حدثنی محمد بن بشار: حدثنا محمد بن جعفر: حدثنا شعبة، عن عمرو، عن معصب قال: سألت أبي ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ هم الحرورية؟ قال: لا، هم اليهود والنصارى. أما اليهود فكذبوا محمدا ﷺ، وأما النصارى كفروا بالجنة وقالوا: لا طعام فيها ولا شراب. والحرورية الذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه، وإن ساعد يسميهم الفاسقين. ۲

ترجمہ: معصب بن سعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے دریافت کیا کہ جن لوگوں کا ذکر اس آیت ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ میں ہے، کیا وہ حروریہ کے لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ وہ یہود و نصاریٰ ہیں، کیونکہ یہودیوں نے حضرت محمد ﷺ کو جھٹلایا، اور جبکہ نصاریٰ نے جنت کا انکار کیا اور کہتے ہیں کہ وہاں تو کھانے پینے کی کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ اور حروریہ والے وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اللہ کے ساتھ عہد کرنے بعد اس کو توڑا اور حضرت سعد ؓ ان کو فاسق کہتے تھے۔

حدیث کی عبارت کی روشنی میں تشریح

حضرت معصب بن سعد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد صحابی رسول حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے پوچھا کہ اس آیت کریمہ ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ میں جن لوگوں کا ذکر ہے، ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا ان سے حروری (خارجی) مراد ہیں؟ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے فرمایا نہیں، اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

۱۔ الآية فيه دلالة على أن من الناس من يعمل العمل وهو يظن أنه محسن وقد حبط عمله، والذي يوجب إحباط السعي

إما لفساد الاعتقاد أو المراءاة، والمراد هنا الكفر. التفسير القرطبي، ج: ۱۱، ص: ۶۵.

۲۔ الفرد به البخاري.

یہودی اس وجہ سے کہ انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب، کی جس کے سبب ان کے سارے اعمال صالحہ برباد ہو گئے۔ جبکہ نصاریٰ نے جنت کے وجود کا انکار کیا اور کہتے ہیں کہ وہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملے گی۔

حذریہ (خوارج) وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ ﷻ کے عہد و میثاق کو توڑا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خوارج کو فاسق کہا کرتے تھے۔ ۵

(۷) باب: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ﴾ [۱۰۵]
 باب: ”یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مالک کی آجوں کا اور اُس کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا، اس لئے ان کا سارا کیا دھرا غارت ہو گیا۔“

میزان حساب میں بے وزن اعمال والے

اس جگہ اصل مراد وہی کفار ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت اور حساب و کتاب کے منکر ہوں، مگر صورت وہ لوگ بھی اس کے مفہوم عام سے بے تعلق نہیں ہو سکتے، جن کے اعمال ان کے عقائدِ فاسدہ نے برباد کر دیئے اور ان کی محنت رائیگاں ہو گئی۔

یعنی ان کے اعمال جو ظاہر میں بڑے بڑے نظر آئیں گے مگر میزانِ حساب میں اُن کا کوئی وزن نہ ہوگا، کیونکہ یہ اعمال کفر و شرک کی وجہ سے بے کار اور بے وزن ہوں گے، جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے۔ ۶

۴۷۲۹۔ حدثنا محمد بن عبد الله: حدثنا سعيد بن أبي مریم: أخبرنا المغيرة بن عبد الرحمن: حدثني أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن رسول الله ﷺ قال: ((إِنَّ لِإِنْسَانِي الرَّجُلِ الْعَظِيمِ السَّمِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ. وَلَالِ: اقْرَأُوا ﴿فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾)).

۵ عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۷۳، رقم: ۴۷۲۸

۶ تفسیر القرطبی، ج: ۱۱، ص: ۶۶۵.

و عن یحییٰ بن بکیر، عن المفیرة بن عبدالرحمن، عن أبی الزناد مثله. ۱۰
 ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز ایک قد آور
 موٹا آدمی (یعنی دنیا کا امیر عزت دار) آئے گا، جو اللہ ﷻ کے نزدیک ایک چمھر کے برابر بھی وزن دار نہ ہوگا
 اور فرمایا یہ آیت پڑھو ﴿فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ یعنی ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی وزن قائم
 نہیں کریں گے۔

(۱۹) سورۃ کہیص سورۃ کہیص - یعنی سورۃ مریم کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

سورت کا بنیادی مقصد اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا بنیادی مقصد حضرت عیسیٰ ﷺ اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں صحیح عقائد کی وضاحت اور ان کے بارے میں عیسائیوں کی تردید ہے، اگرچہ مکہ مکرمہ میں جہاں یہ سورت نازل ہوئی عیسائیوں کی کوئی خاص آبادی نہیں تھی، لیکن مکہ مکرمہ کے بت پرست کبھی کبھی آنحضرت ﷺ کے دعوائے نبوت کی تردید کے لئے عیسائیوں سے مدد لیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ بہت سے مسلمان کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے، جہاں عیسائی مذہب ہی کی حکمرانی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ، حضرت مریم، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کی صحیح حقیقت سے واقف ہوں۔

چنانچہ اس سورت میں ان حضرات کے واقعات اسی سیاق و سباق میں بیان ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ واضح کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ ﷺ خدا کے بیٹے نہیں ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے بلکہ وہ انبیائے کرام ہی کے مقدس سلسلے کی ایک کڑی ہیں، اس لئے بعض دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی مختصر تذکرہ اس سورت میں آیا ہے۔

لیکن حضرت عیسیٰ ﷺ کی معجزانہ ولادت اور اُس وقت حضرت مریم علیہا السلام کی کیفیات سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوئی ہیں، اس لئے اس کا نام سورۃ مریم رکھا گیا ہے۔

وقال ابن عباس: ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾، الله بقوله وهم اليوم لا يسمعون ولا يبصرون لي ضلال مبين: یعنی قوله: ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾ الكفار يومئذ أسمع شيء وأبصره.

﴿لَا زُجَمَنَّكَ﴾: لا تمنك. ﴿وَرِنَّا﴾: منطرا. وقال أبو وائل: علمت مریم ان النبی ذو لقین حتی لالت: ﴿إِنِّي أَخُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتُ نَبِيًّا﴾.

وقال ابن عباس: ﴿تَوَلَّوْهُمْ أَرَأَيْتَ﴾: تزعمهم الى المعاصي ازعاجا. وقال مجاهد:

﴿أَذَا﴾: عوجا۔ وقال ابن عباس: ﴿وَرِدَا﴾: عطاها۔ ﴿أَلَانَا﴾: مالا۔ ﴿رِخْزَا﴾: صوتا۔
 وقال غيره: ﴿غَبَا﴾: خسرا۔ ﴿بُكَيَّا﴾: جماعة باک۔ ﴿صَلِيَّا﴾: صلى يصلى۔
 ﴿نَدَبَا﴾: ولنادى واحد: مجلسا۔

ترجمہ و تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾ کی تشریح بیان کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ آج دنیا میں وہ لوگ یعنی کافر نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں بلکہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں، یعنی اللہ ﷻ کے قول ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾ سے مراد کافر لوگ ہیں کہ قیامت کے دن وہ خوب سنتے ہوں گے مگر اس وقت کا سننا دیکھنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔

”لَا زُجْمَنُكَ“ کے معنی ہیں ”لا شیعمنک“ یعنی میں تجھ پر گالیوں کا پھراؤ کروں گا۔

”وَرِنْيَا“ بمعنی ”منظرا“ یعنی نمود، دکھلاوا، ظاہری خوبی۔

ابو وائل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام یہ بات جانتی تھیں کہ متقی آدمی صاحب عقل ہوتا ہے اس لئے برے کام سے رُک جاتا ہے، اسی لئے جب تنہائی میں فرشتہ انسانی صورت میں ان کے پاس آیا تو انہوں نے یوں کہا:

﴿إِنِّي أَخُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ نَقِيًّا﴾

میں تم سے خدائے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم میں خدا کا

خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جاؤ)۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ”تَوَرُّهُمْ أَرَا“ کے معنی ہیں شیاطین ان کو گناہوں پر خوب ابھارتے اکساتے رہتے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”أَذَا“ بمعنی ”عوجا“ یعنی کج، ٹیڑھی بات، غلط اور بیہودہ بات۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”وَرِدَا“ کے معنی ہیں ”عطاها“۔ پیاسے۔

”أَلَانَا“ بمعنی ”مالا“ یعنی گھر کا ساز و سامان، مال و اسباب۔

”رِخْزَا“ کے معنی ہیں صوت یعنی بھٹک، آہستہ آواز۔

”غَبَا“ بمعنی ”خسرا“ یعنی گھانا، نقصان۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ”هَٰؤُلَاءِ“ جنہم کے ایک غار کا نام ہے جو بہت گہرا ہے۔

”ہِجْتًا“ جمع ہے ”ہاک“ کی، روتے ہیں۔
 ”صِلَاتًا“ مصدر ہے ”صلی - یصلی“ یعنی از باب سجع، آگ میں داخل ہونا۔
 ”نَدْبًا“ - اور ”نادی“ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے، مجلس، محفل، اس کی جمع ”ندیمہ“ آتی ہے۔

(۱) باب قوله عز وجل: ﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ [۳۹]

اللہ عز وجل کے ارشاد کا بیان: ”اور (اے پیغمبر!) ان کو اُس پچھتاوے کے دن سے ڈرائیے۔“

یوم الحسرة - حسرت کا دن

”یوم الحسرة“ اس روز کو حسرت کا دن اس لئے کہا گیا ہے کہ اہل جہنم کو تو یہ حسرت ہونا ظاہر ہے کہ اگر وہ مؤمن صالح ہوتے تو ان کو جنت ملتی اب جہنم کے عذاب میں گرفتار ہیں۔
 ایک خاص قسم کی حسرت اہل جنت کو بھی ہوگی۔ جیسا کہ طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت معاذ ؓ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کو کسی چیز پر حسرت نہیں ہوگی بجز ان لحات و وقت کے جو بغیر ذکر اللہ کے گزر گئے۔ ۱

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مرنے والے کو حسرت و ندامت سے سابقہ پڑے گا۔ صحابہ ؓ نے سوال کیا کہ یہ ندامت و حسرت کس بنیاد پر ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نیک اعمال کرنے والوں کو اس پر حسرت ہوگی کہ اور زیادہ نیک اعمال کیوں نہ کئے کہ اور زیادہ درجات جنت ملتے اور بدکار آدمی کو اس پر حسرت ہوگی کہ وہ اپنی بدکاری سے باز کیوں نہ آگیا۔ ۲

۱۔ عن معاذ بن جبل ؓ، قال: قال رسول الله ﷺ: ((ليس يحسّر أهل الجنة إلا على ساعة مرت بهم لم يذكروا الله

لها)). المعجم الكبير للطبرانی، باب المعجم، جہر بن نفیر، عن معاذ بن جبل، رقم: ۱۸۴

۲۔ یحییٰ بن عبد اللہ، قال: سمعت اباہی، یقول: سمعت اباہریرہ ؓ، یقول: قال رسول الله ﷺ: ((ما من أحد يموت إلا

لنم))، قالوا: وما لنامہ یا رسول الله؟ قال: ((إن كان محسنًا لنم أن لا يكون الزاد، وإن كان مسيئًا لنم أن لا يكون

لزع)). سنن الترمذی، أبواب الزهد، باب، رقم: ۲۳۰۳

۴۷۳۰ - حدثنا عمر بن حفص بن غياث: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش: حدثنا

أبو صالح، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((يؤتى بالموت كهيئة كبش أملح فينادي مناد: يا أهل الجنة، فيشرئبون وينظرون فيقول: هل تعرفون هذا؟ فيقولون: نعم، هذا الموت، وكلهم قد رآه. ثم ينادي: يا أهل النار، فيشرئبون وينظرون فيقولون: هل تعرفون هذا؟ فيقولون: نعم، هذا الموت، وكلهم قد رآه فيذهب. ثم يقول: يا أهل الجنة خلود فلا موت. ويا أهل النار خلود فلا موت، ثم قرأ ﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ لَىٰ غَفْلَةٍ﴾ وهؤلاء في غفلة أهل الدنيا، وهم يؤمنون)). ۲

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز موت ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی اور ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ اے جنت والو! پس جنتی لوگ گردن اٹھائیں گے اور دیکھیں گے، تو آواز دینے والا فرشتہ کہے گا کیا تم اس مینڈھے کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہاں! یہ موت ہے اور سب اس کو دیکھ چکے ہیں۔ پھر فرشتہ آواز دے گا کہ اے جہنم والو! یہ لوگ بھی گردن اٹھا کر دیکھیں گے خوش ہوں گے شاید دوزخ سے نکلنے کا حکم دیا جاتا ہے، تو فرشتہ کہے گا کیا تم اس مینڈھے کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہاں! یہ موت ہے، سب نے اس کو دیکھا ہے، پھر وہ مینڈھا ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر

۲ ولی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معرفة طریق الرؤية، رقم: ۸۳، وباب البات الشفاعة واخراج الموحدين من النار، رقم: ۱۸۳، ۱۸۵، کتاب الجنة وصفة نعمها وأهلها، باب احلال الرضوان على أهل الجنة فلا يسخط عليهم أبداً، رقم: ۲۸۲۹، باب النار يدخلها الجبارون والجنة الضعفاء، رقم: ۲۸۴۹، وسنن العرمذی، أبواب صفة الجنة، باب، رقم: ۲۵۵۵، وباب ما جاء في خلود أهل الجنة وأهل النار، رقم: ۲۵۵۸، وأبواب صفة جهنم، باب منه، رقم: ۲۵۹۸، وأبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة مريم، رقم: ۳۱۵۶، وسنن النسائی، کتاب الایمان وشرائعه، باب زيادة الایمان، رقم: ۵۰۱۰، وسنن ابن ماجه، الفتح الکتاب فی الایمان والفضائل الصحابة والعلم، باب فی العلم، رقم: ۶۰، وباب فيما أنكرت الجہنمة، رقم: ۱۷۹، وکتاب الزهد، باب ذکر البعث، رقم: ۳۲۸۰، وباب ذکر الشفاعة، رقم: ۳۳۰۹، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، رقم: ۱۱۰۱۶، ۱۱۰۶۶، ۱۱۰۷۷، ۱۱۰۱۸، ۱۱۱۲۰، ۱۱۱۲۷، ۱۱۱۵۱، ۱۱۲۰۰، ۱۱۳۴۱، ۱۱۵۳۳، ۱۱۷۳۲، ۱۱۷۴۶، ۱۱۸۳۵، ۱۱۸۵۵، ۱۱۸۵۷، ۱۱۸۹۸، وسنن الدارمی، ومن کتاب الرقاق، باب ما يخرج الله

آواز دینے والا فرشتہ کہے گا اے جنت والو! اب تمہارے لئے بیشکلی ہے اب موت کبھی نہیں آئیگی اور اے جہنم والو! تمہارے لئے بھی بیشکلی ہے تم پر بھی موت کبھی نہیں آئیگی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ يَفُصَّ الْأَمْوَالُ لَهُمْ فَيُحْصَوْنَ فِي غَفْلَةٍ﴾ اور یہ لوگ یعنی دنیا والے غفلت میں پڑے ہیں ایمان نہیں لاتے۔

(۲) باب قوله: ﴿وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا

بَيْنَ ذَلِكَ﴾ [۶۳]

اس ارشاد کا بیان: ”اور (فرشتے تم سے یہ کہتے ہیں کہ) ہم آپ کے رب کے حکم بغیر اتر کر نہیں آتے۔ جو کچھ ہمارے آگے ہے، اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، وہ سب اسی کی ملکیت ہے۔“

۳۷۳۱۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا عمر بن ذر قال: سمعت أبي، عن سعيد بن جبیر،

عن ابن عباس رضي الله عنهما: قال النبي ﷺ لجبريل: ((ما يمنعك أن تنزونا أكثر مما تنزونا؟)) فنزلت ﴿وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾. [راجع:

۳۲۱۸]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے جبریل! تم کو کس نے روکا ہے، کہ تم جتنی مرتبہ میرے پاس آتے ہو، اس سے زیادہ مرتبہ آؤ۔ تو اس پر یہ آیت اتری کہ ﴿وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام۔ مأمور من اللہ

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کئی روز تک تشریف نہ آئے، اس پر آپ ﷺ منقبض تھے، ادھر کفار نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد کو اسکے رب نے چھوڑ دیا ہے، اس طعن سے آپ اور زیادہ دلگیر ہوئے۔ آخر حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے، آپ نے اتنے روز تک نہ آنے کا سبب پوچھا اور آپ نے فرمایا ”ما يمنعك أن تنزونا أكثر مما تنزونا“ یعنی جتنا تم آتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟

تو اس پر اللہ ﷻ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سکھایا کہ جواب میں یوں کہو ﴿وَمَا نَعْنُزُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ یہ کلام ہوا اللہ ﷻ کا جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے۔

جیسا کہ ﴿إِنَّا كَ تَعْبُدُ وَإِنَّا كَ تَسْعَيْنَ﴾ میں ہم کو سکھایا ہے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ ہم خالص عبد مامور ہیں، بدون حکم الہی ایک پر نہیں ہلا سکتے۔ ہمارا چڑھنا اترنا سب اسکے حکم و اذن کے تابع ہے، وہ جس وقت اپنی حکمت کاملہ سے مناسب جانے ہم کو نیچے اترنے کا حکم دے۔ کیونکہ ہر زمانہ ماضی، مستقبل، حال اور ہر مکان، آسمان و زمین اور ان کے درمیان کا علم اسی کو ہے اور وہی ہر چیز کا مالک و قابض ہے، وہی جانتا ہے کہ فرشتہ کو پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا چاہئے۔

مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے یا کسی کو اپنے پاس بلا لے خدا کا ہر کام بر محل اور بروقت ہے، بھول چوک یا نسیان و غفلت کی اسکی بارگاہ میں رسائی نہیں، مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا جلد یا بدیر آنا بھی اس کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے۔ ۲

(۳) باب قوله: ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا﴾ [۷۷]

اس ارشاد کا بیان: ”بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آجوں کو ماننے سے انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ: مجھے مال اور اولاد (آخرت میں بھی) ضرور ملیں گے۔“

۳۷۳۲ - حدثنا الحمیدی: حدثنا صفیان، عن الأعمش، عن أبي الضحی، عن مسروق قال: سمعت عبا قال: جئت العاص بن وائل السهمی أنقاضه حقالی عنده فقال: لا أعطیک حتی تکفر بمحمد ﷺ، فقلت: لا حتی تموت ثم تبعث، قال: والی لمیت لم تبعث؟ قلت: نعم، قال: ان لی هباک مالا وولدا فاعطیک، فنزلت هذه الآية ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا﴾ [راجع: ۲۰۹۱]

رواه الثوری وشعبة وحفص وأبو معاوية ووکیع، عن الأعمش.

ترجمہ: مسروق بن اجدع نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عبا رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ نے بیان کیا کہ میں عاصم بن وائل السہمی کے یہاں اپنا حق جو اس پر باقی تھا، اس کا تقاضا کرنے کیلئے گیا تو وہ کہنے لگا میں تجھ کو اس

وقت تک نہیں دوں گا جب تک تم محمد ﷺ کا انکار نہیں کرو گے۔ میں نے کہا میں حضور ﷺ کا انکار کبھی نہیں کروں گا، یہاں تک کہ تم مرنے کے بعد پھر زندہ کئے جاؤ۔ وہ کہنے لگا کیا میں مرنے کے بعد پھر سے زندہ کیا جاؤں گا؟ میں نے کہا ہاں! تو وہ کہنے لگا کہ پھر تو میرے پاس وہاں بھی مال و اولاد ہوگی پس میں تیرا قرضہ ادا کر دوں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ لَذًا﴾۔

سفیان ثوری، شعبہ، حفص، ابو معاویہ اور کعب ان تمام حضرات نے یہ روایت اعمش سے روایت کی ہے۔

(۴) باب قوله: ﴿أُطْلِعَ الْغَيْبَ أَمْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا﴾ [۷۸]

اس ارشاد کا بیان: ”کیا اُس نے عالم غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے، یا اُس نے خدائے رحمن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟“

۴۷۳۳۔ حدثنا محمد بن كثير: أخبرنا سفيان، عن الأعمش، عن أبي الضحى، عن مسروق، عن خباب قال: كنت قيناً بمكة فعلمت للعاص بن وائل السهمي سيقاً لجنات القضاة فقال: لا أعطيك حتى تكفر بمحمد، قلت: لا أكفر بمحمد ﷺ حتى يبعثك الله ثم يحييك، قال: إذا أمانني الله ثم بعثني ولي مال وولد فأنزل الله ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ لَذًا﴾ أُنْزِلَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا﴾ قال: مولقاً. [راجع: ۲۰۹۱]

لم يقل الأصمعي، عن سفيان: سيقاً، ولا مولقاً.

ترجمہ: حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں لوہا رتھا، میں نے عاص بن وائل سہمی کیلئے تلواریں بنائی تھیں، میں اس کے پاس اپنی اجرت کا تقاضا کرنے کے لئے آیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اس وقت تک تمہارا حق ادا نہیں کروں گا کہ جب تک تم محمد کا انکار مت کر دو۔ میں نے اس سے کہا کہ میں محمد ﷺ کا کسی صورت بھی انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تمہیں ایک بار مرنے کے بعد دوبارہ سے زندہ کر دے۔ اس پر اس نے کہا کہ اللہ جب مجھے دوبارہ زندہ کرے گا تو اس وقت بھی میرے پاس مال و اولاد ہوگی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ لَذًا﴾۔ آیت میں ”عہد“ کا معنی ”مولق“ سے کیا ہے جس کا معنی ہے مضبوط اقرار، وعدہ۔

اصمعی نے بھی سفیان سے اس روایت کو نقل کیا ہے، لیکن اس میں نہ تلواریں کا ذکر ہے نہ مولق کا ذکر ہے۔

(۵) باب قوله: ﴿كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴾ [۷۹]

اس ارشاد کا بیان: ”ہرگز نہیں! جو کچھ یہ کہہ رہا ہے، ہم اُسے بھی لکھ رکھیں گے، اور اُس کے عذاب میں اور اضافہ کر دیں گے۔“

۴۷۳۴ - حدثنا بشر بن خالد: حدثنا محمد بن جعفر، عن شعبة، عن سليمان: سمعت أبا الضحى يحدث عن مسروق، عن خباب قال: كنت ليلى في الجاهلية وكان لي دين على العاص بن وائل، قال: فأتاه يفتاحاه فقال: لا أعطيك حتى تكفر بمحمد ﷺ فقال: والله لا أكفر حتى يمتك الله ثم تبعث، قال: فلدني حتى أموت ثم أبعث فسوف أوتى مالا وولداً فأعطيك. فنزلت هذه الآية ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ الَّذِي كَفَرَ بآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيْنَ مَالاً وَلَدًّا﴾ [راجع: ۲۰۹۱]

ترجمہ: حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں لوہار تھا، اور میرا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمہ تھا، کہتے ہیں کہ میں اس کے پاس اپنے قرض کا تقاضا کرنے کے لئے آیا۔ تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اس وقت تک تمہارا حق ادا نہیں کروں گا کہ جب تک تم محمد ﷺ کا انکار مت کر دو۔ تو میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں کسی صورت بھی انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تمہیں موت دے پھر دوبارہ سے زندہ کر دے۔ اس پر اس نے کہا کہ پھر مرنے تک مجھ سے قرض مت مانگو، جب مجھے دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس وقت بھی میرے پاس مال و اولاد ہوگی تو تب میں تمہارا قرض اُتار دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ الَّذِي كَفَرَ بآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيْنَ مَالاً وَلَدًّا﴾ الخ۔

(۶) باب قوله: ﴿وَنَرِيئُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا﴾ [۸۰]

اس ارشاد کا بیان: ”اور جس (مال اور اولاد) کا یہ حوالہ دے رہا ہے، اُس کے وارث ہم ہوں گے، اور یہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔“

وقال ابن عباس: ﴿الْجِبَالُ مَدًّا﴾: هدمًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت ﴿الْجِبَالُ هَدَأٌ﴾ کی تشریح فرماتے ہیں کہ ”ہَدَأٌ“ بمعنی ”ہدماً“ یعنی شکستہ ہو جانا، ڈھسے جانا، گر جانا۔

۳۷۳۵۔ حدثنا يحيى: حدثنا وكيع، عن الأعمش، عن أبي الضحى، عن مسروق، عن خباب قال: كنت رجلاً قيناً وكان لي على العاص بن وائل دين فأتيتُه أنقاضه، فقال لي: لا الضيک حتی تکفر بمحمد. قال: قلت: لن أكفر به حتى تموت لم تبعث، قال: والى لمبعوث من بعد الموت؟ فسوف الضيک اذا رجعت الى مال وولد، قال: فنزلت: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَا الَّذِي كَفَرَ بِآبَائِنَا وَقَالَ لَأُوتِينَ مَالًا وَوَلَدًا أَطْلَعَ الْغَيْبَ أَمْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمْلِكُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا وَلَنَرُّهُ مَا يَشَاءُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا﴾. [راجع: ۲۰۹۱]

ترجمہ: حضرت خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں لوہار تھا، اور میرا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمہ تھا، کہتے ہیں کہ میں اس کے پاس آیا تا کہ اپنے قرض کا تقاضا کروں۔ تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اس وقت تک تمہارا حق ادا نہیں کروں گا کہ جب تک تم محمد کا انکار مت کر دو۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں کسی صورت بھی ان کا انکار نہیں کروں گا، یہاں تک کہ تم مرجاؤ پھر دوبارہ سے زندہ کئے جاؤ۔ اس پر اس نے کہا کہ کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ سے زندہ کیا جاؤں گا؟ پھر تو جب مال اور اولاد بھی ملیں گے، تو تب ہی میں تمہارا قرض اتاروں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَا الَّذِي كَفَرَ بِآبَائِنَا وَقَالَ لَأُوتِينَ مَالًا وَوَلَدًا﴾ الخ یعنی بھلا تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ: مجھے مال اور اولاد (آخرت میں بھی) ضرور ملیں گے۔

سورة طه

سورة طه کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں۔

سورت کا بنیادی مقصد اور ترتیب واقعات

یہ سورت مکہ مکرمہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی۔

جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی، وہ مسلمانوں کیلئے بڑی آزمائش اور تکلیفوں کا زمانہ تھا۔ کفار مکہ نے ان پر عرصہ حیات تک کر رکھا تھا۔ اس لئے اس سورت کا بنیادی مقصد ان کو تسلی دینا تھا کہ اس قسم کی آزمائشیں حق کے علمبرداروں کو ہر زمانے میں پیش آئی ہیں، لیکن آخری انجام انہی کے حق میں ہوا ہے۔

چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوا ہے جس سے دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں، یہ بھی کہ ایمان والوں کو آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ بھی کہ آخری فتح انہی کی مقدر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت کرنا مقصود ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بنیادی دعوت ایک ہی ہوتی ہے کہ انسان خدائے واحد پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ

مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی سورت کو سن کر اسلام لائے تھے۔ ان کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور انکے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ ان سے پہلے خفیہ طور پر اسلام لا چکے تھے جس کا انہیں پتہ نہیں تھا۔ ایک روز وہ گھر سے آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے۔

راتے میں نعیم بن عبداللہ نامی ایک صاحب انہیں ملے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ پہلے اپنے گھر کی خبر لیں جہاں آپ کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے کے عالم میں واپس آئے تو بہن اور بہنوئی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے سورہ طہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا

تو انہوں نے وہ صحیفہ جس پر سورہ طہ لکھی ہوئی تھی، کہیں چھپا دیا، لیکن حضرت عمرؓ پڑھنے کی آواز سن چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو اور یہ کہہ کر، ان اور بہنوئی دونوں کو بہت مارا۔ اس وقت ان دونوں نے کہا کہ آپ ہمیں کوئی بھی سزا دیں، ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور حضرت محمدؐ پر جو کلام اللہ ﷻ کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اچھا مجھے بھی دکھاؤ، وہ کیسا کلام ہے۔ بہن نے ان سے غسل کروا کر صحیفہ ان کو دکھایا جس میں سورہ طہ لکھی ہوئی تھی۔ اسے پڑھ کر حضرت عمرؓ مبہوت رہ گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا نہیں، اللہ ﷻ کا کلام ہے۔

حضرت خبابؓ نے بھی انہیں اسلام لانے کی ترغیب دی اور بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ! ابو جہل یا عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کی توفیق دیکر اسلام کی قوت کا سامان پیدا فرمادے۔ چنانچہ اسی وقت وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ۱

قال عكرمة والضحاك: بالنبطية، أي ﴿طه﴾: يارجل، وقال مجاهد: ﴿القي﴾ صنع. ﴿أزري﴾: ظهري، ﴿فيسجتم﴾: يهلككم.

﴿المثلي﴾: تأبث الأمثل يقول: بدينكم. يقال: خذ المثلي خذ الأمثل. ﴿ثم اتوا صفًا﴾. يقال: هل أتيت الصف اليوم؟ يعني المصلي الذي يصلي فيه.

﴿لأزجس﴾: أضمر خوفًا فذهبت الواو من ﴿خيفة﴾ لكسرة الخاء. ﴿لني جذوع﴾: أي على جذوع النخل. ﴿خطبك﴾: بالك. ﴿ميساس﴾: مصدر ماسه ماسا. ﴿لننصفن﴾: لندرينه. ﴿لأعأ﴾: يعلوه الماء. والصفصف: المستوى من الأرض. وقال مجاهد: أوزارا القلا. ﴿مِنْ زينة القوم﴾: الحلى الذي استعاروا من آل فرعون. ﴿فلقد لثنها﴾: فالتقيها. ﴿القي﴾: صنع، ﴿فليسي﴾ موسى هم: يقولونه: أخطأ الرب.

﴿لا يترجع إليهم قولاً﴾: العجل. ﴿فمساء﴾: حس الأقدام. ﴿حشرتني أغمى﴾ عن حجتى ﴿وقد كنت بصيرا﴾ في الدنيا. قال ابن عباس: ﴿بقبس﴾ ضلوا الطريق وكانوا شاكين، فقال: ان لم أجد عليهما من يهدي الطريق آتكم بنار تولدون.

وقال ابن عيينة: ﴿أمنلهم طريقة﴾: أعدلهم. وقال ابن عباس: ﴿مضما﴾: لا يظلم ليهضم من حسناته. ﴿عوجا﴾: واديا. ﴿ولا أمتأ﴾: رابية. ﴿يسيرتها﴾: حالتها ﴿الأولى﴾. ﴿النهي﴾: التقى. ﴿ضنكا﴾: الشقاء. ﴿موى﴾: شقى.

﴿بِالْوَادِي الْمُقَدَّسِ﴾: المبارک۔ ﴿طَوًى﴾: اسم الوادی۔ ﴿بِمَلِكِنَا﴾: ہمارا۔
﴿مَكَانًا سَوًى﴾: مصنف بینہم۔ ﴿يَسًا﴾: ، ﴿عَلَى قَدَرٍ﴾: موعدا۔ ﴿لَا تَنِيَا﴾: تضعنا۔

ترجمہ و تشریح

حضرت عکرمہ و حضرت ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نبطی زبان میں ”طہ“ بمعنی ”بادجل“ یعنی اے مرد، اے شخص اور مراد حضور ﷺ ہیں۔

”بطیہ“ منسوب ہے ”نبط“ کی طرف یہ ایک قوم تھی، جو عراق عرب اور عراق عجم کے درمیان آباد تھی، پھر اسکا استعمال کاشتکار کے معنی میں ہونے لگا۔ ابن الانبار نے کہا کہ یہ لغت قریش کے موافق ہے، کیونکہ اللہ جلّٰلہ نے آنحضرت ﷺ کو قریش کی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطاب نہیں فرمایا ہے۔ ۲
حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”الْقَى“ بمعنی ”صنع“ بنایا، یعنی یہاں لانے کے بجائے بنانے کے معنی میں ہے۔

”أَزْرَى“ بمعنی ”ظہری“ یعنی پیٹھ ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ بمعنی قوت ہے۔
”فَيَسْجِتُكُمُ“ بمعنی ”یہلککم“ یعنی بالکل ہلاک کر دے۔

”الْمُفْلَى“ اسم تفصیل ”الامفل“ کا مؤنث ہے، یہاں اس سے دین مراد ہے۔ جیسے بولتے ہیں کہ ”خذ المظلي خذ الامفل“ یعنی افضل اور بہتر طریقے کو اختیار کرے، اس سے مقصود تاکید مزید ہے۔
آیت کریمہ ﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا صَفًّا﴾ یعنی پھر آؤ قطار باندھ کر۔ کہا جاتا ہے کہ کیا تم آج صف میں آئے تھے؟ یعنی اس مصلی (عید گاہ) میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ یہاں صف بمعنی عید گاہ ہے۔
”فَأَوْجَسَ“ بمعنی ”اضمر“ یعنی دل میں پوشیدہ آواز پانا، گھبراہٹ محسوس کرنا۔ اور ”خيفة“ اصل میں ”خوفہ“ تھا واذکسرہ ما قبل یعنی خاء پر کسرہ کی وجہ سے یاء سے بدل گئی۔

﴿لِيَنْجِذُوا﴾ آیت میں ”لی“ بمعنی ”علی“ ہے۔

”خَطْبُكَ“ بمعنی ”ہالک“ یعنی حال، معاملہ۔

”مِثَاسَ“ مصدر ہے، ”ماسہ۔ ماسا“ کا۔

”لَنَنْصِفَنَّ“ کے معنی ہیں ہم اس کو بکھیر دیں گے۔

”قَاعاً“ کے معنی ہیں ایسی زمین جس کے اوپر پانی چڑھ آئے اور ”الْمَصْفِ“ برابر و ہموار زمین۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”أَوْدَاراً“ بمعنی ”الْقَلَا“ یعنی بوجھ۔

﴿مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ﴾ سے مراد وہ زیور ہے جو بنی اسرائیل نے قوم فرعون سے مانگ کر لیا تھا، یعنی بنی اسرائیل نے عید کا بہانہ کر کے قبطیوں سے زیورات مستعار لے لئے تھے۔

”فَقَدْ لُتْنَهَا“ کا معنی ہے ”فَالْقَبِيحَا“ یعنی میں نے اس کو ڈال دیا۔

”فَنَسِيَ“ کے معنی ہیں ”أَخْطَا الرَّبَّ“ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام چوک گئے، خطا کر گئے اپنے رب کو پہچاننے سے یعنی اس ٹھٹھڑے سے۔ پھر اسکے جواب میں یہ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿لَا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا﴾ کہ یعنی وہ ٹھٹھڑا ان کی کسی بات جواب بھی نہیں دے سکتا۔ ”لَا يَرْجِعُ“ میں ضمیر ”العجل“ کی طرف راجع ہے۔ ”هَمْسًا“ کے معنی ہیں قدموں کی آہٹ، سرسراہٹ۔

آیت مبارکہ ﴿عَشْرَتَيْنِ اَغْمَى﴾ میں لفظ ”اغْمَى“ کے معنی ہیں حجت و دلیل سے اندھا۔

جیسے کہ ﴿وَلَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا﴾ فی الدنیا، یعنی دنیا میں تو مجھ کو دلیل و حجت بزم خود معلوم ہوتی تھی یہاں تو نے بالکل اندھا کر کے کیوں اٹھایا کہ کسی حجت کی طرف رسائی نہیں ہوتی۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”أَمْلَهُمْ طَرِيقَةً“ کے معنی ہیں ”أَعْدَلَهُمْ“ یعنی عقل و دانش کے اعتبار سے افضل و صاحب الرائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت میں ”هَضْمًا“ کا معنی ہے اس پر ظلم نہیں کیا جائے گا کہ اسکی نیکیوں میں کمی کر دی جائے۔

”هَوَاجًا“ کا معنی ہے وادی اور نالہ۔

”أَمْعًا“ کے معنی ہیں بلندی یعنی پہاڑ، ٹیلہ، مطلب یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ زمین کو بالکل ہموار کر دیں گے۔

”مَسِيرَتَهَا الْأُولَى“ کے معنی ہیں پہلی حالت۔

”النَّهْيُ“ بمعنی ”النُّقْيُ“ یعنی متقی، پرہیزگار، عقل مند۔

”هَنَئًا“ کے معنی ہیں بدبختی۔

”هَوَى“ کے معنی ہیں بدبخت ہوا۔

﴿بِالْوَادِي الْمُقَدَّسِ﴾ اس آیت میں ”مُقَدَّسٍ“ کے معنی ہیں مبارک، پاک، بابرکت۔ ”طَوَى“

وادی کا نام تھا۔

”بِمَلِكِنَا“ کے معنی ہیں اپنے حکم سے، اپنے اختیار سے۔

”مَكَانًا سَوًى“ کے معنی ہیں ایسی جگہ جو برابر ہو، فریقین کے درمیان نصفاً نصف ہو، مسافت برابر ہو۔

”یہسا“ جو طریق کی صفت ہے بمعنی ”ہاہسا“ یعنی خشک کہ پانی اور کچھ نہ رہے۔
 ”عَلٰی قَدَرٍ“ بمعنی ”موعد“ یعنی معین وقت، مقررہ وقت پر۔
 ”لَا تَبِیْا“ بمعنی ”تضعفا“ ست ہونا، سستی کرنا۔

(۱) باب قوله: ﴿وَاضْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي﴾ [۴۱]

اس ارشاد کا بیان: ”اور میں نے تمہیں خاص اپنے لئے بنایا ہے۔“

۳۷۳۶۔ حدثنا الصلت بن محمد: حدثنا مهدی بن میمون: حدثنا محمد بن سیرین، عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ ﷺ قال: ((الطی آدم وموسیٰ لقال موسیٰ لآدم: أنت الذی أشفیت الناس وأخرجتهم من الجنة؟ قال له آدم: أنت الذی اصطفاک اللہ برسالتہ، واصطفاک لنفسہ، وأنزل علیک التوراة؟ قال: نعم، قال: فوجدتها کتب علی قبل أن یخلقنی؟ قال: نعم، فحج آدم موسیٰ)). [راجع: ۳۴۰۹]

﴿الْیَمِّ﴾: البحر.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام دونوں میں ملاقات ہوئی، تو حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت آدم رضی اللہ عنہ سے کہ آپ ہی ہیں جس نے انسان کو مشقت مصیبت میں ڈالا اور انہی جنت سے نکالا؟ حضرت آدم رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب دیا کہ آپ وہی ہیں جن کو اللہ ﷻ نے اپنی رسالت کیلئے منتخب کیا اور اپنے لئے منتخب کیا اور آپ پر توریت نازل کی؟ حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں! حضرت آدم رضی اللہ عنہ نے کہا پھر تو آپ نے اس توریت میں پایا ہی ہوگا کہ میری پیدائش سے پہلے ہی یہ معاملہ میری تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا، حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جی ہاں! چنانچہ حضرت آدم رضی اللہ عنہ حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ پر غالب آ گئے۔

”الْیَمِّ“ کے معنی ہیں سمندر کے۔

(۲) باب: ﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاصْرِبْ لَهُمْ مَكْرِنًا يُبٰی﴾

الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشٰی فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْیَمِّ

مَا غَشٰیَهُمْ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدٰی﴾ [۷۷-۷۹]

باب: ”اور ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ: تم میرے بندوں کو لیکر راتوں رات روانہ ہو جاؤ، پھر ان کیلئے سمندر میں ایک خشک راستہ اس طرح نکال لینا کہ نہ تمہیں (دُشمن کے) آپکڑنے کا اندیشہ رہے، اور نہ کوئی اور خوف ہو۔ چنانچہ فرعون نے اپنے لشکروں سمیت اُن کا پیچھا کیا تو سمندر کی جس (خونٹاک) چیز نے انہیں ڈھانپا، وہ انہیں ڈھانپ کر ہی رہی۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو برے راستہ پر لگایا اور انہیں صحیح راستہ نہ دکھایا۔“

بنی اسرائیل کا عبور دریا اور فرعون کا تعاقب

جب فرعون یوں نے میدان مقابلہ میں شکست کھائی، ساحرین مشرف بایمان ہو گئے، بنی اسرائیل کا پلہ بھاری ہونے لگا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سارا سال تک اللہ جل جلالہ کی آیات باہرہ دکھلا کر ہر طرح حجت تمام کر دی، اس پر بھی فرعون حق کو قبول کرنے اور بنی اسرائیل کو آزادی دینے پر آمادہ نہ ہوا، تب اللہ جل جلالہ نے حکم دیا کہ سب بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر رات کے وقت مصر سے ہجرت کر جاؤ تاکہ اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو، راستہ میں سمندر (بحر قلزم) حائل ہوگا، لیکن تم جیسے اولوالعزم پیغمبر کے راستہ میں سمندر کی موجیں حائل نہیں ہونی چاہئیں، ان ہی کے اندر سے اپنے لئے خشک راستہ نکال لو، جس سے گزرتے ہوئے نہ غرق ہونے کا اندیشہ کرو اور نہ اس بات کا کہ شاید دشمن پیچھے سے تعاقب کرتا ہوا آپکڑے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی ہدایت کے موافق سمندر میں لاشی ماری جس سے پانی پھٹ کر راستہ نکل آیا، خدا نے ہوا کو حکم دیا کہ زمین کو فوراً خشک کر دے، چنانچہ آنا فانا سمندر کے بیچ میں خشک راستہ تیار ہو گیا، جس کے دونوں طرف پانی کے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے ﴿لَا تَلْقٰی لَکَانَ کُلٌّ فِیْ رِیِّ کَالطُّوْدِ الْعَظِیْمِ﴾۔

بنی اسرائیل اس پر سے بے تکلف گزر گئے، پیچھے سے فرعون اپنے عظیم الشان لشکر کو لئے تعاقب کرتا آرہا تھا، خشک راستہ دیکھ کر اُدھر ہی گھس پڑا، جس وقت بنی اسرائیل عبور کر گئے اور فرعونی لشکر راستوں کے بیچوں بیچ پہنچا، اللہ جل جلالہ نے سمندر کو ہر طرف سے حکم دیا کہ ان سب کو اپنی آغوش میں لے لے، پھر کچھ نہ پوچھو کہ سمندر کی موجوں نے کس طرح ان سب کو ہمیشہ کے لئے ڈھانپ لیا۔

۷۳۷ھ - حدیسی یعقوب بن ابراہیم: حدیثنا روح: حدیثنا شعبہ: حدیثنا ابو بشر،

عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ والیہود تصوم عاشوراء فسألہم فقالوا: هذا الیوم الذی ظہر فیہ موسیٰ علی فرعون،

فقال النبی ﷺ: ((نحن أولى بموسى منهم فصوموه)). [راجع: ۲۰۰۴]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے ان دنوں یہود عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے تو آپ نے یہودیوں سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس دن روزہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر غلبہ پایا تھا، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر ہم ان کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہیں تم لوگ بھی اس دن روزہ رکھو۔

عاشورہ کے دن روزہ کا حکم

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ اس وقت یہ روزہ فرض تھا بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور صرف استحباب باقی رہ گیا۔ ۱
مزید تفصیل کتاب الصوم میں گزر چکی ہے۔ ۲

(۳) باب قوله: ﴿فَلَا يَغْرِبْ جَنَّتُمْ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى﴾ [۱۱۷]

اس ارشاد کا بیان: ”لہذا ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے، اور تم مشقت میں پڑ جاؤ۔“

بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ ضروریات زندگی بیوی کی مرد کے ذمہ ہیں، ان کے حصول میں جو محنت و مشقت ہو اس کا تہا ذمہ دار مرد ہے۔
اسی لئے ”فَتَشْقَى“ بصیغہ مفرد لا کر اشارہ کر دیا کہ زمین پر اتارے گئے تو ان کی ضروریات زندگی کی تحصیل میں جو کچھ محنت و مشقت اٹھانی پڑے گی وہ حضرت آدم علیہ السلام پر پڑے گی، کیونکہ حواء کا نفقہ اور ضروریات زندگی فراہم کرنا ان کے ذمہ ہے۔

۱ صمدی القاری، ج: ۸، ص: ۲۲۳، المجموع، ج: ۶، ص: ۳۰۷، التمهید لابن عبد البر، ج: ۷، ص: ۲۰۴، وشرح

معانی الآثار، ج: ۲، ص: ۷۵.

۲ انعام الباری، شرح صحیح البخاری، ج: ۵، ص: ۵۷۰، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، رقم: ۲۰۰۴.

نفقہ واجبہ صرف چار چیزیں ہیں

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسی آیت نے ہمیں یہ بھی بتلادیا کہ عورت کا جو نفقہ مرد کے ذمہ ہے وہ صرف چار چیزیں ہیں: کھانا، پینا، لباس اور مسکن۔

اس سے زائد جو کچھ شوہر اپنی بیوی کو دیتا یا اُس پر خرچ کرتا ہے وہ تبرع و احسان ہے، واجب و لازم نہیں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی کے علاوہ جس کسی کا نفقہ شریعت نے کسی شخص کے ذمہ عائد کیا ہے اس میں بھی چار چیزیں اس کے ذمہ واجب ہوتی ہیں جیسے ماں باپ کا نفقہ اولاد کے ذمہ جبکہ وہ محتاج اور معذور ہوں وغیرہ ذلک جسکی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ ۵

۴۷۳۸۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا أيوب بن النجار، عن يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((حاج موسى آدم فقال له: أنت الذي أخرجت الناس من الجنة بدينك فأشقيتهم؟ قال: قال آدم: يا موسى أنت الذي اصطفاك الله برسالاته وبكلامه، أتلو مني على أمر كتب الله على قبل أن يخلقني؟ أو قدره على قبل أن يخلقني؟)) قال رسول الله ﷺ: ((فحج آدم موسى)). [راجع: ۳۴۰۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ عليه السلام نے حضرت آدم عليه السلام سے بحث کی اور ان سے فرمایا کہ آپ ہی نے لوگوں کو جنت سے نکلوایا اپنی غلطی کی وجہ سے اور ان کو مشقت میں ڈالا، تو حضرت آدم عليه السلام نے حضرت موسیٰ عليه السلام سے کہا کیا تم وہی موسیٰ نہیں ہو، جن کو خدا نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کیلئے پسند فرمایا؟ تو کیا تم مجھ پر ایک ایسی چیز کا الزام عائد کرتے ہو، جسے خدا نے پہلے سے میری تقدیر میں لکھ دیا تھا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم عليه السلام حضرت موسیٰ عليه السلام پر اپنی تقدیر سے غالب آگئے۔

سورة الانبياء

سورة انبياء کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

آپ ﷺ کی نبوت پر کفار مکہ کا ایک اعتراض یہ تھا کہ ایک ہم جیسے انسان کو پیغمبر بنا کر کیوں بھیجا گیا ہے؟ اسکے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ انسانوں کے پاس انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا مناسب تھا اور اس ضمن میں بہت سے پچھلے پیغمبروں کا حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ سب انسان ہی تھے اور انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو انہی عقائد کی تعلیم دی تھی جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے عقائد ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے اسی حوالے کی بنا پر اس سورت کا نام سورة الانبياء رکھا گیا ہے۔ اس سورت کا بنیادی مقصد اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات ہے اور ان عقائد کے خلاف کفار مکہ جو اعتراضات اٹھایا کرتے تھے، سورت میں ان کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

۴۷۳۹۔ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبه، عن أبي اسحاق قال:

سمعت عبد الرحمن بن يزيد، عن عبد الله قال: بنى اسرائيل، والكهف، ومريم، وطه،

الانبياء، من من العتاق الاول، ومن من تلالدي. [راجع: ۴۷۰۸]

ترجمہ: ابوالخلق بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبد الرحمن بن یزید سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف اور سورہ مریم کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ اول درجہ کی عمدہ سورتوں میں سے ہیں اور میری پرانی یاد کی ہوئی ہیں۔

وقال قتادة: ﴿جُذَاذًا﴾: قطعهن. وقال الحسن: في الفلك مثل فلانة المغزل.

﴿يُنْهَوْنَ﴾: يدورون.

قال ابن عباس: ﴿لَفَشْتُ﴾: رعت ليلًا. ﴿يُنْهَوْنَ﴾: يمنعون.

﴿أَمْنُكُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ﴾ قال: دينكم دين واحد. وقال عكرمة: ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾: حطب بالحبشة.

وقال غيره: ﴿أَحْسُوا﴾: توقعوه، من أحسست. ﴿خَامِدِينَ﴾: هامدين، الحصيد: مستاصل يقع على الواحد والاثنين والجميع.

﴿لَا يَسْتَخِيرُونَ﴾: لا يعيرون، ومنه حسير وحسرت بعيرى. ﴿لِيَكُونُوا﴾: رُدُّوا. ﴿صَنَعَةُ لُثُوسٍ﴾: الدروع.

﴿تَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ﴾: اختلفوا. الحسيس والحس والجرس والهمس واحد وهو من الصوت الخفى.

﴿أَذْنَاكَ﴾: أعلمناك. ﴿أَذْنُكُمْ﴾: إذا أعلمته فأنت وهو على سواء لم تعدر. وقال مجاهد: ﴿لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ﴾: تفهمون. ﴿أَزَقَصَى﴾: رضى. ﴿التَّمَائِيلُ﴾: الأصنام. ﴿السَّجِلُ﴾: الصحيفة.

ترجمہ و تشریح

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ”جَعْلًا اِذَا“ کا معنی ہے ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے، دراصل ”جد۔ یجد۔ یجد“ از نصر کا معنی ہے کاٹنا، توڑنا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر ایک اپنے دائرے میں گھومتے ہیں جیسے چرخہ کا تکلہ گھومتا ہے ”یُسَبِّحُونَ“ بمعنی ”یدورون“ یعنی گھومتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”لَفَشْتُ“ بمعنی ”دعت لیلًا“ یعنی بکریاں رات کو چر گئیں۔

”يُضْحَكُونَ“ کا معنی ہے رو کے جائیں گے یعنی نہ کوئی ان کو ہمارے عذاب سے بچائے گا۔

﴿أَمْنُكُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ﴾ کے معنی دین کے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم سب کا دین ایک دین ہے، ہر وہ جماعت جو ایک دین پر ہو اسے امت کہا جاتا ہے۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ آیت ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ”حَصَبُ“ حبشی زبان میں لکڑی کو یا ایندھن کو کہتے ہیں۔

حضرت عکرمہ کے علاوہ یعنی حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”أَحْسُوا“ کے معنی ہیں ”توقعوه“ یعنی جب ہمارے عذاب کی توقع ہوئی، آہٹ پائی، یہ لفظ ”أَحْسَتْ“ یعنی احساس مصدر سے مشتق ہے جس

کے معنی ہیں محسوس کرنا۔

”نَحَامِدُنَّ“ بمعنی ”ہامدین“ یعنی مراہوا، بجھاہوا۔

”الحصید“ کے معنی ہیں جڑ سے کٹا ہوا، یہ لفظ واحد،ثنیہ اور جمع سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

”لَا يَسْتَخِيرُونَ“ کے معنی ہیں ”لا یعیون“ یعنی تھکتے نہیں ہیں اور اسی سے ”حسیر“ تھکا ہوا، اور

”حسرت بعیری“ میں نے اپنے اونٹ کو تھکا دیا۔

”نُكِسُوا“ بمعنی ”زُدُوا“ ماضی مجہول ہے یعنی کفر کی طرف لوٹا دیئے گئے۔

”صَنَعَةُ لِبَاسٍ“ بمعنی ”الدروع“ یعنی زرہیں بنانا۔

”لبوس“ جمع ”لبس“ جس کا معنی ہے لباس، لوہے کی زرہ، یہاں زرہ مراد ہے۔

”تَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ“ کے معنی ہیں اختلاف پیدا کر لیا، جدا جدا طریقہ اختیار کر لیا۔

”الحسيس والحس والجوس والهمس“ ان سب کا معنی ایک ہی ہے یعنی پست آواز۔

”أَذْنَاكَ“ کا معنی ہے ہم نے تجھ کو اطلاع دیدی، خبر کر دی۔

”أَذْنَتْكُمْ“ میں نے تم کو خبر کر دی، اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو اطلاع دیدیں، پس تم اور دوسرا

بندہ، مخاطب برابر ہو گئے اور تم نے اس سے کوئی دعا بازی نہیں کی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ“ کے معنی ہیں ”تفہمون“ یعنی شاید تم سمجھو۔

”أَرْضَى“ کے معنی ہے راضی ہوا، پسند کیا۔

آیت میں ”التَّمَايَلُ“ کے معنی ہیں بت، سورتیں۔

”السَّجِلُ“ کے معنی ہیں صحیفہ، نوشتہ۔

(۱) باب: ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعَدًا عَلَيْنَا﴾ [۱۰۴]

باب: ”جس طرح ہم نے پہلی بار تخلیق کی ابتدا کی تھی، اسی طرح ہم اُسے دوبارہ پیدا کر دیں گے۔“

۳۷۴۔ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا شعبه، عن المغيرة بن النعمان شيخ من

النخع، عن سعيد بن جبهر، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: خطب النبي ﷺ فقال:

((الكم محشورون الى الله حفاة عراة غرلا ﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعَدًا عَلَيْنَا﴾ إِنَّا كُنَّا

لَاعِلِينَ)) ثم ان اول من يكسى يوم القيامة ابراهيم، الا انه يجاء برجال من امتي فيؤخذ

بہم ذات الشمال فاقول: یا رب اصحابی، لیقال: لا تدری ما احدثوا بعدک. فاقول کما قال العبد الصالح: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ الی قولہ: ﴿شَهِيدًا﴾ لیقال: ان هؤلاء لم یزالوا مرتدین علی اعقابہم منذ فارقتہم)). [راجع: ۳۳۴: ۹]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم سب قیامت کے دن عریاں بدن اور غیر محتون حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور جمع کئے جاؤ گے ﴿کَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَغَدَاً عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا لَافِعِلِينَ﴾۔ پھر سب سے پہلے قیامت کے روز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ پھر میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے، پھر انھیں بائیں جانب لے جایا جائے گا، تو میں عرض کروں گا اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں، ارشاد ہوگا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کام کئے ہیں۔ اس وقت میں وہی کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے نے کہا تھا ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ اس ارشاد باری تعالیٰ تک ﴿شَهِيدًا﴾۔ پھر ارشاد ہوگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر گئے تھے جب آپ ان سے جدا ہوئے تھے۔

میدان حشر کا احوال

نبی اکرم ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور فرمایا کہ تمہیں قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر محتون حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور جمع کئے جاؤ گے۔ اور پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿کَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَغَدَاً عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا لَافِعِلِينَ﴾۔

یہاں پر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن جب مردے اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو ان کے جسم و بدن کے تمام اجزاء یک جا ہو کر مل جائیں گے اور پورا جسم اسی طرح کا ہو جائے گا جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ یہ بات نہ صرف یہ کہ حق تعالیٰ کے کمال علم اور کائنات کے ایک ایک جزو کل پر اس کے محیط ہونے کی دلیل ہے بلکہ اشیاء ممکنات کے تعلق سے اس کی قدرت کاملہ کی لامتناہی وسعتوں کی بھی علامت ہے۔

پھر فرمایا کہ ”سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔“

ان کو یہ فضیلت محض اس لئے حاصل ہوگی کہ وہ ان لوگوں میں سب سے پہلے شخص ہیں جو فقراء اور

ضرورت مندوں کو کپڑے پہناتے ہیں اور ان کی ستر پوشی کرتے ہیں یا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ سب سے پہلے شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے لباس کیا گیا تھا جب کہ انہیں نمرود کی آگ میں ڈالا گیا تھا۔

بس ان کی یہ مخصوص نوعیت کی فضیلت ہمارے پیغمبر ﷺ پر ان کی فضیلت کو ثابت نہیں کرتی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے لباس پہنایا جانا ان کے اس اعزاز و اکرام کے طور پر ہوگا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے روحانی اور دینی والد ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو اولیت حاصل ہوگی وہ حقیقی ہے یا اضافی؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ اولیت حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی ان کو آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور تمام لوگوں میں سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا!

اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جن کپڑوں میں دفن کیا گیا ہے آپ ﷺ قیامت کے دن انہیں کپڑوں میں اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے۔

جبکہ سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

”اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنَشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ فَاَكْسَى حُلَمَنْ حُلِلَ الْجَنَّةُ لَمْ اَقُومِ عَنْ يَمِينِ الْعَرْشِ

لَيْسَ اَجَدُ مِنَ الْخَلَائِقِ بِقَوْمِ ذَلِكَ الْمَقَامِ غَيْرِي“

یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے میں زمین سے پھٹ کر اٹھوں گا اور جنت کا لباس پہنوں گا اور پھر عرش کے دائیں طرف کھڑا ہوں گا اور اس جگہ مخلوقات میں سے میری علاوہ کسی اور کھڑا ہونا نصیب نہیں ہوگا۔ ۱

پھر میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے، پھر انہیں بائیں جانب لے جایا جائے گا، تو میں عرض کروں گا اے میرے رب ایہ تو میرے ساتھی ہیں، ارشاد ہوگا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کام کئے ہیں۔ اس وقت میں وہی کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے نے کہا تھا ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ﴾۔

یعنی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اپنی قوم کی گمراہی اور بد عقیدگی و بد عملی سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے اور اپنی گمراہی قوم کے معاملے کو حق تعالیٰ کے عدل و انصاف پر چھوڑ دیں گے، اسی طرح میں بھی کہوں گا کہ پروردگار! میری امت کے یہ وہ لوگ ہیں دنیا میں میری موجودگی کے درمیان ایمان و عمل کی سیدھی راہ پر گامزن تھے اور میں ان کا نگران و ذمہ دار تھا۔

لیکن جب میں دنیا سے اٹھ گیا تو انہوں نے اپنے نفس اور شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر گمراہی کو اختیار کر لیا، اب ان کا معاملہ تیرے اوپر موقوف ہے، تیری عادل و منصف بارگاہ ان کے بارے میں جو چاہے فیصلہ دے وہ سراسر عادلانہ اور منصفانہ ہوگا۔

یا رب اصحابی - سے مراد

”مألول: یا رب اصحابی“ واضح رہے کہ یہاں حدیث کے اس جملے میں اصحابی سے وہ صحابہ نہیں ہیں جن کو آپ ﷺ کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی آپ سے نسبت رہی اور جن کو حقیقت میں ”صحابہ“ کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کے بارے میں یقینی معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ان میں سے کوئی بھی صحابی مرتد نہیں ہوا اور نہ کسی عقیدہ و عمل کی کوئی ایسی گمراہی اختیار کی جس کی بناء پر انہیں دوزخی کہا جاسکے۔

لہذا صحابہ سے مراد وہ اجڑ دیہاتی ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مشرف باسلام ہو گئے تھے لیکن آپ کی وفات کے بعد میلہ کذاب اور اسود وغیرہ کی اتباع کرنے کے سبب مرتد ہو گئے تھے۔

(۲۲) سورة الحج

سورة حج کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

سورة حج مدنی ہے، اور اس میں اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں۔
اس سورت کا کچھ حصہ مدنی ہے اور کچھ مکی، مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شروع ہو چکا تھا اور تکمیل ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔

وجہ تسمیہ

اسی سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حج کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں کس طرح شروع ہوئی اور اس کے بنیادی ارکان کیا ہیں؟ اسی وجہ سے اس کا نام سورة حج ہے۔

صبر کے بعد جہاد کا حکم

مکہ مکرمہ میں مشرکین نے مسلمانوں کو طرح طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا تھا وہاں مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی جاتی تھی، لیکن مدینہ منورہ آنے کے بعد اسی سورت میں پہلی بار مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم کے مقابلے میں جہاد کی اجازت دی گئی اور فرمایا گیا کہ جن کافروں نے مسلمانوں پر ظلم کر کے انہیں اپنا وطن اور گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا ہے، اب مسلمان ان کے خلاف تلوار اٹھا سکتے ہیں۔

اس طرح جہاد کو ایک عبادت قرار دیکر یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ نہ صرف اس کا ثواب آخرت میں ملے گا بلکہ دنیا میں بھی مسلمانوں کو انشاء اللہ فتح نصیب ہوگی۔

خصوصیات سورت

امام قرطبی رحمہ اللہ اس سورت کے بارے میں یہ بات نقل فرماتے ہیں کہ اس سورت کے عجائب میں

سے یہ بات ہے کہ اس کی آیات کا نزول بعض کارات میں، بعض کا دن میں، بعض کا سفر میں، بعض کا حضر میں، بعض کا مکہ میں، بعض کا مدینہ میں، بعض کا جنگ و جہاد کے وقت اور بعض کا صلح و امن کی حالت میں ہوا ہے اور اس میں بعض آیات ناسخ ہیں اور بعض منسوخ، بعض محکم ہیں، بعض متشابہ کیونکہ تمام اصناف تنزیل پر شامل ہے۔ ۱۔
وقال ابن عیینہ: ﴿الْمُخْبِتِينَ﴾: الْمُطْمَئِنِّينَ.

وقال ابن عباس لی ﴿إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ لِي أُمْنِيَّتِهِ﴾ اذا حدث القی الشیطان لی حدیثہ فیبطل اللہ ما یلقى الشیطان ویحکم آیاتہ ویقال أُمْنِيَّتُهُ: قِرَاءَتُهُ.
﴿إِلَّا أَمَّا لِي﴾: یقرؤن ولا یکتبون. وقال مجاهد: ﴿مَشِيدٌ﴾ بالقصة حص. وقال غیرہ: ﴿یَسْطُونَ﴾ یفرطون من السطوة، ویقال: یَسْطُونَ: یَبْطِشُونَ.
﴿وَهَذَا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ أَلْهِمُوا إِلَى الْقُرْآنِ. ﴿وَهَذَا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ﴾ الإسلام، وقال ابن عباس: ﴿بِسَبِّ﴾ بجبل إلى سقف البيت. ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا﴾ مُسْتَكْبَرٌ ﴿تَذَهَّلْ﴾: تَشْغَلْ.

ترجمہ و تشریح

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرماتے ہیں کہ ”الْمُخْبِتِينَ“ کے معنی ہیں مطمئن یعنی جو اللہ جلّ جلالہ کی تقدیر و قضاء پر راحت و کلفت، فراخی و تنگی ہر حال میں مطمئن و راضی رہتے ہیں۔
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کریمہ ﴿إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ لِي أُمْنِيَّتِهِ﴾ کی تفسیر میں فرمایا جب نبی کریم ﷺ کلام کرتے ہیں۔

یعنی آیات کی تلاوت کرتے ہیں، اللہ جلّ جلالہ کا پیغام سناتے ہیں تو شیطان آپ کی تلاوت میں اپنی طرف سے کچھ ملانے کی کوشش کرتا ہے، پھر اللہ جلّ جلالہ شیطان کے ڈالے ہوئے بات کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو محکم اور ثابت رکھتا ہے۔

اور کہا جاتا ہے کہ ”أُمْنِيَّتُهُ“ کے معنی قرأت (تلاوت) کے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ اسکے استشہاد میں سورہ بقرہ کی آیت پیش کرتے ہیں کہ ﴿إِلَّا أَمَّا لِي﴾ کے معنی ہیں ”یقرؤن ولا یکتبون“ یعنی پڑھتے ہیں لیکن لکھتے نہیں ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ”مَشِيدٌ“ کے معنی ہیں چونا سے مضبوط کیا ہوا، پلاستر و قلعی کیا ہوا۔ اور بعض نے کہا کہ ”يَسْطُونَ“ کے معنی ہیں ”يُسْرِطُونَ“ یعنی زیادتی کر بیٹھیں، حملہ کر بیٹھیں، ”يَسْطُونَ“ مشتق ہے ”السَّطْوَةِ“ سے بمعنی حملہ کرنا۔

بعضوں نے کہا کہ ”يَسْطُونَ“ کا معنی ہے ”يَبْطِشُونَ“ سخت پکڑیں۔

﴿وَهَذَا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ اس آیت کریمہ میں ”الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ“ سے مراد قرآن ہے یعنی قرآن کی طرف الہام کئے گئے۔

جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ کلمہ طیب سے مراد ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے۔

﴿وَهَذَا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ﴾ اس آیت میں ”صِرَاطِ الْحَمِيدِ“ سے مراد اسلام ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ”يَسْبَبُ“ اس رسی کہتے ہیں، جو چھت سے لگی ہو۔

﴿ثَانِي عَظِيمٍ﴾ یعنی تکبر کرنے والا۔

”تَلْعَلُ“ بمعنی ”تَشْفِلُ“ یعنی بھول جائیں گی، یہ مشتق ہے ”ذھول“ سے جس کے معنی کسی شئی میں اس طرح مشغول ہونے کے ہیں کہ غم اور بھول پیدا ہو جائے۔

(۱) باب قوله: ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى﴾ [۲]

اس ارشاد کا بیان: ”اور لوگ تمہیں یوں نظر آئیں گے کہ جیسے وہ نشے میں بدحواس ہیں۔“

۴۷۴۱۔ حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش: حدثنا أبو صالح، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال النبي ﷺ: ((يقول الله عز وجل يوم القيامة: يا آدم، ليقول ليك ربنا ومعديك. فينادي بصوت: ان الله يأمرك أن تخرج من ذريتك بعثا إلى النار. قال: يارب وما بعث النار؟ قال: من كل ألف -أراه قال- تسعمائة وتسعة وتسعين، لحينئذ تضع الحامل حملها ويشيب الوليد ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ﴾)) فشق ذلك على الناس حتى تغيرت وجوههم. فقال النبي ﷺ: ((من ياجوج وما جوج تسعمائة وتسعة وتسعين ومنكم واحد. ثم أتم في الناس كالشجرة السوداء في جنب الثور الأبيض أو كالشجرة البيضاء في جنب الثور الأسود. وإلى لأرجوا أن تكونوا ربع أهل الجنة)) فكبرنا. ثم قال: ((لث أهل الجنة)) فكبرنا. ثم قال: ((شطر

أهل الجنة)) فکبرنا.

وقال أبو أسامة، عن الأعمش ﴿تَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ﴾ قال: ((من كل ألف تسعمائة وتسعة وتسعين)).

وقال جرير وعيسى بن يونس وأبو معاوية: ﴿سُكَرَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَرَىٰ﴾. [راجع:

[۳۳۴۸

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ قیامت کے دن حضرت آدم ؑ سے فرمائے گا، اے آدم! وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب میں حاضر ہوں، فرمانبرداری کیلئے، پھر بلند آواز میں پکارا جائے گا کہ اللہ ﷻ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے ان لوگوں کو نکالو جو جہنم کے مستحق ہیں، حضرت آدم ؑ عرض کریں گے اے رب! مستحقین جہنم کی کیا تعداد ہوگی؟ حکم ہوگا ہر ہزار آدمیوں میں سے۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ کہا جائے گا۔ نوسونانوے۔ یہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ حاملہ عورت کا حمل گر جائے گا اور بچہ بوڑھا ہو جائے گا۔ اور تو قیامت کے دن لوگوں کو ایسا دیکھے گا کہ ﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ﴾۔ یہ حدیث مجلس میں موجود صحابہ ؓ پر سخت گذری، انکے چہروں کا رنگ بدل گیا، اس وقت نبی کریم ﷺ نے ان کی تسلی کیلئے فرمایا کہ نوسونانوے افراد یا جوج ماجوج کے ہوں گے اور تم میں سے ایک ہوگا۔ اس روز تم لوگ محشر میں دوسرے لوگوں کی نسبت ایسے ہو گے جیسے سفید نیل کے جسم پر ایک سیاہ بال ہوتا ہے یا بالکل سیاہ نیل کے جسم پر ایک سفید بال ہوتا ہے، اور مجھ کو یہ امید ہے کہ تم لوگ سارے جنتیوں کے ایک چوتھائی حصہ ہو گے، یہ سن کر ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل جنت کے ایک تہائی ہو گے، پھر ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل جنت کے آدھے ہو گے، ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔

ابو اسامہ نے اعمش سے یوں روایت نقل کی ہے ﴿تَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ﴾ اور کہا ہے کہ ہر ہزار میں سے نوسونانوے۔

جریر، عیسیٰ بن یونس اور ابو معاویہ نے یوں قرأت کی ﴿سُكَرَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَرَىٰ﴾۔

احوال قیامت

سورۃ الحج کی یہ ابتدائی آیات آنحضرت ﷺ پر جب نازل ہوئیں، تو آپ ﷺ نے اپنے رفقاء سفر صحابہ کرام ؓ سے خطاب فرمایا، جس میں قیامت کے احوال بیان فرمائے۔

فرمایا کہ اللہ جلّ جلالہ قیامت کے روز حضرت آدم علیہ السلام کو فرمائیں گے کہ اے آدم!، حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب میں حاضر ہوں، فرمانبرداری کیلئے۔ پھر بلند آواز میں پکارا جائے گا کہ اللہ جلّ جلالہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے ان لوگوں کو نکالو جو جہنم کے مستحق ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام دریافت کریں گے کہ جہنم میں جانے والے کون لوگ ہیں؟ تو حکم ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے لوگ جہنم میں جانے والے ہیں۔ اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہی وہ وقت ہوگا کہ ڈر اور خوف سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور حمل والی عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔

اس روز تم لوگوں کا یہ حال دیکھو گے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَوَكَّرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسَّكَارَىٰ
وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ﴾

ترجمہ: اور لوگ تمہیں یوں نظر آئیں گے کہ جیسے وہ نشے میں بدحواس ہیں اور وہ نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے، لیکن اللہ کا عذاب بہت شدید ہے۔

روز قیامت کے یہ احوال سن کر مجلس میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گئے اور خوف کے مارے ان کے چہروں کی رنگت بدل گئی۔

اس وقت نبی کریم ﷺ نے ان کی تسلی کیلئے فرمایا کہ تم بے فکر رہو، جہنم میں جانے والے ہزار افراد میں یا جوج ماجوج میں سے نو سو ننانوے اور تم میں سے ایک فرد ہوگا۔ اس روز تم لوگ محشر میں دوسرے لوگوں کی نسبت ایسے ہو گے جیسے سفید بیل کے جسم پر ایک سیاہ بال ہوتا ہے یا بالکل سیاہ بیل کے جسم پر ایک سفید بال ہوتا ہے، اور مجھ کو یہ امید ہے کہ تم لوگ سارے جنتیوں کے ایک چوتھائی حصہ ہو گے۔

یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل جنت کے ایک تہائی ہو گے، پھر ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل جنت کے آدھے ہو گے، ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔

جبکہ بعض دوسری روایات میں اس طرح ہے کہ اُس روز تم ایسی دو مخلوقوں کے ساتھ ہو گے کہ وہ جب کسی جماعت کے ساتھ ہوں گے تو وہی تعداد میں غالب اور اکثر رہیں گے۔ ایک یا جوج ماجوج اور دوسرے ابلیس اور انکی ذریت اور اولاد آدم میں سے جو لوگ پہلے مر چکے ہیں۔ ۱

(۲) باب: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَغْبُذُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ﴾ [۱۱]

باب: ”اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو ایک کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔“

شک۔ ﴿اتَرٰلَنٰهُمْ﴾: وسعناہم۔

﴿عَلٰی حَرْفٍ﴾ کی تفسیر ”شک“ کے ساتھ کی ہے، یعنی شک کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

”اتَرٰلَنٰهُمْ“ بمعنی ”وَسَعْنَاهُمْ“ ہم نے ان کو دنیا کی زندگی میں وسعت عطاء کی۔

یہ لفظ سورۃ المؤمنون کا ہے شاید کاتب کی غلطی سے یہاں لکھا گیا ہے۔

۴۷۴۲۔ حدثنی ابراہیم بن الحارث: حدثنا یحییٰ بن أبی بکر: حدثنا اسراہیل،

عن أبی حصین، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن

يَغْبُذُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ﴾. قال: كان الرجل يقدم المدينة، فيسلم فان ولدت امرأته غلاما

ونسجت خيله قال: هذا دين صالح، وان لم تلد امرأته ولم تنتج خيله قال: دين سوء. ج

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَغْبُذُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ بعض لوگ مدینہ آتے اور اپنے اسلام کا

اظہار کرتے اس کے بعد اگر اس کی بیوی کے یہاں لڑکا پیدا ہوتا اور اس کی گھوڑی بھی بچہ دیتی تو وہ کہتے کہ یہ دین

بڑا اچھا دین ہے، لیکن اگر انکے یہاں نہ لڑکا پیدا ہوتا اور نہ گھوڑی کوئی بچہ دیتی تو کہتے یہ تو بُرا دین ہے۔

میٹھا میٹھا ہپ ہپ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر کر رہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ

میں مقیم ہو گئے تو بعض ایسے لوگ بھی آ کر مسلمان ہو جاتے تھے، جن کے دل میں ایمان کی پختگی نہیں تھی۔

چنانچہ اگر اسلام لانے کے بعد اس کی اولاد اور مال میں ترقی ہو گئی تو کہتا تھا کہ یہ دین اچھا ہے اور اگر

اس کے خلاف ہوا تو کہتا تھا کہ یہ دین بُرا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَغْبُذُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ﴾ نازل ہوئی کہ

یہ لوگ ایمان کے ایک کنارے پر کھڑے ہیں۔ اگر ان کو ایمان کے بعد دنیوی راحت اور مال و سامان ملا تو اسلام پر جم گئے اور اگر وہ بطور آزمائش کسی تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو گئے تو دین سے پھر گئے۔

(۳) باب قوله: ﴿هَٰذَا نِ خُصْمَانِ اخْتَصَمُوا لِي رِبِّهِمْ﴾ [۱۹]

اس ارشاد کا بیان: ”یہ (مومن اور کافر) دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ہے۔“

حق و باطل، دو فریق

اس سے پہلے آیت ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّالِحِينَ﴾ میں جن فرقوں کا ذکر ہوا، ان سب کو حق و باطل پر ہونے کی حیثیت سے دو فریق ہیہ سکتے ہیں۔ ایک مومنین کا گروہ جو اپنے رب کی سب باتوں کو من و عن تسلیم کرتا اور اسکے احکام کے آگے سر بسجود رہتا ہے۔

دوسرا کفار کا مجمع جس میں یہود و نصاریٰ، مجوس، مشرکین، صائین وغیرہم سب شامل ہیں، جو ربانی ہدایات کو قبول نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کے لئے سر نہیں جھکاتے۔ دونوں فریق دعاوی میں، بحث و مناظرہ اور جہاد و قتال کے مواقع میں بھی ایک دوسرے کے مد مقابل رہتے ہیں، خواہ قرن اول کے ہوں یا قرون مابعد کے۔

البتہ نزول اس آیت کا ان دو فریق کے بارے میں ہوا ہے جو میدان بدر کے مبارزہ ایک دوسرے کے مقابل نبرد آزما ہوئے تھے۔ مسلمانوں میں سے حضرت علی و حمزہ و عبیدہ ؓ اور کفار میں سے عقبہ بن ربیعہ، اسکا بیٹا ولید اور بھائی شیبہ تھے، وہ تینوں مارے گئے اور مسلمانوں میں سے حضرت حمزہ و حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں صحیح سالم واپس آئے اور حضرت عبیدہ ؓ شدید زخمی ہو کر آئے اور آنحضرت ﷺ کے قدموں میں پہنچ کر دم توڑ دیا۔ آیت کا نزول ان مبارزین بدر کے بارے میں ہونا درج ذیل حدیث سے ثابت ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم ان کے ساتھ مخصوص نہیں پوری امت کے لئے عام ہے، چاہے کسی بھی زمانے میں ہوں۔ ج

۴۷۴۳ - حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا هشيم: أخبرنا أبو هاشم، عن أبي مجلز عن قيس بن عباد، عن أبي ذر رضی اللہ عنہ أنه كان يقسم لسماء: إن هذه الآية ﴿هَذَا نِ خَضَمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ نزلت في حمزة وصاحبيه، وعتبة وصاحبيه يوم بروزوا في يوم بدر. رواه سفیان، عن أبي هاشم. وقال عثمان، عن جرير، عن منصور، عن أبي هاشم، عن أبي مجلز قوله. [راجع: ۳۹۶۶]

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر بیان کیا کہ یہ آیت ﴿هَذَا نِ خَضَمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں اور ان کے مقابل عتبہ اور اس کے ساتھیوں کے متعلق جنگ بدر کے دن اس وقت نازل ہوئی، جب کہ یہ جنگ کیلئے جارہے تھے۔

اس حدیث کو سفیان ثوری نے ابو ہاشم سے اور عثمان نے جریر سے اور وہ منصور سے اور وہ ابو ہاشم سے اور وہ ابو مجلز سے روایت کرتے ہیں۔

۴۷۴۴ - حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا معتمر بن سليمان قال: سمعت أبي قال: حدثنا أبو مجلز. عن قيس بن عباد، عن علي رضی اللہ عنہ قال: أنا أول من يجرئ بين يدي الرحمن للخصومة يوم القيامة. قال قيس: وفيهم نزلت ﴿هَذَا نِ خَضَمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ قال: هم الذين بارزوا يوم بدر: علي وحمزة وعبيدة، وشيبة بن ربيعة وعتبة بن ربيعة والوليد بن عتبة. [راجع: ۳۹۶۵]

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے بیان کیا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو خدا رحمن کے سامنے قیامت کے دن فیصلہ کے لئے دوزانو ہو کر بیٹھے گا، اور قیس بن عباد نے بیان کیا کہ ان ہی حضرات کے بارے میں آیت ﴿هَذَا نِ خَضَمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ نازل ہوئی جو بدر کے دن مقابلے کیلئے لکے تھے، یعنی حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔

(۲۳) سورة المؤمنون

سورة مؤمنون کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ اور مؤمنوں کی صفات

سورت کے شروع میں اللہ ﷻ نے وہ بنیادی صفات ذکر فرمائی ہیں جو مسلمانوں میں پائی جانی چاہئیں۔
مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ اس سورت کی پہلی دس آیتوں میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں، اگر کوئی شخص وہ ساری باتیں اپنے اندر پیدا کر لے تو وہ سیدہ جنت میں جائیگا۔ ۱

اسی لئے اس سورۃ کا نام ”المؤمنون“ یعنی یہ سورت بیان کرتی ہے کہ مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہئے۔
نیز نسائی میں روایت ہے کہ ایک صاحب نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق اور اوصاف کیسے تھے؟
اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سورۃ مؤمنون کی یہ دس آیتیں تلاوت فرمادیں کہ یہ سب آنحضرت ﷺ کے اوصاف تھے۔ ۲

مقصد زندگی

سورت کا بنیادی مقصد انسان کو اسکی اصلیت کی طرف متوجہ کر کے اس بات پر غور و فکر کی دعوت دینا کہ

۱۔ مسند احمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، مسند الحلفاء الراشدين، اول مسند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، رقم: ۲۲۳

۲۔ السنن الكبرى للنسائي، كتاب التفسير، سورة المؤمنون، رقم: ۱۱۲۸۷

ت دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے اور بالآخر مرنے کے بعد جو زندگی آتی ہے، اس میں انسان کا انجام کیا ہوگا؟ اس کے علاوہ حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بہت سے انبیاء کرام کے واقعات اس سلسلے میں دہرائے گئے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو کہ ان سب پیغمبروں کی دعوت تو اتر کے ساتھ ایک ہی تھی اور جن لوگوں نے اُن کا انکار کیا، انہیں اللہ جلّ جلالہ کی طرف سے عذاب کا نشانہ بننا پڑا۔

مرنے کے بعد اللہ جلّ جلالہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے ان کی نیکیوں اور برائیوں کا حساب لینے اور ہر انسان کو اپنے عقیدے اور عمل کے اعتبار سے جزا و سزا کا سامنا کرنا پڑیگا۔ اس عقیدے کو کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت خداوندی کی نشانیوں کی طرف متوجہ کر کے ثابت کیا گیا ہے۔

قال ابن عیینہ: ﴿سَبَّحَ طَرَائِقُ سَمَرَاتٍ﴾: ﴿لَهَا سَابِقُونَ﴾: سبقت لهم السعادة.

﴿قُلُوبُهُمْ وَجِلَّةٌ﴾: خائفین۔ وقال ابن عباس: ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ﴾: بعيد بعيد۔
﴿فَاسَالِ الْعَادِينَ﴾: الملائكة۔ ﴿لَنَّا كِبُؤُنْ﴾: لعادلون۔ ﴿كَالْحُونِ﴾: عابسون۔
وقال غيره: ﴿مِنْ سَلَالَةٍ﴾: الولد والنطفة السلاله۔
والجنة والجنون واحد۔ والفشاء: الزبد وما ارتفع عن الماء وما لا ينتفع به۔
﴿يَجَارُونَ﴾: يرفعون اصواتهم كما تجار البقرة۔ ﴿عَلَىٰ أَغْقَابِكُمْ﴾: رجع على عقبيه۔
﴿سَامِرًا﴾: من السمر، والجمع السمار والسمار هاهنا في موضع الجمع
﴿تَسَحَّرُونَ﴾: تعملون من السحر۔

ترجمہ و تشریح

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا کہ ”سَبَّحَ طَرَائِقُ“ سے ساتوں آسمان مراد ہیں۔
”لَهَا سَابِقُونَ“ کے معنی ہیں ”سبقت لهم السعادة“ یعنی ان کیلئے سعادت سبقت کر چکی ہے، ان کی قسمت میں سعادت لکھ دی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ نیکیوں کی طرف دوڑتے ہیں۔
﴿قُلُوبُهُمْ وَجِلَّةٌ﴾ اس آیت میں لفظ ”وَجِلَّةٌ“ بمعنی ”خائفین“ یعنی خوفزدہ، ڈرانے والے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت میں ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ﴾ کے معنی بعید کے ہیں۔
﴿فَاسَالِ الْعَادِينَ﴾ کے معنی ہیں گننے والے فرشتوں سے پوچھ لو جو اعمال کا حساب رکھتے ہیں۔
”لَنَّا كِبُؤُنْ“ کے معنی ہیں ”لعادلون“ یعنی پھر جانے والے، اعراض کرنے والے۔

”كَالْحَوْنِ“ کے معنی ہیں ”عابسون“ یعنی ترش رو، بد شکل۔

اس میں ”الولد“ مبتدا ہے اور ﴿مِنْ سُلَالَةٍ﴾ خبر یعنی ولد سلالہ ہے، ”سُلَالَةٍ“ کے معنی ہیں نچوڑی ہوئی چیز، نچوڑ، خلاصہ۔ یہ مشتق ہے ”سل“ سے جس کے معنی ہیں کسی چیز کو کسی چیز سے نچوڑنے اور کھینچنے کے۔ مطلب آیت کریمہ کا یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا مٹی کے خلاصہ یعنی نچوڑی ہوئی چیز سے اور نطفہ یعنی ”سُلَالَةٍ“ سے۔

فرماتے ہیں ”الجنة والجنون“ دونوں کے معنی ایک ہیں۔

”الغناء“ کے معنی ہیں جھاگ یعنی وہ چیز جو پانی کے اوپر اٹھ جاتی ہے اور جس سے کوئی نفع نہیں ہوتا۔

”يَجْأَزُونَ“ آواز بلند کریں گے، جیسے گائے کی وہ آواز جو تکلیف کے وقت نکلتی ہے۔

”عَلَىٰ أَغْقَابِكُمْ“ ایزد یوں کے بل لوٹ گئے، اہل عرب کا مقولہ ہے ”علیٰ عقیبہ“ پیٹھ پھیر کر چل دیا۔

”مَسَامِرًا“ یعنی قصہ گو، فسانہ گو، یہ مشتق ہے لفظ ”مسمر“ سے اور اسکی جمع ہے ”السماور والسامر“

اور یہاں پر یہ جمع کیلئے آیا ہے، ”تُسَحْوُونَ“ جادو سے اندھے ہو رہے ہو۔

(۲۴) سورة النور

سورة النور کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

بے حیائی و فحاشی کی روک تھام، عفت و عصمت کے فروغ کے احکام

اس سورت کا مرکزی موضوع معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کو روکنے اور عفت و عصمت کو فروغ دینے کیلئے ضروری ہدایات اور احکام دینا۔

پچھلی سورت کے شروع میں مومنوں کی جو خصوصیات بیان فرمائی گئی تھیں، ان میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی باعفت زندگی گزارتے ہیں، اب اس سورت میں باعفت زندگی گزارنے کے ضروری تقاضے بیان فرمائے گئے ہیں۔

چنانچہ سورت کے شروع ہی میں زنا کی شرعی سزا بیان فرمائی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح زنا انتہائی گھناؤنا جرم ہے، اسی طرح کسی بے گناہ پر شرعی ثبوت کے بغیر زنا کا الزام لگانا بھی نہ صرف سخت گناہ ہے، بلکہ اس پر بھی سخت قانونی سزا مقرر فرمائی گئی ہے۔

غالب گمان یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت کے بعد چھٹے سال نازل ہوئی، اس سال آنحضرت ﷺ کو عرب کے ایک قبیلے بنو المصطلق کے بارے میں یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ آپ پر حملہ کرنے کیلئے ایک لشکر جمع کر رہا ہے، آپ نے اس کے حملے سے پہلے ہی پیش قدمی کر کے اس کے عزائم کو خاک میں ملا دیا، اسی سفر سے واپسی پر منافقین نے حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بڑی کمینگی کے ساتھ ایک بے بنیاد تہمت لگائی اور اسے مدینہ منورہ میں بڑے پیمانے پر شہرت دی جس سے کچھ مخلص مسلمان بھی متاثر ہو گئے۔

اس سورت کی آیات ۱۱ تا ۲۰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا اعلان کرنے کیلئے نازل ہوئیں، اور جن لوگوں نے تہمت لگانے کا گھناؤنا جرم کیا تھا، ان کو اور معاشرے میں عریانی و فحاشی پھیلانے والوں کو سخت عذاب کی وعیدیں سنائی گئیں۔

نیز عفت و عصمت کی حفاظت کے پہلے قدم کے طور پر خواتین کو پردے کے احکام بھی اسی سورت میں

دیئے گئے ہیں اور دوسروں کے گھر جانے کے لئے ضروری آداب و احکام کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ ۱۔
 ﴿مِنْ خِلَالِهِ﴾: من بین اضعاف السحاب۔ ﴿سَنَا بَرَقِهِ﴾: وهو الضياء۔ ﴿مُذْعِنِينَ﴾،
 يقال للمستخذي: مدعن۔ ﴿أَشْتَاتًا﴾ وشتی وشتات وشت واحد۔
 وقال ابن عباس: ﴿سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا﴾: بیناها۔ وقال غيره: سمي القرآن لجماعة
 السور وسميت السورة لانها مقطوعة من الاخرى۔ فلما قرن بعضها الى بعض سمي
 قرآنا۔ وقال سعد بن عياض الثمالي: المشكاة: الكوة بلسان الحبشة۔
 وقوله تعالى: ﴿إِنْ عَلَيْنَا جَمْعَةٌ وَقُرْآنَهُ﴾ تاليف بعضه الى بعض ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ
 قُرْآنَهُ﴾ فاذا جمعناه واتفقنا فاتبع قرآنه، أى ما جمع فيه فاعمل بما أمرک وانه عما
 نهاک۔ ويقال ليس: لشعره قرآن أى تاليف، وسمى الفرقان لانه يفرق بين الحق
 والباطل۔ ويقال للمرأة: ما قرأت بسلاقط أى لم تجمع فى بطنها ولذا۔
 وقال: ﴿فَرَضْنَاهَا﴾: أنزلنا فيها فرائض مختلفة۔ ومن قرأ ﴿فَرَضْنَاهَا﴾ يقول:
 فرضنا عليكم وعلى من بعدكم۔ قال مجاهد: ﴿أَوِ الْطِفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَطْهَرُوا﴾: لم يدروا لما
 بهم من الصغر۔ وقال الشعبي ﴿أُولَى الْأَرْبَةِ﴾ من ليس له أرب۔ وقال مجاهد: لا يهमे إلا
 بطنه؛ ولا يخاف على النساء۔ وقال طاووس: هو الأحمق الذى لا حاجة له فى النساء۔

ترجمہ و تشریح

”مِنْ خِلَالِهِ“ کے معنی ہیں بادل کے پردوں کے درمیان سے۔

”خلال“ جمع ہے ”خلل“ کی جس کا معنی ہے درمیان وسط۔ ”اضعاف“ جمع ہے ”ضعف“ کی، اور
 ”اضعاف الكتاب“ کا مطلب ہے کتاب کے سطور کا فاصلہ ”الأضعاف من الجد“ اعضاء، جسم یا ہڈیاں،
 یہاں ”اضعاف“ بمعنی ”السحاب“ یعنی بادل کے پردے۔

”سَنَا بَرَقِهِ“ کے معنی ہیں ضیاء یعنی روشنی۔

”مُذْعِنِينَ“ بمعنی ”مستخذي“ جس کے معنی ہیں ”مدعن“ تابعدار، فرمانبردار، اطاعت گزار۔

”أَشْتَاتًا“ اور ”شتی۔ شتات۔ وشت“ چاروں کے معنی ایک ہیں۔

۱۔ تفسیر القرطبی، سورة النور، ج ۱۲، ص ۱۵۸، و روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج: ۹،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا﴾ بمعنی ”بيناها“ یعنی ہم نے سورت کو کھول کر بیان کیا۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ”سمى القرآن لجماعة السور“ قرآن نام اس لئے ہے کہ یہ سورتوں کا مجموعہ ہے، ”وسميت السورة لانها مقطوعة من الاخرى“ اور سورت کو سورت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دوسری سورت سے علیحدہ ہوتی ہے، ”فلما قرن بعضها الى بعض سمي قرآنا“ پھر جب ایک سورت کو دوسری سورت کے ساتھ جمع کر دی جائے تو اس کا نام قرآن ہو جاتا ہے۔

سعد بن عیاض ثمالی رحمہ اللہ نے کہا کہ حبشہ کی زبان میں ”المشكاة“ کے معنی روشن دان یعنی طاق کے ہیں۔ واضح ہو کہ لفظ طاق جس میں چراغ رکھا جاتا ہے اس کو اردو، ہندی اور فارسی میں طاق کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿إِنْ عَلَيْنَا جُمُوعُهُ وَقُرْآنُهُ﴾ اور ہر رے ذمہ ہے اسکا جمع کرنا اور تالیف ہے، بنی اسکے بعض ٹکڑے کو بعض سے جوڑنا اور ملانا۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن جو ”قراء“ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر جمع کرنا، یعنی قرآن یہاں بمعنی تلاوت سے نہیں ہے۔

﴿فَبِذَا قَرَأْتَهِ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ پھر ہم جب اس کو جوڑ دیں اور ملا دیں تو اس مجموعہ کی اتباع کیجئے یعنی اس کے مجموعے پر عمل کیجئے اور جن سے اللہ نے منع کیا اس سے باز رہئے۔

”وبقال ليس: لشعره قرآن ای تالیف“ اور عرب لوگ جب کسی کے اشعار کا مجموعہ نہ بنایا گیا ہو تو کہتے ہیں اسکے شعروں کا قرآن نہیں ہے، یعنی تالیف، اور مجموعہ نہیں ہے۔

قرآن کا نام فرقان اس لئے ہے کہ ”لأنه يفرق بين الحق والباطل“ وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔

عورت کیلئے بولتے ہیں ”ماقرات بسلاقط“ یعنی اس نے اپنے پیٹ میں بچہ بھی نہیں رکھا، ظاہر ہے کہ ”قراء“ بمعنی تلاوت اور پڑھنے کے نہیں ہو سکتا بلکہ صرف جمع کرنے کے معنی ہیں۔

اس لفظ میں ”قرضنا“ میں دو قرأت ہے، ایک راء کی تشدید کے ساتھ ”قَرَضْنَاهَا“۔ اس قرأت پر معنی ہو گا ہم نے اس سورت میں مختلف فرائض احکام نازل کئے اور جس نے پڑھا یعنی دوسری قرأت جو جمہور کی ہے راء کی تخفیف یعنی فتح رزبر کے ساتھ ”قَرَضْنَاهَا“۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تم پر اور جو لوگ قیامت تک تمہارے بعد آئیں گے ان پر فرض کیا یعنی قطعی احکام مقرر کیا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے ﴿أَوِ الْطِفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد وہ کم سن بچے ہیں جو کم سنی کی وجہ سے عورتوں کے پردہ کی چیزوں کو نہیں سمجھتے۔

امام شعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿أُولَى الْأَرْبَةِ﴾ سے وہ شخص مراد ہے جس میں قوت مردی نہ ہو۔
 اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ﴿أُولَى الْأَرْبَةِ﴾ ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کو بس اپنے پیٹ کی
 فکر ہو یعنی کھانے پینے کے سوا کسی چیز کی غرض نہ ہو اور یہ ڈرنہ ہو کہ عورتوں کو ہاتھ لگائے گا۔
 حضرت طاؤس رحمہ اللہ کہتے ہیں اس سے وہ احمق مراد ہے جو عورتوں سے بے پرواہ ہو یعنی خیال نہ ہو۔

(۱) باب قوله عز وجل: ﴿وَالَّذِينَ يَزْمُونَ أَرْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ

شَهَدَاءُ﴾ الآية [۶]۔

اللہ عز وجل کے اس ارشاد کا بیان: ”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں، اور خود اپنے
 سوا ان کے پاس کوئی اور گواہ نہ ہوں۔“

لعان کا حکم اور طریقہ کار

سورت میں زناء کا حکم اور قذف کے بیان کے بعد اب لعان کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔
 ”لعان“ اور ”ملاعنت“ کے معنی ایک دوسرے پر لعنت اور غضب الہی کی بددعا کرنے کے ہیں۔
 اصطلاح شرع میں میاں بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے۔
 جس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی پر زناء کا الزام لگائے یا اپنے بچے کو کہے کہ یہ میرے
 نطفہ سے نہیں ہے اور یہ عورت جس پر الزام لگایا گیا ہے اُس کو جھوٹا کہے اور اُس کا مطالبہ کرے کہ مجھ پر جھوٹی
 تہمت لگائی ہے اس لئے شوہر پر جہمت زناء کی سزا اسی (۸۰) کوڑے جاری کئے جائیں گے تو اس وقت شوہر
 سے مطالبہ کیا جائے گا کہ الزام زناء پر چار گواہ پیش کرے۔ اگر اس نے چار گواہ پیش کر دیئے تو عورت پر حد زناء
 لگائی جائے گی اور اگر وہ چار گواہ نہ لاسکا تو اس دونوں میں لعان کرایا جائے گا۔

یعنی اول مرد سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ ان الفاظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں یہ شہادت دے کہ
 میں اس الزام میں سچا اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

اگر شوہر ان الفاظ کے کہنے سے رُکے تو اس کو قید کر دیا جائے گا کہ یا تو تم اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار
 کرو یا مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ یہ قسمیں کھاؤ اور جب تک وہ ان دونوں میں سے کوئی کام نہ کرے اُس
 کو قید رکھا جائے گا۔ اگر اس نے اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر لیا تو اس پر حد قذف یعنی تہمت زنا کی شرعی سزا
 جاری ہوگی۔

اور اگر الفاظ مذکورہ کے ساتھ پانچ مرتبہ قسمیں کھالیں تو پھر اس کے بعد عورت سے اُن الفاظ میں پانچ قسمیں لی جائیں گی جو قرآن میں عورت کے لئے مذکور ہیں۔ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اُس کو اُس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک کہ وہ یا تو شوہر کی تصدیق کر لے اور اپنے جرمِ زنا کا اقرار کرے تو اس پر حدِ زنا جاری کر دی جائے اور یا پھر وہ الفاظ مذکورہ کے ساتھ پانچ قسمیں کھالے۔ اگر وہ الفاظ مذکورہ سے قسمیں کھانے پر راضی ہو جائے اور قسمیں کھالے تو اب لعان پورا ہو گیا۔

جس کے نتیجے میں دُنیا کی سزاء سے دونوں بچ گئے، آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی ہے کہ اُن میں سے کون جھوٹا ہے، جھوٹے کو آخرت میں سزاء ملے گی، لیکن دُنیا میں بھی جب دو میاں بیوی میں لعان کا معاملہ ہو گیا تو یہ ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں شوہر کو چاہئے کہ اس کو طلاق دے کر آزاد کر دے۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم ان دونوں میں تفریق کر سکتا ہے جو حکم طلاق ہوگی، بہر حال اب دونوں کا آپس میں دوبارہ نکاح بھی کبھی نہیں ہو سکتا۔

لعان کا قانون شریعت اسلام میں شوہر کے جذبات و نفسیات کی رعایت کی بنا پر نافذ ہوا ہے، کیونکہ کسی شخص پر الزامِ زنا لگانے کا قانون جو پہلی آیات میں گزر چکا ہے اس کی رُو سے یہ ضروری ہے کہ الزامِ زنا لگانے والا چار گواہ عینی پیش کرے اور جو یہ نہ کر سکے تو اُلٹا اسی پر تہمتِ زنا کی حد جاری کی جائے گی۔ عام آدمی کے لئے تو یہ ممکن ہے کہ چار گواہ میسر نہ ہوں تو وہ الزامِ زنا لگانے سے خاموش رہے تا کہ تہمتِ زنا کی سزاء سے محفوظ رہ سکے لیکن شوہر کے لئے یہ معاملہ بہت سنگین ہے جب اُس سے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور گواہ موجود نہیں اگر وہ بولے تو تہمتِ زنا کی سزاء پائے اور نہ بولے تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہے اور اس کی زندگی وبال ہو جائے۔ اس لئے شوہر کے معاملے کو عام قانون سے الگ کر کے اس کا مستقل قانون بنا دیا گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لعان صرف میاں بیوی کے معاملہ میں ہو سکتا ہے دوسروں کا حکم وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

آیات لعان کا شانِ نزول

اس سورت میں امام بخاری رحمہ اللہ نے لعان کے حوالے سے دو واقعات ذکر کئے ہیں، ایک حضرت ہلال بن امیہؓ اور ان کی بیوی کا واقعہ، اور دوسرا واقعہ حضرت عویر مجلانیؓ اور ان کی بیوی کا ہے۔ ان میں سے آیات لعان کا شانِ نزول کون سا واقعہ ہے! اس میں ائمہ تفسیر کے اقوال مختلف ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے آیات کا نزول مکرمان کر دونوں کو شانِ نزول قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ نووی رحمہما اللہ ان دونوں حضرات نے دونوں واقعات میں تطبیق دے کر ایک ہی نزول میں دونوں کو شان نزول آیات لعان قرار دیا ہے، ان حضرات کی توجیہ زیادہ بہتر ہے۔ ان دونوں حضرات نے تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا واقعہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا تھا اور آیات لعان کا نزول اسی واقعے کے بارے میں ہوا ہے، اس کے بعد حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آگیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا معاملہ بیان کیا، کیونکہ ان کو ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ معلوم نہیں ہوگا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتایا کہ تمہارے معاملے کا فیصلہ یہ ہے۔

اور اس بات کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "لنزل جبرئیل" اور حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں یہ الفاظ ہیں "لقد نزل اللہ لیک" جس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے جیسے ایک واقعہ میں اس کا حکم نازل فرمایا ہے۔ ۱۔ ان واقعات کی روشنی میں چند فقہی مسائل ملاحظہ فرمائیں:

مسئلہ: جب میاں بیوی کے درمیان حاکم کے سامنے لعان ہو جائے تو یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے جیسے حرمت رضاعت ابدی ہوتی ہے۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "المُتَلَاعِنَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ أَبَدًا" حرمت تو لعان ہونے سے ہی ثابت ہو جاتی ہے لیکن عورت کو دوسرے مرد سے بعد عدت نکاح کرنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب جائز ہوگا جبکہ مرد طلاق دیدے یا زہان سے کہہ دے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور اگر مرد ایسا نہ کرے تو حاکم قاضی ان دونوں میں تفریق کا حکم کر دے گا تو وہ بھی بحکم طلاق ہو جائے گا پھر عدت طلاق تین حیض پورے ہونے کے بعد عورت آزاد ہوگی اور دوسرے کسی شخص سے نکاح کرے گی۔

مسئلہ: جب لعان ہو چکا اس کے بعد اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو وہ اُس کے شوہر کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ اُس کی نسبت اُس کی ماں کی طرف کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہلال بن امیہ و عویمر عجلانی رضی اللہ عنہما دونوں کے معاملات میں یہی فیصلہ فرمایا۔

مسئلہ: لعان کے بعد اگرچہ اُن میں جو جھوٹا ہے اس کا عذاب آخرت پہلے سے بڑھ گیا مگر دنیا کی سزا ساقط ہوگئی۔ اسی طرح دنیا میں اُس کو زانیہ اور بچے کو ولد الزنا کہنا بھی کسی کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ میں یہ حکم بھی فرمایا۔ ۲۔

۱۔ فتح الباری، ج: ۸، ص: ۳۵۱، ۳۵۰، تفسیر القرطبی، ج: ۱۲، ص: ۱۸۳، ۱۸۴، وعمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۱۵،

۲۔ حارف القرآن، ج: ۶، ص: ۳۵۷، عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۱۷، ۱۱۶، والمبسوط للسرخسی، ج: ۷، ص: ۳۹

۴۷۳۵ - حدثنا اسحق: حدثنا محمد بن يوسف الفريابي: حدثنا الأوزاعي قال:

حدثني الزهري، عن سهل بن سعد، أن عويمر أتى عاصم بن عدي وكان سيد بني عجلان فقال: كيف تقولون لي رجل وجد مع امرأتي رجلاً؟ أهلكته فقتلوه؟ أم كيف يصنع؟ سل لي رسول الله ﷺ عن ذلك. فأتى عاصم النبي ﷺ فقال: يا رسول الله، فكره رسول الله ﷺ المسائل فسأله عويمر فقال: إن رسول الله ﷺ كره المسائل وعابها. قال عويمر: والله لا أنتهي حتى أسأل رسول الله ﷺ عن ذلك، فجاء عويمر فقال: يا رسول الله، رجل وجد مع امرأته رجلاً أهلكته فقتلوه؟ أم كيف يصنع؟ فقال رسول الله ﷺ: ((قد أنزل الله القرآن فيك وفي صاحبك)). فأمرهما رسول الله ﷺ بالملاعنة بما سمي الله في كتابه فلا عنها لم قال: يا رسول الله ﷺ، إن حبستها فقد ظلمتها، فطلقها. فكانت سنة لمن كان بعدهما في المتلاعنين. ثم قال رسول الله ﷺ: ((أنظروا فإن جاءت بن أسحم أدعج العينين، عظيم الألتين، خدلج السالين، فلا أحسب عويمراً إلا قد صدق عليها. وإن جاءت به أحيمر كأنه وحرة فلا أحسب عويمراً إلا قد كذب عليها)). فجاءت به على النعت الذي نعت رسول الله ﷺ من تصديق عويمر، فكان بعد ينسب إلى أمه. [راجع: ۴۲۳]

ترجمہ: حضرت سهل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عویمر حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بنی عجلان کے سردار تھے۔ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ لوگ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پائے؟ کیا وہ اسے قتل کر دے، پھر آپ لوگ اسے قتل کر دو گے؟ آخر ایسی صورت آدمی کیا کرے؟ اس لئے آپ رسول اللہ ﷺ سے اس سے متعلق پوچھ کر مجھے بتائیے۔ چنانچہ عاصم رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (اس صورت میں آدمی کیا کرے، آپ کیا فرماتے ہیں؟ اور صورت مذکورہ کو بیان کی)۔ رسول اللہ ﷺ نے ان مسائل میں بلا ضرورت سوال و جواب کو کوٹنا پسند فرمایا۔

جب عویمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سوال کو ناپسند فرمایا اور عیب سمجھا۔ عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! میں اس بات کو اس وقت تک نہیں ختم کروں گا، جب تک میں خود رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق نہ پوچھ لوں۔ چنانچہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ خود حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو دیکھتا ہے، کیا وہ اس کو قتل کر دے، لیکن پھر آپ اس آدمی کو قتل کر دیں گے؟ آخر ایسی صورت آدمی کیا کرے؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں قرآن کی آیت نازل کی ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق دونوں کو لعان کا حکم دیا، اور عویمیر نے اپنی بیوی سے لعان کیا، پھر عویمیر ﷺ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میں اپنے بیوی کو روکے رکھوں تو میں ظالم ہوں گا، تو انہوں نے اسے طلاق دے دی، پھر ان دونوں کے بعد والوں کیلئے لعان کرنے والے زوجین کے درمیان فرقت جدائی کا طریقہ جاری ہو گیا۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا دیکھتے رہو کہ اگر اس عورت کے یہاں کالا، بہت کالی پتلیوں والا، بھاری سرین والا، موٹی پنڈلی والا بچہ پیدا ہو تب تو میں سمجھوں گا کہ عویمیر نے غلط الزام نہیں لگایا ہے اور اگر سرخ گرگٹ کی طرح کے رنگ پر پیدا ہوا تو میرا خیال ہے عویمیر نے اپنی عورت پر جھوٹ الزام لگایا ہے، اس کے بعد اس عورت کا جو بچہ پیدا ہوا تو وہ ان ہی صفات کے مطابق تھا جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا، جس سے حضرت عویمیر ﷺ کی تصدیق ہوتی تھی، چنانچہ اس لڑکے کا نسب اس کی ماں کی طرف رکھا گیا۔

(۲) باب: ﴿وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ [۷]

باب: ”اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ: اگر میں (اپنے الزام میں) جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔“

۳۷۴۶ - حدیثی سلیمان بن داؤد ابو الربیع: حدثنا فلیح، عن الزهری، عن سهل بن سعد: أن رجلاً أتى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله، أرايت رجلاً رأى مع امرأته رجلاً، أيقنله ففعلوا به؟ أم كيف يفعل؟ فأنزل الله فلهما ما ذكر في القرآن من العلاءن، فقال له رسول الله ﷺ: ((قد قضى ليك ولى امرأتك))، قال: فعلاءنا وأنا شاهد عند رسول الله ﷺ لفارقها فكانت سنة أن يفرق بين المتلاءنين، وكانت حاملاً فأنكر حملها وكان ابنها يدعى اليها. ثم جرت السنة في الميراث أن يرثها وترث منه ما فرض الله لها. [راجع: ۳۲۳]

ترجمہ: حضرت سهل بن سعد ﷺ سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! ایسے شخص کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے جس نے اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو دیکھے تو کیا وہ اس کو قتل کر دے، پھر آپ قصاص میں اس قاتل کو قتل کر دیں گے؟ یا پھر اس صورت میں وہ کیا کرے؟ ان دونوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل کیں جو قرآن میں لعان کے متعلق مذکور ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے اور تمہارے بیوی کے بارے میں فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ حضرت سهل ﷺ نے بیان کیا کہ پھر دونوں میاں بیوی نے لعان کیا اور میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

حاضر تھا، پھر آپ نے دونوں میں جدائی کرادی اور دولعان کرنے والوں کے درمیان بعد میں یہی طریقہ جاری ہو گیا کہ ان میں جدائی کرادی جائے۔ ان کی بیوی حاملہ تھی، لیکن انہوں نے اس حمل کا بھی انکار کیا، چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو اس عورت کے بچہ کو ماں ہی طرف منسوب کیا جانے لگا، میراث کا یہ طریقہ مقرر ہوا کہ اس کے بعد میراث میں بیٹا ماں کا وارث ہوگا اور ماں بیٹا کی اور اسے اتنا حصہ ملے گا جو کتاب اللہ میں موجود ہے۔

(۳) باب: ﴿وَيَذَرُهَا الْعَذَابُ﴾ [۸]

باب: ”اور عورت سے (زنا کی) سزا دوڑ کرنے کا راستہ یہ ہے۔“

۴۷۴۷۔ حدیثی محمد بن بشار: حدثنا ابن ابی عدی، عن هشام بن حسان: حدثنا عكرمة، عن ابن عباس: أَنَّ هلال ابن أمية قذف امرأته عند النبي ﷺ بشريك ابن سحماء، فقال النبي ﷺ: ((البينة أوجد في ظهرک))، فقال يارسول الله، إذا رأی أحدنا علی امرأته رجلاً یسطلق یتلمس البينة؟ فجعل النبي ﷺ یقول: ((البينة وإلاحد في ظهرک)). فقال هلال: والذي بعثک بالحق إلی لصادق ولینزلن الله ما یمیری ظهری من الحد. فنزل جبریل وأنزل علیه ﴿وَالَّذِينَ يَزْمُونَ أَرْوَاجَهُمْ﴾ فقرأ حتى بلغ ﴿إِنْ كَانَ مِنَ الضَّادِقِينَ﴾ فانصرف النبي ﷺ فأرسل إلیها فجاء هلال فشهد والنبي ﷺ یقول: ((إن الله یعلم أن أحد کما کاذب، فهل منکما نائب؟)) ثم قامت فشهدت، فلما کانت عند الخامسة ولفوها وقالوا: أها موجهة. قال ابن عباس: فطکات وکصت حتی ظننا أنها ترجع ثم قالت: لا أفصح قومی سائر اليوم فمضت، فقال النبي ﷺ: ((أبصروها، فإن جاء ت به اکحل العينین، سابع الألعین، خدلج السالین، فهو لشریک ابن سحماء)). فجاءت به كذلك. فقال النبي ﷺ: ((لولا ماضی من کتاب الله لکان لی ولها شأن)).

[راجع: ۲۶۷۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ ؓ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری بیٹھ پر حد لگائی جائے گی۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر ہم میں سے کوئی اپنی بیوی پر کسی غیر مرد کو جھٹلا دیکھے تو کیا وہ ایسی حالت میں گواہ تلاش کرنے جائے گا؟

لیکن نبی کریم ﷺ یہی فرماتے رہے کہ گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی، اس پر حضرت ہلالؓ نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ یعنی نبوت دے کر بھیجا، میں بلاشبہ سچا ہوں اور اللہ ﷻ ضرور کوئی ایسا حکم نازل فرمائیں گے جس کے ذریعہ میری پیٹھ کو حد سے بری کر دے گا۔

پھر حضرت جبریل امینؑ تشریف لائے اور حضور اقدس ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اٰزْوَاجَهُمْ﴾ حضور اقدس ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں یہاں تک کہ اس پر پہنچ گئے ﴿اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾۔

پھر نبی کریم ﷺ لوٹے اور ان کی زوجہ کو بلا بھیجا، پھر حضرت ہلالؓ آئے اور آیت کے مطابق چار مرتبہ شہادت دی اور نبی کریم ﷺ اس موقع پر فرما رہے تھے کہ اللہ ﷻ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے، تو کیا تم دونوں میں سے کوئی جو اللہ ﷻ کے عذاب سے ڈرے اور توبہ کرے؟

اسکے بعد عورت کھڑی ہوئی اور اس نے بھی شہادت دی، پھر جب پانچویں پر پہنچی (تو لوگوں نے عورت کو سمجھایا کہ دیکھو یہ آخری شہادت ہے اور خدا کا عذاب لوگوں کی سزا یعنی حد زنا سے سخت تر ہے، اس لئے اللہ ﷻ سے ڈرو اور سچی بات کہو) اور لوگوں نے کہا کہ یہ پانچویں شہادت اگر جھوٹی ہوئی تو تو موجب عذاب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس پر وہ عورت ہچکچائی اور رک گئی، ہم نے سمجھا کہ اب وہ اپنا بیان واپس لے لے گی، لیکن پھر یہ کہتے ہوئے کہ میں زندگی بھر کیلئے اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی پانچویں بار بھی قسم کھالی۔

پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دیکھنا اگر بچہ خوب سیاہ آنکھوں والا، بھاری سرین، موٹی پنڈلیوں والا پیدا ہو تو وہ شریک بن سماء ہی کا ہوگا، چنانچہ بچہ اسی شکل و صورت کا پیدا ہوا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ کا حکم نہ آچکا ہوتا تو میں اس عورت پر حکم جاری کرتا (یعنی سزا جرم دیتا)۔

(۴) باب قولہ: ﴿وَالْعَامِسَّةُ اَنْ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [۱]

اس ارشاد کا بیان: ”اور پانچویں مرتبہ یہ ہے کہ: اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔“

۴۷۴۸ - حدیثی مقدم بن محمد بن یحییٰ: حدثنا عمی القاسم بن یحییٰ، عن

عبد اللہ وقد سمع منه، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: أن رجلاً رمی امرأته فالتھی من ولدها فی زمن رسول اللہ ﷺ فامر بہما رسول اللہ ﷺ فاعلانا کما قال اللہ ثم قضی

بالولد للمرأة وفارق بين المتلاعنين. [أنظر: ۵۳۰۶، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۶۷۴۸] ج
ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک آدمی نے اپنی
بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور اسکے حمل کے متعلق کہا کہ یہ میرا نطفہ نہیں ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان
لعان کا حکم دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، دونوں نے لعان کیا اس کے بعد بچہ عورت کو دلا دیا اور شوہر
دیوی میں تفریق کرادی۔

(۵) باب قوله: ﴿إِنَّ الدِّينَ جَاؤًا بِالْإِفْكِ غَضَبَةً مِنْكُمْ﴾ الآية [۱۱]

اس ارشاد کا بیان: ”یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گمڑ کر لائے ہیں، وہ تمہارے اندر رہی
کا ایک ٹولہ ہے۔“

الفاک: کذاب.

۳۷۴۹ — حدثنا أبو النعیم: حدثنا سفیان عن معمر، عن الزهري، عن عروة، عن
عائشة رضي الله عنها ﴿وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ﴾ قالت: عبدالله بن أبي بن سلول. [راجع:
۲۵۹۳]

ج رقی صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب القضاء عدة المتوفى عنها زوجها و غيرها بوضع الحمل، رقم: ۱۴۹۳،
۱۴۹۴، و سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی اللعان، رقم: ۲۲۵۷، ۲۲۵۸، ۲۲۵۹، و سنن الترمذی، ابواب
الطلاق واللعان، باب ماجاء فی اللعان، رقم: ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، و ابواب التفسیر القرآن، باب ومن سورة النور، رقم:
۳۱۷۸، و سنن النسائی، کتاب الطلاق، باب عظمة الامام الرجل والمرأة عند اللعان، رقم: ۳۴۷۳، و باب الطريق بين
المتلاعنين، رقم: ۳۴۷۴، و باب استعانة المتلاعنين بعد اللعان، رقم: ۳۴۷۵، و باب اجتماع المتلاعنين، رقم:
۳۴۷۶، و باب لقي الولد باللعان والحاقه بامه، رقم: ۳۴۷۷، و سنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب اللعان، رقم:
۲۰۶۹، و موطا مالک، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی اللعان، رقم: ۳۵، و مسند احمد، مسند المكفرين من الصحابة،
مسند عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، رقم: ۳۴۷۷، ۳۵۲۷، ۳۶۰۳، ۳۶۹۳، ۳۹۳۵، ۳۹۵۳، ۵۰۰۹، ۵۲۰۲،
۵۳۱۲، ۵۳۰۰، ۶۰۹۸، و سنن الدارمی، و من کتاب النکاح، باب فی اللعان، رقم: ۲۲۷۷، ۲۲۷۸، و من کتاب
الفرائض، باب فی ميراث ابن الملاعنة، رقم: ۳۰۰۷

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ﴿وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ﴾ اس آیت میں جس آدمی کا ذکر ہے وہ عبد اللہ بن ابی ابن سلول ہے۔

تشریح

روایات کثیرہ میں تصریح ہے کہ یہی شخص لوگوں کو جمع کرتا اور ابھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا، اس کیلئے آخرت میں بڑا عذاب ہے ہی، دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل و رسوا ہوا اور قیامت تک اسی ذلت و خواری سے یاد کیا جائے گا۔

(۶) باب: ﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾

الی قولہ: ﴿الْكَاذِبُونَ﴾ [۱۲-۱۳]

باب: ”جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مرد بھی اور مؤمن عورتیں بھی اپنے بارے میں نیک گمان رکھتے۔“ اس آیت کے آخر تک ”وہی جھوٹے ہیں۔“

۴۷۵۰۔ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن يونس، عن ابن شهاب قال:

أخبرني عروة بن الزبير، وسعيد بن المسيب، وعلقمة بن وقاص، وعبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود، عن حديث عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ حين قال لها أهل الإفك ما قالوا، فبرأها الله مما قالوا، وكل حدثني طائفة من الحديث. وبعض حديثهم يصدق بعضها، وإن كان بعضهم أوعى له من بعض. الذي حدثني عروة، عن عائشة: أن عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ قالت: كان رسول الله ﷺ إذا أراد أن يخرج أقرع بين أزواجه فأيتهن خرج سهمها خرج بها رسول الله ﷺ معه. قالت عائشة: فأقرع بيننا في غزوة غزاها فخرج سهمي، فخرجت مع رسول الله ﷺ بعد ما نزل الحجاب فانا أحمل في هودجه وأنزل فيه. فسروا حتى إذا فرغ رسول الله ﷺ من غزوة تلك وقليل ودنونا من المدينة قافلين، آذن ليلة بالرحيل فقمنا آذنا بالرحيل فمشيت حتى جاوزت الجيش فلما قضيت شأني أقبلت إلى رحلي فإذا عقد لي من جزع أظفار فقد انقطع فالتعمست عقدى وحسنتي ابتغازه. والبل الرهط الذين كانوا يرحلون لي فاحتملوا هودجى فرحلوه

على بعيرى الذين كنت ركبت وهم يحسبون أنى فيه. وكان النساء إذ ذاك خفافا لم يلقهن اللحم لما يأكلن العلفه من الطعام فلم يستنكر القوم خفة اليهود حين رفعوه، وكنت جارية حديثة السن، فبعثوا الجمل وساروا، فوجدت عقدي بعدما استمر الجيش فجئت منازلهم وليس بها داع ولا مجيب فأمت منزلى الذى كنت به وظننت أنهم سيفقدونى فيرجعون إلى. فبينما أنا جالسة فى منزلى غلبتنى عينى فتمت. وكان صفوان بن المعطل السلمى ثم الذكوانى من وراء الجيش فأدلىج فأصبح عند منزلى فرأى سواد السان نائم، فأتانى فعرفنى حين رآنى، وكان يرانى قبل الحجاب، فاستيقظت باسترجاعه حين عرفنى فغمصت وجهى بجلبابى، والله ما كلمنى كلمة ولا سمعت منه كلمة غير استرجاعه حتى أناخ راحلته فوطئ على يديها فركبتها، فانطلق يقود بى الراحلة حتى أتينا الجيش بعد ما نزلوا موغربين فى نحر الظهيرة، فهلك من هلك. وكان الذى تولى الإلك عبدالله بن أبى ابن سلول. فقدمنا المدينة فاشتكت حين قدمت شهراً والناس يفيضون فى قول أصحاب الإلك ولا أشعر بشئ من ذلك وهو يربىنى فى وجمى أنى لأعرف من رسول الله ﷺ اللطف الذى كنت أرى منه حين اشتكى، إنما يدخل على رسول الله ﷺ فيسلم ثم يقول: ((كيف تكم؟)) ثم ينصرف فذاك الذى يربىنى ولا أشعر بالشر حتى خرجت بعدما نفهت فخرجت معى أم مسطح قبل المناصب وهو متبرزنا وكنا لا نخرج إلا ليلاً إلى ليل وذلك قبل أن نتخذ الكنف قريباً من بيوتنا، وأمرنا أمر العرب الأول فى العبرز قبل الغائط، فكنا نتأذى بالكنف أن نتخذها عند بيوتنا، فانطلقت أنا وأم مسطح، وهى ابنة أبى رهم بن عبد مناف، وأمها بنت صخر ابن عامر خالة أبى بكر الصديق، وابنها مسطح بن أنالة فاقبلت أنا وأم مسطح، قبل بيتى وقد فرغنا من شأننا فعبرت أم مسطح فى مرطها فقالت: تعس مسطح، فقلت لها: بئس ما قلت، أتعسبين رجلاً شهد بدر؟ قالت: أى هتاه، أولم تسمعى ما قال؟ قالت: قلت: وما قال؟ قالت فأخبرتني بقول أهل الإلك فارددت مرضاً على مرضى، قالت فلما رجعت إلى بيتى ودخل على رسول الله ﷺ - تعنى سلم - ثم قال: ((كيف تكم؟)) فقلت: أناذن لى أن آتى أبوى؟ قالت: وأنا حينئذ أريد أن أسمعن الخبر من قبلهما، قالت: فأذن لى رسول الله ﷺ فجئت أبوى فقلت لأمى: يا أمناه، ما يتحدث الناس؟ قالت: يا بنية هولى عليك، فوالله لقلما كانت امرأة قط وضية عند رجل يحبها ولها ضرائر إلا أكثرن عليها. قالت: فقلت: سبحان الله،

اولقد تحدث الناس بهذا؟ قالت: فبكيت تلك الليلة حتى أصبحت لا يرقأ لي دمع ولا أكتحل بنوم حتى أصبحت أبكى. فدعا رسول الله ﷺ على ابن أبي طالب وأسامة بن زيد رضي الله عنهما حين استلبث الوحي يستأمرهما في فراق أهله. قالت: فأما أسامة بن زيد فأشار على رسول الله ﷺ بالذي يعلم من براءة أهله، وبالذي يعلم لهم في نفسه من الود، فقال: يا رسول الله، أهلك وما تعلم إلا خيراً، وأما علي بن أبي طالب فقال: يا رسول الله، لم يضيئ الله عليك والنساء سواها كثير، وإن تسأل الجارية تصدقك. قالت: فدعا رسول الله ﷺ بـبريرة: فقال: ((أي بـبريرة هل رأيت من شيء يريبك؟)) قالت بـبريرة: لا والذي بعثك بالحق، إن رأيت عليها أمراً أغمضه عليها سوى أنها جارية حديثة السن تنام عن عجين أهلها فتأتي الداجن فتأكله. فقام رسول الله ﷺ فاستعذر يومئذ من عبد الله بن أبي ابن سلول. قالت: فقال رسول الله ﷺ وهو على المنبر: ((يا معشر المسلمين، من يعذرني من رجل قد بلغني أذاه في أهل بيتي؟ فوالله ما علمت على أهلي إلا خيراً، ولقد ذكروا رجلاً ما علمت عليه إلا خيراً، وما كان يدخل على أهله إلا معي)). فقام سعد بن معاذ الأنصاري فقال: يا رسول الله أنا أعدرك منه، إن كان من الأوس ضربنا عنقه، وإن كان من اخواننا من الخزرج أمرتنا لفعلنا أمراً. قالت: فقام سعد بن عبادة وهو سيد الخزرج، وكان قبل ذلك رجلاً صالحاً ولكن احتمله الحمية فقال لسعد: كذبت، لعمر الله لا تقتله ولا تقدر على قتله. فقام أسيد بن حضير وهو ابن عم سعد فقال لسعد بن عبادة: كذبت لعمر الله لنفعلنه فإلك منافق تجادل عن المنافقين. فتناور الحيمان الأوس والخزرج حتى هموا أن يقتتلوا ورسول الله ﷺ قائم على المنبر. فلم يزل رسول الله ﷺ يخفضهم حتى سكثوا وسكت. قالت: فمكثت يومئذ ذلك لا يرقأ لي دمع ولا أكتحل بنوم. قالت: فأصبح أبوأي عندي وقد بكيت ليلتين ويوماً، لا أكتحل بنوم ولا يرقأ لي دمع، يظنان أن الهكاه فإلق كبدي. قالت: فبينما هما جالسان عندي وأنا أبكى فاستأذنت علي امرأة من الأنصار، فأذلت لها. فجلست تبكي معي، قالت: فبينما نحن على ذلك دخل علينا رسول الله ﷺ فسلم ثم جلس. قالت: ولم يجلس عندي منذ قيل ما قيل قبلها. وقد لبث شهراً لا يروح إلي في شأني، قالت: فشهد رسول الله ﷺ حين جلس، ثم قال: ((أما بعد، يا عائشة فإنه قد بلغني عنك كذا وكذا، فإن كنت بـبريرة فسيبرئك الله، وإن كنت ألممت بذنب فاستغفري الله وتوبى إليه. فإن العبد إذا اعترف بذنبه ثم تاب إلى الله تاب

الله عليه)). قالت: فلما قضى رسول الله ﷺ مقالته قلص دمعى حتى ما أحس منه قطرة، فقلت لأبى: أجب رسول الله ﷺ فيما قال. قال: والله ما أدري ما أقول لرسول الله ﷺ، فقلت لأمى: أجبى رسول الله ﷺ، قالت: مادري ما أقول لرسول الله ﷺ، قالت: قلت وأنا جارية حديثه السن لا أقرأ كثيراً من القرآن: إني والله لقد علمت لقد سمعتهم هذا الحديث حتى استقر في أفئدتكم وصدقتم به، فلئن قلت لكم: إني بريئة، والله يعلم أني بريئة، لا تصدقوني بذلك. ولئن اعترفت لكم بأمر والله يعلم أني منه بريئة لتصدقني، والله ما أجد لكم معلاً إلا قول أبى يوسف قال: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ قالت: ثم تحولت فاضطجعت على فراشي. قالت: وأنا حينئذ أعلم أني بريئة، وإن الله مبرئى ببراءتي. ولكن والله ما كنت أظن أن الله منزل في شأني وحيأ يتلى، ولشأني في نفسي كان أحقر من أن يتكلم الله في بأمر يتلى، ولكن كنت أرجو أن يرى رسول الله ﷺ في النوم رؤيا يبرئني الله بها. قالت: فوالله ما رام رسول الله ﷺ ولا خرج أحد من أهل البيت حتى أنزل عليه فأخذه ما كان يأخذ من البرحاء، حتى إنه ليتحدر منه مثل الجمان من العرق، وهو في يوم شات من ثقل القول الذي ينزل عليه. قالت: فلما سرى عن رسول الله ﷺ سرى عنه وهو يضحك، فكان أول كلمة تكلم بها: ((يا عائشة، أما الله عز وجل فقد برك)). فقالت أمى: قومى إليه، قالت: فقلت: والله لا ألوم إليه ولا أحمد إلا الله عز وجل. وأنزل الله عز وجل ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ الْعَشْرَ آيَاتِ كُلِّهَا، لَمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ فِي بَرَاءَتِي قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ ﷺ وَكَانَ يَنْفِقُ عَلَى مَسْطَحِ بْنِ الْإِثَالَةِ لِقَابَتِهِ مِنْهُ وَفَقَرَهُ: وَاللَّهُ لَا يَنْفِقُ عَلَى مَسْطَحٍ شَيْئاً أَبَداً بَعْدَ الَّذِي قَالَ لِعَائِشَةَ مَا قَالَ. فَأَنْزَلَ اللَّهُ ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَلِيُغْفِرُوا لَأَن تَحِبُّوا أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ قال أبو بكر: بلى والله إلى أحب أن يغفر الله لي، فرجع إلى مسطح النفقة التي كان ينفق عليه. وقال: والله لا أنزعها منه أبداً. قالت عائشة: وكان رسول الله ﷺ يسأل زينب ابنة جحش عن أمري، فقال: ((يا زينب ما ذا علمت أورايت؟)) فقالت: يا رسول الله، أحمى سمعى وبصرى، ما علمت إلا غيراً. قالت: وهي التي كانت تساميني من أزواج رسول الله ﷺ لعصمها الله بالورع. وطلعت أختها حمزة تحارب لها فهلكت فيمن هلك من أصحاب الإللك. [راجع: ۲۵۹۳]

ترجمہ: عبد العزیز بن عبد اللہ، ابراہیم بن سعد، صالح بن کیسان، ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ مجھ سے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے حدیث بیان کی کہ ان چاروں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ محترمہ آنحضرت ﷺ کے خلاف اس تہمت کا قصہ بیان کیا، ان میں سے ہر ایک اس حدیث کا ایک ایک ٹکڑا روایت کرتے ہیں، اور بعض کو بعض سے یہ حدیث زیادہ یاد تھی، بیان کرنے میں بہت صحیح تھے، میں نے ہر ایک کی حدیث جو انہوں نے مجھ سے بیان کی یاد رکھی ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض حضرات کو بعض دوسرے کے مقابلے میں حدیث زیادہ بہتر طریقہ پر محفوظ تھی یعنی اختلاف حفظ کے باوجود سب کا بیان یکساں و متحد تھا۔

مجھ سے عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے اس طرح بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازادان میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ اندازی کرتے، جن کا نام نکل جاتا انہیں اپنے ساتھ لے جاتے۔ آپ نے بیان کیا کہ ایک غزوہ یعنی غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر ہمارے درمیان قرعہ ڈالا گیا، تو میرا نام نکلا پھر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئی، یہ واقعہ پردہ کے حکم کے نازل ہونے کے بعد کا ہے، مجھے ہودج سمیت اونٹ پر چڑھا دیا جاتا تھا اور اسی طرح یعنی ہودج سمیت اونٹ پر سے اتار لیا جاتا تھا، یوں ہمارا سفر جاری رہا، پھر جب رسول اللہ ﷺ اپنے اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو ایک رات کوچ کا حکم ہوا تو جس وقت کوچ کا اعلان ہوا میں اٹھی اور قضاء حاجت کے لئے چل پڑی، یہاں تک لشکر کے پڑاؤ سے دور نکل گئی، اور قضاء حاجت کے بعد اپنے کجاوے کے پاس آئی تو دیکھا کہ میرا ظفار کے موتیوں کا بنا ہوا ہار کہیں راستہ میں گر گیا ہے، میں اپنا ہار تلاش کرنے لگی اور اس میں اتنا محو ہو گئی کہ کوچ کا خیال ہی نہ رہا۔ اتنے میں جو لوگ میرے ہودج کو سوار کیا کرتے تھے آئے اور میرے ہودج کو اٹھا کر اس اونٹ پر رکھ دیا جو میری سواری کے لئے تھا، انہوں نے یہی سمجھا کہ میں اس میں بیٹھی ہوئی ہوں۔ ان دنوں عورتیں بہت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، گوشت سے ان کا جسم بھاری نہیں ہوتا تھا، کیونکہ کھانے پینے کو بہت کم ملتا تھا، یہی وجہ تھی کہ جب لوگوں نے ہودج کو اٹھایا تو اس کے ہلکے پن میں انہیں کوئی اجنبیت نہیں محسوس ہوئی اور میں اس وقت یوں بھی کم عمر لڑکی تھی، چنانچہ ان لوگوں نے اس اونٹ کو اٹھایا اور چل پڑے۔

مجھے ہار اس وقت ملا جب لشکر گزر چکا تھا، میں جب لشکر کے ٹھکانوں پر پہنچی تو وہاں نہ کوئی پکارنے والا تھا اور نہ کوئی جواب دینے والا، میں نے اپنی جگہ کا قصد کیا جہاں میں تھی، مجھے یقین تھا کہ جلد ہی انہیں میرے نہ ہونے کا علم ہو جائے گا اور پھر وہ لوگ مجھے تلاش کرنے کے لئے یہاں آئیں گے، میں اپنی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گئی۔

صفوان بن معطل سلمیٰ ثم ذکوانی لشکر کے پیچھے پیچھے گرے پڑے کی خبر گیری کے لئے مقرر تھے، وہ رات کے آخری حصہ میں آرہے تھے جب میرے مقام پر پہنچے تو صبح ہو چکی تھی، انہوں نے دور سے ایک انسانی سایہ دیکھا کہ پڑا ہوا ہے، وہ میرے قریب آئے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے۔ پردہ کے حکم سے پہلے انہوں نے مجھے رکھا تھا، جب وہ پہچان گئے تو ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ“ پڑھنے لگے، میں ان کی آواز پر جاگ گئی اور اپنا چہرہ اپنی چادر سے چھپالیا، خدا کی قسم اس کے بعد انہوں نے نہ ایک لفظ بھی کہا اور نہ میں نے ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ“ کے سوا ان کی زبان سے کوئی کلمہ سنا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی اونٹ کو بٹھادیا، اور اس کے پاؤں کو اپنے پاؤں سے دبائے رکھا تا کہ میں سوار ہو سکوں، چنانچہ میں اس پر سوار ہو گئی پھر وہ خود پیدل اونٹ کو آگے سے کھینچتے ہوئے چلے، ہم لشکر سے اس وقت ملے جب وہ بھری دوپہر میں دھوپ سے بچنے کیلئے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، اس کے بعد جسے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا۔ اس تہمت میں پیش پیش عبد اللہ بن ابی بن سلول منافق تھا۔

میں مدینہ پہنچ کر بیمار پڑ گئی اور ایک مہینہ تک بیمار رہی، اس عرصہ میں لوگوں میں تہمت لگانے والوں کی باتوں کا بڑا چرچا رہا، لیکن مجھے اس تہمت کے متعلق کوئی خبر نہ ہوئی، صرف ایک معاملہ سے مجھے شبہ ہوتا تھا کہ میں اپنی اس بیماری میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس لطف و محبت کا اظہار نہیں دیکھتی تھی، جو سابقہ علالت کے دنوں میں دیکھ چکی تھی، رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لاتے اور سلام کرتے، صرف اتنا پوچھ لیتے کہ کیا حال ہے؟ پھر واپس چلے جاتے، آنحضور ﷺ کے اس طرز عمل سے مجھے شبہ ہوتا تھا، لیکن طوفان بد کی مجھے کوئی خبر نہیں۔

ایک دن بیماری سے افاقہ کے بعد جب کہ کمزوری باقی تھی تو میں باہر نکلی، اور میرے ساتھ ام مسطح بھی نکلی، ہم مناصع کی طرف گئے، قضاء حاجت کے لئے ہم لوگ وہیں جایا کرتے تھے ہم لوگ صرف رات ہی کو جایا کرتے تھے اور یہ مناصع کی طرف جانا اس سے قبل کی بات ہے کہ ہمارے گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں بنے تھے، اس وقت ہم قدیم عرب کے دستور کے مطابق قضائے حاجت کے لئے آبادی سے دور جایا کرتے تھے، اس سے ہمیں تکلیف ہوتی تھی کہ بیت الخلاء ہمارے گھروں کے قریب بنائیں جائیں۔

خیر میں اور ام مسطح قضاء حاجت کے لئے روانہ ہوئے وہ ابو رہم بن عبد مناف کی صاحبزادی تھیں اور اس کی ماں رانک نامی صحرا بن عامر کی بیٹی تھیں، جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں، ان کا صاحبزادہ مسطح بن اثاثہ ہیں، میں اور ام مسطح قضاء حاجت کے بعد جب گھر واپس آنے لگے تو ام مسطح کا پاؤں انہی کی چادر میں الجھ کر پھسل گیا، اس پر ان کی زبان سے نکلا ”مسطح برباد ہو“۔

تو میں نے کہا آپ نے بری بات کہی، کیا آپ ایسے شخص کو برا کہتی ہیں جو غزوہ بدر میں شریک رہا ہے؟ انہوں نے کہا واہ اس کی بات آپ نے نہیں سنی؟ میں نے پوچھا انہوں نے کیا کہا؟ پھر انہوں نے مجھے تہمت والوں کی بات بتائیں، میں پہلے سے بیمار تھی ہی ان باتوں کو سن کر میرا مرض اور بڑھ گیا، پھر جب میں گھر پہنچی اور

رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے تو آپ نے سلام کیا اور دریافت فرمایا کہ طہیث کیسی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت دیں گے؟ اور میرا مقصد والدین کے یہاں جانے سے صرف یہ تھا کہ اس خبر کی حقیقت ان سے پوری طرح معلوم ہو جائے گی۔ نبی کریم ﷺ نے مجھے جانے کی اجازت دیدی اور میں اپنے والدین کے گھر آگئی۔

میں نے والدہ سے پوچھا کہ یہ لوگ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا بیٹی صبر کرو کم ہی کوئی ایسی حسین و جمیل عورت کسی ایسے مرد کے نکاح میں ہوگی جو اس سے محبت رکھتا ہو اور اس کی سونکیں بھی ہوں اور پھر بھی وہ اس طرح نچا دکھانے کی کوشش نہ کریں۔ اس پر میں نے کہا سبحان اللہ! کیا اس طرح کا چرچا لوگوں نے کر دیا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں رونے لگی، اور رات بھر روتی رہی، صبح ہوگئی، لیکن میرے آنسو نہیں تھمتے تھے، اور نہ نیند کا آنکھوں میں نام و نشان تھا، صبح ہوگئی اور میں روتے جا رہی تھی۔

اسی عرصہ میں رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا، کیونکہ اس معاملہ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، آپ ﷺ ان سے میرے چھوڑ دینے کے لئے مشورہ لینا چاہتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے تو حضور ﷺ کو اسی کے مطابق مشورہ دیا جس کا انہیں علم تھا کہ آپ ﷺ کی اہلیہ اس تہمت سے بری ہیں۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو ان سے کتنا تعلق خاطر ہے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی اہلیہ کے بارے میں خیر و بھلائی کے سوا اور ہمیں کسی چیز کا علم نہیں۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے غم و فکر کو دیکھ کر آپ کی تسلی کے لئے کہا یا رسول اللہ! اللہ ﷻ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی ہے عورتیں ان کے سوا اور بھی بہت ہیں اور اگر آپ خادمہ بریرہ سے دریافت فرمائیں تو آپ کو سچ سچ حالت بتا دے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے بریرہ کو بلایا اور دریافت فرمایا بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے تم کو شبہ گذرا ہو؟ بریرہ نے عرض کیا نہیں، حضور! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جس پر میں عیب لگا سکوں، ہاں ایک بات ضرور ہے کہ وہ کم عمر لڑکی ہیں اپنے گھر والوں کے آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے اتنے میں بکری آتی ہے اور کھا جاتی ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اس روز آپ نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کے مقابلہ مدد چاہی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا اے مسلمانوں کے گروہ! ایک ایسے شخص کے بارے میں کون میری مدد کرتا ہے جس کی اذیت رسا نے اب میرے گھر تک پہنچ گئی ہے، خدا کی قسم میں اپنی اہلیہ کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا ہوں، اور یہ لوگ جس مرد کا نام لے رہے ہیں، ان

کے بارے میں بھی خیر کے سوا اور کچھ نہیں جانتا، وہ جب بھی میرے گھر گئے ہیں تو میرے ساتھ ہی گئے ہیں۔

اس پر حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے سردار اٹھے اور کہا یا رسول اللہ! اس شخص کے مقابل میں آپ کی مدد کروں گا، اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا، اور اگر ہمارے بھائیوں یعنی خزرج کا ہے تو آپ ہمیں حکم دیں ہم حکم کی تعمیل کریں گے۔

راوی نے بیان کیا کہ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے وہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے، اس سے پہلے وہ مرد صالح تھے، لیکن آج ان پر قوی حمیت غالب آگئی تھی، عبد اللہ بن ابی ابن سلول منافق ان ہی کے قبیلہ یعنی قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا، انہوں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ کہا ہے، تم اسے قتل نہیں کر سکتے، تم میں اس کی قتل کی طاقت بھی نہیں ہے۔

پھر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، اور آپ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے، آپ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا، خدا کی قسم! تم جھوٹے ہو، ہم اسے ضرور قتل کریں گے، تم منافق ہو، منافقوں کی طرف داری میں لڑتے ہو، اتنے میں دونوں قبیلے اٹھ کھڑے ہوئے اور نوبت آپس میں ہی قتل و قتال پہنچ گئی اور رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے تھے، آپ لوگوں کو خاموش کرنے لگے، آخر سب لوگ چپ ہو گئے، اور آنحضور ﷺ بھی خاموش ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں اس دن بھی برابر روتی رہی نہ آنسو تھمتا تھا اور نہ نیند آتی تھی، حضرت عائشہ نے بیان کیا جب دوسری صبح ہوئی تو میرے والدین میرے پاس موجود تھے، دو راتیں اور ایک دن مسلسل روتے ہوئے گزر گیا تھا، اس عرصہ نہ مجھے نیند آئی تھی اور نہ آنسو تھمتے تھے، والدین سوچنے لگے کہ روتے روتے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ابھی وہ دونوں میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے اور میں روئے جا رہی تھی کہ قبیلہ انصار کی ایک خاتون نے اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے انہیں اندر آنے کی اجازت دیدی، پھر وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگی، ہم لوگ اس حال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے آپ ﷺ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب سے مجھ پر تہمت لگائی گئی تھی اس وقت سے اب تک آنحضرت ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے، آپ نے ایک مہینہ اس معاملہ میں انتظار کیا، آپ ﷺ پر میرے معاملہ میں کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ بیٹھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا پھر فرمایا، اما بعد! اے عائشہ! تمہارے بارے میں مجھے اس طرح کی خبریں پہنچیں ہیں پس اگر تم بری ہو تو اللہ ﷻ تمہاری

برأت خود کرے گا، لیکن اگر تم سے غلطی سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو اللہ ﷻ سے استغفار کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے، پھر اللہ ﷻ سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ ﷻ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنی گفتگو ختم کر چکے تو یکبارگی میرے آنسو اس طرح خشک ہو گئے جیسے ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا ہو، میں نے اپنے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے۔ انہوں نے فرمایا خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں کیا کہوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی باتوں کا میری طرف سے آپ جواب دیجئے، انہوں نے بھی یہی کہا کہ خدا کی قسم! مجھے نہیں معلوم میں رسول اللہ ﷺ سے کیا عرض کروں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر میں خود ہی بولی، میں اس وقت نو عمر لڑکی تھی، میں نے بہت زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا۔ میں نے عرض کیا خدا کی قسم! میں یہ تو جانتی ہوں کہ ان افواہوں کے متعلق جو کچھ آپ لوگوں نے سنا ہے وہ آپ لوگوں کے دلوں میں جم گیا ہے اور آپ لوگ اسے صحیح سمجھنے لگے ہیں۔ اب اگر میں یہ کہتی ہوں کہ میں ان تہمتوں سے بری ہوں اور اللہ ﷻ خوب جانتا ہے کہ میں واقعی بری ہوں تو آپ لوگ میری باتوں کا یقین نہیں کریں گے، لیکن اگر میں ان تہمتوں کا اقرار کر لوں حالانکہ اللہ ﷻ خوب جانتا ہے میں قطعاً اس سے بری اور پاک ہوں، تو آپ لوگ میری تصدیق کرنے لگیں گے۔

خدا کی قسم! میرے پاس آپ لوگوں کے لئے کوئی مثال نہیں سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد کے اس ارشاد کے کہ انہوں نے فرمایا تھا ”لصبر جميل، والله المستعان علی مالتصفون“ اب صبر ہی بہتر ہے، اور تم جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی مدد کرے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پھر میں نے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے پورا یقین تھا کہ میں بری ہوں اور اللہ ﷻ میری برأت ضرور کرے گا، لیکن خدا کی قسم! مجھے اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ اللہ ﷻ میرے بارے میں ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی تلاوت کی جائے گی، میں اپنی حیثیت اس سے کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ ﷻ میرے بارے میں وحی مملو قرآن کی آیت نازل فرمائیں، البتہ مجھے اس کی توقع ضرور تھی کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے اور اللہ ﷻ اس کے ذریعے میری برأت کر دیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ ابھی اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے، گھر والوں میں سے کوئی بھی باہر نہ نکلا تھا کہ آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا اور وہی کیفیت آپ پر طاری ہوئی جو وحی کے نازل ہوتے ہوئے طاری ہوتی تھی، یعنی آپ پسینے پسینے ہو گئے اور پسینہ موتیوں کی طرح آپ کے جسم

اطہر سے ڈھلنے لگا حالانکہ سردی کے دن تھے، یہ کیفیت آپ ﷺ پر اس وحی کی شدت کی وجہ سے طاری ہوتی تھی، جو آپ پر نازل ہوتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا جب نبی کریم ﷺ کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ تبسم فرما رہے تھے اور سب سے پہلا کلمہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا یہ تھا کہ عائشہ! اللہ نے تمہیں بری قرار دیا ہے۔ میری والدہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے شکر یہ ادا کرنے کیلئے کھڑی ہو جاؤ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کہا خدا کی قسم! میں آپ کے سامنے کھڑی نہیں ہوں گی اور اللہ کے سوا اور کسی کی تعریف نہیں کروں گی۔ اللہ ﷻ نے جو آیت نازل کی تھی وہ یہ تھی ﴿إِنَّ الدِّينَ جَاوَا بِالْأَلْفِ عُصْبَةٍ مِنْكُمْ لَا تَخْشَوُہُ﴾ بیشک جن لوگوں نے تہمت لگائی ہے وہ تم میں سے ایک چھوٹا سا گروہ ہے، مکمل دس آیتوں تک۔

جب اللہ ﷻ نے یہ آیتیں میری برأت میں نازل کر دیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو مسطح بن اثاثہ کے اخراجات ان سے قرابت اور ان کی محتاجی کی وجہ سے خود اٹھایا کرتے تھے، آپ نے ان کے متعلق فرمایا، خدا کی قسم! اب میں مسطح پر کبھی کچھ بھی خرچ نہیں کروں گا، اس کے بعد کہ اس نے عائشہ پر کیسی تہمت لگائی اور قرابت کا کچھ بھی خیال نہیں کیا، اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا يَأْتِلْ أَوْلُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى

الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَلِيُغْفِرُوا

وَلِيُغْفِرُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

”اور جو لوگ تم میں سے بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ قرابت والوں

کو اور مسکینوں کو اور اللہ کے راستہ میں ہجرت کرنے والوں کو مدد دینے

سے قسم نہ کھا بیٹھیں چاہئے کہ معاف کرتے رہیں اور درگزر کرتے رہیں

کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرتا رہے، بیشک اللہ بڑا

مغفرت والا اور بڑا رحمت والا ہے۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں خدا کی قسم! میری تو یہی خواہش ہے کہ اللہ ﷻ میری مغفرت فرمادیں، چنانچہ مسطح کو وہ تمام اخراجات دینے لگے جو پہلے دیا کرتے تھے، اور فرمایا کہ خدا کی قسم! اب کبھی ان کا خرچ بند نہیں کروں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اور رسول اللہ ﷺ طوفان کے زمانہ میں ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے بھی میرے معاملے میں پوچھا تھا، آپ نے دریافت فرمایا: زینب تم کو کیا معلوم ہے؟ تم نے کبھی کوئی چیز دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں کہ

خلاف واقعہ نسبت کروں میں ان کے متعلق خیر کے سوا کچھ نہیں جانتی ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ازواج مطہرات میں وہی ایک تھیں جو میرا مقابلہ کرتی تھیں، لیکن اللہ ﷻ نے ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے انہیں تہمت لگانے سے محفوظ رکھا، لیکن ان کی بہن حمہ ان کے لئے لڑی اور تہمت لگانے والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئیں۔ ۵

(۷) باب قوله: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَفْضَعْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [۱۴]

اس ارشاد کا بیان: ”اور اگر تم پر دُنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے، اُن کی وجہ سے تم پر اُس وقت سخت عذاب آ پڑتا۔“

وقال مجاهد: ﴿تَلْقَوْنَهُ﴾: يرويه بعضكم عن بعض. ﴿تَفِيضُونَ﴾: تقولون. ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں ﴿تَلْقَوْنَهُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اس بات کو نقل کرنے لگ گئے۔

۴۷۵۱۔ حدثنا محمد بن كلثوم: حدثنا سليمان، عن حصين، عن أبي وال، عن مسروق، عن أم رومان أم عائشة، أنها قالت: رُميت عائشة عورت مفیضا علیہا. [راجع: ۳۳۸۸] ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تھی تو وہ بے ہوش ہو کے گر پڑی تھیں۔

(۸) باب: ﴿وَإِذْ تَلْقَوْنَهُ بِالسَّبْعِ كَيْفَ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ﴾ الآية [۱۵]

باب: ”جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے، اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا۔“

۵ حدیث الکف کی تفصیل کتاب المغازی میں ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، کتاب المغازی، باب حدیث الافک، ج: ۹، ص: ۴۷۱۔

۴۷۵۲۔ حدثنا ابراہیم بن موسیٰ: حدثنا هشام: ان ابن جریج اخبرهم: قال ابن

ابی ملیک: سمعت عائشة تقرأ ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ﴾. [راجع: ۳۱۴۳]

ترجمہ: حضرت ابن ملیک رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ﴾ پڑھتے ہوئے سنا۔

نگین جرم

کسی محسنہ خصوصاً پیغمبر ﷺ کی زوجہ مطہرہ اور مؤمنین کی روحانی والدہ کو مہتم کرنا، اللہ ﷻ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے اس کو محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا، یہ اصل جرم سے بھی بڑھ کر جرم تھا۔ اس لئے آیت میں خاص کر ان مسلمانوں کو خطاب فرمایا ہے جو منافقین کی افواہوں سے متاثر ہو کر شریک طوفان ہو گئے تھے، پھر نزول آیات کے بعد تائب ہوئے، مثلاً حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور منہ بنت جحش رحمہم، دنیا میں ان بزرگوں پر اللہ ﷻ کا فضل یہ ہوا کہ توبہ کی مہلت ملی اور آخرت کا فضل و کرم یہ کہ توبہ کی توفیق دی اور توبہ قبول بھی کر لیا۔

باب: ﴿وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ فَلْتُمْ مَا بَكُونُ لَنَا أَنْ لَتَعْلَمُنَّ بِهِذَا﴾ الآية [۱۶]

باب: ”جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی، اُسی وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ: ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم یہ بات منہ سے نکالیں۔“

مسلمان کے ایمانیت کا تقاضا

یعنی اول تو حسن ظن کا اقتضاء یہ تھا کہ دل میں بھی یہ خیال نہ گزرنے پائے، لیکن اگر شیطانی اغواء سے فرض کیجئے کسی کے دل میں کوئی برا دوسوہ گزرے تو پھر یہ جائز نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان پر لائی جائے۔ چاہئے کہ اس وقت مؤمن اپنی حیثیت اور دیانت کو ملحوظ رکھے اور صاف کہہ دے کہ ایسی بے سرو پا بات کا زبان سے نکالنا مجھ کو زیب نہیں دیتا، کس طرح لوگ ایسی نامعقول بات منہ سے نکالتے ہیں؟ بھلا جس پاکباز خاتون کو سید الانبیاء اور راس المتقین ﷺ کی زوجیت کیلئے چنا گیا، کیا وہ -معاذ اللہ- خود بے آبرو ہو کر پیغمبر ﷺ کی آبرو کو پٹہ لگائے گی؟

نہیں ایسا کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتا۔

بلکہ ہونہ ہو دشمنوں نے ایک بے تصور پر بہتان باندھا ہے۔

۴۷۵۳۔ حدثنا محمد بن المثنی: حدثنا يحيى، عن عمر بن سعيد بن أبي حسين

قال: حدثني ابن أبي مليكة قال: استأذن ابن عباس قبل موتها على عائشة وهي مغلوبة قالت: أخشي أن ينسي علي، فقيل: ابن عم رسول الله ﷺ ومن وجوه المسلمين، قالت الذبواله، فقال: كيف تجدنيك؟ قالت: بخير إن اتقيت، قال: فأنت بخير إن شاء الله تعالى، زوجة رسول الله ﷺ ولم ينكح بكراً غيرك، ونزل عذرك من السماء. ودخل ابن الزبير خلاله فقالت: دخل ابن عباس فألقى علي وددت أني كنت لسيا منسيا. [راجع: ۳۷۷۱]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سے تھوڑی دیر پہلے جب کہ وہ نزع کی حالت میں تھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری تعریف نہ کرنے لگیں، کسی نے عرض کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں اور خود بھی عزت دار ہیں۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر انہیں اجازت دے دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا آپ کس حال میں ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر میں تقویٰ اختیار کرنے والوں میں سے ہوں تو خیریت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ان شاء اللہ آپ اچھی ہی رہیں گی، آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں، آپ کے سوا آنحضرت ﷺ نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا، اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔ پھر ان کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا کہ ابھی ابن عباس آئے تھے اور انہوں نے میری تعریف کی ہے تو میں چاہتی ہوں کہ میں بھولی بیری گناہم ہوتی۔

۴۷۵۴۔ حدثنا محمد بن المثنی: حدثنا عبد الوهاب بن عبد المجيد: حدثنا ابن

عون، عن القاسم: أن ابن عباس رضي الله عنهما استأذن علي عائشة نحوه، ولم يذكر: لسيا منسيا. [راجع: ۳۷۷۱]

ترجمہ: ابن عون بیان کرتے ہیں قاسم کے واسطے سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنے کی اجازت چاہی، پھر مذکورہ روایت بیان کی، لیکن اس میں راوی نے لفظ "لسيا منسيا" کو ذکر نہیں کیا۔

(۹) باب قوله: ﴿يَعْظُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُوذُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا﴾ الآية [۱۷]

اس ارشاد کا بیان: ”اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔“

۳۷۵۵۔ حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سفيان، عن الأعمش، عن أبي الضحى، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها قالت: جاء حسان بن ثابت يستأذن عليها، قلت: أناذلين لهذا؟ قالت: أوليس قد أصابه عذاب عظيم؟ قال سفيان: تعني ذهاب بصره، فقال: حصان رزان ما نزن برية وتصبح غرثي من لحوم الغوافل

قالت: لكن أنت. [راجع: ۳۱۴۶]

ترجمہ: حضرت مسروق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت ؓ نے ان کے پاس آنے کی اجازت چاہی، مسروق کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ کیا آپ انہیں اجازت دیتی ہیں آنے کی؟ (انہوں نے تہمت لگانے والوں کا ساتھ دیا تھا اس لئے یہ بات کہی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا انہیں اس کی بڑی سزا مل نہیں چکی ہے؟ راوی سفيان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بات سے انکے نابینا ہونے کی طرف اشارہ تھا۔ پھر حضرت حسان بن ثابت ؓ نے یہ شعر پڑھا:

وہ پاکدامن دبا و قار ہیں کبھی ان پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی وہ صبح میں بھوکی رہتی ہیں، بے خبر عورتوں کے گوشت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لیکن آپ ایسے نہیں ہیں۔

(۱۰) باب: ﴿وَيُتَيْنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ [۱۸]

باب: ”اور اللہ تمہارے سامنے ہدایت کی باتیں صاف صاف بیان کر رہا ہے۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے۔“

۳۷۵۶۔ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا ابن أبي عدي: أنبأنا شعبة، عن الأعمش، عن أبي الضحى، عن مسروق قال: دخل حسان بن ثابت على عائشة فشبه وقال: حصان رزان ما نزن برية وتصبح غرثي من لحوم الغوافل قالت عائشة: لست كذاك، قلت: تدعين مثل هذا يدعلك عليك وقد أنزل الله

﴿وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ﴾ لقالت: وای عذاب اشد من العمی، وقالت: وقد كان يرد عن رسول الله ﷺ. [راجع: ۴۱۴۶]

ترجمہ: حضرت مسروق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور یہ شعر پڑھا:

وہ پاکدامن و باوقار ہیں کبھی ان پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی وہ صبح میں بھوکی رہتی ہیں، بے خبر عورتوں کے گوشت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لیکن آپ ایسے نہیں ہیں۔ بعد میں عرض کیا کہ آپ ایسے شخص کو اپنے پاس کیوں آنے دیتی ہیں جن کے بارے میں یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوئی ہے ﴿وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ﴾، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تاہنا ہونے سے بڑھ کر کیا عذاب ہوگا؟ اور پھر فرمایا کہ حسان بن ثابت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کفار کی ہجو کا رد کیا کرتے تھے۔

(۱۱) باب: ﴿إِنَّ الدِّينَ يُحْبِبُونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا﴾ الآية إلى

قوله: ﴿رَوْفٌ رَحِيمٌ﴾ [۱۹-۲۰] ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا

أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينِ﴾ إلى قوله: ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [۲۲]

باب: ”یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے۔“ (آیت: ۱۹) اس آیت

تک: ”اور اللہ بڑا شفیق، بڑا مہربان ہے۔“ (آیت: ۲۰)

”اور تم میں سے جو لوگ اہل خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ

داروں اور مسکینوں کو کچھ نہیں دیں گے۔“ یہاں تک۔ ”اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔“

۳۷۵۔ وقال أبو أسامة، عن هشام بن عروة قال: أخبرني أبي، عن عائشة قالت:

لما ذكر من شأني الذي ذكر وما علمت به قام رسول الله ﷺ في خطيباً فشهد لحمد الله والني عليه بما هو أهله ثم قال: ((أما بعد، أضيروا علي في الناس أبنوا أعلی. وإيم الله ما علمت هلی أهلی من سوء، وأبنوهم بمن والله ما علمت عليه من سوء قط. ولا يدخل بيتي قط إلا وأنا حاضر، ولا غبت في سفر إلا غاب معي)). فقام سعد بن معاذ فقال: الذن لي يا رسول الله أن تضرب أعناقهم. وقام رجل من بني الخزرج وكانت أم حسان بن ثابت من

رہط ذلك الرجل فقال: كذبت، اما والله ان لو كانوا من الأوس ما أجهت أن تضرب
اعناقهم، حتى كاد أن يكون بين الأوس والخزرج شر في المسجد، وما علمت. فلما كان
مساء ذلك اليوم خرجت لبعض حاجتي ومعى أم مسطح فعثرت وقالت: تعس مسطح.
فقلت: أى أم، تسبين ابنك؟ وسكتت ثم عثرت الثانية فقلت: تعس مسطح، فقلت لها:
تسبين ابنك؟ ثم عثرت الثالثة فقلت: تعس مسطح، فانتهرتها، فقلت: والله ما أسبه إلا
ليك. فقلت: فى أى شأنى؟ قالت: فبقرت لى الحديث، فقلت: وقد كان هذا؟ قالت:
نعم، والله فرجعت إلى بيتى كان الذى له لا أجد منه ليلأ ولا كثيراً. ووعت فقلت لرسول
الله ﷺ أرسلنى إلى بيت أبى، فأرسل معى الغلام فدخلت الدار فوجدت أم رومان فى
السفل وأبا بكر فوق البيت يقرأ. فقلت أُمى: ما جاء بك يا بنية؟ فأخبرتها وذكرت لها
الحديث وإذا هو لم يبلغ منها ما بلغ منى. فقلت: يا بنية، خفضى عليك الشأن فإنه والله
لقلما كانت امرأة قط حسناء عند رجل يحبها لها ضرائز إلا حسدنها وليل فيها، وإذا لم
يبلغ منها ما بلغ منى. قلت: وقد علم به أبى؟ قالت: نعم. قلت: ورسول الله ﷺ؟ قالت:
نعم، ورسول الله ﷺ. واتعبرت وبكيت فسمع أبو بكر صوتى وهو فوق البيت يقرأ فنزل
فقال لأُمى: ما شأنها؟ قالت: بلغها الذى ذكر من شأنها ففاظت عيناه. قال: أقسمت عليل
أى بنية إلا رجعت الى بيتك، فرجعت. ولقد جاء رسول الله ﷺ بيتى فسأل عنى خادمتى
فقلت: لا والله ما علمت عليها عيب إلا أنها كانت ترقد جتى تدخل الشاة لتأكل خميرها
أو عجينها. وانتهرها بعض أصحابه فقال: اصدقى رسول الله ﷺ، حتى اسقطوا لها به.
فقلت: سبحان الله، والله ما علمت عليها إلا ما يعلم الصالح على تبر الذهب الأحمر. وبلغ
الأمر إلى ذلك الرجل الذى قيل له، فقال: سبحان الله، والله ما كشفت كنف أنى قط.
قالت عائشة: فقتل شهيداً فى سبيل الله، قالت: وأصبح أبو اى عندى فلم يزا حتى دخل
على رسول الله ﷺ وقد صلى العصر. ثم دخل وقد اكتفنى أبو اى عن يمينى وعن شمالى.
فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: ((أما بعد، يا عائشة إن كنت فارقت سواء أ أو ظلمت فتوبى
إلى الله فإن الله يقبل التوبة عن عباده)). قالت: وقد جاءت امرأة من الأنصار فهى جالسة
بالباب. فقلت: ألا تستحى من هذه المرأة أن تذكر شيئاً؟ فوعظ رسول الله ﷺ فالتفت إلى
أبى فقلت: أجه، قال: لماذا أقول؟ فالتفت إلى أُمى فقلت: أجهيه، فقلت: أقول ماذا؟
فلما لم يجيبه تشهدت فحمدت الله تعالى وأثبت عليه بما هو أهله. ثم قلت: أما بعد،

لَوَاللّٰهِ لَنُنَالَنَّ لَكُمۡ: اِنِّیْ لَمۡ اَفْعَلْ، وَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ یَشْهَدُ اِنِّیْ لَصَادِقٌ، مَا ذَاكَ بِنَافِعِیْ
عِنْدَکُمۡ، لَقَدْ تَكَلَّمْتُ بِهٖ وَاُخْرِیْتُ قُلُوبَکُمۡ، وَاِنْ قُلْتُ: اِنِّیْ فَعَلْتُ، وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنِّیْ لَمۡ اَفْعَلْ
لَعُقُولُنَّ قَدْ بَاءَ تَبَهُ عَلٰی نَفْسِہَا، وَاِنِّیْ وَاللّٰهُ مَا اَجْدُ لٰی وَلَکُمۡ مَثَلًا۔ وَالتَّمَسَّتْ اَسْمَیْ یَعْقُوبُ فَلَمَّ
اَقْدَرُ عَلَیْہِ۔ اِلَّا اَبَا یُوسُفَ حَیۡنَ قَالَ: ﴿فَصَبَّرَ جَمِیْلًا وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ﴾۔ وَاَنْزَلَ
عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ سَاعَتِہٖ فَمَسَّکْنَا فَرَفَعَ عَنْہُ وَاِنِّیْ لَا تَبِیۡنُ السَّرُورَ فِیْ وَجْہِہٖ وَهُوَ یَمْسَحُ
جَبِیۡہِ یَقُولُ: ((اَبْشُرِیْ یَا عَالِشَہٗ، فَقَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَرَاءَ تَکِّ))۔ قَالَتْ: وَکُنْتُ اَشَدَّ مَا کُنْتُ
غَضَبًا، فَقَالَ لِّیْ اَبُوای: قَوْمِیْ اِلَیْہِ، فَقُلْتُ: وَاللّٰهُ لَا اَقُومُ اِلَیْہِ وَلَا اَحْمَدُہٗ وَلَا اَحْمَدُ کَمَا، وَلَکِنِّ
اَحْمَدُ اللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ بَرَاءَ تِیْ۔ لَقَدْ سَمِعْتُمُوہُ فَمَا اَنْکَرْتُمُوہُ وَلَا غَیْرَتُمُوہُ: وَکَانَتْ عَالِشَہٗ
تَقُولُ: اَمَّا زَیۡنَبُ ابْنَتِ جَحْشٍ فَعَصَمَهَا اللّٰهُ بِدِیۡنِہَا فَلَمَّ تَقُلَّ اِلَّا خَیْرًا، وَاَمَّا اخْتِہَا حَمْنَہٗ فَهَلِکَتْ
لِمَنْ هَلِکَ۔ وَکَانَ الَّذِیْ یَتَکَلَّمُ فِیْہِ مَسْطَحٌ وَحَسَانُ بْنُ ثَابِتٍ وَالْمَنَافِقُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنُ اُبَی
وَهُوَ الَّذِیْ کَانَ یَسْتَوْشِیۡہِ وَیَجْمَعُہُ وَهُوَ الَّذِیْ تَدُلِّیْ کِبَرُہُ مِنْہُمْ هُوَ وَحَمْنَہٗ۔ قَالَتْ: فَحَلَفَ
اَبُو بَکْرٍ اَنْ لَا یَنْفَعُ مَسْطَحًا بِنَافِعَۃٍ اَبَدًا، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَلَا یَأْتَلِ اَوْ لَوْ الْفَضْلُ مِنْکُمْ﴾
اِلَیْ اٰخِرِ الْاٰیَۃِ، یَعْنِیْ اَبَا بَکْرٍ ﴿وَالسَّعَۃُ اَنْ یُؤْتُوْا اَوَّلِی الْقُرْبٰی وَالْمَسَکِیۡنَ﴾ یَعْنِیْ مَسْطَحًا،
وَإِلٰی قَوْلِہٖ: ﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَغْفِرَ اللّٰهُ لَکُمۡ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ حَتّٰی قَالَ اَبُو بَکْرٍ: بَلٰی وَاللّٰهُ یَا
رَبَّنَا اِنَّا لَنُحِبُّ اَنْ تَغْفِرَ لَنَا، وَعَادَ لَہٗ بِمَا کَانَ یَصْنَعُ۔ [راجع: ۲۵۹۳]

صحابہ کرام ﷺ کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم

ولا بائل - اعلیٰ کے معنی قسم کھانے کے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے واقعہ میں مسلمانوں میں سے حضرت مسطح
اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما جتلاء ہو گئے تھے، جن پر رسول اللہ ﷺ نے نزولِ آیت برأت کے بعد
حدِ قذف جاری فرمائی۔ حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما دونوں ہی جلیل القدر صحابی
غزوہ بدر کے شرکاء میں سے ہیں، مگر ایک لغزش ہو گئی جس سے توبہ صادقہ نصیب ہوئی اور حق تعالیٰ نے جس طرح
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل فرمائی، اسی طرح ان مؤمنین کی توبہ قبول کرنے اور معاف کرنے کا
بھی اعلان کر دیا۔ مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عزیز و رشتہ دار بھی تھے اور مفلس بھی، حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی مالی مدد فرمایا کرتے تھے۔

جب واقعہ افک میں ان کی گونہ شرکت ثابت ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد کی شفقت پوری اور بیٹی کو ایسا سخت صدمہ پہنچانے کی وجہ سے طبعی طور پر مسطح سے رنج پیدا ہو گیا اور قسم کھا بیٹھے کہ آئندہ ان کی کوئی مالی مدد نہیں کریں گے۔

یہ ظاہر ہے کہ کسی خاص فقیر کی مالی مدد کرنا کسی خاص مسلمان پر علی یقین واجب نہیں، اور جس کی مالی مدد کوئی کرتا ہے، اگر وہ اُس کو روک لے تو گناہ کی کوئی وجہ نہیں مگر صحابہ کرام ؓ کی جماعت کو حق تعالیٰ دنیا کے لئے ایک مثالی معاشرہ بنانے والے تھے اس لئے ایک طرف جن لوگوں سے لغزش ہوئی ان کو سچی توبہ اور آئندہ اصلاح حال کی نعمت سے نوازا۔

دوسری طرف جن بزرگوں نے طبعی رنج و ملال کے سبب ایسے غریب فقیر کی مدد ترک کرنے کی قسم کھالی اُن کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی گئی کہ اُن کو یہ قسم توڑ دینا اور اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہئے، انکی مالی امداد سے دست کش ہو جانا اُن کے مقام بلند کے مناسب نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کو معاف کیا ان کو بھی عفو و درگزر سے کام لینا چاہئے۔ چونکہ حضرت مسطح بن اثاثہ ؓ کی مالی امداد کرنا کوئی شرعی واجب حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے ذمہ نہیں تھا اس لئے قرآن کریم نے عنوان یہ اختیار فرمایا کہ اہل علم و فضل جن کو اللہ نے دینی کمالات عطا فرمائے ہیں اور جن کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وسعت و گنجائش بھی ہے ان کو ایسی قسمیں نہیں کھانی چاہئیں۔ آیت میں دو لفظ ”اولوا الفضل“ اور ”والسعة“ اسی معنی کے لئے آیا ہے۔

اسی آیت کے آخری جملے میں جو ارشاد ہوا کہ ﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ یعنی کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے؟ تو حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے فوراً فرمایا کہ ”بلی واللہ ما رہنا إلّا لنحب أن تغفر لنا، وعاد لہ بما کان یصنع“ یعنی کیوں نہیں! اللہ کی قسم! میں ضرور یہ چاہتا ہوں کہ اے ہمارے رب! تو ہماری مغفرت فرمادے۔ اور پھر پہلے کی طرح حضرت مسطح ؓ کی امداد جاری فرمادی۔ یہ وہ مکارم اخلاق ہیں جن سے صحابہ کرام ؓ کی تربیت کی گئی ہے۔

(۱۲) باب: ﴿وَلْيَضْحَكُوا بِغُفْرِهِمْ عَلَىٰ جُيُوبِهِمْ﴾

باب: ”اور اپنی اوڑھنیوں کے آئینے اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔“

۴۷۵۸۔ وقال أحمد بن حنبل: حدثنا أبي، عن يونس: قال ابن شهاب، عن

عروۃ، عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: یرحم اللہ لساء المهاجرات الأول، لما أنزل اللہ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ شققن مروطهن فاختمرن بها. [انظر: ۴۷۹] ۱
ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر رحم فرمائے جنہوں نے پہلی بار ہجرت کی تھی، جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ بدن تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر اپنے دوپٹے بنا لئے۔

۴۷۹ - حدثنا أبو نعیم: حدثنا ابراہیم بن نافع، عن الحسن بن مسلم، عن صفیۃ بنت شیبۃ: أن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا کانت تقول: لما نزلت هذه الآية ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ أخذن أزهرهن فشققنها من قبل الحواشی فاختمرن بها. [راجع: ۴۷۸]
ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ (تو انصار کی عورتوں نے سنتے ہی) اپنی چادروں کے کنارے پھاڑ کر انکی اوڑھنیاں بنا لیں۔

زینت اور پردہ کی توضیح

﴿وَلَا يَتَّبِعُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾
”زیست“ لغوی معنی کے اعتبار سے اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے انسان اپنے آپ کو مزین اور خوش منظر بنائے۔ وہ عمدہ کپڑے بھی ہو سکتے ہیں، زیور بھی۔
یہ چیزیں جبکہ کسی عورت کے بدن پر نہ ہوں تو باتفاق امت ان کو دیکھنا مردوں کے لئے بھی حلال ہے جیسے بازار میں بکنے والے زنانہ کپڑے اور زیور کہ ان کے دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔
اس لئے جمہور مفسرین نے اس آیت میں زینت سے مراد محل زینت یعنی وہ اعضاء جن میں زینت کی چیزیں زیور وغیرہ پہنی جاتی ہیں وہ مراد لئے ہیں اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ عورتوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی زینت کے مواقع زینت کو ظاہر نہ کریں۔
اس آیت میں جو عورت کیلئے اظہار زینت کو حرام قرار دیا ہے آگے اس حکم سے دو استثناء بیان فرمائے گئے ہیں:

ایک منظور کے اعتبار سے ہے یعنی جس کی طرف دیکھا جائے۔
دوسرا ناظر یعنی دیکھنے والوں کے اعتبار سے۔

احکام پردہ سے استثناء

پہلا استثناء ”ما ظہر منها“ کا ہے یعنی عورت کے لئے اپنی زینت کی کسی چیز کو مردوں کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں۔ بجز ان چیزوں کے جو خود بخود ظاہر ہو ہی جاتی ہیں یعنی کام کاج اور نقل و حرکت کے وقت جو چیزیں عادی کھل ہی جاتی ہیں اور عادی ان کا چھپانا مشکل ہے وہ مستثنیٰ ہیں اُن کے اظہار میں کوئی گناہ نہیں ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیریں مختلف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”ما ظہر منها“ میں جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ اوپر کے کپڑے ہیں جیسے برقع یا لمبی چادر جو برقع کے قائم مقام ہتی ہے۔ یہ کپڑے زینت کے کپڑوں کو چھپانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ تو آیت سے مراد یہ ہے کہ زینت کی کسی چیز کو ظاہر کرنا جائز نہیں بجز ان اوپر کے کپڑوں کے جن کا چھپانا ضرورت باہر نکلنے کے وقت ممکن نہیں جیسے برقع وغیرہ۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں کیونکہ جب عورت کسی ضرورت سے باہر نکلنے پر مجبور ہو تو نقل و حرکت اور لین دین کے وقت چہرے اور ہتھیلیوں کا چھپانا مشکل ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ کی تفسیر کے مطابق تو غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ اور ہاتھ کا کھولنا بھی جائز نہیں صرف اوپر کے کپڑے برقع وغیرہ کا اظہار بضرورت مستثنیٰ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق چہرہ اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں بھی غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے۔ اس لئے فقہائے امت کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں پردے سے مستثنیٰ اور ان کا غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے یا نہیں؟

مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر چہرہ اور ہتھیلیوں پر نظر ڈالنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان کا دیکھنا بھی جائز نہیں اور عورت کو اُن کو کھولنا بھی جائز نہیں۔ اسی طرح اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ستر عورت جو نماز میں اجماعاً اور خارج نماز علی الاصح فرض ہے اُس سے چہرہ اور ہتھیلیاں مستثنیٰ ہیں، اگر ان کو کھول کر نماز پڑھی تو نماز با اتفاق صحیح و درست ہو جائے گی۔

آیت کا مقتضاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کی کسی چیز کو بھی ظاہر نہ ہونے دے بجز اُس کے جو نقل و حرکت اور کام کاج میں عادتاً کھل ہی جاتی ہے اور ان میں برقع اور چادر بھی داخل ہیں اور چہرہ اور ہتھیلیاں بھی کہ جب عورت کسی مجبوری اور ضرورت سے باہر نکلتی ہے تو برقع چادر وغیرہ کا ظاہر ہونا تو متعین ہی ہے لیکن دین کی ضرورت میں بعض اوقات چہرہ اور ہاتھ کی ہتھیلیاں بھی کھل جاتی ہیں تو وہ بھی معاف ہیں گناہ نہیں۔

لیکن اس آیت سے یہ کہیں ثابت نہیں کہ مردوں کو چہرہ اور ہتھیلیاں بھی دیکھنا بھی بلا ضرورت جائز ہے بلکہ مردوں کا تو وہی حکم ہے کہ نگاہ پست رکھیں اگر عورت کہیں چہرہ اور ہاتھ کھولنے پر مجبور ہو جائے تو مردوں کو لازم ہے کہ بلا عذر شرعی اور بلا ضرورت کے اس کی طرف نہ دیکھیں۔ اس توجیہ میں دونوں روایتیں اور تفسیریں جمع ہو جاتی ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ غیر محرم کے چہرہ اور ہتھیلیوں پر نظر کرنا بھی بغیر ضرورت میسجہ کے جائز نہیں۔ ۷

اور زواج میں ابن حجر کی شافعی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے کہ اگر چہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر عورت میں کے فرض میں داخل نہیں ان کو کھول کر بھی نماز ہو جاتی ہے مگر غیر محرم مردوں کا ان کا دیکھنا بلا ضرورت شرعیہ جائز نہیں ہے۔ ۵

اور یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ جن فقہاء نے چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز قرار دیا ہے وہ بھی اس پر متفق ہیں کہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو چہرہ وغیرہ دیکھنا بھی ناجائز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حسن اور زینت کا اصل مرکز انسان کا چہرہ ہے اور زمانہ فتنہ و فساد اور غلبہ ہوئی اور غفلت کا ہے اس لئے بجز مخصوص ضرورتوں کے مثلاً علاج، معالجہ یا کوئی خطرہ شدید وغیرہ کے عورت کو غیر محرم کے سامنے قصداً چہرہ کھولنا بھی ممنوع ہے اور مردوں کو اُس کی طرف قصداً نظر کرنا بھی بغیر ضرورت شرعیہ کے جائز نہیں۔

آیت مذکورہ میں زینت ظاہرہ کے استثناء کے بعد ارشاد ہے ﴿وَلْيَضْحَكُنَّ بِغُضُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ یعنی اور اپنی اوڑھنیوں کے آچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔

”غُضُر“ - عمامہ کی جمع ہے اُس کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت سر پر استعمال کرے اور اُس سے گلا اور سینہ بھی چھپ جائے۔

”جیوب“ - جیب کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں گریبان۔ چونکہ زمانہ قدیم سے گریبان سینہ ہی پر ہونے معمول ہے اس لئے ”جیوب“ کے چھپانے سے مراد سینہ کا چھپانا ہے۔

بدن کی خلقی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے، اس کے مزید تستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلا دی۔

شروع آیت میں اظہارِ زینت کی ممانعت تھی، اس جملہ میں اخفاءِ زینت کی تاکید اور اس کی ایک صورت کا بیان ہے جس کی اصل وجہ ایک رسمِ جاہلیت کا مٹانا ہے زمانہ جاہلیت میں عورتیں دوپٹے سر پر ڈال کر اس کے دونوں کنارے پشت پر چھوڑ دیتی تھیں، جس کی وجہ سے گریبان، گلا، سینہ اور کان کھلے رہتے تھے، اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی، یہ گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔

اس لئے مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسا نہ کریں، بلکہ دوپٹے کو سر پر سے لا کر کے دونوں دوسرے پر پلٹ دیں تاکہ اس طرح کان، گردن اور سینہ پوری طرح مستور ہو جائیں اور یہ سب انشاءً چھپ جائیں۔ ۱

۱۔ لیس: القرطبی، سورۃ النور، ج: ۱۲، ص: ۲۲۸ - ۲۳۱، واحکام القرآن للجصاص، ج: ۳، ص: ۳۱۵، معارف القرآن، ج: ۷، ص: ۲۱۹، و- ج: ۶، ص: ۲۹۵، تکملة فتح الملحوم، ج: ۳، ص: ۲۶۱ - ۲۶۹، الہدایۃ، ج: ۳، ص: ۳۵۸، الدر المختار، ج: ۶، ص: ۳۷۰، رد المحتار، ج: ۱، ص: ۳۰۶، و- ج: ۶، ص: ۳۷۰، امداد القاضی، ج: ۳، ص: ۱۹۷، و- ج: ۲، ص: ۲۸۱۔

انعام الباری شرح صحيح البخارى

كتاب بدء الوحي، كتاب الإيمان	انعام الباری جلد ۱:
كتاب العلم، كتاب الوضوء، كتاب الغسل، كتاب الحيض، كتاب التيمم.	انعام الباری جلد ۲:
كتاب الصلاة، كتاب مواقيت الصلاة، كتاب الأذان.	انعام الباری جلد ۳:
كتاب الجمعة، كتاب الخوف، كتاب العيدين، كتاب الوتر، كتاب الاستسقاء، كتاب	انعام الباری جلد ۴:
الكسوف، كتاب سجود القرآن، كتاب تقصير الصلاة، كتاب التهجد، كتاب فضل	
الصلاة في مسجد مكة والمدينة، كتاب العمل في الصلاة، كتاب السهو، كتاب الجنائز.	
كتاب الزكاة، كتاب الحج، كتاب العمرة، كتاب المحصر، كتاب جزاء الصيد،	انعام الباری جلد ۵:
كتاب فضائل المدينة، كتاب الصوم، كتاب صلاة التراويح، كتاب فضل ليلة القدر،	
كتاب الاعتكاف.	
فقه المعاملات (حصه اول): كتاب البيوع، كتاب السلم، كتاب الشفعة، كتاب	انعام الباری جلد ۶:
الإجارة، كتاب الحوالات، كتاب الكفالة، كتاب الوكالة، كتاب الحرث والمزارعة.	
فقه المعاملات (حصه دوم): كتاب المساقاة، كتاب الإستقراض وإداء الديون	انعام الباری جلد ۷:
والحجر والتفليس، كتاب الخصومات، كتاب في اللقطة، كتاب المظالم،	
كتاب الشركة، كتاب الرهن، كتاب العنق، كتاب المكاتب، كتاب الهبة وفضلها	
والتحريض عليها، كتاب الشهادات، كتاب الصلح، كتاب الشروط، كتاب الوصايا،	
كتاب الجهاد والسير، كتاب فرض الخمس، كتاب الجزية والموادعة.	
كتاب بدء الخلق، كتاب أحاديث الأنبياء، كتاب المناقب، كتاب فضائل	انعام الباری جلد ۸:
أصحاب النبي ﷺ، كتاب مناقب الأنصار.	
كتاب المغازي (حصه اول): غزوة العشيرة أو العسيرة - غزوة الحديبية.	انعام الباری جلد ۹:
كتاب المغازي (حصه دوم): باب قصة عكل وعربنة - باب كم غزا النبي ﷺ؟	انعام الباری جلد ۱۰:
كتاب التفسير (حصه اول): سورة الفاتحة - سورة النور	انعام الباری جلد ۱۱:
كتاب التفسير (حصه دوم): سورة الفرقان - سورة الناس، كتاب فضائل القرآن	انعام الباری جلد ۱۲:

تعارف: علمی و دینی رہنمائی کی ویب سائٹ www.deenEislam.com

☆.....اغراض و مقاصد.....☆

اسلامی تعلیمات: ویب سائٹ www.deenEislam.com کا مقصد اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر کے مسلمانوں تک پہنچانا ہے۔

جدید فقہی مسائل: اس کے ساتھ عصر حاضر کے جدید مسائل جن کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو، اس کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح رہنمائی کرنا ہے۔

دفاع توہین رسالت و ناموس رسالت و: توہین رسالت کے حملوں کا مؤثر جواب اور دنیا بھر کے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے اوصاف و کمالات اور تعلیمات سے آگاہی بھی پروگرام میں شامل ہے۔

شبہات کے جوابات: اسلام کے خلاف پھیلائی گئی غلط فہمیوں کو دور کرنا اور مسلمانوں کے ایمانی جذبات کو بیدار رکھنا بھی اس کوشش کا حصہ ہے۔

☆.....آن لائن اصلاحی بیانات.....☆

✽ صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان۔

✽ شیخ الاسلام جسٹس (ر) شریعت ایپلٹ بنج سپریم کورٹ آف پاکستان مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

✽ مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی، حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ کی ہفتہ واری (جمعہ، اتوار و منگل)

کی اصلاحی مجالس آن لائن لائیو بیان۔

✽ سالانہ تبلیغی اجتماع اور دیگر علماء پاک و ہند کی تقاریر بھی اب انٹرنیٹ پر اس ویب سائٹ پر سنی جاسکتی ہیں۔

☆.....آپ کے مسائل اور ان کا حل: آن لائن دارالافتاء.....☆

✽ اسی طرح آپ کے مسائل اور ان کا حل ”آن لائن دارالافتاء“ سے بھی گھریٹھے بآسانی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

رابطہ / Contact

PH:00922135046223 Cell:00923003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com

E-Mail:info@deenislam.com

WebSite:www.deenislam.com